خصوصی شمارہ

آج

۴۷

خالد طور

کا مکمل ناول

بالوں کا گچھا

ترتیب

اجمل کمال

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

آج

ادبی کتابی سلسلہ شمارہ 72

اپریل 2012

سالانہ خریداری:

پاکستان: ایک سال (چار شمارے) 800 روپے (بشمول ڈاک خرچ)

بیرون ملک: ایک سال (چار شمارے) 80 امریکی ڈالر (بشمول ڈاک خرچ)

بینک: میزان بینک، صدر برانچ، کراچی

اکاؤنٹ: City Press Bookshop

اکاؤنٹ نمبر: 0100813669

رابطہ:

پاکستان: آج کی کتابیں، 316 مدینہ سٹی مال، عبداللہ ہارون روڈ، صدر، کراچی 74400

فون: 35650623 35213916

ای میل: ajmalkamal@gmail.com

دیگر ممالک:

Dr. Baidar Bakht, 21 White Leaf Crescent, Scarborough,
Ontario M1V 3G1, Canada.
Phone: (416) 292 4391Fax: (416) 292 7374
E-mail: bbakht@rogers.com

Scanned with CamScanner

نئی کتابیں

ثقافتی گھٹن اور پاکستانی معاشرہ

ارشد محمود

R s.200

روشن دان

(خاکے)

جاوید صدیقی

R s.200

لغاتِ روزمرہ (تیسرا ایڈیشن)

اردو زبان میں غیر معیاری استعمالات کی

فہرست و تنقید کچھ مزید لسانی نکات کے ساتھ

شمس الرحمٰن فاروقی

Rs.400

اردو کا ابتدائی زمانہ

(تنقید و تحقیق)

(تیسرا ایڈیشن)

شمس الرحمٰن فاروقی

Rs.250

بوف کور

(ناول)

صادق ہدایت

فارسی سے ترجمہ: اجمل کمال

Rs.200

گمشدہ چیزوں کے درمیان

عالمی ادب سے انتخاب

(منتخب ترجمے)

محمد سلیم الرحمٰن

Rs.250

شہنشاہ

(ناول)

ریشارد کاپوشنسکی

انگریزی سے ترجمہ: اجمل کمال

Rs.200

زٹل نامہ

(کلیات)

جعفر زٹلی

مرتب: رشید حسن خاں

Rs.300

Scanned with CamScanner

سہ ماہی ادبی کتابی سلسلے ''آج'' کی اشاعت ستمبر 1989 میں کراچی سے شروع ہوئی اور اب تک اس کے 71 شمارے شائع ہو چکے ہیں۔ ''آج'' کے اب تک شائع ہونے والے خصوصی شماروں میں گابریئل گارسیا مارکیز، ''سرائیوو سرائیوو'' (بوسنیا)، نرمل ورما، اور ''کراچی کی کہانی'' کے علاوہ عربی، فارسی اور ہندی کہانیوں کے انتخاب پر مشتمل شمارے بھی شامل ہیں۔

''آج'' کی مستقل خریداری حاصل کر کے آپ اس کا ہر شمارہ گھر بیٹھے وصول کر سکتے ہیں اور ''آج کی کتابیں'' اور ''سٹی پریس'' کی شائع کردہ کتابیں 50 فیصد رعایت پر خرید سکتے ہیں۔ (یہ رعایت فی الحال صرف پاکستانی سالانہ خریداروں کے لیے دستیاب ہے۔)

چار شماروں کے لیے شرحِ خریداری (بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)
پاکستان میں: 800 روپے
بیرونِ ملک: 80 امریکی ڈالر

آج کے کچھ پچھلے شمارے محدود تعداد میں دستیاب ہیں

اس کے علاوہ ماہنامہ ''شب خون'' الہ آباد
کے بھی کچھ پچھلے شمارے محدود تعداد میں دستیاب ہیں

Scanned with CamScanner

خالد طور

بالوں کا گچھا

(ناول)

Scanned with CamScanner

خالد طور 1943 میں مشرقی پنجاب کے قصبے فیروز پور میں پیدا ہوئے۔ ان کا بچپن شمالی پنجاب کے ضلع اٹک کے گاؤں کھوڑ میں اور لڑکپن چکوال ضلع جہلم کے مقام بلکسر میں گزرا۔ یہ وہ مقامات ہیں جن کے تفصیلی مرقعے ان کی کہانیوں اور ناولوں میں دکھائی دیتے ہیں۔ انھوں نے ساہیوال اور لاہور میں تعلیم حاصل کی اور پنجاب یونیورسٹی سے صحافت میں ایم اے کیا۔ پیشہ ورانہ زندگی کے آغاز میں خالد طور نے پاکستان ٹیلی وژن میں حالاتِ حاضرہ کے رپورٹر کے طور پر اور روزنامہ نوائے وقت میں سب ایڈیٹر کی حیثیت سے ملازمت کی۔ 1979 میں وہ ریڈیو پاکستان سے پروڈیوسر کے طور پر وابستہ ہوئے اور پروگرام منیجر کے عہدے پر ریٹائر ہوئے۔ ان کی ادبی زندگی کا آغاز شاعری سے ہوا جس سے ان کا شغف اب بھی جاری ہے۔ ان کی پہلی طویل کہانی ''سائیں موسم'' تھی جو 1966 میں فنون، لاہور، میں شائع ہوئی۔ پہلا ناول کانی نکاح 1991 میں پہلی بار انھوں نے خود شائع کیا۔ بعد میں یہ ناول آج کے شمارہ 63 میں دوبارہ شائع کیا گیا۔ اس کے بعد سے خالد طور کی طویل اور مختصر کہانیاں آج میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ بالوں کا گچھا ان کا وہ ناول ہے جسے انھوں نے برسوں پہلے لکھنا شروع کیا لیکن پھر بددل ہوکر ادھورا چھوڑ دیا۔ اس ناول کو انھوں نے اسی سال مکمل کیا ہے۔

Scanned with CamScanner

بالوں کا گچھا

Scanned with CamScanner

انتساب

رامین فراز خالد کے نام

Scanned with CamScanner

1

بڑے بھائی کو ضلع سرگودھا کے ایک قصبے جھاوریاں میں ٹرانسفر ہوئے چھ ماہ گزر چکے تھے، ان کا خط ہمیں ملا جس میں انھوں نے گرمیوں کی چھٹیاں جھاوریاں میں گزارنے کی دعوت دی تھی۔ میرا اور بہنوں کا انبساط قابلِ دید تھا۔ ہماری حالت ان بچوں جیسی تھی جو پکنک پر جانے والے ہوں۔

''کھوڑ دیکھ دیکھ کر تو میں تنگ آ چکی ہوں،'' مجھ سے بڑی بہن عصمت (عصمت النسا) نے کہا۔ ''وہی تیل کے کنویں، پہاڑ، خشک پہاڑیاں — پتھریلی — بے جان —''

''اور وہی وت ودھاوے!''[1] بہن زیبا (زیب النسا) نے کہا اور ہم نے ہنسنا شروع کر دیا۔ امی کھوڑ کے علاقے کے رہنے والوں کو ''وت ودھاوے'' کہا کرتی تھیں۔ کیوں کہتی تھیں، نہ کبھی ہم نے پوچھا نہ امی نے کبھی بتایا۔ ہم بے چینی سے چھٹیوں کی راہ دیکھنے لگے۔ میں اور عصمت تو بہت بے چین تھے۔ ہمیں بچپن ہی سے نئی نئی جگہوں پر جانے اور ایڈونچر کا شوق تھا۔ والد صاحب کھوڑ سے تبدیل ہو کر بلکسر آ گئے تھے۔ بلکسر میں خوبصورت بنگلہ تو تھا لیکن سکول نہیں تھے۔ ہم ان دنوں چکوال کی ایک نواحی بستی کوٹ طرّے باز خان میں کرائے کے مکان میں رہ رہے تھے۔ کوٹ طرے باز خان کو کچھ لوگ کوٹ سرفراز خان بھی کہتے تھے۔ طرے باز خان چکوال کے نامی گرامی وکیل تھے۔ ہمیشہ شلوار کرتا پہنتے تھے، سر پر کلاہ والی پگڑی باندھتے تھے؛ کچہری میں بھی شلوار کرتے پر ہی کالا کوٹ پہن لیا کرتے تھے۔ سرفراز خان جاگیردار تھے، ہمیشہ پتلون شرٹ اور ٹائی میں ملبوس رہتے تھے، کبھی کبھی سر پر سولر ہیٹ بھی پہنا کرتے تھے۔ سردیوں میں طرے باز خان شیروانی اور سرفراز خان تھری پیس سوٹ پہنتے تھے۔ سرفراز خان چکوال کے لوگوں کو شاید اجنبی محسوس ہوتے تھے، اس لیے مضافاتی بستی کو کوٹ طرے باز خان ہی کہا جاتا تھا۔ یہ مضافاتی بستی ایک ٹیلے پر تھی۔ سرفراز خان کی سرخ اینٹوں کی بنی ہوئی

1۔ دھنی کی زبان میں وت کا مطلب ''اور'' ہے، ودھاوے کا مطلب بڑھ جائے۔ وت ودھاوے کا مطلب ''اور بڑھ جائے'' ہے۔

[illegible] تھی [illegible] بھی جھاڑی تھی اور قدرے نشیب میں [illegible]

[illegible] موجود تھا جو [illegible]

[illegible] پر تھا [illegible] کی بنی ہوئی

[illegible] دروازہ تھا [illegible] سمت چلی جاتی

[illegible] تھیں۔

[illegible] تھیں [illegible]

[illegible] تھیں [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] تھیں۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] موجود تھے [illegible]

[illegible] تھے۔

[illegible] سات بجے بلکسر کے لاری اڈے پر پہنچی تھی۔ والد

[illegible] چھوٹی سی ویگن پر لاری اڈے لے آئے۔ سات بجے

[illegible] تھے [illegible] گئیں۔ [illegible] خدا حافظ کہہ کر چلے

[illegible] تھے۔

Scanned with CamScanner

"کہاں جانا ہے؟" کنڈکٹر نے مقامی زبان کے بجائے اردو میں پوچھا۔

"شاہ پور۔" میں نے جیب سے ٹکٹوں کے لیے پیسے نکالے۔ "تین ٹکٹ۔"

بس چلی۔ سفر میں ہمیشہ بہت دلچسپیاں ہوا کرتی ہیں۔ خصوصاً مجھے شمالی پنجاب کے اس اجاڑ علاقے میں سفر کرنا بہت اچھا لگتا تھا جہاں کوسوں تک آبادی کے آثار نظر نہیں آیا کرتے۔ افق تک پھیلا ہوا بیابان، جنڈ اور کریر کے چھوٹے چھوٹے درخت، جھاڑیاں، جھاڑیاں اور ان پر پھیلی ہوئی ایک ایسی کیفیت جس میں وسعت بھی ہوتی ہے، تنہائی بھی۔ ایسی تنہائی جسے صرف محسوس کیا جا سکتا ہے، بیان کرتے ہوئے الفاظ ساتھ نہیں دیتے۔ میں اکثر سوچا کرتا تھا کہ شاید اسی کو ہو کا عالم کہا جاتا ہوگا، لیکن ہر بار میری کیفیت ہو کے عالم سے بھی جدا ہو جایا کرتی تھی۔

ملہالی کا قصبہ گزرا۔ بس کی سب کھڑکیاں کھلی تھیں۔ صبح کی ہوا میں خنکی تھی جو چہرے پر جھونکوں کے لگنے سے پر خوشگوار تاثر پیدا کر رہی تھی۔ کئی ڈھوکیں گزریں۔ ایک برساتی نالے کے کنارے بس تلہ گنگ پہنچ گئی۔ کچھ سواریاں اتریں، کچھ مسافر بس میں داخل ہوئے۔ ایک مسافر نے بس میں سوار ہوتے ہوئے نعرہ سا لگایا۔

"میں جابے دیساں!" (میں جابہ جاؤں گا)۔

سب اس کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ بہت اونچی آواز میں بار بار یہی دہرا رہا تھا کہ اس نے جابہ جانا ہے۔ جابہ شاید راستے میں آنے والے کسی گاؤں کا نام ہوگا۔ چند سواریوں نے اسے پاس بٹھا کر یقین دلایا کہ وہ جابہ جانے والی بس ہی میں بیٹھا ہے۔ بس چلی۔ میرے ذہن میں بس ایک ہی خیال تھا کہ چھاوریاں کا قصبہ کیسا ہوگا؟

تلہ گنگ سے بس کو سرگودھا کی سمت مڑنا تھا۔ سڑک تین اطراف میں جاتی ہے: سیدھی میانوالی کی سمت، شمال میں ڈھلیاں، پنڈی گھیب اور راولپنڈی جانے کے لیے، اور جنوب میں سرگودھا جانے کے لیے۔ بس جنوب کی سمت مڑی اور تلہ گنگ سے نکلنے پر ایک بار پھر اجاڑ بیابان نظر آیا۔ یہاں بھی جنڈ اور کریر کے خودرو چھوٹے چھوٹے درخت افق تک پھیلے ہوئے نظر آئے۔ جنگلی بیری کی جھاڑیوں کے درمیان کہیں کہیں کھیت بھی نظر آتے تھے جن میں گندم کی فصل [illegible] ہوئی تھی۔ کچھ کھیتوں میں سہاگہ پھرا ہوا نظر آیا۔

[illegible]

[illegible] مقامی پیروں کے کارندے مختلف گاؤں [illegible] مانگنے کے لیے ہیں اور نذر [illegible] مقامی [illegible] کا [illegible] والوں کی صورت وصول [illegible] اچھی خاصی رقم بٹور لیتے ہیں [illegible]

[illegible] چینجی (Cheenji) کا گاؤں [illegible]

[illegible]

سمت جانے کے بجائے آگے کی سمت نیم دائرہ سا بناتے ہوئے چلتے محسوس ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ ٹیلے، درہ بنا، سڑک کے آگے آ جاتے ہیں۔

پھر کھچیاں (Khichyan) کا گاؤں آیا۔ یہ بھی چھوٹا سا گاؤں تھا۔ یہاں بھی نہ کوئی مسافر اترا نہ چڑھا۔ بس گاؤں کو پیچھے چھوڑ گئی۔ پھر وہی اجاڑ بیابان نظر آنے لگے۔ مسافر بس کی کھڑکیاں بند کر رہے تھے کیونکہ ہوا میں تپش بڑھ گئی تھی۔ جون کی تپتی چاشت جھلستی دوپہر میں تبدیل ہو رہی تھی۔ سڑک کے کناروں پر بگولوں کے چھوٹے چھوٹے جھنڈ سے دھول اڑا رہے تھے۔ ان بگولوں کے پیچھے، پیکے ... میں بیٹھے دیہاتی بیٹھے نظر آتے، وہ ... محسوس ہو رہے تھے۔ بس میں بھی کئی مسافر اونگھ رہے تھے، یا آنکھیں بند کیے سو رہے تھے یا خیالوں کے عالم میں تھے۔

’’میں صاحب، بچائیں!‘‘ (میں نے چھبہ جانا ہے۔) بلند آواز پر سب مسافر چونکے۔ بس عصمت سے منت شروع کر دی۔ وہ کئی مسافر بس میں بڑا شور مچا رہا تھا۔ کنڈکٹر نے اسے تسلی دی، سمجھایا کہ چھبہ آنے پر وہ اسے اتار دے گا۔ دس پندرہ منٹوں کے بعد چھبہ کا قصبہ نظر آنے لگا اور وہ دیہاتی پھر سیٹ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس بار کنڈکٹر نے اسے کھڑا ہی رہنے دیا۔ بس چھبہ پہنچ گئی۔ مٹی اور چونے سے لپی ہوئی گھروں کی دیواریں، لکڑی کے کچھ کھلے کچھ بند دروازے... چھبہ گاؤں قدرے بڑا تھا۔ سڑک اس گاؤں کے بیچ میں سے گزرتی ہے۔ جہاں بس رکی وہاں چھوٹا سا ہوٹل بھی نظر آیا جس میں دو چار دیہاتی بیٹھے چلم پی رہے تھے۔ سامنے دو چار بڑے بڑے دیگچے رکھے ہوٹل کا مالک بار بار ڈھکن اٹھا کر دیگچوں کے اندر دیکھ رہا تھا۔ شور مچانے والا مسافر ... میں یوں بس سے اترا جیسے کسی قید خانے کی بس سے اتر رہا ہو۔ ایک مسافر بیوی بچوں کے ساتھ سوار ہوا اور بس چلنے بھی لگی۔

دور سنگھ کالرہ کے پہاڑ نظر آ رہے تھے۔ چوٹیاں نمایاں ہو رہی تھیں۔ بھائی نے خط میں لکھا تھا کہ کالرہ کے پہاڑوں میں ڈھلوان بہت خطرناک ہے۔ ایک دم نیچے گرتی ہوئی۔ جیسے جیسے پہاڑ نمایاں ہوتے گئے میرا تجسس بڑھتا گیا۔ بس پہاڑ کے قدموں میں پہنچی تو بھائی کی بات پر یقین آ گیا۔ ڈھلوان بہت ہی خطرناک محسوس ہوئی۔ نیچے جاتی ہوئی سڑک اندھی ڈھلوان پر ہر دو تین سو گز کی دوری پر ایک دم سے مڑ جاتی ہے جیسے یوٹرن لے رہی ہو۔

Scanned with CamScanner

نہ جانے کہاں سے آنے والے بھاری ٹرک (میں نے سوچا) اس چڑھائی پر کیسے
چڑھتے ہوں گے؟

یہاں سے ... شدید گرمی میں جھلسی ہوئی چٹانوں کے درمیان بکریاں اور دنبے نظر آئے جو ڈھلوانوں پر ... خشک ... پر منہ مار رہے تھے۔ ایک کمرے کے ایک جوان کے چھوٹے سے درخت کے ... گلے میں ... لٹکائے ہوئے تھے۔ سیاہ رنگ کا بکرا بلندی سے دیکھیں تو نظر آ رہا تھا ... تو وہ ... ریچھ ہی کا دھوکا ہوتا۔ کچھ دور ایک ہوٹل کے پیچھے ایک چرواہا ... سایہ ... ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ چٹانوں ہی سے تیز جھلساتی ہوئی دھوپ نے اس کے ... جلد پر جیسے تانبے کی چمکیلی چادر چڑھا رکھی تھی جس سے اس کی تمام حس ختم ہی محسوس ہو رہی تھی ... شدید ... پندرہ منٹوں ہی میں اس سڑک سے بے جان کر سکتی ہے، شمالی پنجاب کے ... سے یہ معمولی گرم ہوا رہتی ہے۔

... بار ... سے ... پہاڑ کے پاؤں میں قدرے ہموار سڑک پر آ گئی، پھر ایک موڑ کاٹ کر سیدھی ڈھلوان پر اتر ... یوں محسوس ہوا جیسے بس آسمان سے زمین پر اتر گئی ہو ... ہم ... چل ... تمام مناظر ... سے گئے ... چشمہ ... درخت نظر آئے ... جو ... سے الجھی ہوئی تھیں۔ جھاڑ جھنکاڑ ... بھی ... بلندی سے ... محسوس ... ہوا میں تپش کا احساس کم ہو گیا ... بلندی سے ... میں ... دیکھی ... کا احساس موجود تھا ... درمیان سے نظر آنے والے ... ہوئی تھی ... چند ندیوں کو حریف ... فصلوں ... پنجاب ... بھی ... سے ... نظر آنے لگے تھے ... حاصل طور پر شمالی پنجاب میں ... شمالی پنجاب کا اثر موجود ہے ... میں جیسے مسافروں ... محسوس ... جنہیں ...
... سے ... چلتے ... ایک ... جس ...
... ہیں۔

... تھی ... میں ... تھی ...

ہمیں سب سے پہلے دریا [illegible] کا منظر کم ہوتے لگتا تھا۔ خصوصاً جب ہم دریائے جہلم کے پل سے پار پہنچی تو [illegible] ہو گئے۔ بھائی نے خط میں بتایا تھا کہ شاہ پور سے پہلے دریائے جہلم کا پل آتا ہے۔ وہ دریا آگے [illegible] سے چناب سے مل جاتا ہے۔ پل سے پہلے شدید گرمی نے [illegible] کی [illegible] تپش میں بیت رہی تھی۔ یہ [illegible] موسم [illegible] سا لگتی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے قدرت [illegible] کی آنچ میں جھلس گئی تھی۔ بس پل پر سے گزری۔ دریا میں پانی زیادہ نہیں تھا۔ پل سے آگے [illegible] بھی سبزہ نظر آیا۔ [illegible] موجود تپش کے احساس میں خریف کی فصلوں سے [illegible] بھی رہی ہوئی تھی۔

2

بس شاہ پور پہنچی۔ اڈے پر بھائی موجود تھے۔ ان کے ساتھ ایک لمبے قد کے گورے چٹے [illegible] جسم [illegible] عمر [illegible] میں ہوں [illegible] تھے۔ [illegible] آنکھیں، لمبی ناک، پتلے پتلے ہونٹ، [illegible] پیشانی، چہرہ [illegible] اور رخساروں پر [illegible]۔ ان کے چہرے پر شائستگی تھی۔

یہ یہاں کے مقامی لوگوں کا تو ہو نہیں سکتا، میں نے انھیں دیکھتے ہی سوچا۔ [illegible] کا سامان [illegible] پر مشتمل تھا۔ ہمارا ایک تانگے والے نے [illegible] تانگے میں رکھ دیا۔ بھائی نے ہم سے ملنے کے بعد [illegible] کی سمت اشارہ کیا جو مسکرا رہے تھے۔

"یہ [illegible] صاحب ہیں،" بھائی نے کہا۔ "[illegible] میرے [illegible]"

"[illegible] آپ [illegible]" [illegible] صاحب نے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ [illegible] تانگے میں بیٹھ ہی گئے۔ [illegible] صاحب نے تانگے والے کی سمت دیکھا۔ پھر بھائی کی طرف دیکھا۔

"بھیا... [illegible] میں آ گئے ہیں،" [illegible] صاحب نے کہا۔ "[illegible]"

"ہاں،" بھائی نے کہا۔ "یہیں یہاں..."

[illegible] بھائی [illegible] صاحب نے تانگے والے کی سمت دیکھا۔

"کیوں بھیا،" انھوں نے کہا۔ "یہاں کوئی ہوٹل ہے؟"

Scanned with CamScanner

[illegible] اس وقت تو کھانا نہیں ملے گا۔"

[illegible] صاحب نے کہا۔ [illegible] جائے گا۔"

[illegible] وہ سامنے ہی تو ہے پان سگریٹوں کی دکان، وہاں [illegible] پان سگریٹ کی دکان کے سامنے پہنچ گیا۔

[illegible] صاحب نے کہا۔ "صفدری ہونی چاہییں۔"

[illegible] بھائی نے کہا، [illegible] بھی نہیں ملے گی۔ میں تو ان کو بتا چکا ہوں کہ [illegible] رمیاں گزارنا [illegible] ہوگا۔"

[illegible] زندگی کے عادی ہو چکے ہیں،" میر صاحب نے کہا۔

[illegible] تھیں ٹھنڈی تھیں۔ [illegible] تھی۔ [illegible]

[illegible] میر صاحب نے میری طرف [illegible]۔ وہ اور بھائی تانگے کی اگلی سیٹ پر بیٹھے تھے۔ میں اور [illegible] پیچھے تھے۔

[illegible] میں نے کہا اور میر صاحب مسکرائے۔

[illegible] تو ہر [illegible] رہا ہوگا،" انھوں نے کہا۔ [illegible] جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ [illegible] رہی ہیں تو بہت خوش [illegible]

[illegible] انھوں نے کہا، [illegible] کے ماحول میں بہت تنہا تنہا سی رہتی تھیں۔ [illegible]

2 [illegible] سمجھا جاتا تھا۔ چکلوں سے [illegible] [illegible] جن کی گردنیں اندر کی سمت بڑھی ہوئی تھیں [illegible] کے منھ ایسے [illegible] [illegible] اور کچھ دیر بعد [illegible] [illegible] جو اندر سے بھرا ہوتا تھا۔

تانگے کا سفر خوشگوار تھا۔ شاہ پور سے جھاوریاں جانے والی سڑک کے دونوں کناروں پر اونچے اونچے شیشم کے درخت تھے جن کی شاخوں اور پتوں سے چھن چھن کر ڈوبتے سورج کی سنہری کرنیں بہت دلکش نظر آ رہی تھیں اور سامنے سے آنے والی ہوا، جو پشت پر میرے بالوں کو بار بار اڑا رہی تھی، خنک اور خوشگوار تھی۔ خنکی کے اس احساس میں مہک بھی تھی — خریف کے بلند ہوتے ہوئے پودوں، چنے اور گہرے سبز رنگ والے پودوں کی مہک۔

تانگے کی رفتار ایک سی تھی۔ بھائی اور میر صاحب بھی کبھی کبھی، باتیں کرنا شروع کر دیتے تھے ورنہ گھوڑے کے سموں کی آواز ہی، ایک تسلسل کے ساتھ تال سی بلند کر رہی تھی۔ پھر آہستہ آہستہ درختوں پر پرندوں کے شور کا احساس ہوا۔ ہر شام کی طرح، بسیرا کرنے سے پہلے، پرندے شور مچا رہے تھے۔ ان میں زیادہ تعداد چڑیوں کی تھی۔ کہیں کہیں درختوں کی اونچی شاخوں پر کوے بھی شور مچا رہے تھے۔ وہ بھی اڑتے تھے، پھر بیٹھ جاتے تھے، ان کے بیٹھنے سے شاخیں جھولنے لگتی تھیں۔ پھر اڑتے تھے اور شاخوں میں جھلاہٹ سی چھوڑ جاتے تھے۔

ایک قصبہ گزرا۔

"یہ چاچڑاں ہے،" بھائی نے کہا۔ "یہاں کا جاگیردار رانا افضل میرا اچھا دوست بن گیا ہے۔"

"ویٹرنری ڈاکٹر سے دوستی تو جاگیرداروں کی ضرورت بھی ہے،" میر صاحب نے کہا، اور بھائی نے دھیما سا قہقہہ لگایا۔

"نہیں،" انھوں نے کہا، "ایسی بات بھی نہیں ہے۔ رانا افضل اچھا آدمی ہے۔"

چھوٹی سی کولتار کی سڑک کے دونوں کناروں پر کبھی کبھی چرواہے اور چرواہیاں بھی نظر آتی تھیں۔ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ ہنکاتی، اپنے اپنے گھروں کی سمت تیز تیز قدموں سے یوں چلی جا رہی تھیں جیسے شام ہونے کا احساس ان کی نگاہوں میں بھی گہرا ہو رہا ہو۔ جھاوریاں کی طرف سے آنے والا ایک تانگہ بھی گزرا، بیل گاڑی بھی گزری اور کوٹ احمد خان کا قصبہ آ گیا۔ شام کے سایوں میں سڑک کے کنارے ایک چھوٹا سا بورڈ نظر آیا جس پر کالے رنگ سے قصبے کا نام لکھا ہوا تھا۔ شام گہری ہو رہی تھی۔

Scanned with CamScanner

گدڑی والا مرد چونک کر دروازے کی سمت دوڑا اور دروازے سے گھر میں داخل ہوتے ہی تانگے کی سمت بڑھا جہاں کوچوان سامان اتار رہا تھا۔ نیم تاریکی میں اس کے چہرے کے خدوخال واضح نہ تھے۔ گھر میں دروازے کے سامنے لمبا چوڑا صحن تھا۔ بیرونی دروازے سے قریب ہی دائیں جانب برآمدہ تھا۔ برآمدے میں دو لالٹینوں کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ چونک کر ادھیڑ عمر صحن کی سمت گیا یہ کتا غرا رہا تھا۔ پھر اس نے بھونکنا شروع کر دیا۔ دروازے کے سامنے بھائی اور میر صاحب خدا سے باتیں کر رہے تھے۔ پھر میر صاحب چپ ہو گئے۔

”چپ رہو میر“ عورت نے پھنکار کر کہا۔ ”کوئی غیر نہیں ہے گھر میں۔“

عورت کے پہلو میں ایک بچے کی تھی چار پانچ برس کا۔ لالٹین کی روشنی میں اس کا منڈا ہوا سر چمک رہا تھا۔ جیسے ہی وہ صحن میں بھوت ہوتے ہوئے دیکھتے سے بیت گئے میری نگاہیں اس کے سر پر ٹھہر گئیں۔

اس کے سر پر پیچھے کی سمت دائیں جانب بالشت بھر بالوں کا گچھا لٹکا ہوا تھا

بھائی نے بچے کی سمت اشارہ کیا۔ ”رقیہ کا بیٹا ہے بوبا۔“

کھانا تیار تھا۔ ہم ابھی بیٹھے ہی تھے کہ گداؤ (گدا حسین) ایک شور مچاتے دائیں لیمپ لے آیا۔ اس کی تیز روشنی میں برآمدے کے ساتھ ساتھ، اندر کی جانب دو کمروں میں کھلنے والے دروازے نظر آئے۔ صحن بھی نمایاں ہو گیا۔ ہم برآمدے میں بیٹھے تھے۔ برآمدے میں اوپر کی جانب تین چھتیں گولائی ہوئی نظر آئیں۔

”ہسپتال سے اٹھا لائے ہو؟“ بھائی نے گداؤ کے ہاتھ میں گیس لیمپ دیکھ کر کہا۔

”چھ پایا صاحب“ گداؤ نے مدھم آواز میں ہولے سے کہا۔ ”ہسپتال میں اس وقت کون سا جانور آئے گا۔ لالٹین ہے بخشو کے پاس۔“

برآمدے میں گرمی تھی۔ میرا جسم پسینے سے بھیگ رہا تھا لیکن کی جگہ، یہ ماحول، سٹے ہوئے سائے سے پیدا ہونے والی کیفیت ہر احساس پر بھاری تھی۔

”بس کھا لیں“ بھائی نے ... میں کہا ... ہماری طرف دیکھا ”یہاں ہم چھت پر سوتے ہیں۔“

[illegible]

[illegible]

[illegible] نے جواب دیا اور برآمدے میں، بیرونی دروازے کی [illegible]

[illegible] (محبوب) سے ساتھ [illegible] رہی تھی۔

[illegible] چنگیز[3] تھی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] آپ لوگ [illegible]

[illegible]

[illegible] پانی [illegible]

[illegible] وہاں بھی کوئی [illegible] سسٹم نہیں ہے۔

[illegible] بھولی [illegible] "یہاں پانی کے لیے صحن میں ہینڈ پمپ ہے۔" ان

[illegible] پانی [illegible] غسل خانے میں [illegible]

[illegible] پانی [illegible]

[illegible] آنکھوں سے [illegible]

[illegible] محسوس ہوئی۔"

[illegible]

[illegible] میں مجھے [illegible]

[illegible] جوابی بولیں [illegible] ان کا لہجہ

3۔ [illegible]

پڑھ ہاری ہی رہتا ہے۔ بھابھی کے بڑے بھائی [illegible] ریلوے اسٹیشن پر [illegible] تھے۔ ایک بار ٹرین سے اترتے ہوئے امی نے بھابھی کو دیکھ [illegible] پسند [illegible] فوراً ہی بھائی سے [illegible] فیصلہ کرلیا۔ بھابھی صرف پرائمری تک تعلیم یافتہ تھیں [illegible] نے بھائی کو بھابھی کی تصویر دکھائی، وہ انکار [illegible]۔

میں ہاتھ دھو کے صحن میں نکلا تو [illegible] چپ تھے۔

"ٹائیگر!" انھوں نے زور سے کہا اور کتا خاموش [illegible] صحن کے کچے فرش پر پاؤں رکھا۔ ٹائیگر پھر غرایا۔ بھائی [illegible] شروع کی۔

"[illegible]"

[illegible] پہلے [illegible] ٹائیگر نے [illegible] بندھے بندھے ایک چکر لگایا۔

"سٹ ڈاؤن!" بھائی نے کہا اور ٹائیگر بیٹھ گیا۔ [illegible] تھی۔ صحن روشن ہو گیا۔ ٹائیگر کا بدن اب صاف نظر آ رہا تھا۔ [illegible] خوبصورت جرمن شیفرڈ تھا۔ [illegible] مکمل [illegible] ٹانگیں بھی بھوری تھیں [illegible] خوبصورت تھیں اور دونوں آنکھیں [illegible] دار تھی۔ [illegible] نظر آ رہا تھا۔

صحن خاصا بڑا تھا۔ صحن میں ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی۔

"یہاں رقیہ اور [illegible] ہیں" بھابھی نے کہا۔ میں نے [illegible] دونوں ہاتھوں سے [illegible] ٹانگوں سے [illegible] روشنی میں [illegible] پہرا دے رہا تھا۔

جہاں ٹائیگر بندھا ہوا تھا، اس کے قریب ہینڈ پمپ نظر [illegible]

[illegible] مخطوط رہتا ہوگا۔ [illegible]

[illegible] صحن کا جائزہ لے رہی تھیں۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] تھیں۔

[illegible] پر نظر آ رہی تھیں۔ چھت سے [illegible]

[illegible] مشرق کی جانب [illegible]

[illegible] دروازے کے سامنے چوڑی گلی تھی جہاں آ کر [illegible]

[illegible] ہوئے تھے۔ جنوب میں گھر [illegible]

[illegible] کی سمت کم روشنی میں سیاہ دبا دبا سا [illegible]

[illegible] شمالی سمت کچھ مکان بنے ہوئے تھے۔

[illegible] جس کرائے کے گھر میں رہ رہے ہیں [illegible]

[illegible] پندرہ روپے کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ [illegible]

[illegible]

[illegible] ہوئے تھے۔

[illegible] مسہری نہیں ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

چارپائی کے گرد سفید پاؤڈر نظر آئے گا۔" انھوں نے کسی کیمیکل کا نام لیا جو میں بھول چکا ہوں۔" کمرہ باقاعدگی سے بکھیر دیتا ہے۔ پاؤڈر کا اثر کم از کم تین راتوں تک رہتا ہے۔"

مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ چھت پر کسی کیمیکل کی ہلکی ہلکی بو پھیلی ہوئی ہے۔ ہوا کے دھیمے دھیمے جھونکے شمالاً جنوباً چل رہے تھے اور اس میں خنکی سی تھی۔

"ادھر شمال میں . . . " بھائی نے کہا۔" سالٹ رینج میں سلسلہ کوہ کے پہاڑ ہیں۔ ان کا ہاتھ شمال کی جانب اٹھا ہوا تھا۔ وہ منڈیر کے قریب ایک چارپائی پر بیٹھ گئے۔" نیچے دریائے جہلم بہتا ہے۔ دریا کے کنارے جھاڑیاں تک گھنا جنگل ہے جسے مقامی لوگ میکھا چتن کا جنگل کہتے ہیں۔ دریائے جہلم کے اس سمت والے کنارے کا نام میکھا چتن ہے۔"

مجھے حیرت ہوئی۔ ضلع سرگودھا میں دریا کے کنارے کا نام میکھا چتن؟ چتن تو خیر پنجابی زبان میں دریا کے کنارے ہی کو کہا جاتا ہے، لیکن میکھا یہ تو [illegible] لفظ ہے۔

ممکن ہے . . . " میں نے سوچا" پراچین سنسکرت میں میکھ کا لفظ اس علاقے میں بولی جانے والی زبان میں شامل ہوا اور آج بھی اپنی اصلی صورت میں موجود ہے۔ شمالی پنجاب کی بولیوں میں سنسکرت کے بہت الفاظ موجود ہیں۔ شمالی پنجابی میں گھٹنے کے اوپر ران کو چتھیں کہا جاتا ہے، کہیں کہیں جنگھاں بھی کہا جاتا ہے۔ یہ خالص سنسکرت کا لفظ ہے۔"

بھابھی بھائی کی چارپائی کے ساتھ بچھی چارپائی پر لیٹ گئیں۔ ان کے ساتھ والی چارپائی باجی زینب کو ملی، باجی کے ساتھ والی چارپائی پر عصمت اور سیڑھیوں کے پاس منڈیر کے قریب چارپائی میرے لیے تھی۔ خنکی کا احساس لیٹنے پر کچھ زیادہ ہی ہوا۔

"پہاڑوں سے آنے والی ہوا شام ہی سے ٹھنڈی ہونا شروع ہو جاتی ہے۔" بھائی نے کہا، "بس یہاں . . . " وہ چارپائی پر لیٹ گئے۔" دن کے وقت آپ کو تکلیف ہوگی۔"

"تکلیف کیسی بھائی جان؟" بہن عصمت نے کہا۔" مجھے تو یہ جگہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی ہے۔"

"انسان کو ہر حال میں صابر و شاکر رہنا چاہیے۔" بہن زینب نے کوئی قرآنی آیت پڑھی۔ سب خاموش ہو گئے۔

ہمارا گھر تضادات کا مجموعہ تھا۔ والد صاحب، جنھوں نے زندگی کا طویل حصہ مشرق وسطی

Scanned with CamScanner

میں گزارا تھا اور ان آئل کمپنیوں میں ملازمت کی تھی جو امریکی اور برطانوی تھیں، پھر ان دنوں میں جرمنوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ فطری طور پر بہت آزاد خیال تھے۔ برصغیر کے سیاسی نظریات میں وہ انڈین نیشنل کانگریس سے متاثر تھے اور زندگی بھر کانگریسی ہی رہے۔ والدہ صاحبہ نے بھی زندگی کا بیشتر حصہ مشرقِ وسطیٰ میں گزارا تھا۔ روانی سے عربی بولتی تھیں۔ ان کی قریبی سہیلیوں میں مشرقِ وسطیٰ کے شیوخ کی بیویاں تھیں جن پر، بقول والد صاحب، آزاد خیالی کا دروازہ اور روزن بند تھا۔ والدہ صاحبہ نے یہ بھی بتایا تھا، اور امی نے تصدیق بھی کی تھی کہ شیوخ کی بیویوں کی تعداد خاصی ہوتی تھی۔ ہر بیوی شام کے وقت بن سنور کر بیٹھ جایا کرتی تھی لیکن تین تین مہینے گزر جاتے تھے، شیخ کی آمد نہیں ہوا کرتی تھی... منطقی سی بات ہے کہ وہ عورتیں گھٹن کا شکار ہو جاتی تھیں اور پھر پوری شدت سے مذہب میں پناہ تلاش کرتی تھیں۔ والدہ صاحبہ نے ان کے ساتھ طویل وقت گزارا تھا۔ ان پر بھی مذہبی رجحانات شدت سے وارد ہوئے، اور وہ اس قدر مذہبی ہو چکی تھیں کہ ان کی زندگی کا ہر لمحہ دینی شعار کے تحت گزرتا تھا۔ والد صاحب سیکولر ذہن رکھتے تھے۔ انھوں نے کبھی والدہ صاحبہ پر کوئی پابندی نہ لگائی تھی۔ بڑے بھائی آزاد خیالی میں والد صاحب سے بھی کچھ آگے تھے۔ بڑی آپا گرہستی اجڑ جانے کے بعد صوفی ازم کی سمت چلی گئیں۔ سارا سارا دن اکیلی بیٹھی سوچتی رہتی تھیں۔ جیسے جیسے عمر بڑھ رہی تھی تو ہم کا شکار ہوتی جا رہی تھیں۔ منجھلے بھائی نہ آزاد خیال تھے نہ مذہبی، ان کی زندگی متوازن تھی۔ بہن زیبا، والدہ صاحبہ کی طرح شدید قسم کے مذہبی رجحانات رکھتی تھیں۔ انھوں نے پانچویں جماعت ہی میں برقع اوڑھنا شروع کر دیا تھا۔ بڑے بھائی اور بہن عصمت نے بڑی تگ و دو سے اتروایا۔ بعد میں زیبا نے برقع تو اتار دیا لیکن سر پر اس انداز سے دوپٹہ لیا کرتی تھیں جیسے اسکارف باندھا ہو۔ وہ بات بات پر مذہبی حوالے دیا کرتی تھیں اور ہر معاملے میں قرآنی آیات سنایا کرتی تھیں۔ بہن عصمت آزاد خیال تھیں۔ دونوں بہنوں میں بہت پیار بھی تھا اور ہر دوسرے تیسرے دن ان میں لڑائی بھی ہوا کرتی تھی۔ لڑائی کا باعث زیبا کا مذہبی رجحان اور عصمت کی آزاد خیالی تھی۔ پہلے ان میں کسی بات پر بحث ہوتی تھی جو بڑھتے بڑھتے خاصے تلخ جھگڑے کی صورت اختیار کر لیتی تھی۔ لڑائی کے بعد دو دو تین روز ایک دوسرے سے بات بھی نہیں کرتی تھیں، پھر خود ہی ان میں صلح ہو جاتی تھی۔ گھر میں

Scanned with CamScanner

عجیب سا ماحول بنا رہتا تھا۔ بڑی زیبو پھپھو وقت کی پابند تھیں اور رات کو اٹھ کر امی کے ساتھ تہجد بھی ادا کرتی تھیں۔ بہن عصمت بھی شاید کبھی نماز پڑھ لیتی ہوں۔ وہ میری طرح موسیقی کی شیدائی تھیں۔ میں ان سب کرداروں سے چھوٹا تھا اور ان کے درمیان بہت تنہا رہتا تھا۔ اکثر مجھے یوں محسوس ہوا کرتا تھا کہ موسیقی میں دلچسپی لینے کے باوجود بہن عصمت بھی مجھ سے بہت الگ تھیں۔ تنہائی کا احساس، جو بچپن ہی سے میرے ساتھ تھا، وقت کے ساتھ بڑھتا رہا تھا۔ میں کسی مذہبی رویے اور کسی دوسرے نظریے سے متاثر نہ تھا۔ مجھے یوں لگتا تھا جیسے فطرت خود میرے کردار کی تشکیل میں مصروف ہے۔ مجھے فطرت کی بے پناہ قوت اپنی جانب کھینچ رہی تھی، جسے میں حسن فطرت کے مظاہر میں محسوس کرتا تھا۔ وہ ماورائی قوت لا محدود تھی لیکن پھر بھی میں اسے جو مست دیکھا کرتا تھا، ان فطرت کے مظاہر میں مجھے وہ سرور محسوس ہوتی تھی۔

چند لمحے بعد علی نے خاموشی توڑی:

"یہاں کے لوگ سادہ لوح ہیں، انھوں نے ہمارا بہت خیال رکھا لیکن یہ لوگ ذرا سی بات پر مشتعل ہو جاتے، بہت خطرناک بھی ہیں۔"

"یہ جو میر صاحب..." عصمت نے پوچھا "جو آپ کے ساتھ ہمیں لینے آئے تھے، یہ تو شاید ادیب لگتے ہیں۔"

"ہاں،" علی نے کہا، "وہ دلی کے رہنے والے ہیں۔ دلی یونیورسٹی کے میڈیکل کالج میں فورتھ ایئر کے طالب علم تھے کہ ملک تقسیم ہو گیا۔ ایم بی بی ایس کی تعلیم ادھوری چھوڑ کر سرحد کی اس سمت آ گئے۔ اب یہاں جھاڑیوں میں ایک ڈسپنسری چلا رہے ہیں۔ ان کی وجہ سے میں یہاں بور نہیں ہوتا، ورنہ یہاں کے رسم و رواج نے مجھے بہت پریشان کیا ہے۔"

3

"شکر ہے ابھی کی آواز پر میں جاگا" "صبح آ گئی ہے۔"

مجھے فوراً احساس ہوا کہ میں کسی کمرے میں نہیں، چھت پر ہوں۔ نیند کی کیفیت میں سیڑھیوں سے اترتے ہوئے مجھے نانا جی کے کھانسنے کی آواز آئی۔

Scanned with CamScanner

[illegible]

[illegible] دیکھتے ہی مجھے [illegible]

[illegible] آئی جس میں ایک کیلنڈر نما بڑے چارٹ پر مختلف قسم کی حجامتوں والے [illegible]

[illegible] زبان اور [illegible]

[illegible]

[illegible] خوشبو محسوس [illegible]

[illegible] ایک بار مجھے [illegible]

[illegible] ذہن میں تجسس [illegible]

[illegible]

[illegible] مجھے [illegible] ایک بڑی [illegible]

[illegible] محسوس ہوتا تھا جیسے [illegible]

[illegible] اس لیے کہ [illegible] میں اس قسم کے چہرے اکثر نظر آتے [illegible]

[illegible] عورت [illegible]

[illegible]

انضا خاصا پیارا سا بچہ تھا، سفید رنگ، ماں ہی کی طرح گول چہرہ، لمبی آنکھیں، چھوٹی سی متناسب ناک تنگ، ہونٹ — وہ مسکرا رہا تھا۔ یہ مسکراہٹ اس کی معصوم آنکھوں میں بھی تھی۔ اندر دائیں جانب والے بڑے سے کمرے میں سب ناشتے کی میز پر موجود تھے، میں ہی سب سے آخر میں بیدار ہوا تھا۔

"یہاں سب معمولات دن ہوں گے،" بھائی نے کہا۔ "سورج نکلنے سے پہلے اٹھنا، تب تا دھونا، ناشتہ کرنا [illegible] کچھ دیر بعد شدید گرمی کا احساس ہوگا جو دوپہر تک جھلسنے کا احساس دلائے گی۔ گاؤں میں بجلی بھی نہیں ہے۔"

میں نے کمرے کی چھت کی سمت دیکھا۔ لکڑی کے بڑے بڑے شہتیر نظر آ رہے تھے۔

"ساری دوپہر آپ لوگوں کو کمروں ہی میں گزارنا ہوگی" بھائی نے کہا۔ "یہاں کسان کے بیٹے ہاتھ سے پنکھا جھلنا پڑتا ہے۔ آپ لوگوں کو پہلے دس پندرہ دن مشکل محسوس ہوں گے، پھر عادت ہو جائے گی۔"

عصمت نے باہر صحن کی طرف دیکھا۔

"یہ تو محکمے والوں کی زیادتی ہے،" اس نے کہا۔ "کچھ تو سہولتیں ہونا چاہئیں۔ اسی لیے ڈاکٹر دیہاتی علاقوں میں سروس نہیں کرتے، شہروں ہی میں رہنا پسند کرتے ہیں۔"

"یہ گھر تو غنیمت ہے،" بھائی نے کہا۔ "اگر کسی کچے مکان میں جگہ ملتی تو جہاں نہ ہینڈ پمپ ہوتا، نہ غسل خانہ نہ لیٹرین، صبح صبح آپ کو کھیتوں میں جانا پڑتا۔"

بھابی ہنسنے لگیں۔ بہن زیبا کچھ کہتے کہتے رک گئیں — مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی آیت سنانے لگی تھیں۔

4

یہ [illegible] وہ چھوٹا دریاں کا سا قصبہ دیکھنے کا تھا۔ میں آس پاس کے کھیتوں کا، نہر کا بھی جائزہ لینا چاہتا تھا۔ میرا ارادہ سن کر بھائی چونکے۔

"یہ چھوٹا سا گاؤں ہے،" انھوں نے کہا۔ "گاؤں کے باہر تمھیں کتوں سے بھی ہوشیار رہنا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

"پھر بھی احتیاط ہی کرنا،" بھابی نے کہا۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

میں [illegible] دروازے [illegible]

[illegible] مکانات تھے [illegible]

[illegible] کے باہر دیوار میں پیوست بڑے بڑے کیلوں پر سائیکل کے [illegible]

[illegible] مکانات تھے [illegible]

[illegible] بیٹھے ہوئے تھے [illegible] عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ [illegible]

Scanned with CamScanner

چوراہے کا دن کا چکر لگایا، چاشت سے پہلے پہلے پھر اسی احاطہ نما میدان کے سامنے پہنچ گیا جہاں چوڑی گلی میں ہمارے گھر کا بیرونی دروازہ کھلتا تھا۔ ہسپتال کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں نے [illegible] کی دوسری جانب قبرستان کی سمت دیکھا۔ وہ چیز مرکزی مائی [5] روٹیاں پکا رہی تھی۔ دو عورتیں اور لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ میدان کے سامنے شاید تھوڑی دیر کھڑا رہا۔ پھر میں نے احاطہ پار کیا۔ میدان کی [illegible] جانب ایک [illegible] کی سمت [illegible] گلی جاتی نظر آئی۔ جہاں سے گلی شروع ہوتی تھی وہاں ایک اور چھوٹا سا احاطہ تھا جس سے [illegible] ایک خستہ [illegible] زنگ آلود بورڈ پر "ڈسٹرکٹ بورڈ پرائمری سکول بھدریاں" تحریر تھا۔

[illegible] پرائمری سکول یاد آیا۔

احاطے کی [illegible] جانب سے شروع ہونے والی گلی دراصل قصبے کا بازار تھی [illegible] مرکزی بازار میں داخل ہوا۔ شروع میں سبزی فروشوں کی دکانیں نظر آئیں، [illegible] پرچون [illegible] گلی کی دونوں جانب عمارتیں [illegible] بنی ہوئی تھیں۔ طرز تعمیر ہندوانہ تھی۔ میں ایسی عمارتیں چکوال میں بھی دیکھ چکا تھا۔ یقیناً یہ سب گھر ہندوؤں اور سکھوں کے ہوں گے جو تقسیم ہند کے وقت یا تو فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے ہوں گے یا مارے گئے ہوں گے۔ ان کی [illegible] عمارتوں میں گلی کی جانب دکانیں بنی ہوئی تھیں۔ پرچون والوں سے آگے قصاب تھے۔ قصابوں کی دکانوں سے [illegible] ہمیشہ مجھے [illegible] محسوس ہوتی ہے۔ دکانوں [illegible] پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں [illegible] اور میں تیزی سے ان کے سامنے سے گزر گیا۔ قصابوں سے آگے [illegible] کی دکانیں تھیں۔ [illegible] سے آگے ایک بند دکان پر ڈسپنسری کا بورڈ لگا تھا۔ یقیناً یہ [illegible] کی تھی۔ [illegible] ڈسپنسری سے آگے جوتوں کی دکان تھی۔ جوتوں کی دکان سے آگے [illegible] چکی نظر آئی۔ [illegible] چکی [illegible] چکی سے آگے [illegible] ایک [illegible] مسلسل [illegible]۔ گلی کی اس دکان سے آگے ایک بہت ہی چھوٹی [illegible] دکان [illegible] گلی میں [illegible] جانب [illegible] بہت [illegible] نظر آئیں [illegible] تھیں [illegible] تھے [illegible] ہندوؤں اور سکھوں کے مکانات محسوس ہو رہے تھے۔ [illegible]

5۔ [illegible] والی [illegible] کا [illegible] جاتا ہے۔

مقامی لوگوں کا قبضہ تھا۔ بازار کی گلی جہاں شمالی سمت میں گاؤں سے نکلتی تھی وہاں ایک روئی دھننے والے، جھینے کی دکان تھی اور اس سے آگے لکڑیوں کا ٹال تھا۔ ٹال سے آگے پھر وہی جگہ تھی جہاں سے میں صبح بھی گزرا تھا اور جہاں تانگہ کھڑا تھا۔ وسطی پکے گھروں کے علاوہ بھوریوں کا یہ علاقہ کچے گھروں پر مشتمل تھا۔ گارے اور بھوسے سے لپی دیواریں، کچی گلیاں، جن میں دونوں جانب پانی کے نکاس کی گندی نالیاں نظر آئیں جن میں ڈھلتی ہوئی گندگی آہستہ آہستہ بہتی جا رہی تھی۔ یہ گندگی جنوب سے شمال کی طرف بہہ رہی تھی، اس سے احساس ہو رہا تھا کہ جنوب کی سمت بھوریوں کا قصبہ قدرے اونچائی پر ہے۔ نالیوں کے کنارے سیاہ تھے اور تعفن کا احساس بھی نمایاں تھا۔ شمال مشرق تھا یا جنوب مغرب، مشرق تھا کہ مغرب شمال مغرب تھا یا جنوب مشرق بھوریوں کے اس حصے میں مکانات کچے تھے۔ گلیوں میں ننگے پاؤں بچے اور بچیاں کھیلتی اور دوڑتی نظر آ رہی تھیں۔ مجھے گلیوں سے گزرتے ہوئے دیکھ کر دیہاتیوں نے بار بار غور سے دیکھا، خصوصاً عورتوں نے۔ ایک عورت نے مجھے دیکھ کر دوسری عورت کی سمت دیکھا، سر کو اوپر کی سمت ایسے جھٹکا دیا، جیسے پوچھ رہی ہو ”یہ کون ہے؟“ پھر انھوں نے آپس میں کچھ باتیں کیں، مجھے غور سے دیکھا، ان کی آنکھوں میں تجسس تھا۔ میں ان کے قریب سے گزرا… جانتا تھا کہ دو چار دنوں میں سارے گاؤں کو پتہ چل جائے گا۔ یہ اجنبی کاظم زئی ڈاکٹر کا بھائی ہے۔

میں واپس مڑا۔ گرمی کا احساس بڑھ چکا تھا، پیشانی سے پسینے کے قطرے، آنکھوں پر ڈھلک رہے تھے، بار بار ہاتھ پیشانی کی سمت جا رہا تھا۔ جاتے ہوئے بھی اور آتے ہوئے بھی بازار میں دکانداروں نے میری سمت توجہ تو دی تھی لیکن کسی نے یہ پوچھنے کی کوشش نہیں کی کہ کون ہو؟ جب سے آیا ہوں حویلی سے مسجد تک صحن میں صف نصف کی آوازیں آ رہی تھیں۔ گند گھر کی دیوار سے چپکی دھوپ جتنی تھی ہے وہ بھی، سڑیاں چیر رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے کلہاڑی ایک طرف رکھ دی۔ میرے قریب آیا۔ برآمدے میں چقیں گرا دی گئی تھیں۔ میں ایک ستون کے قریب برآمدے کے سامنے والے حصے میں بیٹھ گیا جہاں دھوپ نہیں تھی۔ گدو میرے قریب کھڑا رہا، میں پھر بیٹھ گیا۔ میں نے اسے بتایا کہ میں گاؤں کا چکر لگا کر آیا ہوں، گدو نے مجھ سے بھوریوں کا تفصیلی تعارف کرایا۔

”یہ جو میدان ہے نا صاحب جی!“ گدو نے کہا، ”جہاں پر مری کا دربار ہے، یہ بھی

[illegible] ہندوؤں اور سکھوں کی
تھیں۔ دائیں جانب جو گلی مڑتی ہے [illegible] گھر بنے ہیں [illegible]
[illegible]...
[illegible]

[illegible]
[illegible] اور سکھوں کے تھے [illegible]
[illegible] ایک گھر ہی بچا تھا، وہ ڈاکٹر جی (میر صاحب)
[illegible] پھر سے رشوت لے کر مقامی لوگوں کے
[illegible] گداؤ نے شمالی جانب ہاتھ سے اشارہ کیا۔ "ہمارا محلہ
[illegible] ہم میراثی لوگ ہیں۔"
[illegible] گانے بجانے والے تو آرٹسٹ
ہوتے ہیں۔
[illegible] پر مسکراہٹ آئی۔
[illegible] "سین میں تھیٹر کا ایکٹر بھی تھا — اب تو
[illegible] میں خوشاب کے ایک تھیٹر میں ملازم
ہوں
[illegible] "اپنے تھیٹر سے متعلق کچھ بتاؤ۔"
[illegible]
[illegible] پھر کبھی سناؤں گا ویلا (فارغ) ہو کے...
[illegible] گداؤ کا ہاتھ مشرق کی سمت اٹھا ہوا تھا۔ [illegible]
[illegible] کسی کے پاس ایک بیگھہ زمین ہے کسی کے پاس
[illegible] تھے کہ ملک آزاد ہو گیا...
[illegible] گداؤ نے صحن میں اس سمت دیکھا جہاں

Scanned with CamScanner

صاحب، آہستہ آہستہ بڑھتی ہوئی درآمد نے پاس یہ جنوب کی سمت جا رہی تھی۔ "یہاں ہندوؤں کی بہت سی زمینیں تھیں۔ جب یہ یہاں سے گئے تو بڑے زمینداروں نے قبضہ کر لیا۔ سب ان کی جاگیریں بن گئیں۔ سرگودھا سے زمینوں کی جانچ کرنے والے آتے تھے لیکن گرداوروں[6] اور پٹواریوں نے زمینداروں سے رشوت لے کر ایسا چکر چلایا کہ زمینوں کا ریکارڈ ہی غائب ہو گیا۔ جو لوگ جانچ کرنے آتے تھے، وہ اپنی جیبیں گرم کرتے ہوئے واپس چلے گئے۔ غریب کسان منہ دیکھتے رہ گئے۔ ساری جاگیریں وڈیروں کو مل گئیں۔ غریب کسان غریب ہی رہے۔ ان میں سے کچھ نے اپنی چھوٹی چھوٹی زمینیں بھی زمینداروں کو بیچ دیں اور ان کے مزارعے بن گئے۔ وہ سارے اب ادھر..." اس نے مشرق کی طرف ہاتھ اٹھایا، "چھ گاؤں میں رہتے ہیں۔ آپ ادھر سے ہو کر آئے ہیں۔ آپ نے وہاں مسجد کے پیچھے مکان دیکھے، وہ سب کسانوں کے ہیں... مزارعوں کے۔ شاہ پور جانے والی سڑک سے ادھر..." اس نے جنوب مشرق کی سمت اشارہ کیا۔ "پیشہ ور لوگ رہتے ہیں، موچی، نائی، تیلی، ترکھان، جولاہے وغیرہ، اور ادھر..." اس نے گلی کی جنوب کی سمت اشارہ کیا۔ "ادھر قریشیوں کا محلہ ہے۔ سب مرفوق ہیں، یہ سب تابعین رقیہ..." اس نے باہر کی طرف دیکھا۔ "نائی جیراں تندوروالی کی چھوٹی بہن... اس کے سارے رشتے دار قریشیوں کے محلے میں رہتے ہیں۔ اسی طرف قریشیوں کے محلے کے ساتھ لاری اڈہ ہے، وہ تو آپ نے دیکھ لیا ہے۔ اڈے سے شاہ پور کے لیے تانگے چلتے ہیں، ایک بس سرگودھا کے لیے بھی جاتی ہے... چھاؤنی سے پانچ کلومیٹر دور کالرہ اسٹیٹ ہے۔ خضر حیات ٹوانے کا نام تو سنا ہوگا آپ نے۔"

"ہاں،" میں نے کہا۔ "وہ یونینسٹ پارٹی کا لیڈر... پنجاب کا وزیر اعلیٰ بھی رہا تھا۔"

"جی صاحب جی،" اس نے کہا۔ "کالرہ اسٹیٹ اسی کی ہے۔ ٹوانہ خاندان یہاں کا سب سے بڑا زمیندار خاندان ہے۔ ان کی جاگیریں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ کچھ یہاں مئیں خاندان ہے۔ ... ان کی جاگیریں ہیں۔ کچھ شاہ پور کی سمت ... کی ... ہیں۔ ... بڑا زمیندار ہے شاید جو ... آتے جاتے ...

6 گرداور: پٹواری کے اوپر کا افسر، دورہ کرنے والا، زمینوں کی جانچ پڑتال کرنے والا۔

Scanned with CamScanner

[illegible] ہیں تو آگے [illegible] کا اڈہ ہے۔"

[illegible] وہاں سے [illegible] ۔

[illegible] طرف دیکھ جس کے آگے کھیت تھے۔ [illegible]

[illegible] درمیان میں [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

بہت کم لوگ جانتے ہیں اسے... کون جانتا ہی نہیں... ایک عمدہ خاندانی حویلی تھی جس نے اس کے ساتھ صدر بھی ہو جاتا تھا۔ اگر آپ نہ ہی جائیں تو اچھا ہے۔"

اس سے پہلے کہ گداؤ مجھے مزید معلومات فراہم کرتا، چائے کی ٹرے لیے رقیہ آ گئی۔ "بھیرا مجھے کا قصہ ہی سناتا رہے گا کہ ٹکڑیاں بھی دے گا؟" رقیہ نے اپنے سے عمر میں سال بڑے گداؤ کی سمت غصے سے دیکھا۔

"دیکھو تو... " گداؤ نے رقیہ کی طرف دیکھا۔ "یہ وقت اپنی ناک پر بیٹھا ڈیموں (زرد تتیا) اتنا غصہ رکھتا ہے... ٹکڑیاں... بیرا مجھے دو تو میں تم بھی بھول چکا ہوں بہن میں ہے۔" گداؤ کی آواز دھیمی سی ہوئی۔ تھا اور صحن سے چائے کی سوکھی ہریاں اٹھا کر برآمدے میں دور نیم کے سامنے رکھتے ہوئے صحن میں آیا اور پھر باہر چلا گیا۔ اس کے چہرے پر اداسی تھی۔ اندر سے بھی گداؤ کی آوازیں آ رہی تھیں۔

5

بھائی نے وقت گزارنے کا ایک عجیب طریقہ بنا رکھا تھا کہ وہ ہر شام ہسپتال کے صحن میں بیٹھ کر شام کی چائے پیا کرتے تھے جو ہسپتال کا سائیس بخشو (محمد بخش) بنایا کرتا تھا۔ ان کے ساتھ شام گزارنے والوں میں پیر صاحب اور گداؤ ہوا کرتے تھے۔ یہ معمول اتوار کے روز بھی جاری رہتا تھا۔

شام ہوئی تو میں بھی بھائی کے ساتھ ہسپتال پہنچا۔ ہسپتال کے صحن کی بیرونی دیوار نہیں تھی۔ سامنے کھلا تھا۔ دائیں جانب ہسپتال کے تین کمرے تھے جن کے دروازے اندر صحن میں کھلتے تھے۔ پہلا کمرہ بھائی کا آفس تھا، دوسرا جانوروں کی دوائیوں اور آلات جراحی والی ڈسپنسری تھی جس میں ہسپتال کا میڈیکل ریکارڈ بھی موجود تھا۔ بھائی نے بتایا کہ کمپاؤنڈر یوسف صاحب اس کے نگران ہیں۔ بہت سنجیدہ سا ہیں، اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔ تیسرا کمرہ بہت بڑا ہال نما تھا۔ یہ دراصل اصطبل تھا جس میں نسل کشی کے لیے تھوروبریڈ[7] گھوڑا موجود تھا۔ اس اصطبل نما کمرے کی

[7] Thoroughbred اصیل نسل کا گھوڑا جس میں کئی خوبیاں ہوں... سامنے کا گھوڑا۔

[illegible] ہوتی تھی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ایک گاے، دو گدھے اور ایک خیالے رنگ والا موٹا [illegible]

[illegible]

[illegible] اور پانی کا بڑا سا گھڑا بھی نظر آیا۔ بخشو شاہ پور [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] بڑی عمر کی عورتیں بیٹھی تھیں۔

[illegible] کے

[illegible] اور تھوڑے مسلسل اٹھنے والے دھویں

[illegible]

[illegible] کے گرد رکھ دیا۔ میں

[illegible]

[illegible]

[illegible] کی صورت میں اکٹھے نہ ہوں گے۔ 1947 سے اس گاؤں میں رہ

[illegible] نہیں تھی

[illegible] سامنے بیٹھا لکڑیوں پر [illegible]

[illegible]

"کیسا لگا ہمارا گاؤں؟" میر صاحب نے کرسی پر پہلو بدلا۔

[illegible]

[illegible] "ہم کس مرض کی دوا ہیں؟ تین مہینوں میں طاق [illegible]" میر صاحب نے میری سمت دیکھا۔ "بازار میں ہماری [illegible] آپ کو لکھنو دکھا دیں گے۔"

[illegible]

[illegible] میں نے فوراً [illegible]

[illegible] بھائی [illegible] کیا۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

بھائی نے مسکراتے ہوئے میز پر کہنیاں رکھیں۔

[illegible]

[illegible] صاحب [illegible]

[illegible]

"اب تو آواز بھی [illegible] صاحب [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

Scanned with CamScanner

"اوشیلی!" بخشو چائے کی ٹرے اٹھائے قریب پہنچ چکا تھا۔ "یہ ہسپتال ہے۔" اس نے گداؤ کی طرف چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے دیکھا۔ "تیرا تھیٹر نہیں ہے، شانی بائی کا کوٹھا نہیں ہے۔"

"بک بک نہ کر!" گداؤ نے کہا۔

"کیا کہا؟" میر صاحب چونکے، "شانی بائی — بھئی، یہ کون ہیں؟"

"تھی ڈاکٹر صاحب،" گداؤ نے کہا، "شاہینہ... سرگودھے کی رہنے والی تھی۔ میرے ساتھ تھیٹر میں کام کرتی تھی۔ ملک میں تقسیم کا رولا مچ گیا تھا تو بمبئی چلی گئی تھی۔"

"تو یہ سمجھتا ہے؟" بخشو نے میز پر پیالیاں رکھتے ہوئے کہا، "مجھے کچھ پتا نہیں؟"

"بکواس کرتا ہے صاب،" گداؤ نے غصے سے کہا، "میں نے تو صرف اسے اتنا ہی کہا تھا کہ بمبئی نہ جا، وہاں خورشید اور گیتا بالی کے آگے تجھے کون پوچھے گا، پر وہ نہ مانی، چلی گئی۔"

"یہ بھی بتا دے،" کالے بخشو کی آنکھوں میں شرارت تھی۔ "بتا دے کہ تو نے تھیٹر کیوں چھوڑ دیا تھا؟"

"حرامی!" گداؤ نے دایاں ہاتھ تیزی سے نیچے کیا جیسے جوتا اتارنے لگا ہو۔ بخشو ہنستے ہوئے اپنی کوٹھڑی کی طرف دوڑا۔ بھائی اور میر صاحب بھی ہنس رہے تھے۔ گداؤ نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چپل پھر نیچے پھینک دی۔ "کوئی بات نہیں تھی صاب۔" بھائی کے چہرے پر ایسا تاثر تھا جیسے وہ بھی کوئی شریر سا سوال کرنے والے ہیں۔

"اب دیکھیں نا صاب جی،" گداؤ نے کہا، "وہ ہے نا شاہ وریاں والے سد میر، ادھر تھیٹر ہی کا ادا کا تھا۔ خورشید اور ہم دونوں گیا۔"

"تم کیوں نہیں گئے؟" بھائی نے پوچھا۔

"لاہور گیا..." گداؤ نے کہا، "میں تو بمبئی چلا جاتا، پر حالات ہی ایسے تھے، نہ جا سکا۔ چلا جاتا تو پران اور جیون کی ٹکر کا ولن ہوتا!"

میر صاحب اور بھائی نے پھر ہنسنا شروع کر دیا۔ ماحول خاصا خوشگوار ہو گیا۔ ہم چائے کی چسکیاں لے رہے تھے کہ تنور کی سمت سے دو لڑکیاں ہمارے قریب آئیں۔ ایک لڑکی کے چہرے پر میری نگاہیں ٹھہر سی گئیں۔ وہ بے حد خوبصورت تھی۔

Scanned with CamScanner

کو سنتی میں دائیں بائیں ہلانے لگی۔ پھر اس نے غور سے ساتھ تنور کی طرف مڑتے ہوئے مجھے دیکھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی پلکوں میں تھرتھراہٹ سی ہے۔ دونوں تنور کی سمت جاتے ہوئے سڑک پار کر گئیں۔ سڑک کے پار جاکر گلنازی نے رخ موڑ کر پھر دیکھا، پھر وہ تنور پر دوسری لڑکیوں کے ساتھ بیٹھ گئی۔ اس کے بال بہت ہی لمبے تھے، چوٹی کمر سے نیچے تک گر کر تنور کے سامنے سے لمبی جگہ پر پڑی تھی۔ میں مسلسل اسی کو دیکھ رہا تھا۔

''ماسی جیراں کی بیٹی ہے۔'' کداؤ کی آواز پر میں چونک سا ہو کر سنبھل سا گیا۔ بھائی اور میر صاحب کیا سوچ رہے ہوں گے کہ میں آتے ہی لڑکیوں کی طرف متوجہ ہو گیا ہوں۔۔۔ میں نے فوراً تنور سے نظریں ہٹا کر کداؤ کی سمت دیکھنا شروع کر دیا۔

''وہ بے چاری'' کداؤ نے کہا ''یتیم بچی ہے... ماسی (تنور) نے پالی ہے۔''

میرے ذہن میں یہ سوال بار بار ابھر رہا تھا۔ ایک خیال بار بار گردش کر رہا تھا کہ کیسے ہو سکتا ہے یہ گلنازی جس کا نام اس علاقے کا نہیں ہے۔ یہ یہاں کی رہنے والی نہیں ہے؟ یہ رقیہ کی بھانجی کیسے ہو سکتی ہے؟ اس کے خدوخال تو شمالی پنجاب اور اس علاقے کے نہیں ہیں۔ شاید یہ پنجابی نہیں ہے۔ یہی سوالیہ نشان بن کر میرے ذہن میں ٹھہر سا گیا۔

میری نظریں پھر تنور کی سمت گئیں۔

گلنازی مجھے ہی دیکھ رہی تھی۔

6

اگلی صبح میں ناشتے سے فارغ ہی ہوا تھا کہ برآمدے میں بوبی کی چہکتی ہوئی آواز میں خوشی کا تاثر ابھرا۔ ''ماں... ماں... ماجی...''

صحن میں ماسی جیراں اور گلنازی کھڑی تھیں۔ رقیہ انہیں اندر کمرے میں لے آئی۔ بھائی شہر کے ہسپتال چلے گئے۔ رقیہ نے باجی زیبا اور عصمت سے ماسی جیراں اور گلنازی کا تعارف کرایا۔ گلنازی نے ایک دوبار میری طرف دیکھا۔ وہ کل شام کی طرح بہت ہی خوبصورت دکھائی دے رہی تھی۔ پھر زیبا اور عصمت گلنازی سے باتیں کرنے لگیں۔ میں چونکا گلنازی کی آنکھیں بھی بے حد خوبصورت

Scanned with CamScanner

[illegible] سے پہلے کہ گلناری بھی ماسی جیراں
[illegible] پر بیٹھ جاتی، بوبے نے گلناری کا بازو کھینچا۔

[illegible] گلناری کو کھینچا۔

[illegible] پھر منہ کی دھلوا دیتا۔

[illegible] تو پہلے ہی سے [illegible] گلناری گیا، اتفاق [illegible]
[illegible] گلناری نے [illegible] کو باہر لے جاتے ہوئے اپنی خوبصورت
[illegible] سے بھی زیادہ خوبصورت [illegible]
[illegible] زبان دے دی۔

[illegible] کیا یہ تیری بیٹی ہے؟"

[illegible] اس کے چہرے پر پریشانی [illegible]

[illegible] پوچھا ہے؟"

[illegible] کیا واقعی تیری بیٹی ہے؟"

[illegible] اس کی تھیں۔

[illegible]"

[illegible] ان علاقوں میں کر رہا ہے، ایک جملہ [illegible]
[illegible]
[illegible] اب چیخ گئی۔" اس قسم کی لڑکی، اس علاقے
[illegible]

[illegible] طاری ہو گئی۔ پورے کمرے میں
[illegible] پھر اس نے صحن کی سمت دیکھا۔

[illegible] رقیہ نے کہا اور ماسی جیراں کو جیسے کسی بچھو نے ڈنک
[illegible] اس کے چہرے اور آنکھوں میں غصہ نمایاں تھا۔

Scanned with CamScanner

"بات کرنے سے پہلے سوچ لیا کرو رقیہ..." مامی نے دبی دبی آواز میں غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "آپ سے واقف تو وہ ہمیشہ سے ہے ہی... کتنی بار سمجھایا ہے کہ کوئی بات کرنے کی تمیز بھی ہونی۔"

"نہیں... آپا... میں..." رقیہ بوکھلا سی گئی۔

"کون ہے گلنازی؟" عصمت نے صحن کی طرف دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا اور خاموشی چھا گئی۔ مامی چند لمحے صحن کی سمت دیکھتی رہی، پھر اس نے عصمت کی طرف دیکھا۔

"میری بچی ہے۔" مامی جیراں نے کہا۔ "یہ رقیہ... یہ تو پاگل ہے بی بی جی۔" مامی جیراں نے بھابھی کی طرف دیکھا۔ "نہ سوچتی ہے نہ سمجھتی ہے، جو منہ میں بات آتی ہے، اسے روک نہیں سکتی۔"

بھابھی نے مامی کی سمت غور سے دیکھا۔

"ہمیں تو پتہ ہی کوئی نہیں،" بھابھی نے کہا، "لیکن ابھی جو رقیہ نے..."

برآمدے کی چق اٹھی اور گلنازی بوبے کا ہاتھ پکڑے کمرے میں داخل ہوئی۔ بھابھی کا جملہ ادھورا ہی رہا۔ مامی پریشان سی تھی۔ گلنازی نے پھر میری طرف دیکھا۔

"گلنازی!" مامی جیراں نے کہا۔

"جی ماں جی؟" گلنازی کی آواز بہت ہی خوبصورت تھی۔

"تیرا باپ..." مامی جیراں نے کہا۔ "آج شاید منجھلی* والے وقت آئیں گے۔ تو جلدی جا، [illegible] پہلے [illegible] اتروا لے، پیچھے سے [illegible] آنے لگا [illegible] چوٹی [illegible] آ [illegible] چپ سے تو تاں سے تنزیاں لیکی پڑ جائیں گی۔"

"پیر ماں!" گلنازی نے کہا۔ "وہ تو دوپہر کے بعد آتے ہیں۔"

"کیا بات کر رہی ہے گلنازی؟" مامی جیراں نے کہا، "دونوں وقت صبح کی چال پڑ رہے [illegible]... [illegible] تھی... اور میں [illegible] آئی ہوں، اسے بھی دیکھ لینا۔"

---

*[illegible]

[illegible]

[illegible] کمرے میں جانا چاہتی... [illegible]

[illegible]

[illegible] "گلنازی سے کہنا" جلدی آجانا۔"

[illegible] آنکھوں میں چمک رہی تھی۔

[illegible]

[illegible] تو اچھی طرح جانتی ہے کہ میں نے یہ بات [illegible] یہ بات گلنازی تک [illegible] میری طرف دیکھا، اسے تو ذرا سا بھی [illegible] پتہ چل جائے گا [illegible]

[illegible]

[illegible] مسلسل روئے جا رہی تھی۔ [illegible]

[illegible]

[illegible] بات کی معافی!" ماسی جیراں نے اپنے لہجے میں [illegible] بات کھل ہی گئی ہے... میں نہیں چاہتی کہ گلنازی کو بھی پتہ چلے [illegible] بے وقوف [illegible] گلنازی کو اس کی وجہ سے پتا چل جائے گا۔"

[illegible]" رقیہ کا لہجہ اکھڑا اکھڑا سا تھا۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] کسی سے بھی یہ بات نہیں [illegible]

[illegible] صاحب لیں گے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] پندرہ دنوں بعد پھر چھٹی ملی جس [illegible]

[illegible]

نام شمشادہ بانو بی تھا۔ بہت خوبصورت تھی بی بی جی... یہ جو میری گلنازی ہے... میں بتا رہی تھی کہ وہ میری بہت اچھی سہیلی بن گئی تھی۔ شمشادہ پہاڑی زبان بولتی تھی۔ شمشادہ کا نہ کوئی بھائی تھا نہ بہن۔ کلوتی تھی۔ ماں مر چکی تھی، باپ باغ کے قریب ہی کہیں رہتا تھا۔ دلبر چوہان کا بھی یہی حال تھا، ماں باپ کا کلوتا تھا۔ رشتے دار راجوڑی ہی میں تھے۔ نہ ان میں سے کوئی سری نگر آتا تھا نہ حوالدار دلبر چوہان راجوڑی جاتا تھا۔ اس کے ماں باپ بھی فوت ہو چکے تھے۔ عجیب اتفاق تھا ان میاں بیوی کی زندگیوں میں... دونوں اکیلے... اسی سال شمشادہ کے باپ کی بھی خبر آ گئی۔ شمشادہ بہت روئی۔ ماں بننے والی تھی، میں نے ہی اسے سنبھالا۔ فروری کا مہینہ تھا، بہت سردی تھی جب گلنازی پیدا ہوئی تھی۔ نام شمشادہ بانو بی نے رکھا تھا گل ناز۔ اسی سال نذر حسین کو بھی حوالداری مل گئی... نومبر کے مہینے میں..." ماسی جی اس کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ واقعات کو بیان کرنے میں اسے دقت محسوس ہو رہی تھی۔ پھر وہ مسکرائی۔ "بی بی جی، یہ جو گلنازی ہے نا، ہو بہو ماں کی تصویر ہے۔ شمشادہ بانو بالکل اسی طرح کی تھی وہی ملتا جلتا (خدوخال)، وہی قد، ویسے ہی لمبے بال گلنازی کی تو آواز بھی ماں جیسی ہے۔ شمشادہ پہاڑی زبان بولتی تھی اور میں بھی اس کے ساتھ رہ رہ کر پہاڑی زبان بولنا سیکھ گئی تھی۔ حوالداری ملنے کے بعد نذر حسین اور پھر دلبر چوہان اکثر سری نگر سے باہر اسائنمنٹ[10] پر رہتے تھے۔ مہینے میں دو چار بار ہی سری نگر آتے تھے۔ گلنازی سری نگر ہی میں پیدا ہوئی تھی۔ ان دنوں میں ہی تھی شمشادہ اور گلنازی کی دیکھ بھال کے لیے۔ شمشادہ تھی تو پہاڑن پر بہت ہی سمجھدار تھی۔ سن چھیالی (چھیالیس) میں... سردیوں کا موسم تھا۔ گلنازی تین برس کی تھی جب انگریزوں کی فوج سے ایک کپتان... یا پتا نہیں لفٹین (لیفٹیننٹ) سری نگر آیا اور چھے کشمیر انفنٹری کے جوانوں کو ٹریننگ کے لیے وزہ برزل لے گیا۔ اس نے جن کو کشمیر انفنٹری سے چنا تھا، ان میں دو حوالدار دلبر چوہان اور حوالدار جی (نذر حسین) بھی تھے۔ وزہ برزل کے بارے میں سنا تھا کہ برف سے ڈھکا رہتا ہے اور وہاں رہنا بہت ہی مشکل ہے۔ شمشادہ بہت ہی فکرمند رہنے لگی۔ ہر وقت خیریت کی دعائیں مانگتی رہتی تھی... کہتی تھی کہ اس دنیا میں دلبر کے سوا میرا کوئی نہیں ہے... ایک بیٹی اور وہ، بس یہی میری دنیا ہے۔ شمشادہ یہ کہہ کر رونے لگتی تھی۔ میں تسلی دیتی تھی۔ ...

10۔ اسائنمنٹ (Scheming) فوجی منصوبوں کے لیے یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

[illegible] ہے؟ تو جواب میں گلناری ہو
[illegible] نہیں۔ [illegible] کہاں جاؤں گی؟ میں
[illegible] تھی۔ تین مہینوں کی ٹریننگ کے بعد
[illegible] پی جی، میں نے ایسا کرشمہ کبھی نہیں دیکھا، پندرہ
[illegible] سے پہلے تھی۔ [illegible]
[illegible] مجھے [illegible] انگریز سٹین پر [illegible]
[illegible] نظر آ رہی تھیں، بڑی سخت [illegible]
[illegible] قبائلی علاقے میں [illegible]
[illegible] بھی جاتا تھا۔ [illegible]
[illegible] ہسپتال لے گئے۔ گلناری [illegible]
[illegible]
[illegible] جواب و منظور [illegible]
[illegible] بن چکی تھی۔ میں گلنازی کو گود میں لے کر
[illegible] کے بعد گلنازی کو میرے حوالے کیا اور
[illegible] نہیں، گلناری ہی میری تنہائی کا
[illegible] میری طرف دیکھا۔ ”کہیں
[illegible] مجھے اپنی جان سے زیادہ پیاری ہے۔“

”[illegible]“ [illegible] تجسس لہجے میں پوچھا۔

[illegible] کی ٹریننگ کے بعد حوالدار جی اور بھائی
[illegible] وہاں بھی [illegible]
[illegible] حوالدار [illegible] پریشان تھا۔
[illegible] غلط تقسیم ہو رہا ہے۔ حوالدار جی اور
[illegible] پریشانی نہیں تھی۔ [illegible] تو مری نگر ہی رہتا تھا۔ [illegible]

شادی کرنے کا بھی سوچ رہا تھا تاکہ گلناری کو ماں مل جائے... پر رب کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ پریشان تو ہم تھے بی بی جی کہ ملک تقسیم ہو گیا تو ہم کہاں جائیں گے۔ اگلے روز بھرا رنبیر سنگھ ہمارے گھر آیا تو اس نے بتایا کہ انگریز لاٹ (لارڈ) صاحب نے کشمیر مہاراجہ ہی کو دینے کا فیصلہ کیا ہے، پریشانی کی کوئی بات نہیں، چھ کشمیر انفنٹری رہے گی۔ ہاں سرگودھے واپس آنا ذرا مشکل ہو جائے گا۔ پھر اگلے روز جب ہمارے گھر میں دلبر چوہان بھی بیٹھا تھا رنبیر سنگھ آیا۔ اس نے کہا، یار فکر نہ کر، میرا بھائی پہلگام میں ہے، میں ابھی سے اسے کہہ دوں گا کہ ہمارے لیے ایک ایک کنال زمین خرید لے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد مزے سے زندگی گزرے گی۔" ماسی پھر خاموش ہو گئی۔ "بات تو سچی تھی بھرا رنبیر سنگھ کی!" ماسی نے پھر سے بولنا شروع کیا۔ "پر میں بہت اداس ہوئی تھی، بہن بھائیوں اور رشتے داروں سے زندگی بھر کے لیے دور ہو جانا اتنا آسان بھی نہیں ہوتا۔"

ماسی نے رقیہ کی سمت دیکھا، کچھ دیر سوچتی رہی۔

"پھر سن سنتالی (سینتالیس) کی جولائی کا وہ منحوس دن بھی آیا جب حوالدار جی اور بھرا دلبر چوہان کو برفانی علاقے میں کسی دراس نامی چھاؤنی میں بھیج دیا گیا۔ دراس میں چھ کشمیر انفنٹری کا ہتھیاروں کا ذخیرہ تھا۔ اس کی حفاظت بہت ضروری تھی، کیونکہ یہ خبریں بھی سری نگر پہنچ رہی تھیں کہ چھ کشمیر انفنٹری کے کچھ افسر اور جوان باغی ہو گئے ہیں۔ اگست میں ملک تقسیم ہو گیا... وہ بہت ہی مشکل دن تھے۔ میں سری نگر میں بہت اکیلی تھی۔ رات کو گلناری میرے سینے سے لپٹ کر سو جاتی تھی تو میرے آنسو بہنے لگتے تھے۔ میں ان لوگوں کو بددعائیں دیتی رہتی تھی جنھوں نے انگریزوں سے آزادی کے نام پر ملک ہی توڑ دیا تھا۔ ستمبر، اکتوبر، نومبر... نہ حوالدار جی کا پتا تھا نہ بھرا دلبر چوہان کی کوئی خبر تھی۔ میری ہمت بھی شیشے کی طرح ٹوٹنے لگی تھی جب بھرا رنبیر سنگھ نے ایک دن آ کے دونوں کی خیریت کی خبر سنائی۔ پھر امید بندھ گئی۔ عجیب دن تھے، ہر روز کوئی نئی بات سننے میں آتی تھی۔ کبھی آس بندھ جاتی تھی، کبھی مایوسی گھیر لیتی تھی۔ پھر ایک دن یہ افواہ گردش کرنے لگی کہ سری نگر پر حملہ ہونے والا ہے۔ میں بہت گھبرا گئی۔ رہی سہی کسر بھرا رنبیر سنگھ نے یہ کہہ کر نکال دی کہ خبر پکی ہے... بہت سے پٹھانوں کے قبیلے سری نگر پر حملہ کرنے آ رہے ہیں۔ ان قبائلیوں نے اکتوبر کی بیس تاریخ کو مظفرآباد کے قریب بھٹ راری کے جنگل میں جمع ہو کر بڑا لشکر تیار کر لیا ہے اور وہ سری نگر پر

[illegible] چاہتے ہیں۔ [illegible] کا مقصد لوٹ مار ہے۔ دوسری [illegible] چاہتے ہیں [illegible] کرنا چاہتے ہیں ... [illegible] سنگھ نے گلنار کی کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

[illegible] اب تم [illegible] تیری طرف [illegible] کا۔ [illegible] میں تجھے [illegible] گی [illegible] کل [illegible] کا [illegible] تجھے [illegible] میری بہن [illegible] (قسم) تمہیں [illegible] کا۔ [illegible] تمہیں [illegible] تمہیں [illegible] ہاتھ [illegible] گا ... یہ میرا وعدہ ہے'

"بی بی جی، اس رات میں سو نہ سکی۔ پہلی بار مجھے بہت [illegible] رات بھر [illegible] تھی [illegible] وقت پر نہیں [illegible] خوش [illegible] ہاتھ میں [illegible] دی۔

[illegible] ہو گیا [illegible] بھائی رنبیر سنگھ نے خوشی سے کہا، [illegible] کی کرپا [illegible] ... دس بارہ ٹرکوں میں سامان لاد [illegible] ڈی سی کی نگرانی میں جموں [illegible] ہیں۔ ان کے پاس تو ہیں بھی [illegible] ... قبیلیوں کی [illegible] ... وہ تو [illegible] اب [illegible] کی حکومت نہیں [illegible] شیر [illegible]

''بجا رشید تھوڑا خوش خوش چلا گیا لیکن مجھے ایک نئی فکر لگ گئی۔ میں اور گلناز قبائلیوں سے تو محفوظ ہو گئی تھیں لیکن میں یہ سوچ سوچ کے سوکھ رہی تھی کہ اب ہمیشہ کے لیے ہندوستان میں اپنے بہن بھائیوں اور رشتے داروں کو چھوڑنا ہوگا۔ اگلے روز بجا رشید آیا تو میں نے اسے اپنے اندیشے سے آگاہ کیا۔ وہ بہت ہی خوش تھا، راشن لے کر آیا تھا۔

''اوہو میری بہن، یہ بھی کوئی مسئلہ ہے! [illegible] اور تیرے پاس انڈین پاسپورٹ ہوگا۔ تین مہینے رہ کر، جب چاہو پاکستان میں بھائی بہن اور رشتے داروں سے [illegible]... میں تو اپنے بھائی کو پہلے ہی خط لکھ رہا ہوں کہ ہم تینوں یاروں نے بیوپار شروع کرنا ہے۔ وہاں رہ کر محنت کے بعد ہم بہت اچھی زندگی گزاریں گے۔

''بجا رشید چلا گیا۔ اس ہفتے کے آخری دنوں میں وہ آیا تو اس کا چہرہ دیکھ کر میں گھبرا گئی۔

''مسائل بہت ہیں میری بہن، رشید نے کہا۔ کچھ ٹھیک نہیں ہے، کچھ بھی نہیں۔ پریشانی [illegible]

''کیا ہوا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''جیسے کہ مہاراجہ [illegible] اور انڈین آرمی نے سری نگر کا کنٹرول سنبھال لیا ہے، کشمیری حکومت کا [illegible] ہے۔ گلگت کشمیر انفنٹری کے چھ افسروں نے انڈین آرمی میں شامل ہونے سے انکار کر دیا ہے۔ لیکن [illegible] سے بڑی چالاکی سے یہ بات انفنٹری کے سپاہیوں سے چھپائی گئی ہے۔ مہاراجہ [illegible] سے یہ تمام کیا ہے۔ انھوں نے یہ کہہ کر کہ وہ مہاراجہ کے خلاف بغاوت کرتے ہیں سپاہیوں کو [illegible] ہے۔ سپاہی پہلے ہی سے مہاراجہ سے نفرت کرتے ہیں۔ مسلمان سپاہی جن کا تعلق گلگت اور ملحقہ علاقوں سے ہے، بغاوت ہو چکی ہے اور انھوں نے بریگیڈیئر کی قیادت میں [illegible] ہے۔ [illegible] میں یہاں دیتے تھے میرے سے تو وہ اپنے تھے... [illegible] ساتھ... بہت چھوٹا ہو رہی ہے مجھے... گلگت کی طرف کی تمام وادیوں میں بغاوت ہو گئی ہے۔ لوگ یہی کہہ رہے ہیں کہ بغاوت مہاراجہ کے خلاف ہے۔

''میں بہت گھبرائی ہوئی تھی۔ میں نے پوچھ کر [illegible] خط [illegible] سے [illegible] اب [illegible] آرمی [illegible] ہوئی ہے۔ [illegible] مسلمان [illegible] سپاہیوں اور سول آبادی [illegible] کہ [illegible] مہاراجہ سے [illegible]

[illegible]

[illegible] کا کمانڈر [illegible]

بی بی سی، مجھے سارے نام تو یاد نہیں رہے لیکن اتنا یاد [illegible]

[illegible] ختم ہو گیا ہے، شمالی علاقوں کا سارا کنٹرول اب [illegible]

[illegible] تو فکر نہ کرو، وہ اس برفانی علاقہ ہے۔ وہاں سردیوں [illegible] لکڑیوں [illegible] اگر وہاں پر حملہ ہوا تو [illegible]

11 [illegible] 1947 [illegible] آزاد کشمیر کہلاتے ہیں ان میں [illegible]

حوالدار رنبیر سنگھ کی باتوں میں حوصلہ تھا لیکن نہ جانے کیوں میں ڈری ڈری سی تھی۔ پھر رنبیر سنگھ نے گلناری کو گود میں لے کر پیار کیا، میری طرف دیکھا۔

"دیکھو بہن میرے بچے جیسے ہی تو ہیں۔ تو بڑی حوصلے والی ہے۔ یہ چار مہینے کسی طرح گزر جائیں گے۔ بس تھوڑی ہمت سے کام لو۔ اپریل میں میرے یار واپس سری نگر آ رہے ہیں۔"

"میری پوری زندگی میں اس سے زیادہ بھاری اور سیاہ دن نہیں آئے۔ خوف، امید، پریشانی، حوصلہ۔۔۔ چھوٹی سی گلناری، ننھے، انہیں دیکھ کر میرا دل ڈوب جاتا تھا۔ سری نگر شہر میں مرد ور افواہیں پھیلی جاتی تھیں۔ یہ افواہیں دو دن بعد ایسے ولی کی کہ سری نگر پر قبضہ ہونے والا ہے، لیکن پھر رنبیر سنگھ ہر چوتھے پانچویں دن آکر تسلی دے جاتا تھا کہ سب افواہیں ہیں، دشمن سے ایئرپورٹ آزاد ہے تیں سری نگر بالکل محفوظ ہے۔ ایک دن اس نے آکر بتایا کہ ایئرپورٹ بالکل محفوظ ہے۔ اس بات سے بہت حوصلہ ہوا۔ خدا اسے اور اس کی اولاد کو ہمیشہ خوش رکھے۔ بی بی جی، رنبیر سنگھ بہت ہی اچھا انسان تھا۔ وہ مجھے روزی راشن پہنچا جاتا تھا جو میرے اور گلناری کے لیے بہت ہوتا تھا۔ ایک دو لالٹین تیل، وہ بھی دے جاتا تھا۔ رنبیر سنگھ حوالدار صاحب کا تنخواہ بھی مجھے لا دیتا تھا۔ کاغذ پر میرا انگوٹھا لگوا کے لے جاتا تھا۔ ہر طرح کا خیال رکھتا تھا۔ اس زمین پر صرف نیک روحیں بستی ہوں گی تب بی بی جی۔۔۔ میں کون تھی؟ اس کے احسان تو میری سانسوں کے ساتھ رہیں گے۔ دسمبر گزرا، جنوری فروری گزری، مارچ کا مہینہ بھی گزر گیا۔ وہ شاید اپریل کا آخری ہفتہ تھا جب ایک صبح نکلنے والا سورج میرے لیے کالا ہو گیا۔ صبح سویرے رنبیر سنگھ آیا۔ اس نے بتایا کہ وردان پر حملہ ہو گیا ہے۔

"ہمت اور چترال کے باغیوں نے سکردو پر قبضہ کر لیا ہے۔" رنبیر سنگھ نے مشکل سے یہ بات مجھے بتائی۔ "اور ان باغیوں نے چھ کشمیر انفنٹری کے باغیوں میجر احسان علی اور کیپٹن بابر، ان کا دونوں شاہ جان اور شیر علی سے مل کر دو چار سو باغیوں کے ساتھ وردان پر حملہ کر دیا ہے۔ انڈین آرمی نے ہمت سے سری نگر سے وردان روانہ ہو چکے ہیں۔ باغیوں نے ویسان کو پار کر کے اچانک ہی حملہ کر دیا ہے۔ وہاں موجود فوجی خطرے میں ہیں۔"

میں تو دونوں ہاتھوں سے کلیجے میں اپنا سینہ تھام لی جی۔ بیوی، ذرا تیری حالت میں کمزوری، تو میرا بستر پڑ گئی تھی۔ بار بار خوف طاری ہو جاتا تھا۔ وہ منحوس شام تو مجھے زندگی بھر نہیں بھولے گی۔ پھر رنبیر سنگھ

[illegible] سنا [illegible]

[illegible] اس کے منہ سے سننا چاہتی تھی۔ دل زور زور سے [illegible]

[illegible] چلا گیا ہے۔۔۔ [illegible] بھائی [illegible] نے [illegible]

[illegible]

[illegible] تھی۔۔۔ [illegible]

بھرا اور یہ جوان دونوں شہید ہو گئے ہیں۔"

[illegible] سال پہلے [illegible]

[illegible] ٹوٹ جاتے ہیں۔ میں [illegible]

[illegible]

[illegible] وردی پہنی تھی۔" ماسی جی اس کی آواز بھرا گئی۔

[illegible] دو ہی راستے تھے، ایک تو بھرا اور بیر سنگھ کی [illegible]

[illegible]

[illegible] اس پرائے خون کی پروا نہیں [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] یاد ہے مجھے، جیسے سب کچھ کل

Scanned with CamScanner

ہی ہو ہو... حوالدار جی اور بھرا دلبر چوہان کے قاتلوں کے نام میں کبھی نہ بھولوں گی۔ میجر احسان علی، کپتان یار، شاہ خان، شیر علی۔ ان کی آل اولاد کو چین نہیں ملے گا جنھوں نے مجھے بیوہ اور گلناری کو یتیم کیا تھا... راجہ تو ختم ہو چکا تھا... دشمنی تو مہاراجہ ہری سنگھ سے تھی — وہ تو ختم ہو چکا تھا۔ ہندوستانی فوج آ گئی تھی۔ ہندوستان سے سارے مسلمان تو مہاجر نہیں بن گئے تھے، زیادہ مسلمان تو ہندوستان ہی میں تھے۔ اور کشمیر میں تو سارے مسلمان تھے اور ہندوستان ہی میں رہنا چاہتے تھے۔ پر کس دشمنی کی وجہ سے مسلمان ہو کر قاتلوں نے مسلمانوں کو مارا؟ یہ سب بدمعاشی تھی، دھوکے بازی تھی۔"

مائی سیوکی باتیں کرنے لگی۔ وہ شاید اس گاؤں کی اکلوتی عورت تھی جس نے تقسیم ہند کا زہر چکھا تھا۔

"پھر کیا ہوا مائی؟" اب میں مائی کو واپس لایا۔ "تم سرگودھا کیسے پہنچیں؟"

"ہاں..." مائی نے چونک کر کہا، "چار پانچ دن بعد بھرا دلبر سنگھ آیا۔ بہت تھکا تھکا سا لگ رہا تھا۔ اس نے گلناری کو خدا ترس کا سر چوما، پھر میری طرف دیکھا۔

"لیکن میرا دل تو نہیں چاہتا کہ تجھے بھیجوں۔ اتنے برسوں کا ساتھ ہے، ماں جائی لگتی ہے تو۔ میں تو سوچ رہا تھا، تیری بھرجائی پرم جیت کور اور بچوں کو بھی سری نگر لے آؤں۔ میرا تو یہ سفنا (سپنا) بھی ہے۔ بڑھاپا پہلگام میں گزرے... پر تو بھی یکی ہے۔ بہن بھائیوں اور رشتے داروں کے بغیر آخری عمر گزارنی بھی مشکل ہوگی... کر دیا ہے تیرے جانے کا انتظام۔ بس ایک ہفتہ ٹھہر جا۔ میں تیرے اور دلبر یار کے گھر کا سامان بیچ کر تجھے پونڈ خرید دوں گا۔ تو سرگودھے پہنچ تو جائے گی لیکن وہاں پنشن ونشن نہ ہوگی اور سہارا... میں نے کوشش کی ہے کہ فوج سے حولدار نذر حسین اور حوالدار دلبر چوہان کے بقایاجات تجھے اور گلناری کو ابھی دلا دوں، لیکن اس کے لیے پیچھے اور تجھے یہاں رہنا پڑے گا، اور میں جانتا ہوں کہ تو نہیں رہے گی۔ اور پھر شاید تجھے بھیجنا اور بھی مشکل ہو جائے۔ سرگودھے تو اب تو پہنچ ہی جائے گی... کر لیا ہے انتظام... آگے رب راکھا۔ اور ہاں... دیکھ بہن میری، واہگورو نے تیری گود تو خالی رکھی ہے... شاید اسی لیے کہ یہ گلنار اپنی کر یا ہے اس نے تیری گود میں ڈالی تھی۔ یہ بچی واہگورو نے تجھے سونپی ہے۔ بیٹی کی طرح دی ہے۔ اس کا یہاں کوئی نہیں۔ نہ ماں نہ باپ، نہ دادا دادی نہ نانا نانی۔ باغ کا علاقہ اب باغیوں کے قبضے میں ہے، پتا نہیں وہاں کوئی

[illegible] پھر بھی بات ہو گئی ہے، اُدھر
[illegible] اس کے بغیر ان دنوں کوئی اور
[illegible] نوٹ چھپ رہے تھے، ادھر
بھی اور ادھر بھی — باقی رب راکھا!"

[illegible]

[illegible] جس کام کے پیچھے لگے،
[illegible] اچھی طرح سنبھال
[illegible] حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ کل شام آیا
[illegible]

[illegible]

مجھ سے یوں لپٹی ہوئی تھی جیسے بہت ڈری ہوئی ہو... ڈر تو مجھے بھی تھا لیکن بھرا رنبیر سنگھ کا سہارا تھا۔ وہ میرے ساتھ تھے۔ آدھی رات کے وقت ہم پل[12] پر پہنچے۔ جیپ رکی اور رنبیر سنگھ پل کے پاس بنے ایک مورچے میں چلا گیا۔ واپس آیا تو اس کے ساتھ ایک سکھ فوجی بھی تھا۔

''اور بیر سیاں،[13] میں کی کراں، ڈوگرہ سوری دا اس پونڈ ای منگدا اے۔

(اور بیر سنگھ، میں کیا کروں، ڈوگرہ سسری کا دس پونڈ ہی مانگتا ہے۔)

''لے لیں، دے جوتی دے نوں... (لے لینے دے بھوتنی کے کو..) رنبیر سنگھ نے بھی ڈوگرے کو گالی دی جو شاید پل کا نگران ہوگا۔ بس میرے بیر۔ اس نے جیپ کے پاس آ کر مجھے دس پونڈ دے دیے۔ بھرا رنبیر سنگھ نے مجھے ایک سو سے زیادہ پونڈ دیے تھے۔ میں نے گن کر دس پونڈ دے دیے۔ رنبیر سنگھ نے باپو کی تصویر والے نوٹ بھی دیے تھے، سو سو روپے اور پچاس پچاس والے۔ رنبیر سنگھ اور دوسرا سکھ پھر مورچے میں چلے گئے۔ جب واپس آئے تو بھرا رنبیر سنگھ بہت اداس تھا۔

''چل کا فیر بہن میرے، آ تجھے پل پار کرادوں۔

''میں گلنازی کو اٹھا کر جیپ سے اتری۔ ہوا اتنی ٹھنڈی تھی کہ چہرے پر چھری کی طرح لگتی تھی۔ میں نے گلنازی کا منھ بھی کمبل میں چھپا لیا۔ میرے دانت بجنے شروع ہو گئے تھے، سارا بدن کانپ رہا تھا۔

''یہ تیری مرضی ہے بہن، بھرا رنبیر سنگھ نے کہا، ورنہ... واہگورو کی قسم تو میرے لیے ماں جائی سے کم نہیں ہے۔ تجھے بہت یاد کروں گا۔ اور ہاں، میرے یار چوہان کی اس نشانی کو سنبھال کر رکھنا۔ اس نے کمبل میں لپٹا ہوا گلناری کا سر چوما اور اس سے مخاطب ہوا: جا دھیئے، واہگورو تیری راکھی کرے... ورنہ... اس نے میری طرف دیکھا۔ اس بھائی کو بھول نہ جانا۔ کیا پتا یہ ہماری آخری ملاقات ہو... لگتا تو ایسا ہی ہے کہ آخری ہی ہے۔

''بہت ہی اچھا انسان تھا بی بی جی... رنبیر سنگھ جیسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں دنیا میں.. کون تھی میں اس کی؟ سگی بہن جیسا برتاؤ کیا تھا اس نے، بلکہ سگی بہن سے بھی بڑھ کر... نذیری

12۔ ماہا بکمان پل۔

13۔ مشرقی پنجاب کے سکھ ایک دوسرے کو سنگھ کی جگہ سیاں ہی کہتے ہیں۔

رات میں یا تو پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف چمکنے کا احساس ہو رہا تھا یا دریا کے بہتے پانی کی لہروں پر کسی ٹمٹماتے جگنو کا۔ دریا شور سے پل کے نیچے بہہ رہا تھا۔ پل کے درمیان تک رنبیر سنگھ میرے ساتھ آیا... دوسرا سکھ فوجی بھی ساتھ ہی تھا۔ پل کے درمیان پہلے سے ایک فوجی موجود تھا۔

"لے پائی (بھائی) خدا بخش، تیرے وطن دی امانت اے..." دوسرے سکھ نے کہا۔

"پہنچا دیا جائے" رنبیر سنگھ نے کہا "اس پہنچا دے دے گی۔"

آخری بار رنبیر سنگھ نے چھوٹی بہن کی طرح میرا سر چوما۔ میں رو پڑی۔ روتے ہوئے میں نے رنبیر سنگھ کی طرف دیکھا۔ رنبیر سنگھ نے مڑتے ہوئے اپنی پگڑی کے سرے سے گھنی داڑھی سے بہتا ہوا آنسو صاف کیا اور واپس چلا گیا۔ پل سے ادھر بھی مورچہ تھا جس میں دو فوجی پہلے ہی موجود تھے۔ ایک چھوٹی چھوٹی مونچھوں والا مجھے خاموشی سے مورچے میں لایا۔ مورچہ گرم تھا، انگیٹھی میں آگ جل رہی تھی۔ میں بہت سہمی ہوئی تھی۔ گلنار کو گود میں لے کر ایک طرف بیٹھ گئی۔

"مسلمان ہو؟" ایک بڑی بڑی آنکھوں والے نے پوچھا۔

"جی... میں بہت ڈر گئی تھی۔"

"کلمہ سناؤ" اس نے کہا اور میں نے کلمہ سنا دیا۔

"سکھوں کے ساتھ رہ رہی تھی؟" اس نے میری گود میں بیٹھی گلنار کو دیکھا۔ "سنا ہے تیرا خاوند مارا گیا ہے۔"

مجھے اس کی بات بہت بری لگی لیکن میں بالکل خاموش تھی۔

"تجھ سے کچھ پوچھا ہے" تیسرے فوجی نے کہا جس کی چھوٹی چھوٹی داڑھی تھی۔

"جی بچی ہے میری..." میں نے جواب دیا۔

"مہاجر ہے؟" پہلے والے فوجی نے بڑی بڑی آنکھوں سے میری طرف دیکھا۔ میں نے فوراً ہاں کر دی۔ مہاجر سنتے ہی ان کا انداز بدل گیا۔

"کہاں جانا ہے؟" داڑھی والے نے نرم لہجے میں کہا۔

"جہلم جانا ہے" میں نے کہا۔ "سرگودھے میں..." جو سپاہی مجھے پل سے لایا تھا، تیزی سے میری طرف مڑا۔

"پہلے بتانا تھا بھگوانے" اس نے کہا، "میں پدھرار کا ہوں۔"

"یہ سنتے ہی میرا ڈر کم ہو گیا۔ کٹھ کارہ سے کلر کہار جانے والی سڑک پر دو قصبے بہت مشہور ہیں: ایک چوٹیل اور دوسرا پدھرار۔"

"بڑی نصیب والی ہے تو،" اس سپاہی نے پھر کہا۔ "آج صبح ہی ایک جیپ مظفرآباد جا رہی ہے اور وہاں سے ایک ٹرک آج شام ہی راولپنڈی کے لیے جائے گا۔ ڈرائیور میرا یار ہے۔ پرسوں صبح وہ تجھے راولپنڈی سے سرگودھے والی بس پر بٹھا دے گا۔ بے فکر ہو جا۔ اب تو محفوظ ہے۔ ذرا بھی نہ ڈر۔"

"بی بی جی، حوصلہ تو ہوا پر دل میں ڈر قائم تھا۔۔۔ جوان عورت، ساتھ ایک بچی۔۔۔ لاوارث، مورچے میں تین مرد۔۔۔ دل دھک دھک کر رہا تھا۔ لیکن وہ لوگ برے نہ تھے۔ بڑی بڑی آنکھوں والا لچا ضرور تھا، پر انہیں تھا۔ میں نے دس پونڈ اسے دے دیے۔ اس نے داڑھی والے سے کہہ کر مجھے چائے دی۔ انھوں نے گلنازی کو ایک پیالی میں دودھ بھی دیا۔ گلناری دودھ پی کر میری گود ہی میں سو گئی، حالانکہ جلتے ہوئے کیس کا شور مورچے میں پھیلا ہوا تھا۔ صبح پانچ بجے انھوں نے مجھے اور گلنازی کو ایک جیپ میں بٹھایا۔ پدھرار والا سپاہی جیپ میں آگے ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گیا۔ کسی کام سے مظفرآباد جا رہا تھا۔ میں پیچھے ترپال سے ڈھکی جیپ میں گلناری کو گود میں سمیٹے بیٹھی تھی۔ بہت سردی تھی لیکن جب سورج نکلا تو سردی کا احساس کچھ کم ہو گیا۔ جیپ مظفرآباد پہنچ گئی۔ میرے ساتھ آنے والے سپاہی نے مجھے ایک فوجی ٹرک کے ڈرائیور سے ملوایا۔

"یار افضل،" اس نے کہا، "اسے میری بہن ہی سمجھ۔ اس نے جہاوریاں جانا ہے۔ پنڈی جا کر اسے خود سرگودھے والی بس پر بٹھا دینا۔"

"تو بے فکر رہ خدا بخش،" ڈرائیور نے کہا، "تیری بہن میری بہن۔ خود جا کر سرگودھے والی بس پر بٹھا دوں گا۔" میرے ساتھ آنے والا سپاہی مجھے تسلی دے کر واپس چلا گیا۔ بھر رنبیر کی طرح وہ بھی ہمیشہ یاد رہے گا۔

"وہ دن میں نے مظفرآباد میں، ٹرک ہی میں بیٹھ کر گزارا۔ ایک دو بار ضرورت کے لیے اتری۔ ڈرائیور نے مجھے کھانا لا دیا اور گلناری کے لیے دودھ کا گلاس بھی دے گیا۔ شام کو ٹرک پنڈی کے لیے چلا۔ ٹرک پر پیچھے کچھ سامان بھی تھا، چھت پر ترپال بھی تھا، سردی بھی اتنی نہیں تھی جتنی سری نگر

Scanned with CamScanner

سے آتے ہوئے [illegible] تھی۔ [illegible] سیدھی تو نہیں آ رہی تھی، [illegible] پیچھے سے کھڑکی کی وجہ سے کبھی
کبھی پھوار سی لگ جاتی تھی۔ [illegible] بیگم [illegible] ساتھ بہت [illegible] رفتار سے چل رہا تھا۔ جلدی ہی
[illegible] ہو گیا۔ [illegible] ہو رہی [illegible] رفتار [illegible] تھی [illegible] پنڈی پہنچنے میں [illegible]
[illegible] انجن کا شور سنائی دے رہا تھا جس میں [illegible]
[illegible] میں بھی پچھلی [illegible] رہی تھی۔ [illegible]
[illegible] روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

[illegible]

[illegible] رفتار تیز تھی۔ [illegible] پنڈی [illegible] میں [illegible] مجھے اور گلناز [illegible]

[illegible] حوالدار [illegible] زندہ بھی ہے کہ نہیں۔ [illegible] کی طرف [illegible] ہم بچپن میں اکٹھے کھیلا کرتے تھے۔

[illegible] چھوڑ چکے تھے۔ حوالدار جی کہاں ہیں؟

جب میں نے اسے بتایا کہ وہ شہید ہو چکے ہیں تو وہ لاری اڈے پر ہی پھوٹ پھوٹ کر [illegible] "ماں جی" [illegible] نے کہا اور چونکی۔ "وقت کیا ہوا ہے"

[illegible] میں [illegible] کو دیکھا۔

"بی بی جی" [illegible] میں نے آپ سے کوئی بات نہیں چھپائی... "ماں

میرے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ مجھے غور سے دیکھا۔

''کون تھی؟'' دادی نے کہا ''بیٹی ہے میری۔ [illegible] ملی ہوں۔ بہت پیاری ہے مجھے... اور تو ہے تو میری گلناری جتنا پر... تیری طرح بہت ڈھیٹھی (ضدی) ہے۔''

بھابھی اور عصمت مسکرا دیں۔ پھر زبیدہ نے جیسے دادی کی بات پر توجہ ہی نہ دی۔ دادی برآمدے کی چق اٹھا کر چلی گئی۔

''بہت ریچھڑ (جھگڑا) ہو گیا تھا بی بی جی!'' رقیہ نے کہا۔ ''سارے خاندان والے آپ سے پوچھتے ہیں کہ گلناری کون ہے۔ مجھے آپ کو سچ بتانا ہی پڑا۔ آپ نے سب سے [illegible] آپ پر ہاتھ صاف کیا۔ گلناری کو بھی نہیں بتایا گیا تھا۔ وہ [illegible]۔ پھر [illegible] (شوہر) پڑ [illegible]۔ سب کہتے تھے کہ نام [illegible] لڑکی کہ جو نام اس کی نکیل نے رکھا تھا وہی رہے گا۔ پہلے سب ناراض ہوئے [illegible] گلناری [illegible] نام پسند آیا جس گھر میں رہتی ہے [illegible]۔ وہ تو گاؤں میں حویلی بنانا چاہتے تھے پر وہ تو کشمیر کی برفوں ہی میں دفن ہو گئے۔ آپ نے جب گھر [illegible] تنخواہ [illegible] سب کہتے تھے [illegible] رنجور[14] تیں، دوچھی[15] نہیں۔ آپ نے [illegible] میں آئی ہے غیرت نہیں [illegible] ساری زندگی بھائی کے گھر بیٹھی روٹیاں کھاتی رہوں۔ مجھے اس بچی کو بھی پالنا ہے۔ [illegible] میں رانو [illegible] نہیں ہوتا، اور [illegible] تب [illegible] حسین نے اعلان کیا کہ وہ گلناری کی شادی اپنے بیٹے [illegible] سے کرے گا۔ دونوں کی بچپن کی ہی منگنی ہو چکی ہے۔ [illegible] فوج میں نائیک ہے [illegible] پاس ہے [illegible] تب [illegible] اب تو تعلق [illegible] گلناری [illegible] خاندان کا حصہ بن چکی ہے۔

وہ اسے آپا کی بیٹی ہی سمجھتے ہیں... بہت پیاری لڑکی ہے... بیٹی کی طرح بھولی بھالی۔''

رقیہ کے متعلق تو بھابھی ہمیں بتا ہی چکی تھیں کہ اس کا شوہر رفیق حسین بھی فوج میں نائیک تھا۔ ایک روز ایک میجر کے ساتھ جیپ پر ناران سے جھیل سیف الملوک جا رہا تھا کہ ایک ڈھلوان پر جیپ کا ٹائر پھٹ گیا۔ جیپ کئی سو فٹ گہرے دریا کے کنارے میں جا گری۔ میجر، ڈرائیور اور

14۔ رنجور: [illegible] کی ایک گوت۔

15۔ دوچھی: [illegible] پر روٹیاں لگانے والے۔

Scanned with CamScanner

[illegible] وقت صرف [illegible] کا تھا۔
[illegible] دونوں ہی جوانی میں بیوہ [illegible]

7

[illegible] تیار [illegible] کالج [illegible] زبان سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ ایک وجہ شاید یہ [illegible] نہیں جاتی تھی۔ [illegible] دوستوں میں زیادہ جرمن شامل تھے۔ وہ بھی بہت کم انگریزی بولتے تھے۔ ہمارے [illegible] فرانسیسی [illegible]

[illegible] کی بات پر [illegible] رہی تھی۔ [illegible] نکل گیا۔

[illegible] نہیں، ابھی تو مجھے آئے ہوئے چند ہی روز ہوئے ہیں [illegible]

[illegible]

کھڑا وہ دونوں ہاتھیں ہلا رہا تھا۔ محلے داریوں میں صرف تین مہاجر آباد ہوئے تھے۔ ایک یہ صاحب، ایک بشیر اور ایک اس کا پڑوسی دکاندار اسلم سائیکلوں والا۔ بشیر نعل بند بہت ہی خوش مزاج تھا۔ نعل بناتے ہوئے اکثر گانے گاتا تھا۔ اس وقت بھی گا رہا تھا۔

"بھاٹی لوہاری بھی گلی سواری بھی، مال میکلوڈ بھی، بیڈن روڈ بھی۔۔۔"[16]

پنجابی فلمی گانے کو وہ اپنے ہی انداز میں گا رہا تھا۔ وہ لاہور کی بیڈن روڈ اور میکلوڈ روڈ جا رہا تھا۔ مجھے ہنسی آ گئی۔ گداؤ نے یہ بھی بتایا تھا کہ جتنا خوش مزاج بشیر نعل بند ہے، اتنا ہی مردم بیزار، سڑیل اور جھگڑالو اس کا پڑوسی اسلم سائیکلوں والا ہے۔ دونوں ہی مشرقی پنجاب سے ہجرت کر کے آئے تھے۔

میدان نما احاطے سے گزر کر میں بازار سے والی گلی میں داخل ہی ہوا تھا کہ مجھے کان تان دی۔ دو سبزی فروش آپس میں لڑ رہے تھے۔

"کتنی دفعہ یار کہہ چکا ہوں کہ صبح منڈی سے آنے کے بعد جو قیمت طے ہو جائے اسی پر سبزی بیچا کر۔" ایک موٹے اور چھوٹے قد کے سبزی فروش نے اونچی آواز میں کہا۔ اس کی آواز میں چیخنے کا سا انداز تھا۔ "پر نہیں، ہر روز تیرے، ہر روز حرامزدگی۔ یہ غلط بات ہے۔۔۔"

چند لوگ، جو شکل و صورت سے دکاندار ہی لگتے تھے، ارد گرد کھڑے جھگڑا ختم کرانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"میری سبزی ہے۔" ایک دبلے پتلے دکاندار نے اپنی دکان کی سمت ہاتھ بڑھا کر کہا۔ "میں جس بھاؤ بھی بیچوں، تیرا کیا لگتا ہے؟"

موٹا دکاندار غصے سے آگے بڑھا۔ "میں تیری سبزی کو سڑک پر پھینک دوں گا۔" وہ چیخا۔ "سب ریڑھیوں کی قیمت چھ آنے پر مقرر ہوئی تھی، یہ پانچ آنے کیوں بیچ رہا ہے؟"

وہ دبلے دکاندار کی سمت یوں بڑھا جیسے ہاتھا پائی کرنے لگا ہو۔ بازار میں کھڑے ہوئے ایک بوڑھے دیہاتی نے دونوں کے درمیان میں آ کر بچاؤ کروایا۔

16۔ فلمی گانے میں بھاٹی، لوہاری، مال، میکلوڈ روڈ اور بیڈن روڈ سے لاہور کے مختلف علاقوں کا ذکر آتا ہے اور اسے ایک نوجوان پر فلمایا گیا ہے۔

[illegible]

[illegible] مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے مجھے اپنی میز [illegible]
[illegible] ایک مریض موجود تھا۔

[illegible] آپ کی گردن کے پٹھے میں دباؤ سے سوجن آ گئی [illegible]

[illegible]

[illegible] کم از کم تین دن آرام کریں۔"

[illegible] کے بغیر روانی نہیں تھی۔"

[illegible]

[illegible]

دیہاتی اٹھا۔ اس نے ایک روپیہ میر صاحب کو دیا۔ میر صاحب نے اٹھنی اسے واپس کر دی۔

''آپ مزدوری کرتے ہیں؟'' میر صاحب نے کہا: ''فیس کے آٹھ آنے تو ہم نہیں لیں گے۔''

مریض کے جانے کے بعد میر صاحب نے پہلے ہی روز مجھے انگلش زبان کا فعل حال اتنی اچھی طرح سمجھا دیا کہ میں خود حیران رہ گیا کہ میں اسے سکول میں تین ماہ میں بھی نہ سیکھ پایا تھا۔

پھر میر صاحب نے مجھ سے میری دلچسپیوں سے متعلق پوچھا۔ جب میں نے انھیں بتایا کہ مجھے اردو ادب، خصوصاً شاعری، اور موسیقی میں بہت دلچسپی ہے تو انھوں نے بہت سے سوال پوچھے۔ زیادہ تر سوال اردو کے کلاسیکی شاعروں سے متعلق تھے۔

شام کو میں اور بھائی ہسپتال کے صحن میں بیٹھے تھے کہ میر صاحب آ گئے۔ کچھ دیر بعد کد و بھی آ گیا۔

میں اس کرسی پر بیٹھا ہوا تھا، جہاں سے تنور صاف نظر آ رہا تھا۔ ویسے بھی کون سا دور تھا۔ تنور پر اونچی آواز میں کہی ہوئی ہر بات ہسپتال کے صحن میں سنائی دیتی تھی۔ تنور پر ماسی سر پر دوپٹہ باندھے روٹیاں لگا رہی تھی۔ دو تین لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ ان میں ایک چھوٹی چھوٹی گول گول آنکھوں والی بھی تھی۔ اس نے آنکھوں میں گہرا سرمہ ڈالا ہوا تھا۔ ماسی کے دائیں جانب جہاں گلنازی بیٹھتی تھی، وہاں نوراں بیٹھی تھی۔ نوراں پلکیں جھپکے بغیر مجھے دیکھ رہی تھی۔ گلنازی نہ جانے کہاں تھی۔ نوراں کی آنکھوں میں نہ جانے کیا تھا... میں گھبرا سا گیا اور میں نے تنور کی سمت آنے والی سڑک کو دیکھنا شروع کر دیا جس کا کچھ حصہ ہسپتال کے صحن سے نظر آتا تھا۔ اچانک میرے بدن نے جیسے جھٹکا سا کھایا۔ سڑک پر ایک لڑکی نظر آئی... میں نے کبھی اس سے زیادہ بدصورت لڑکی نہیں دیکھی تھی۔

چھوٹے قد کی، موٹی، الٹے توے جیسا رنگ، تنگ پیشانی، تیل سے چپڑے ہوئے بال، موٹی موٹی بڑی بڑی گول گول آنکھیں، چہرہ موٹا بھرا بھرا سا، موٹی دبی ہوئی ناک، ہونٹ موٹے اور چرے ہوئے، گردن موٹی اور چھوٹی، کندھے چوڑے، بڑے بڑے پستان، پھیلا ہوا پیٹ، کمر تھی ہی نہیں، نچلا دھڑ بھی اوپر والے دھڑ کی طرح موٹا اور بھرا بھرا۔ اس نے موٹے موٹے ہاتھوں سے سر پر رکھی پرات پکڑی ہوئی تھی۔

Scanned with CamScanner

"وہ تے تیل ی گئی ہے۔" [illegible] آواز پر میں چونکا۔ بھائی اور میر صاحب نے بھی نور کی طرف دیکھا اور مسکرائے۔

"ہمارے گاؤں کی سب سے کوجی (بدصورت) لڑکی۔ ہمارے گاؤں کی [illegible][18] ہے۔ لڑکیاں اسے کٹی[19] کہتی تھیں۔"

جون کی شام تھی۔ شدت کا احساس ہو رہا تھا، لیکن خلافِ معمول ہوا کے جھونکوں میں تیزی تھی۔ موسم جون میں ہوا کے جھونکے مدھم ہی رہتے ہیں اور حویلی کے آخری کونوں میں ان میں تیزی نمودار ہوتی ہے۔ [illegible] جو شاید [illegible] چل رہی تھی، سب سے [illegible] تھے۔

"بھیا یہ [illegible] بھائی..." میر صاحب نے بھائی کی طرف دیکھا۔ "یہ تو بڑے [illegible] ہوتی ہیں۔"

"یہ [illegible]" بھائی نے کہا۔

"کمال ہے [illegible]" میر صاحب نے کہا۔ "انھوں نے تو آج ہمیں مرزا غالب کے وہ اشعار سنائے ہیں [illegible] انھوں نے غالب کے اتنے اشعار کیسے یاد کر لیے ہیں اور اردو کی [illegible] تو بہت [illegible] ہے۔"

بھائی نے [illegible] "[illegible] سیکھنے گئے تھے کہ شعروشاعری کرنے؟" انھوں نے غصے سے کہا۔

میر صاحب [illegible] تھے [illegible] شور [illegible] اختیار [illegible] سمت [illegible] ہوا [illegible] ہو رہی تھی، وہ [illegible][20] [illegible] رہی تھی۔

"[illegible] پہلے میری روٹیاں [illegible] جلدی [illegible]..." "[illegible] پہلے میری روٹیاں لگا، جلدی

18. [illegible]
19. [illegible]
20. [illegible]

ہے۔)

''تو نے ٹھیکہ لیا ہوا ہے تنور کا شریفاں؟'' نوراں نے غصے سے موٹی کالی بھدی لڑکی کی طرف دیکھا۔ اچانک ماسی جیراں سے تھوڑی پانچ فٹ اونچی دیوار پر دو ہاتھ نظر آئے۔ پھر اچک کر گلناری دیوار پر چڑھ گئی اور کھڑی ہو گئی۔ اس نے سرخ پھولوں والا کرتا اور کالا لاچا باندھا ہوا تھا جو ہوا کے تیز جھونکوں سے پھڑ پھڑا رہا تھا۔ اس کی زلفیں بھی اڑ رہی تھیں۔ چھوٹی بچی کی طرح دیوار پر کھڑی وہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔

''ماسی، تو پہلے میری روٹیاں لگا'' موٹی بھدی شریفاں پھر اڑنگ لگا کر بولی۔ سرگودھا کی مقامی زبان اور لہجے میں اڑنگی ہوئی آواز خاصی اونچی تھی۔ گلناری کے ہاتھ میں ایک کڑاہی تھی، وہ تنور کے چھپر پر کڑاہی سے بھوسا نکال کر پھینکنے لگی شاید چھپر ٹوٹ گیا ہوگا۔۔۔ بھوسہ گارے میں ملا ہوا تھا۔

''نہیں ماسی، بالکل نہیں!'' نوراں بولی۔ ''اس نے یہ روز روز کا تماشہ بنا رکھا ہے۔ اسے ہی جلدی رہتی ہے۔''

''تو نے ٹھیکہ لے رکھا ہے تنور کا؟'' موٹی بھدی لڑکی پھر جھنکی۔ ''ماسی میری روٹیاں لگا، میرے گھر مہمان آئے ہوئے ہیں۔''

''تیرے لیے پیٹ سنڈے (بھینسے) کا رشتہ لائے ہیں!'' نوراں نے چیخ کر کہا۔ تنور پر قہقہے بلند ہوئے۔

''کیا کہا ہے؟'' شریفاں اچھلی۔ نوراں بھی اٹھی۔ ماسی نے تنور سے روٹیاں نکالنے والی لوہے کی سلاخ ہوا میں لہرائی۔

''بس'' ماسی زور سے بولی۔ ''خبردار جو لڑائی کی تو دونوں کو تنور سے نکال دوں گی۔ نہ جو کوئی بولی۔''

''میں سب جانتی ہوں ماسی؟'' نوراں نے چیخ کر کہا۔ ''یہ شریفاں تو میرے پیچھے ہی پڑی ہے۔'' لڑکیوں نے اور زور زور سے ہنسنا شروع کر دیا۔ شریفاں نے اپنا موٹا پاؤں زور سے زمین پہ مارا۔

Scanned with CamScanner

[illegible]…[21]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ت ہی خوبصورت آواز میں، بلند لَے میں کہا۔

شریفاں نے سر اٹھا کر اوپر گلنازی کو دیکھا۔ [illegible] اس نے گلنازی سے کیا کہا، تو اس نے [illegible]

گلنازی نے دیوار سے چھلانگ لگا دی۔ ہوا تیز تھی۔

ہوا کے تیز جھونکے سے گلنازی کا لاچا اوپر اٹھا اور کھل گیا۔

[illegible] رستے نے اسے مکمل طور پر عریاں ہونے سے بچا لیا [illegible] ساتھ ہو گلنازی کے گھر کے [illegible] شریفاں بھی گلنازی کی طرف دیکھ رہی تھیں [illegible] صاحب اور کمدار بھی جس رہے تھے۔ [illegible] اور گلنازی کو گالیاں دیتے ہوئے تقریباً دوڑی۔ گلنازی نے [illegible] پر تھوک دی تھی۔ یقیناً سرخ ہو گیا ہوگا۔ میر صاحب نے [illegible]

21 [illegible]

Scanned with CamScanner

"بدبخت کہیں کی!" انھوں نے ہنستے ہوئے کہا اور بھائی نے قہقہہ لگایا۔

تھوڑی دیر ابھی تک شور مچا ہوا تھا۔ ماسی کے چہرے پر رنج اور غصہ دونوں نظر آ رہے تھے۔

"رب جانے..." ماسی نے روہانسی آواز میں کہا، "مرن جوگی[22] کب بڑی ہو گی۔"

لڑکیاں آہستہ آہستہ خاموش ہو گئیں۔ میرے چہرے پر تپش سی موجود تھی۔

"یہ لڑکیوں کی نانیاں اس قدر خوبصورت ہوتی ہیں..." اس خیال کے ساتھ ہی میں شرما سا گیا۔

8

گھر واپس آیا تو صحن میں داخل ہوتے ہی مجھے رقیہ نوکرانی بھاگتی نظر آئی۔ وہ [illegible] نوبے کے ڈنڈے سے ہوتے ہوئے [illegible] پیچھے بالوں کا گچھا دائیں بائیں جھول رہا تھا۔ قریب ہی [illegible] کے سے ٹکڑے [illegible] رہا تھا۔

"رقیہ... مجھے بتاؤ یہ...؟"

"جی نکے ساب!" (چھوٹے صاحب) رقیہ نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔

"یہ نوبے سے پیچھے بالوں کا گچھا کیوں ہے؟" میں نے پوچھ ہی لیا۔

"یہ مجھے چیزی کی رکھ (حفاظت) ہے۔" رقیہ نے جواب دیا۔

"وہ کیا ہوتی ہے؟" میں نے کہا، "نوبے کو کس سے خطرہ ہے؟" میں نے پوچھا اور رقیہ خاموش ہو گئی۔

سدو کی ٹلوڑی ہوا ہی میں رک گئی۔ اس نے میری طرف دیکھا، یوں لگا جیسے کچھ کہنا چاہتا ہو، پھر اس نے رقیہ اور نوبے کی طرف دیکھا اور پھر سامنے پڑی منڈھی[23] پر جس سے ایک موٹی سی لکڑی پڑی ہوئی تھی۔ پھر اس نے ٹلوڑی کو سر سے اوپر لے جا کر موٹی گول لکڑی پر ضرب لگائی، [illegible]

22۔ پنجابی زبان میں مرن جوگی کا مفہوم [illegible] سے بھی [illegible] ہوتا ہے۔ [illegible] بات میں [illegible] جوگی [illegible] کا [illegible] استعمال ہوتا ہے۔

23۔ منڈھی درخت کے تنے کے کٹے ہوئے [illegible] کو کہتے ہیں [illegible] چیرتے ہیں۔

بار بار اسے دیکھی اور پھر اچانک سے ٹھنڈی سیدھی لکڑی پر گری اور وہ دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ میں خاموشی سے اندر کمرے میں چلا گیا۔ کمرے میں بجلی بھی اور بہنیں ہاتھوں میں کھجور کے پتوں کے بنے ہوئے پنکھے لیے بیٹھی تھیں۔

رات ونیست پر لیٹے ہوئے میں ستاروں سے بھری چھت کو دیکھ رہا تھا۔

سکول میں پڑھائے جانے والے مضامین میں میرا سب سے پسندیدہ مضمون اردو زبان و ادب تھا۔ مجھے تاریخ، جغرافیہ اور سائنس بھی پسند تھی۔ دینیات، انگلش اور ریاضی میں مجھے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ریاضی میں حساب اور جیومیٹری سر سے اوپر سے گزر جانے والے موضوع تھے۔ بس یہی ایک چیز تھی جو مجھے ریاضی سے جیومیٹری میں پسند آ رہی تھی۔

ستاروں کو دیکھتے ہوئے مجھے آسمان پر جیومیٹری کی اشکال نظر آئیں — ستارے چوکور، مستطیل، تکون بناتے نظر آتے۔ میں ایک ستارے پر نظر جما کر ایک ستاروں کو تلاش کرنے لگتا تھا جن کی سمت میں لکیر کھینچی جائے پر تیسرے سے چوتھے، پانچویں ستارے سے اشکال بھی نظر آ گئیں۔ پھر میں آنکھیں بند کر کے تصوراتی شکل بنانے لگتا اور دوبارہ آسمان کی طرف دیکھنے پر مجھے کئی چوکور، تکون اور مستطیل اور ان کی اشکال کو تلاش کرنا آسان محسوس ہوتا تھا۔ پھر کھیتوں کی طرف سے آنے والی ہوا میں مٹی کا احساس خوشبو محسوس ہوتا تھا۔ پھر میری آنکھیں نم ہو گئیں۔

مجھے اس وقت میں ستارہ دکھائی دیا، وہ دھندلا ہو رہا... اس غبار میں مجھے دو پاؤں نظر آئے، جیسے کسی نے سفید چادر اوڑھ رکھی ہو، پاؤں کی چند انگلیاں، ٹخنے، اور پھر ٹخنوں سے اوپر تک جاتی ٹانگیں نظر آئیں... میں نے جھپک کر آنکھیں بند کر لیں... دوبارہ کھولیں تو ان ہی ٹانگوں پر روشنی کی شعاعیں ہر طرف ٹخنوں سے ٹانگوں کو نیچے سے اوپر کی طرف چھپا دیا تھا۔ میری آنکھیں لمحے بھر کے لیے بند ہوئیں اور دوبارہ کھلیں تو وہاں کچھ نہ تھا۔ وہاں پر ستارے گھورتے رہے تھے۔

9

کل صبح مدرسہ کا جھیلا سیف جا رہا ہے، تو میں بھی ساتھ جاؤں گا۔

مدرسہ جا رہے ہو؟ میں نے پوچھا۔

''نہیں،'' گداؤ نے کہا: ''لاری اڈے پر ملیاریاں آ گئی ہوں گی۔ ان کے پاس سبزی تازہ ہوتی ہے، لینے جا رہا ہوں۔''

''میں بھی چلتا ہوں،'' میں نے کہا۔ ابھی ہم تنور کے پاس بھی نہیں پہنچے تھے کہ میں نے وہ بات پوچھ ہی لی جس نے مجھے پریشان کیا ہوا تھا۔

''گداؤ،'' میں نے کہا: ''یہ رکھا کیا ہوتی ہے؟'' گداؤ نے چونک کر میری طرف دیکھا — یوں لگا جیسے اسے پہلے ہی سے میرے سوال کا انتظار تھا۔

''وہ... چھوٹے صاحب جی، اُدھر...'' گداؤ نے پیچھے شمال کی سمت اشارہ کیا: ''میں نے آپ کو بتایا تھا کہ دس پندرہ میل دور دریا ہے۔ دریا کے کنارے کو میگھا چمن کہتے ہیں۔ جھاوریاں سے میگھ چمن تک بڑا خطرناک گھنا جنگل ہے... وہاں درندے بھی ہیں اور قدم قدم پر ناگ بھی۔ جھاوریاں سے میگھ چمن جانے والی کچی سڑک پر تو سردیوں میں جگہ جگہ الٹا چلنے والے جیسی سانپ نظر آتے ہیں۔ تانگہ صبح نو بجے جاتا ہے اور سورج ڈوبنے سے پہلے واپس آ جاتا ہے۔ رات کو جنگل سے گزرنے والا کبھی زندہ واپس نہیں آتا۔'' گداؤ رکا۔ تنور آ گیا تھا، لیکن ابھی تنور پر الٹی کڑاہی دھری ہوئی تھی — صبح کے شاید ساڑھے آٹھ ہوئے ہوں گے۔ تنور کے سامنے ہسپتال کے صحن میں چند دیہاتی بیمار جانوروں کو لائے ہوئے تھے۔ گداؤ اور میں لاری اڈے کی سمت جا رہے تھے۔ ''بہت خطرناک جنگل ہے،'' گداؤ نے بات جاری رکھی: ''وہاں درندے اور ناگ ہی نہیں، بدروحیں اڑتی پھرتی ہیں اور کالی بلا بھی رہتی ہے جو بچوں کا خون پیتی ہے۔'' گداؤ کی آواز میں دھیما سا خوف ابھرا — یہ خوف میں پہلے بھی کئی دیہاتیوں کی آوازوں میں محسوس کر چکا ہوں جو جنوں بھوتوں کی باتیں کرتے ہیں۔ ''جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے،'' گداؤ نے کہا: ''تو آنول کٹنے سے پہلے بدروحیں اس پر چکر لگانا شروع کر دیتی ہیں۔''

''کون کہتا ہے؟'' میں نے فوراً کہا۔

''یہی سنا ہے صاب جی،'' گداؤ نے کہا: ''بچپن سے یہی سنتے آ رہے ہیں۔ بچے پر بدروحیں چکر لگاتی ہیں، کسی پر ایک، کسی پر دو، کسی پر تین، کسی پر چار... چار چکر بدروحوں کے ہوتے ہیں اور پانچواں چکر کالی بلا کا ہوتا ہے، جو کسی کسی بچے پر ہی کالی بلا لگاتی ہے۔'' گداؤ نے ادھر اُدھر یوں دیکھا

Scanned with CamScanner

جیسے بدروحیں اور کالی بلا کی باتیں سن رہی ہوں۔ "بچہ اگر کم قیمتی ہو... عام سا ہو تو... اس پر ایک بدروح چکر لگاتی ہے۔ اسی طرح جو بہت ہی قیمتی ہو، اس پر کالی بلا خود پانچواں چکر لگاتی ہے۔ ایک ہی چکر لگے تو اس کی زندگی کو ایک سال کے لیے خطرہ ہوتا ہے، دو چکروں پر دو سال، تین پر تین سال... اور..." "لاری اڈہ" گیا۔ گداؤ نے شاہ پور جانے والی سڑک کی طرف دیکھا۔

"دیر کر دی میاریوں نے..." پھر میری طرف دیکھا۔ "کبھی کبھی دیر سے آتی ہیں، پر سبزی تازہ ہوتی ہے۔"

"تم بتا رہے تھے..." میں اور گداؤ کھڑے ہو گئے۔

"ہاں... وہ..." گداؤ نے کہا: "جس بچے پر چار بدروحیں چار چکر لگائیں، اس بچے کی جان کو چار برس خطرہ رہتا ہے، اور جس پر کالی بلا پانچواں چکر لگائے اس کی جان کو بہت زیادہ خطرہ رہتا ہے۔" گداؤ رکا، پھر اس نے سڑک کی سمت دیکھا، پھر شمال کی سمت ہاتھ سے اشارہ کیا۔ "ادھر میٹھا چن میں، دریا کے کنارے، پیر نور شریف کا دربار ہے۔ سب انھیں میٹھا پیر کہتے ہیں۔ بدروحیں اور کالی بلا ان سے بہت ڈرتی ہے۔ انھوں نے بہت چلے کاٹے ہوئے ہیں۔ انھیں کشف بھی ہوتا ہے۔ کشف ہی سے انھیں پتا چل جاتا ہے کہ کس بچے پر کتنی بدروحوں کا سایہ ہے اور کس پر کالی بلا نے تو چکر نہیں لگایا۔" گداؤ نے پھر شاہ پور جانے والی سڑک کی طرف دیکھا۔

"آج دیر کر دی میاریوں نے،" گداؤ نے قدرے پریشان ہو کر کہا۔ "رقیہ کو سبزی دے کر میں نے ڈیوٹی پر بھی جانا ہے۔"

"پھر کیا ہوتا ہے گداؤ؟" میں نے پوچھا۔

"کیا ہوتا ہے؟" گداؤ نے بے خیالی میں میرا سوال دہرایا، پھر چونکا۔ "اچھا وہ... میٹھے پیر جی کو پتا چل جاتا ہے کہ کس گاؤں میں لڑکا پیدا ہوا ہے، کس گاؤں میں لڑکی۔ انھیں تو یہ بھی پتا چل جاتا ہے کہ کس گاؤں میں کتنے بچے پیدا ہوئے ہیں، کتنے ہونے والے ہیں... لڑکیوں کو کوئی خطرہ نہیں ہوتا، لیکن لڑکے کی پیدائش پر پیر نور شریف کے ملنگ میٹھا چن سے آتے ہیں۔ بچے کی ماں کو بتاتے ہیں کہ اس کے بیٹے پر کتنی بدروحوں کا خطرہ ہے، اور کیا کالا سایہ ڈالنے والی کالی بلا سے تو خطرہ نہیں ہے۔ وہ بچے کی ماں سے کہتے ہیں کہ انھیں میٹھے پیر نے بھیجا ہے اور یہ کہہ کر بھیجا ہے کہ بچے کی

جان کو کتنے برسوں تک خطرہ ہے... اور پھر...'' گداؤ کہتے کہتے رک گیا۔

''کدھر چڑھائی ہے گدا حسین؟'' ایک دیہاتی نے اونچی آواز میں کہا۔ ''کہاں لے جا رہے ہو ڈاکٹر کے بھائی کو؟''

''نہیں نہیں لے جا رہا ہوں'' گداؤ نے کہا۔ ''میاریوں کا انتظار ہے۔ چھوٹے صاحب کو میں ساتھ لے آیا ہوں اپنی پسند کی سبزی خریدنے کے لیے۔''

دیہاتیوں نے غور سے میری طرف دیکھا۔ ان کے چہروں پر مسکراہٹ آ گئی۔

''ملیاریوں کون سی نئی سبزی لائیں گی؟'' ایک نے کہا۔ ''وہی جھنڈیاں، ٹماٹر، پیٹھا کدو، بینگن، کھیرے اور تراں۔'' (ککڑیاں)

''اس گرمی کے موسم میں...'' گداؤ کا لہجہ طنزیہ تھا۔ ''کیا تیرے لیے وہ بھی مٹر گاجریں اور مولیاں لے کر آئیں گی، بجلی دانے؟''[24]

وہ دونوں ہنستے ہوئے چلے گئے۔

''منت اور کیا کہتے ہیں بچے کی ماں کو؟'' میں نے پوچھا۔ گداؤ نے میری طرف دیکھا۔

''کہنا کیا ہے صاحب...'' اس نے کہا۔ ''جتنے سال بچے کی جان کو خطرہ ہوتا ہے، اتنے سال کے لیے مشتاق پیر کی منت حفاظت کے لیے رکھوا دیتے ہیں۔ جب بچے کی جھنڈ[25] اترتی ہے تو ماتھے پر بال چھوڑ دیتے ہیں۔ ان بالوں پر سنگھا پیر کا دم کیا ہوا پانی قطرہ قطرہ ٹپکایا جاتا ہے۔ یہ پانی پیر جی کے دربار کے کنویں سے لایا جاتا ہے...'' گداؤ کچھ سوچنے لگا۔ ''ہاں...'' اس نے یوں کہا، جیسے کوئی بات یاد آ گئی ہو۔

''اگر بچہ شیعہ ہو تو پانچ قطرے، اگر بچہ سنی ہو تو آٹھ قطرے... جتنے سال کی منت رکھی گئی ہو، اتنے برس بچے کے سر کے دوسرے بال منڈوانے پڑتے ہیں۔ بس ٹھوڑی بڑھتی رہتی ہے۔ منت کی وجہ سے بد روحیں اور کالی بلا بچوں پر حملہ نہیں کرتی۔'' گداؤ نے بھی سے چھپکی سے شاہ پور،

24۔ مکئی (ٹانڈے) اور پھلیوں کی ایک قسم جس کی پھلیاں بہت سیاہ اور نازک ہوتی ہیں ... جو ... اور لگا کر بڑے شوق سے کھاتا ہے۔

25۔ عقیقہ، بچے کے بال مونڈنا۔

جانے والی سڑک کی سمت دیکھنا شروع کر دیا۔

''کیا ہر گاؤں میں عورتیں اپنے بچوں کے سروں پر بالوں کے گچھے رکھواتی ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''جی صاب، اس علاقے میں تو ہر ماں رکھ ہی پر بھروسا کرتی ہے۔''

''جو بڑے بڑے زمیندار ہیں، ملوانے حویلی والے ... ان کے بچوں ...''

''سنا ہے صاب ...'' گداؤ نے میری بات کاٹ دی: ''سنا ہے کہ پیر نور شریف سے کسی بڑے دادے پردادے نے زمینداروں کی حویلیوں میں بیٹھ کر چھتے کاٹے تھے۔ بدروحیں اور کالی بلا حویلیوں کی طرف نہیں جاتی۔ پیر نور شریف بھی ہر مہینے دو مہینے بعد بڑے زمینداروں کی حویلیوں میں حاضر ہو کر چالیس چالیس بچوں کا چھد کاٹتے ہیں۔ حویلیاں بدروحوں سے بھی محفوظ ہیں اور کالی بلا بھی ادھر کا رخ نہیں کرتی۔'' گداؤ کے چہرے پر کھنچاؤ سا تھا، وہ شاہ پور والی سڑک کی طرف مسلسل دیکھ رہا تھا۔

''ابھی آئی دیر نہیں کرتیں ملیاریاں ...'' گداؤ نے کہا: ''پتا نہیں آج کیا ہو گیا ہے۔''

''سال پورے ہو جانے پر کیا ہوتا ہے؟'' گداؤ میرے اس سوال پر کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا۔

''ہونا کیا ہے، رکھ کاٹ دی جاتی ہے ...'' گداؤ نے کہا: ''اور پھر رکھ کے بالوں کو تولا جاتا ہے۔ جتنا وزن ہو اس کے مطابق سونا یا چاندی پیر کے دربار میں ہدیے کے طور پر دی جاتی ہے۔''

''سونا یا چاندی؟'' میں نے چونک کر کہا۔

''ہاں صاب،'' گداؤ بولا، ''پیر نور شریف بچے کے ماں باپ کی حیثیت دیکھ کر ہی فیصلہ کرتے ہیں کہ ہدیہ سونا ہو گا یا چاندی۔ اگر کوئی بہت غریب ہو تو وہ بالوں کے وزن کے مطابق روپے بھی دے سکتا ہے — روپے خالص چاندی کے تو ہوتے نہیں ...''

گداؤ نے اپنے دائیں ہاتھ کو آنکھوں پر یوں رکھا جیسے سورج کی کرنوں کو آنکھوں تک آنے سے روک رہا ہو۔

''آ گئیں،'' وہ تقریباً چیخا: ''آ گئیں ملیاریاں!''

میں نے بھی سڑک کی سمت دیکھا۔ دور سڑک کے موڑ پر چھ عورتیں نظر آئیں جنھوں نے سروں

پر ٹوکرے اٹھا رکھے تھے۔ جیسے جیسے وہ نزدیک آتی گئیں، منظر صاف ہوتا گیا۔ عورتوں نے مخصوص علاقائی لباس پہن رکھے تھے کھلے کرتے اور لاچے۔ کرتے چھینٹ کے تھے اور لاچے سفید، نیلے اور سیاہ رنگ کے تھے۔ ان میں ادھیڑ عمر کی عورتیں بھی تھیں، جوان بھی اور نوعمر لڑکیاں بھی۔ انھوں نے ہمارے قریب آ کر ٹوکرے زمین پر رکھے۔ چھوٹے سے ہوٹل کا ملازم تقریباً دوڑتا ہوا سبزی فروش عورتوں کی سمت آیا۔ ہوٹل سے تین چار مرد بھی نکلے جو میریوں کے انتظار میں ہوٹل میں بیٹھے شاید چلم پی رہے تھے۔

''واہ!'' گداؤ نے ٹوکروں کے کناروں سے باہر لٹکتے ہوئے خوش رنگ، تازہ سبز پتوں کی طرف اشارہ کیا۔ ''آج تو پالک بھی آئی ہے!'' اس نے خوش ہو کر کہا ''پہلی بار آئی ہے اور پالک بھی زوردار۔''

گداؤ نے پالک خریدی، کھیرے اور ککڑیاں بھی خریدیں۔ ایک نوعمر لڑکی نے چھوٹے سے ٹوکرے میں ٹماٹر بھرے ہوئے تھے، گداؤ نے ٹماٹر بھی خریدے۔ میریوں نے جتنے پیسے مانگے، گداؤ نے دیے۔ انھوں نے سبزی کے ساتھ مٹھی بھر سبز مرچیں اور دھنیا بھی کپڑے کے تھیلے میں ڈال دیا۔ نوعمر لڑکی ایک دو بار میری سمت دیکھ کر مجھے ہی دیکھنے لگی۔

''میں تو ہمیشہ ان ہی سے سبزی خریدتا ہوں،'' گداؤ نے کہا۔ ''آلو پیاز بازار سے مل جاتے ہیں۔''

''ہاں گداؤ،'' میں نے کہا، ''یہ سبزی دیکھ کر تو یوں لگتا ہے، جیسے ابھی ابھی کھیت سے نکالی گئی ہو۔''

''آج تو رقیہ بھی بڑی خوش ہوگی،'' گداؤ نے کہا۔ ''اسے پالک بہت پسند ہے۔''

ٹماٹروں والی نوعمر لڑکی مسلسل مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں گھبرا سا گیا۔ بہت سے گاہک آ چکے تھے۔ میں گداؤ کے ساتھ مڑا۔ چند قدم چلنے پر ہی میرا ذہن پھر وہب کی سمت گیا۔ عقیدتوں، خودغرضیوں اور خوف کو ہتھیار بنا کر... ''میں نے سوچا، ''مذہب فروشی کا یہ انداز بھی ہے۔'' مجھ پر بالوں کے گچھے کا سربستہ راز کھل چکا تھا۔

''ہر روز چار پانچ بالوں کے گچھے تو اترتے ہی ہوں گے،'' میں نے کہا۔ ''ان کے وزن کے

متعلق [illegible] پیر نور شریف کو لیے جاتے ہوں گے۔

[illegible] میری طرف مڑا۔ وہ میری سمت [illegible] میں دیکھ رہا تھا، جیسے [illegible]
سے پیچھے [illegible] کوشش کر رہا ہو۔

[illegible] صاحب جی، یہ علاقہ سارے کا سارا پیر نور شریف کا ہے۔ [illegible]
[illegible] ہوتی ہیں۔ بچے پیدا ہوتے [illegible]
[illegible] ہیں۔ [illegible] اور دونوں رکھتی ہیں۔ [illegible] میں تو [illegible] نے
[illegible] بالوں سے بنی نظر آتی ہے اور مر جانے پر غسل سے پہلے کالی
[illegible]

[illegible] تو خاصی وزنی ہوتی ہوں گی؟ میں نے پوچھا۔ ہسپتال سے
[illegible] سب [illegible] چپ تھے۔ [illegible] چھوٹی چھڑیاں [illegible] میں [illegible]
[illegible]

مجھے معلوم ہیں صاحب، کداؤ نے کہا۔ جو [illegible] گیت اور گالیاں گاتے ہیں
[illegible] بالوں سے بنی ہوئی نہیں نظر آتی ہیں۔

[illegible] میں نے کہا۔ پیر کے ملنگ تو ہر گاؤں میں جاتے ہوں گے۔

ہاں صاحب جی، کداؤ نے جواب دیا۔ ہر گاؤں میں جاتے ہیں۔ ہر گھر کے آگے ہرمل
[26] [illegible] ہیں۔

انھیں پتہ چل جاتا ہوتا ہے کس گھر میں بچہ پیدا ہوا ہے؟ میں نے کہا۔

ہاں صاحب [illegible] تو چل جاتا ہی ہوگا، کداؤ نے کہا اور پھر چونک کر میری طرف دیکھنے لگا۔

آپ [illegible] پوچھا ہے آپ نے؟

[illegible] ہوں گے، میں نے کہا۔ کداؤ نے چہرے پر [illegible]
[illegible]

[illegible] نے کبھی نہیں سوچا، کداؤ نے کہا۔ سب یہی کہتے ہیں کہ پیر نور شریف کا شف

26۔ [illegible] اسے جلا کر دھواں پھیلاتا۔

Scanned with CamScanner

ہوتا ہے کہ کہاں بچی پیدا ہوئی ہے، کہاں بچہ پیدا ہوا ہے اور بچے پر کتنی بدروحوں نے چکر لگایا ہے اور کیا کالی ما نے تو چکر نہیں لگایا... بوبا قسمتی بچہ ہے صاب۔ بوبے پر پہلے چار بدروحوں نے اور پھر کالی بلا نے چکر لگایا تھا۔ پانچ سال کے لیے رکھ رکھوائی گئی تھی، اب تو ڈھائی مہینے ہی رہ گئے ہیں۔"

ہم ہسپتال اور تنور کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ میں نے مائی جیراں کے گھر کی سمت دیکھا۔ دروازہ بند تھا۔

"جب بوبے کی رکھ رکھوالی گئی تھی تو کیا بوبے کا باپ زندہ تھا؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں... فوج میں تھا۔" گداؤ نے کہا۔

"یہ بات تو پیر کو منکوں کے ذریعے معلوم ہی ہوگی کہ بوبے کا باپ اس قابل ہے۔ باول پھی کتنا ہی لمبا، موٹا اور روغنی ہو جائے، وہ سونا چاندی دے سکتا ہے۔"

گداؤ کی آنکھیں بھنچ سی گئیں۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ چہرے پر غصہ دوڑ گیا۔

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں صاب؟" گداؤ کی آواز میں بھی کھچاؤ نمودار ہو چکا تھا۔ "پھر بھی تو میں بھی سمجھ رہا ہوں۔"

"جو مجبور ہے ہو گداؤ، وہی سچ ہے۔" میں نے کہا۔ "لالچ آدمیوں سے بہت گھناؤنے کام کراتا ہے۔"

گداؤ مسلسل میری طرف بھنچی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ کافی دیر خاموشی رہی۔ گھر قریب آ گیا۔

"سونے اور چاندی کی ہوس ہر وہ کام کرا سکتی ہے جو ناجائز ہے۔" میں نے مزید کہا۔ گداؤ کے چہرے پر کھچاؤ میں پریشانی سی شامل ہو گئی۔ چوڑی گلی سے گھر کی طرف مڑتے ہوئے گداؤ نے کچھ کہنا چاہا، کہہ نہ پایا۔

10

شام کو میں بھائی اور میر صاحب کے ساتھ ہسپتال کے صحن میں بیٹھا تھا۔

میں ایک کرسی پر بیٹھا تھا جہاں سے تنور صاف نظر آ رہا تھا۔ مائی جیراں کے آس پاس لڑکیاں

Scanned with CamScanner

میٹھی تھیں۔ ان میں خوبصورتی بھی تھی اور سوئی کا کاٹ شریفانہ بھی — گلناری نہیں تھی۔ نوراں پھر پلکیں جھپکائے بغیر مجھے دیکھ رہی تھی۔ بھائی اور میر صاحب جراثیم سے پیدا ہونے والی کسی بیماری پر سنجیدگی سے مشورہ کر رہے تھے۔ [illegible] ابھی تک نہیں آیا تھا۔ مشتو اپنی کوٹھڑی کے قریب بیٹھا چائے بنا رہا تھا۔ نوراں کی نظروں سے گھبرا کر میں نے دوسری جانب دیکھا تو ایک گندمی رنگ کی لڑکی بھی ٹکٹکی باندھ کر مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس لڑکی نے آنکھوں میں گہرا سرمہ ڈالا ہوا تھا۔ آنکھیں گول گول، چھوٹی چھوٹی سی تھیں۔ مجھے گلناری کی تلاش تھی۔ وہ طور پر نہیں تھی۔

میں نہیں جانتا میرے دل میں گلناری کو دیکھنے کی خواہش کس لیے پیدا ہو رہی تھی۔ یہ خواہش شدید ہوتی جا رہی تھی اور وہ طور پر نہیں تھی۔

"شاید گل شرما رہی ہو، شاید [illegible] نے [illegible] کے مارے اسے طور پر آنے سے منع کر دیا ہوگا۔ میں سوچ رہا تھا [illegible] وہ خود ہی اس قدر شرمندہ ہو گی کہ طور پر آنے سے جھجک رہی ہو گی۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے گلناری طور پر آئی تو سب لڑکیاں مجھ سے چٹکیاں لیں گی، [illegible] بات مجھے کبھی نہیں [illegible]۔۔ لیکن یہ بات میں ہر شام اسی روڑی پر یوں بیٹھ جاتا ہوں جہاں سے گلناری کا گھر نظر آتا ہے؟ میں گلناری کو کیوں دیکھنا چاہتا ہوں؟ یہ سب کیا ہے؟ مجھے کیا ہو گیا ہے؟

چاند کی [illegible] طرح [illegible]۔ یوں لگا جیسے طور سے اٹھتا ہوا دھواں جھیل سے [illegible] کی صورت [illegible]۔ [illegible] میں مجھے گلناری کا چہرہ نظر آیا۔ اس کی آنکھوں میں چمکتی [illegible] جو اس کے چہرے پر پھیل رہی تھی، روشنی کی مسکراتی کرنوں کی مانند۔ ہوا کے [illegible] خوبصورتی سے [illegible] تھے۔ [illegible] بھی کم وقت [illegible] آنکھیں بند [illegible]، وہاں بھی [illegible] گلناری کا خوبصورت چہرہ [illegible] مجھے [illegible] مسکراتی آنکھیں......

اسی دوران [illegible] دروازہ کھٹکھٹایا۔ میری نظریں تیزی سے دروازے کی سمت [illegible]۔ [illegible] میں گلناری کھڑی تھی۔

[illegible] مجھے میں نے اسے دیکھا۔ اس کا گلابی چہرہ [illegible] پیشانی [illegible] اٹھائی [illegible] خوبصورت آنکھیں [illegible] میری سمت دیکھا۔ اس نے [illegible]

Scanned with CamScanner

پھولوں والا کرتا اور گہرے نیلے رنگ کا لاچا پہن رکھا تھا۔ وہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ چہرے پر دھیمی سی پریشانی میں وہ اور زیادہ خوبصورت دکھائی دے رہی تھی۔ وہ تنور کی سمت اس انداز سے گئی جیسے محتاط ہو کر قدم اٹھا رہی ہو۔ تنور کے قریب جا کر اس نے آہستگی سے سر گھما کر مجھے دیکھا۔ اس کے چہرے کا گلابی رنگ سرخی میں تبدیل ہو رہا تھا۔ وہ بیٹھ گئی۔ بیٹھتے ہوئے اس نے غیر ارادی طور پر اپنی خوبصورت لمبی انگلیوں سے ٹانگوں کو اچھی طرح ڈھانپنے کے لیے، لاچے کو گھٹنوں پر کھینچا۔ ایسا کرتے ہوئے وہ خود بھی چونکی۔ مجھے بھی یہی محسوس ہوا کہ اس کا یہ عمل دانستہ نہیں تھا، غیر ارادی ہی تھا۔ اس نے میری سمت دیکھا، چہرہ مزید سرخ ہو گیا۔ مجھے بھی اپنے چہرے پر تپش کا احساس ہوا۔ میرا چہرہ بھی سرخ ہو گیا ہو گا۔ ماسی جیراں نے شاید گلنازی کی غیر ارادی حرکت دیکھ لی تھی۔ ماسی جیراں نے میری طرف دیکھا۔ مجھ پر گھبراہٹ سی طاری ہو گئی۔ ماسی جیراں کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ آئی اور اس نے مجھ سے نظریں ہٹا کر آگ سی سرخ روٹی نکالنے کے لیے تنور میں ڈالی۔

گلنازی نے اپنے دائیں گھٹنے پر بایاں رخسار رکھ کر سر کو ترچھا کرتے ہوئے، خوبصورت لیکن کچھ کچھ ڈری ہوئی آنکھوں سے میری طرف دیکھا۔ اس کے بالوں سے ایک لٹ دائیں رخسار پر گری، تھرکی اور رخسار پر پھسلی اور اس کے کنج دہن تک جا پہنچی۔ اس کی آنکھوں میں ڈر ختم ہو گیا اور ندامت کے ساتھ حیا کی ایسی آمیزش نظر آئی کہ میں اپنے پورے بدن میں سنسنی سی دوڑتی ہوئی محسوس کرنے لگا۔

اگلے ہی لمحے وہ اس قدر خوبصورت نظر آئی کہ مجھ پر سکتہ سا طاری ہو گیا۔

"اس دنیا میں اس سے خوبصورت لڑکی کہیں بھی نہ ہوگی..." میرے دل سے آواز سی ابھری۔ گلنازی کا حسن مجھے اس کے وجود سے بلند ہوتا ہوا محسوس ہوا جو حسن فطرت کی طرح وسعت میں پھیل رہا تھا۔ وہی حسن جس نے مجھے بچپن ہی سے لاشکل ہو کر اپنا احساس دلایا تھا۔ وہ حسن مجسم میرے سامنے تھا۔ مجھے اپنا وجود بھی اپنے مادی وجود سے بلند ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ حسن فطرت کی وسعت میں — ایک لامحدود روح کی طرح — وہ مجھے اپنے بے حد قریب محسوس ہوئی۔

"چائے صاحب" بخشو کی آواز پر سب کچھ کسی خواب کی مانند، آنکھ کھل جانے پر معدوم سا ہو گیا۔ چائے کی پیالی پکڑتے ہوئے میری انگلیاں تھرتھرائیں، پرچ میں پیالی بھی تھرتھرائی۔ بخشو

Scanned with CamScanner

مجھے یہاں بیٹھ کر چائے پینا ... عمران اور میر صاحب کسی بحث میں مصروف تھے ... کسی کو میری حالت کا پتا نہ چلا۔

میری طرف پشت کیے ... سمت گلنار کی سیدھی بیٹھی تھی۔ ... سامنے ... سے ... رہی تھی۔ اس نے سر گھما کر پھر میری طرف دیکھا۔ نہ جانے اسے میرے چہرے پر کیا نظر آیا، اس کے ہونٹوں پر بہت دھیمی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی، پھر وہ دوسری سمت دیکھنے لگی۔

حسن ... لمحوں کے ساتھ گزر چکا تھا ... لمحوں کی مانند جو گزر جاتے ہیں ... وسعت کی ... سے جاتے ہیں۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے مجھے تو پر گلنار کی ... کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

11

اگلی دوپہر ... مجھے الجھن سی محسوس ہوئی۔ بار بار نظریں ... پیچھے کی سمت ... تھیں۔ ... میرے ذہن میں ... محسوس رہا۔

"کیا بات ہے؟" ... نے پوچھا۔ "تم پریشان سے لگ رہے ہو۔"

"...... میں نے بات ... ہوئے ... مجھے انگلش کے ... بہت مشکل محسوس ہو رہے ہیں۔"

"ذرا کوشش کرو،" عصمت نے کہا، "سمجھ میں آنا شروع ہو جائیں گے۔ پہلے پہلے مجھے کئی ... مشکل محسوس ہوتے تھے ... مجھ سے تو تم پڑھتے نہیں ہو ورنہ..."

میں نے کاپی پنسل سنبھالی اور ... سے نکلا۔ ذہن میں کچھ ... تھا۔ بیرونی دروازے سے نکلتے ہی ... گھوڑے کی ٹھک ٹھک سنائی دی۔ وہ گا رہا تھا:

"... شان ... ہیڈ ... روڈ ..."

میر صاحب ... تک پہنچتے پہنچتے میرا ... کچھ کم ہو چکا تھا۔ میر صاحب اپنے خوشگوار ... میں ... مشق کراتے رہے۔ پھر نہ جانے کیوں مجھے میر صاحب سے ایک

سوال پوچھنے کی خواہش محسوس ہوئی۔ میں رہ نہ سکا۔

"سر،" میں نے قدرے جھجکتے ہوئے کہا، "جب آپ انڈیا سے آئے تھے، کیا ہوا تھا؟"

وہ یوں چونکے جیسے میں نے ان ہی کی میز پر پڑی ہوئی رنج کی سوئی انھیں چبھو دی ہو۔ انھوں نے میری طرف غور سے دیکھا۔

"اپنے ناخن تو دکھایئے..." انھوں نے کہا۔ میں گھبرایا۔ انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا۔ میرے ناخن خاصے بڑھے ہوئے تھے۔

"چھی چھی چھی چھی!" میر صاحب نے ناک سکوڑی۔ "اتنے لمبے ناخن؟ ایسے تو لڑکیوں کے ہوتے ہیں... تبھی آپ ہمارے زخم کریدنا چاہتے ہیں۔"

مجھے یوں محسوس ہوا، میں نے بہت غلط سوال پوچھ لیا ہے۔

"سر..." میں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا، "وہ بھائی بتا رہے تھے کہ آپ یوپی بہار کے کسی میڈیکل کالج میں تھے... یہاں آکر آپ نے تعلیم کیوں چھوڑ دی؟"

میر صاحب چند دیر میری طرف دیکھتے رہے۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔

"ہمارا تعلق اترپردیش کے ایک زمیندار گھرانے سے ہے۔ ہمارے آباواجداد صدیوں سے وہیں رہتے تھے... بس بھول ہوگئی ہم سے۔ ہماری زمینیں تھیں، حویلیاں تھیں۔ ہم یہ تو نہیں کہیں گے کہ ہم بہت بڑے زمیندار تھے یا کوئی جاگیردار تھے۔ نہیں — ایسی کوئی بات نہیں۔ ہماری گاؤں میں ساکھ تھی۔ ہمارے نام دس ایکڑ زمین تھی جس پر باغات لگے ہوئے تھے۔ باقی زمینیں بہن بھائیوں کے نام تھیں۔ ہمیں زمینداری سے کہیں زیادہ پڑھنے میں دلچسپی تھی۔ 1947 میں ہم میڈیکل کالج میں فورتھ ایئر کے طالب علم تھے۔ ایک برس رہ گیا تھا ایم بی بی ایس ہونے میں۔ زمیندار گھرانوں کے رواج کے مطابق ہماری شادی میڈیکل کالج میں داخلہ لینے سے پہلے ہی کردی گئی تھی۔ ہماری بڑی بیٹی انڈیا ہی میں پیدا ہوئی تھیں... بس بھول ہوگئی ہم سے... چند جوشیلے دوستوں اور رشتے داروں کے ساتھ نکل پڑے گھر سے۔ ماں باپ نے روکا، بہن بھائیوں نے منع کیا، بوڑھی نانی اماں روتی رہیں، ہم نے کسی کی نہ سنی۔ حویلی و زمین کے کاغذات، تعلیمی سرٹیفکیٹس اور جو زادِ راہ میسر آیا، ساتھ لیا نکل پڑے نئی دنیا کی تلاش میں۔ بیوی کی گود میں چھ ماہ کی بچی تھی۔ جنون سا سر پہ سوار تھا۔

بچتے بچاتے لاہور پہنچ گئے۔" میر صاحب نے میز پر کہنیاں ٹکائیں، میری طرف دیکھا۔ "رات کا وقت تھا، مسافر خانوں میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ پلیٹ فارم پر ہی رات بسر کرنا تھی۔ لاہور ریلوے سٹیشن کے پلیٹ فارم پر بھی ہجرت کر کے آنے والوں کا ہجوم تھا۔ اوپر سے موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ غریب مصائب کا وقت تھا۔ پلیٹ فارم پر کتنے ہی خاندان موجود تھے۔ آدھی رات کو ذرا سی آنکھ لگی ہوگی کہ کوئی شقی القلب آدمی ہمارا سامان لے اڑا۔ آنکھ کھلی تو معلوم پڑا کہ ہم لٹ چکے ہیں۔ پہلے بھی تو پاس نہ تھا۔ چور سب چھو لے گئے۔ سامان کے ساتھ ہمارا مستقبل بھی چوری ہو گیا۔ وہ سوٹ کیس بھی گیا جس میں ہمارے تعلیمی سرٹیفکیٹس تھے، حویلی اور زمین کے کاغذات، زیورات سب تھے، کچھ نقدی بھی تھی۔ ہماری اہلیہ پر غشی طاری تھی۔ ہر سمت نفسا نفسی کا عالم تھا۔ کوئی کسی کی نہیں سنتا تھا۔ ہم نے اگلے روز پولیس میں رپورٹ درج کرائی۔ ایف آئی آر کی کاربن کاپی ہاتھ میں پکڑی، بیوی اور بچی کو ایک مہاجر کیمپ میں چھوڑا اور لاہور میں دوستوں اور رشتے داروں کو ڈھونڈنا شروع کیا۔ جیب میں جو کچھ تھا وہ تانگوں کے کرایوں پر خرچ ہو رہا تھا۔ نہ دوست ملے نہ رشتے دار۔ تب ہم نے اپنے حق کے لیے تگ و دو شروع کی۔ اب ہم تھے اور کلیم آفس کے چکر۔ پاؤں دکھ جاتے تھے۔ اہلکاروں کو ایف آئی آر کی کاپی دکھاتے تھے تو وہ شک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ جو زیور ہماری اہلیہ کے تن پر تھے، سب بک گئے۔ پھر کلیم آفس کے ایک افسر کو ہم پر رحم آ ہی گیا۔ مختصر سے انتظار کے بعد انھوں نے ہمیں یہاں بھاوڑیاں میں ایک ہندو تاجر کا چھوڑا ہوا دو منزلہ مکان الاٹ کر دیا، ساتھ یہ دکان بھی۔ یہ دکان بھی اسی ہندو کی تھی۔ اس دکان کی زمین بھی ہمیں الاٹ ہو گئی... آپ نے شاید دھیان نہیں دیا، اس دکان کی چھت پر کوئی تعمیر نہیں ہے اور پیچھے دو منزلہ مکان ہے۔"

مجھے دھیما سا احساس ہوا کہ دکان کے اوپر کوئی کمرہ نہیں ہے۔ میر صاحب نے بازار گلی کی دوسری سمت مڑتے انگلیوں سے بتاتے ہوئے دو منزلہ مکان کو دیکھا۔

"خدا اس افسر کا بھلا کرے۔" میر صاحب نے کہا۔ "کلیم کے کاغذات نہ ہونے پر بھی اس نے عالم میں اصولوں سے ہمیں یہ چھپر سی چھت دے دی۔ یہاں آئے تو شروع شروع میں بڑی دقتیں جھیلنا پڑیں۔ مقامی لوگ ہمیں پناہ گزین کا طعنہ دیا کرتے تھے۔ ہمارے پاس تھیلے میں ... سے بھی رقم نہ تھی۔ دکاندار ادھار بھی نہیں دیتے تھے۔ اسی بے بسی میں ہم نے دکان

Scanned with CamScanner

میں ڈسپنسری کھولنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن کھانے کے لیے پیسے نہ تھے۔ ڈسپنسری مفت میں تو کھل نہیں سکتی تھی۔ ہم اس سلسلے میں گاؤں کے صاحب ثروت لوگوں سے ملے۔ ہمیں کم از کم ایک سو روپے کی ضرورت تھی لیکن ہر سمت مایوسی ہی ملی۔ ہر سمت اندھیرا تھا۔ ہم نے الاٹ شدہ مکان اور یہ دکان بیچ دینے کا فیصلہ کیا۔ ہمارا ارادہ کراچی جانے کا تھا، کیونکہ وہاں ہجرت کر کے پہنچنے والوں کی اکثریت تھی۔ یہی سوچا کہ ممکن ہے وہاں زندگی کا کوئی روشن راستہ مل جائے۔ ہم یہ ارادہ کر ہی رہے تھے کہ مایوسی میں ایک روشنی کی کرن دکھائی دی۔ شاید خدا نے ہمارے لیے یہی قصبہ چنا ہوا تھا۔ یہاں ایک کپڑے کے تاجر تھے نظام الدین بزاز۔۔۔ وفات پا چکے ہیں۔۔۔ وہ زیادہ تر سرگودھا ہی میں رہا کرتے تھے۔ مہینے میں ایک بار یہاں آیا کرتے تھے۔ ہم ان سے ملے اور بتایا کہ ہم نے چار برس ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کی ہوئی ہے۔

انھوں نے فوراً اپنا کرتا اتارا اور بازو اوپر اٹھائے۔ "ڈاکٹر ہو تو یہ دیکھو۔ بہت پریشان ہوں۔ حکیموں سے بھی علاج کرا لیا ہے۔ سرگودھا کے سرکاری ہسپتال کے ڈاکٹر سے بھی ملا ہوں۔ یہاں کے ڈاکٹر سے بھی پتہ نہیں ہوا۔ یہ کس قسم کی خارش ہے؟ مجھے بہت تکلیف ہے۔"

ان کی بغل میں ایگزیما تھا جو پھیل کر بہت بری حالت میں تھا۔ ایگزیما کی خراشوں سے جراثیم والا پانی رس رس کر پیٹ کی سمت پھیل رہا تھا، جس سے ان کی پسلیوں پر بھی یہ موذی جلدی بیماری پھیل سکتی تھی۔ ہم نے فوراً انھیں پنسلین کے سات انجکشن لکھ کر دیے۔ سرگودھا سے منگوائیں۔ اور دو مرہموں کے علاوہ اسپرٹ کی شیشی بھی منگوائیں۔ ان دنوں پنسلین کو انفیکشن کے خلاف بہت موثر سمجھا جاتا تھا۔ نظام الدین بزاز نے اگلی صبح ہی اپنے بیٹے کو سرگودھا بھجوا دیا اور ان کا ملازم ہمارے گھر آ کر آٹے کی آدھی بوری اور دس روپے دے گیا۔ شام کو انجکشن اور مرہمیں بھی آ گئیں۔ اسپرٹ بھی مل گئی۔ ہم نے فوراً علاج شروع کیا۔ ہر شام ہم نظام الدین بزاز کے گھر جا کر انجکشن لگاتے تھے۔ پانچویں انجکشن پر دوا کا اثر ظاہر ہوا۔ ایگزیما دب سا گیا۔ ساتویں انجکشن پر ایگزیما ختم سا ہو گیا۔ نظام الدین بزاز بہت خوش تھے۔ ہم نے انھیں تین مزید انجکشن منگوانے کا مشورہ دیا۔ انھوں نے انجکشنوں کے بھی روپے دے کر کہا:

"یہ تو تمھاری فیس ہے اور یہ تمھارا کرایہ۔" انھوں نے تیس روپے مزید دیے اور پھر ان

سے چہرے پر مسکراہٹ [illegible] ... انھوں نے مجھے ایک سو روپے دیے۔ [illegible]
[illegible] ہمیں [illegible] سو روپے کی ضرورت تھی، [illegible]
[illegible] اور کار [illegible] ادویات اور [illegible] درکار تھے، [illegible] ضرورت تھی۔ [illegible] سو روپے میں
[illegible] مشکل [illegible] آئے۔ [illegible]
[illegible] چلے گئے [illegible] دنوں تک وہ مریض [illegible] رہی تھی۔
[illegible] امید قائم تھی۔ [illegible] مریض [illegible]
[illegible]
[illegible] مریض [illegible] چل گئی [illegible]
[illegible] مریض [illegible] آتے ہیں [illegible] ہسپتال [illegible]
[illegible] مریض [illegible] میر صاحب کے چہرے پر
معصوم سی مسکراہٹ [illegible] لوگ بہت
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ...‘‘ میر صاحب لمحے بھر کے لیے خاموش ہو گئے۔
[illegible] میڈیکل کی تعلیم حاصل کرنے کے باوجود ڈگری نہ ہونے
[illegible] میر صاحب کے چہرے پر غم کا گہرا تاثر سا
[illegible] محسوس ہوا [illegible]
[illegible] انھوں نے [illegible]

[illegible] لیتے تو بھی ضروری نہیں تھا [illegible] ہسپتال میں ہوتے...
[illegible] خوشی [illegible] ہم پر عطائی ہونے کی تہمت تو نہ ہوتی۔‘‘ [illegible]

[illegible]

[illegible] میر صاحب نے میری طرف چہرہ گھمایا [illegible]

[illegible]

[illegible] صاحب نے پوچھا۔

[illegible]

[illegible] میر صاحب نے [illegible]

[illegible]

[illegible] اور میر صاحب نے قہقہہ لگایا۔

12

[illegible]

[illegible]

[illegible] کے اندر ہی تھا، وہ بیٹے کو باہر لے آیا۔ میں نے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible][27]

[illegible]

27 [illegible] Gallop [illegible] (Trot) [illegible] (Canter) [illegible]

بہت اچھی لگتی ہے۔ سردیوں میں سورج کی چمکتی دھوپ میں یہ مہک ہوا میں تیرتی محسوس ہوا کرتی ہے۔ حسن فطرت اپنے دلکش اور لطیف احساسات سے قلب و ذہن کو مخمور کر دیا کرتا ہے۔ نہر کے کنارے شیشم کے بلند اور گھنے پیڑ نظر آئے جن کے سائے، جون کے آخری ایام کی اس ڈھلتی سہ پہر میں، نہر کے پانی پر پھیلے ہوئے تھے۔ یہ سائے مغربی کنارے کے درختوں کے تھے جنھیں میں نہر کی بہتی لہروں پر کسی ناؤ کی طرح ہچکولے کھاتا دیکھ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں، میرا دل نہانے کو چاہا۔ جسم پر پسینے کا احساس نہانے کی خواہش کو بڑھا رہا تھا۔ نہر کا کنارہ کھیتوں سے کچھ بلند تھا اور ڈھلوان کھیتوں کے کناروں تک چلی جاتی تھی۔ نہر سے ڈھلوان تک کنارے پر اتنی جگہ موجود تھی کہ گھوڑا کھڑا ہو سکے۔ میں نے گھوڑے سے اتر کر اس کی باگوں کو قریبی شیشم کی زیریں شاخوں سے باندھا۔ ہنہنا کر گھوڑا دو قدم پیچھے ہٹا۔ پھر قدم آگے بڑھائے، میری طرف دیکھا اور ساکت ہو گیا۔ میں نے شرٹ اتاری۔ بنیان اتاری اور نہر میں چھلانگ لگا دی۔ نہر کا پانی میری گردن تک گہرا تھا اور بہت ٹھنڈا تھا۔ شاید درختوں کے سایوں میں بہتے بہتے، اس شدید گرم موسم میں بھی اس کی خنکی برقرار تھی۔ تیراکی مجھے اچھی طرح آتی تھی لیکن پھر بھی پانی میں کودنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ نہر کی سطح پر ہموار نظر آنے والے بہاؤ کے دھارے اندر سے بہت تیز ہیں۔ ڈبکیاں لگاتے ہوئے بالوں سے گزرتا ہوا پانی بہت اچھا لگ رہا تھا۔ پانی مٹیالا تھا لیکن ہر قسم کی آلودگی سے پاک تھا۔ میں نے کتنی ہی ڈبکیاں لگائیں۔ کبھی میں دھاروں کی مخالف سمت میں زور لگا کر تیرتا ہوا جاتا تھا تو کبھی جسم کو ڈھیلا چھوڑ کر دھاروں کے ساتھ بہنے لگتا تھا۔ اچانک گھوڑا ہنہنایا۔ میں نے گھوڑے کی سمت دیکھا۔ وہ ڈھلوان کی سمت منہ موڑے ہنہنا رہا تھا۔ میں چونکا لیکن وہاں گھوڑے کے آس پاس کوئی نہ تھا۔

''شاید کھیتوں میں کوئی جانور ہو گا۔'' میں نے سوچا اور ایک بار پھر ڈبکیاں لگانا شروع کر دیں۔ ڈبکی لگا کر جیسے ہی میں نے نہر کی گدلی مٹیالی سطح سے سر باہر نکالا تو آواز آئی۔

''وے ڈاکٹر بیاں بھراوا، منہ دھیان پراں کر!'' (او ڈاکٹر کے بھائی، منہ دھیان پرے کر۔) آواز نوراں کی تھی۔

میرا سر تیزی سے آواز کی سمت گھوما۔ گلنازی نوراں کے ساتھ نہر کے کنارے پر کھڑی تھی۔ نوراں کرتا اتار چکی تھی اور اس کے ہاتھ ازار بند پر تھے۔ اس کے سانولے بدن پر نظر پڑتے ہی میں

Scanned with CamScanner

نے میرے [illegible] ہی لگائی۔ پانی سے ابھرے دھاروں کی مخالف سمت میں رو رہا کر میں اندازہ [illegible]

[illegible] سانس [illegible] ہی والی تھی کہ میں نے پانی سے سر نکالا۔ کنارہ قریب تھا۔ زور زور سے

سانس لیتے ہوئے میں کنارے پر چڑھا۔ چھپاکے کی آواز آئی۔ شاید وراں کودی ہوں۔ میں

کنارے پر چڑھا ہی تھا کہ چھپاکے کی آواز آئی۔ گلناری نے چھلانگ لگائی ہوئی۔ میں نے نہر کی سمت

[illegible] اٹھائی اور [illegible]۔ بیابان [illegible] میں گھوڑے [illegible] سوار ہو۔ [illegible]

[illegible] آواز آئی۔ آواز وراں کی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے [illegible]

[illegible] سمت دیکھا۔ پانی نے دھاروں سے پہلے میری نظر کنارے پر پڑے ایک [illegible]

[illegible] دو پیروں پر پڑی۔ گلناری نے [illegible] نہیں اتارے تھے۔ [illegible] کے ساتھ ہی نہر میں

[illegible] تھی۔ وراں [illegible] سارے [illegible] تار [illegible] نہر میں کودی تھی۔ میری نظر پانی کی

سمت تھی۔ دونوں کے جسم گدلے پانی میں گردنوں تک چھپے ہوئے تھے۔ گلناری میری طرف دیکھ

رہی تھی۔ میں حواس باختہ سا تھا۔ میں نے پہلی بار کسی [illegible] سے اوپر [illegible] دیکھا تھا۔

[illegible] سے [illegible] ہی میں نے گھوڑے کو [illegible] لگا دی۔

گھوڑا [illegible] میں بھول گیا تھا کہ [illegible] سے [illegible] دور [illegible] دیا تھا۔ گھوڑا [illegible] ساتھ

قدم لمحوں ہی میں نکل گیا۔ میں نے باگیں کھینچیں، گھوڑے کا سر اوپر اٹھا، چھاتی باہر کی سمت نکلی اور وہ

[illegible] بھی چند روز میں قدم سے [illegible]۔ میں [illegible] سے قدم قدم چلاتا رہا۔ سہ پہر شام میں ڈھل رہی

تھی۔ جب ہسپتال [illegible] قدم [illegible] تو میں نے گھوڑے کو [illegible] میں [illegible] رفتار سے

ہسپتال کے صحن میں داخل ہوا۔ جمالی [illegible] بیٹھے تھے [illegible]

"ہاں یہ ٹھیک ہے،" انھوں نے کہا۔ "اس وقت [illegible] ہے۔ تم آج ذرا جلدی آ گئے

[illegible] سے شام [illegible] وقت لے جایا کرتا۔ [illegible] سے بہتر کوئی [illegible] نہیں

[illegible]" جمالی ہسپتال کے آفس میں چلے گئے۔ [illegible] تھا۔

"[illegible]" اس نے میری طرف غور سے دیکھتے ہوئے گھوڑے کی باگیں پکڑیں۔ "[illegible]

[illegible] ہوتی ہے؟"

"نہیں [illegible]" میں نے ہنسی روکتے ہوئے کہا۔

''کنٹر؟'' بخشو پریشان تھا۔ ''میں نے تو کبھی نہیں سنی، نہ دیکھی ہے۔ کیا ہوتی ہے؟''

اب میں الجھن میں تھا۔ پو یہ چال کے الفاظ بخشو کے لیے کنٹر جیسے ہی تھے اور مجھے پنجابی زبان میں کنٹر کا متبادل لفظ نہیں سوجھ رہا تھا... پھر یک دم سے میرے ذہن میں شتری کا لفظ آیا۔ لیکن شتری تو دیسی گھوڑوں کی تیز چال ہوتی ہے۔

''ہلکی شتری،'' میں نے جان چھڑاتے ہوئے کہا۔

''یوں کہیں نا جی'' بخشو خوشی سے بولا۔ اس نے ہاتھ زور سے جھٹکا، ''اب میں سمجھا ہوں۔ ''میں تو جی...'' اس کی آواز میں بھی خوشی تھی۔ ''میں تو جی شتری کا پرانا ہڈیار (کھلاڑی) ہوں۔ میں نے چاچڑاں میں رانے کے اصطبل میں بھی کام کیا ہے۔ وہاں گھوڑوں کو گھوڑیوں والی شتری پر میں نے ہی لگایا تھا۔''

''پرانے کھلاڑی ہو تو...'' میں نے کہا، ''جب گھوڑا ہسپتال میں داخل ہوا تھا، پھر بھی سمجھ کیوں نہیں گئے تھے؟''

''مجھ کو پتہ تھا صاحب،'' بخشو نے کہا، ''پر یہ نامراد... کنٹر کا لفظ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔''

مجھے گیلے کپڑوں کا احساس ہوا۔ خصوصاً نیکر کا۔ گھوڑے کی سپاٹ بھی قدرے گیلی تھی۔ بخشو نے محسوس تو کی ہوگی لیکن خاموش رہا۔ میں میر صاحب کے آنے سے پہلے نیکر تبدیل کر کے واپس آنا چاہتا تھا۔ گھر کی سمت جاتے ہوئے میں نے دیکھا۔ مائی جیراں اکیلی بیٹھی پیڑے بنا رہی تھی۔

13

ہسپتال سے واپس جاتے ہوئے میرے ذہن پر گلناری چھائی ہوئی تھی۔

نہر کنارے والے واقعے کا بوجھل سا تاثر خیالات کے ساتھ ساتھ بڑھ رہا تھا۔ نوراں نے مجھے آواز دینے سے پہلے ہی کرتا اتار دیا تھا۔ میں نے اسے صاف عریاں دیکھا تھا۔ سڈول بدن بار بار میرے تصور میں ابھرتا تھا لیکن گلنازی کے تصور سے مٹ جاتا تھا۔ نوراں نے نہایت بے شرمی کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ میرے دیکھنے پر لاچا بھی اتارنے لگی تھی۔

''نوراں اچھی لڑکی نہیں ہے،'' میں نے سوچا۔ ''بہت بے شرم ہے۔ اسے پہلے مجھے آواز دینی

چاہیے تھی وہ پھر رہا تھا ننگے پیر تھا۔ گلناری بہت اچھی ہے۔ اس نے کپڑے نہیں اتارے...
دیوار سے بیٹھ کر ایک جانب تھی ورنہ اس کے چہرے پر ندامت کا اتنا گہرا اور خوبصورت احساس
کیوں نمایاں ہوتا؟''

یہ سے میں میں پھر واپس ہسپتال کی سمت آیا۔ تنور کے پاس سے گزرتے ہوئے میں
نے تنور کی سمت نہ دیکھا۔ شرمندگی کا احساس مجھ پر بھی اپنا تاثر چھوڑ چکا تھا۔ ایک شام پہلے میں
نے بستی داری میں نوراں کو تنگ گلیوں میں دیکھا تھا اور اب نوراں کا تنگ سانولا بدن... ''یہ گاؤں کی
لڑکیاں — گلناری کالا چاہو بھی اڑنا اتفاق تھا، لیکن نوراں وہ تو بڑی بے حیا ہے۔''

تنور پر گلناری اور نوراں دونوں موجود تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی گلناری کا گلابی چہرہ سرخ ہو گیا۔
ہسپتال میں پیر صاحب بھی موجود تھے۔ میری مخصوص کرسی خالی تھی۔ جہاں سے تنور صاف دکھائی دیتا
تھا۔ گلناری نے پھر تھوڑی سی نظر پر رکھی۔ ہر نو خوبصورت انداز میں ترچھا سا اور میری سمت انکھیوں سے
دیکھا۔ اس نے رخسار پر اس کی زلف نہ جھومی کی۔

غیر متوقع طور پر میرے تصور میں پر اس کا ریشم بالوں کا گچھا نظر آیا۔ مجھے شدت سے
اس بستی کا احساس ہوا جو پیر کی کا طبقہ ہے، دولت دیہاتیوں کو بے وقوف بنا کر، انھیں خوفزدہ
کرتے ہوئے، انھیں خوشی کا دیہہ بنا کر صدیوں سے مذہب اور عقیدے کے نام پر کر رہا ہے۔
تو ہے دکھا کر ہیں تو یہ ان کو منتشر ندیوں سے زمینے غیر محسوس انداز میں دولت کمانے والوں کو تو
میں پہلے ہی سے جانتا تھا کہ وہ مختلف سے میں صدیوں کا روپ رہنے کے باوجود کتنے باعزت ہیں۔ ان
سے ملنے والوں سے تو میں آگاہ تھا ہی تھا لیکن رہنے دو ریئے استحصال کا یہ بھیانک روپ بھی سامنے آ چکا
تھا — میں اب اس سے بھی واقف ہو چکا تھا۔

میں تو... ''میر صاحب کی آواز پر میں چونکا'' ہم تو ڈر گئے تھے کہ برخوردار کہیں
ناراض تو نہیں۔

''نہیں'' صاحب نے کہا ''میں جانتا تھا کہ یہ تمہارا دو بریڈ کو سنبھال لے گا۔ بہت اچھا سوار ہے۔''
''گھوڑا بہت عقلمند ہوتا ہے سر'' میں نے کہا ''سواری کرنے پر ہی جان جاتا ہے کہ سوار
کیا ہے۔ یہ سواری جانتا ہے۔ یہ گانے میں بہت ہوشیاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایڑ کی ضرب اور

[illegible] سواری [illegible] خواہش مند ہے۔"

"[illegible] میر صاحب [illegible] آج تک گھوڑے کی سواری نہیں کی، ہمیشہ بھی یا تانگے پر ہی سوار ہوتے ہیں۔ میں [illegible] سواری کے گُر بھلا کہاں سے پتا چلتے۔"

بھائی [illegible] ڈالی۔

"آوارہ گردی اور ان کاموں میں یہ بہت تیز ہے،" انھوں نے کہا۔ "باقی پڑھنا لکھنا تو اس تک [illegible] رہے گا۔"

بھائی [illegible] میر صاحب نے ایک سوال کر ہی دیا۔

"کبھی گرے بھی؟"

"نہیں" میں نے جواب دیا۔ "ابھی تک نہیں گرا — ہاں لاگا ضرور لگا تھا۔"

"[illegible] کیا ہوتا ہے؟" میر صاحب نے پوچھا۔

"[illegible] کی ننگی پیٹھ پہ سواری کرنے سے لاگا لگ جاتا ہے"[28] میں نے جواب دیا۔

"[illegible] کبھی نہیں آیا؟" بھائی نے میر صاحب سے پوچھا۔

"[illegible] لاگا؟ کبھی [illegible] نام سنا ہے۔"

"دیہاتی علاقوں میں،" بھائی نے کہا، "[illegible] اور نوجوانوں کو گھوڑے کی ننگی پیٹھ پہ سواری کرنے سے لاگا لگ جاتا ہے [illegible] اسی پیٹھ پر [illegible] سواری [illegible] گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر ہو [illegible] خون [illegible] پھیل جاتا ہے۔ اسے لاگا [illegible] ہیں۔ [illegible] ہے۔۔۔" انھوں نے میری طرف اشارہ کیا۔ "[illegible] تھا۔"

28۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] اور حیوانی آمیزش تھی۔

[illegible]

[illegible]

Scanned with CamScanner

رفعت بیگم ان دنوں میں شاعری کر رہی ہے۔ پہلے دن میں نے اسے دیکھا تھا تو وہ چھوٹی سی بچی کی طرح چپ چاپ بیٹھی تھی۔ میں باتیں کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر چھوٹی سی بچی کا تاثر تھا۔ دیوار والے واقعے کے بعد وہ شاید خود بھی ان حقیقتوں سے آشنا ہوئی ہے کہ وہ اب بڑی ہو چکی ہے۔ اس کے اندر جو عورت چھپی تھی وہ اب تک چھپی ہی ہے۔ گلنازی نے یقیناً میری طرح خود کو عالم شباب کی دہلیز پر محسوس کیا ہوگا۔ تبھی تو اس کے چہرے کا رنگ گلابی سے سرخ ہوا ہوگا۔۔۔ وہ کتنی خوبصورت ہے۔۔۔ میں نے بھی کئی دن رفعت کو چھپا دی تھی۔۔۔ جی چاہتا ہے گلنازی کو دیکھتا رہوں۔"

رات ہوئی۔ میں چھت پر بیٹھا ستاروں کو دیکھ رہا تھا۔ دیوار کے اوپر لٹکا ہوا بالوں کا گچھا بار بار میرے تصور میں محسوس ہو رہا تھا۔ بالوں کے اس گچھے کے ساتھ استحصال کا وہ احساس بھی جڑی سے جو مذہب کے نام پر مختلف ادوار میں انسانی معاشرے میں جھیلا جاتا رہا جو صدیوں سے انسانی معاشرے میں موجود ہے۔ مجھے ہمیشہ سب ہی کا احساس دلاتا رہتا ہے۔ یہ استحصال اس مضبوط اور گھنگھور جال سے مشابہ ہے جس میں سادہ لوح انسان صدیوں سے پرندوں کی طرح پھڑپھڑاتے رہتے ہیں اور آخر ان میں ہی وہ دم گھٹتے رہتے ہیں۔ اس جال کا ہر حلقہ کسی نہ کسی مذہبی عقیدے سے وابستہ ہے اور ان عقائد سے صدیوں اپنے جال کے مضبوط حلقوں کو کستے رہتے ہیں۔ سادہ لوح انسانوں کو صدیوں سے لوٹا جا رہا ہے اور وہ سادگی سے لٹ رہے ہیں۔ خوف اور خود غرضی کی مضبوط ڈوروں سے بنا ہوا یہ جال کسی نے کاٹے نہیں کٹتا۔ انسانی معاشروں میں کوئی بھی انسانوں کو اس جال سے چھٹکارا نہیں دلا سکتا۔ زبانوں پر لاشعوری کے پہرے ہیں، کوئی بول نہیں سکتا۔ جو لوگ اس ظلم کو محسوس کرتے ہیں وہ بھی خاموش رہتے ہیں۔ انفرادی سوچ کبھی اجتماعی سوچ نہیں بن پائی۔ ترقی یافتہ قوموں نے مذہب سے تو چھٹکارا حاصل کر لیا لیکن خوف اور خود غرضی ان کے معاشروں کو بھی جکڑے ہوئے ہے۔ انسانی معاشرے میں ہوس کا راج اس قدر مضبوط اور طاقتور ہے کہ اس کے خلاف عمل تو کیا سوچ کا بھی فقدان ہے۔

یہ استحصال۔۔۔ میں نے ستاروں کے جھرمٹ پر نظریں جما کے دیکھا۔ رفعت کو ذہن میں محسوس ہوتے محسوس کیا۔ یہ استحصال جو آج اس پسماندہ علاقے میں جڑ پکڑ رہا ہے، وہی ظلم ترقی یافتہ دنیا میں بھی استحصال کا روپ دھار کر نسل در نسل بے حد اور بے حساب جاری ہے۔ یہ تشدد

پاتا۔ پیروں میں باہمی رقابت بھی ہوتی ہے اور وہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوششوں میں ان ہی جرائم پیشہ افراد سے کام لیتے ہیں۔"

آسمان پر چاند اپنے عروج کی سمت سفر کا آغاز کر چکا تھا۔ آسمان پر خوبصورت نیلاہٹیں تھی، لیکن میرے ذہن میں تلخی سی تھی۔ دیہاتی معاشروں میں پیروں کی دہشت کا احساس ہمیشہ میرے ذہن میں کڑواہٹ سی پیدا کرتا رہا ہے۔ وہ بظاہر مذہبی رہنما اور مشائخ عظام کہلاتے ہیں، لیکن بباطن خطرناک دہشت گرد ہیں۔ معذور ملنگوں سے بھیک منگوائی جاتی ہے تاکہ پیروں کے ڈیروں پر موجود دوسرے ملنگوں کی روٹی چلتی رہے۔ معذور ملنگ ریاضت اور سلاسلِ طریقت کے نام پر سیاہ کشتی نما کشکولوں میں آٹا اور چاول بھر بھر کے لاتے ہیں اور ملنگوں کی خوراک کا بوجھ پیر پر نہیں پڑتا۔ سزا یافتہ مجرم ملنگوں کے بھیس میں پیروں کے خاص کارندے ہوتے ہیں۔ ان ہی کارندوں کی وجہ سے دیہات میں پیر کی دہشت قائم رہتی ہے۔

"یہی ملنگ..." میں نے سوچا، "گاؤں گاؤں گھومتے ہوں گے اور پیر کے لیے جاسوسی کرتے ہوں گے۔ یہی پیر تک تمام خبریں پہنچاتے ہوں گے کہ فلاں فلاں گاؤں میں لڑکے پیدا ہوئے ہیں اور پیر کشف کا فریب دے کر سادہ لوح دیہاتیوں کو پھانس لیتا ہوگا۔ لڑکے کا فریب دے کر اپنے لیے سونے اور چاندی کا انتظام کرتا ہوگا۔ یہی پیر کے ملنگ دیہات میں منشیات فروشی بھی کرتے ہیں۔ پیر کے مریدوں میں اس نشے کی خدمات بھی سرانجام دیتے ہیں اور کوئی انہیں روکنے والا نہیں ہے۔"

اچانک ایک خیال بجلی کی مانند میرے ذہن میں ابھرا اور ذہن میں چمکا — تیز شعاع کی مانند تاریکی کو چیرتا ہوا... میں نے بستر پر تھوڑا سا اٹھ کر منڈیر سے صحن میں جھانکا۔ چارپائی پر رقیہ اور بوبا سو رہے تھے۔ بجلی کی طرح لپکنے والا خیال ہر سمت چھائی تاریکی کو مٹاتا ہوا روشنی پھیلاتا ہوا بار بار میرے ذہن میں چمک رہا تھا...

'میں بوبا کے سر سے بالوں کا گچھا اتار دوں گا، کاٹ دوں گا'

14

اپنی عادت کے برعکس میں نے اگلا دن گھر پر گزارا۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ رقیہ کی دن بھر کی

مصروفیات بڑھ گئی تھیں۔ اس وقت وہ کیا کرتی ہے۔ گھر سے کب باہر نکلتی ہے۔ کتنی دیر کے لیے باہر جاتی ہے۔ مجھے ان باتوں کی تلاش تھی۔ دوپہر کے بعد مجھے میر صاحب کی ڈسپنسری بھی جانا تھا اور شام کو [illegible] بھی لے جانا تھا۔ ایک بات تو مکمل طور پر میرے مشاہدے میں آ گئی کہ رقیہ ہر وقت [illegible] محتاط رہتی ہے۔ بوبا بھی شاید اس بات کا عادی ہو چکا تھا۔ ہر وقت ماں سے [illegible] رہتا تھا۔ اس صورت حال میں بالوں کا گچھا کاٹنا تقریباً ناممکن نظر آیا۔ میں سوچتا رہا، سوچتا رہا [illegible] سلائی مشین میں کپڑا کاٹنے والی بڑی قینچی موجود تھی، لیکن بوبے کا بالوں کا گچھا کاٹنا ممکن نظر نہیں آ رہا تھا۔ رقیہ سارا دن گھر پر رہتی تھی [illegible] سارا کام کرتا تھا۔ رقیہ بوبے کو [illegible] دیتی تھی۔ [illegible] سے [illegible] جاتا تھا تو رقیہ برآمدے میں [illegible] ہوتی تھی [illegible] پاس مجھے [illegible] رہتا تھا [illegible] معمولات میں چھت [illegible] رقیہ [illegible] تھی [illegible] بوبا [illegible] برآمدے میں [illegible] تھی، دوپہر کو بھی آرام کرتی تھی۔ شام کو چائے بناتی، رات کو کھانا تیار کرتی۔ [illegible] آ جاتی تھیں۔ رات کو صحن میں سوتی تھی۔ ان تمام عرصے میں بوبا اس کے ساتھ رہتا تھا۔

[illegible] میں نے صورت حال کی مشکل کا اندازہ لگاتے ہوئے سوچا: "رات کو [illegible] کاٹنے کی کوشش میں رقیہ بیدار ہو گئی تو بہت ہنگامہ ہو گا، جو خطرناک بھی ہو گا۔ ہنگامہ تو [illegible] حال میں ہونا ہی تھا، لیکن بہتر یہی ہو گا کہ رقیہ کو جلد پتا نہ چلے۔ [illegible] ایسا ناممکن نظر نہیں آتا [illegible] مجھے ہر حال میں بوبے کے سر سے جبر کی نشانی یہ بالوں کا گچھا اتارنا ہے۔"

مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں نے بوبے کے سر سے بالوں کا گچھا نہیں اتارنا، پیر و [illegible] کی ساری [illegible] موجودگی میں اتارنا ہے۔ صدیوں سے قائم [illegible] کو قینچی سے چند لمحوں میں کاٹ پھینکنا ہے...

دو بجے میں میر صاحب کی ڈسپنسری میں گیا۔ شام کو ہسپتال پہنچا۔ بخشو نے گھوڑے پر سپاٹ

پیٹ سے ڈال رہی تھی۔ میں اپنے ساتھ پتلون بھی لے آیا تھا تاکہ گیلی نیکر سے چھٹکارا پا سکوں۔ جیسے ہی نہاتا تو مجھے ضرورت تھی ... پر مجھے گلناز کی نظر آئی۔ گلناز مجھے نیکر اور شرٹ میں دیکھ کر ... سا مسکرائی، پھر نظریں جھکا لیں۔ اس کے چہرے پر شرمیلی سی مسکان نمایاں تھی۔ فوراً ہی ... تھی۔ ... کی جانب جانے والی پگڈنڈی پر تھوڑا سا موڑ آتا ہے۔ میں نے پلٹ کر تھوڑی دیر بعد دیکھا، گلناز میری سمت ہی دیکھ رہی تھی۔ کھیتوں کے درمیان پگڈنڈی پر تھوڑے ... چل رہی تھی۔ ... میں نے پھر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ نہر کے کنارے پہنچ کر شیشم کی نچلی شاخ سے تولیہ ... باندھتے ہوئے میری نظریں نہر کی سمت آنے والی پگڈنڈی پر تھیں۔ میں دیکھ رہا تھا کہ کہیں گلناز میرے پیچھے تو نہیں آ رہی ہے... میں دیر تک نہر کے کنارے ... پر بیٹھا ... نہر کے کنارے ... اور جھاڑی بوٹیوں ... تھا۔ میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ اگر گلناز نہر کی سمت آئی تو میں نہائے بغیر ہی واپس چلا جاؤں گا۔ گلناز دیر تک نہ آئی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ کل والی شرارت میں گلناز کی مرضی شامل نہ تھی۔ ... میرے پیچھے آنے ... ہوگا

میں نے شرٹ اتاری اور نہر میں چھلانگ لگا دی۔ میں دیر تک ٹھنڈے پانی میں نہاتا رہا۔ پھر باہر نکل کر شرٹ پہنی، گیلی نیکر اتار کر پتلون پہنی۔ نیکر کو اچھی طرح نچوڑ کر ... کی سمت رکھا۔ ... تھوڑا ڈھلوان پر آیا تو مجھے دور دور تک پھیلے ہوئے کھیتوں میں شریف کی فصلیں دکھائی دیں اور اس کے ساتھ ہی ایک خیال پر میں چونکا۔ تھوڑے ... باتیں خود بخود کھنچ گئیں۔ ... میرے ... بدن نے آگے کی سمت جھٹکا سا کھایا۔

”رقیہ صبح کے وقت تو کھیتوں میں جاتی ہوں۔“

اس خیال کے ساتھ ہی یقیناً میری آنکھیں بھی چمکی ہوں گی۔ میں نے تھوڑے ... پگڈنڈی پر قدم قدم چلنا شروع کر دیا۔ میں یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ دیہاتی عورتیں صبح کے وقت کھیتوں میں ضرور جاتی ہیں۔ ان کے گھروں میں بیت الخلا نہیں ہوا کرتے۔ بھابی کے گھر میں ہے لیکن عادت پھر بھی عادت ہوتی ہے۔

”رقیہ یقیناً صبح کے وقت کھیتوں میں جاتی ہوگی...“ میں نے سوچا، درحقیقت بھی گھر سے ... ہیں۔ ... کے ساتھ ہی ... شروع ہو جاتے ہیں... ... مناسب

Scanned with CamScanner

وقت ہے جب [illegible] ...

[illegible] مجھے جس موقعے کی تلاش تھی [illegible]

[illegible]

"[illegible] وقت [illegible] ...

[illegible] وہی وقت ہے جب [illegible]

[illegible]

15

اس رات کا ہر لمحہ بے چین تھا۔

میں نے شام ہی سے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ...

مجھے [illegible]

[illegible]؟

بے چینی سے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہو... مگر صبح کہیں جانے کا ارادہ ہو اور یہ فکر ہو کہ صبح جلدی اٹھنا ہے تو چاہے کتنی دیر سے نیند آئے صبح آنکھ ضرور کھل جاتی ہے... مجھے اس کا تجربہ کئی بار ہو چکا ہے۔ خصوصاً سکول کے امتحانوں کے دنوں میں رات کو دیر تک جاگنے کے بعد بھی صبح جاگنے کے وقت سے بہت پہلے خود بخود آنکھ کھل جایا کرتی ہے۔ یہ تو کئی بار ہو چکا ہے... میں رات کو دیر سے سونے کے باوجود صبح وقت پر اٹھ جایا کرتا ہوں۔

"مجھے فجر سے پہلے اٹھنا ہے۔"

میں نے چارپائی پر سیدھا لیٹ کر ستاروں کو دیکھنا شروع کر دیا۔ پھر سب کچھ معدوم ہو گیا۔

16

جانے وہ کون سی آواز تھی جس نے مجھے جگایا تھا۔ آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے دور سے میں نے گھنٹی کی آواز سنی تھی، شاید کسی بیل کے گلے میں بندھی گھنٹی کی آواز... ہوا کے دھیمے دھیمے جھونکوں میں خنکی تھی۔ میں نے چھت پر بچھی چارپائیوں کی طرف دیکھا۔ سب گہری نیند سو رہے تھے۔ چاند مغربی افق کی سمت جا چکا تھا۔ چاند کو مغربی افق کی سمت جھکا دیکھ کر مجھے احساس ہوا کہ صبح ہونے والی ہے۔

میں نے چارپائی سے جسم کو تھوڑا سا اٹھایا، صحن کی سمت دیکھا۔ دھیمی دھیمی روشنی میں مجھے اندازہ ہو گیا۔ چارپائی پر کوئی میرے ساتھ ہی موجود ہے۔ ایک آواز نے مجھے چونکا دیا۔ جیسے پاؤں پر کوئی چیز چلتا آ رہا تھا۔ میں نے فوراً تھوڑا سا اٹھ کر دیکھا۔ وہ ٹائیگر تھا جو صحن میں بندھا ہوا تھا۔ وہ چھوٹے بچے سید عالی کی چارپائی کے پاس آیا اور اگلے دونوں پیر اٹھا کر چارپائی پر رکھ لیے۔ اس کی پچھلی دم دائیں بائیں ہل رہی تھی۔ میں نے ٹائیگر کے سر اور گردن پر ہاتھ پھیرا۔ خوف کے باوجود اس کا منہ کھلا تھا اور زبان باہر لٹکی ہوئی تھی۔ میرے پیار کرنے پر وہ بہت خوش نظر آیا۔ جب میں تکیے پر سر رکھ کر آسمان پر مدھم ہوتے ہوئے ستاروں کو دیکھنے لگا تو اس نے چارپائی سے دونوں ہاتھ اٹھا لیے اور دوڑ کر سیڑھیاں اتر گیا۔ اگر وہ بھونکتا تو سب جاگ اٹھتے...

"مجھے سب سے بالوں کا گچھا کاٹنے سے پہلے ٹائیگر کو باندھنا ہوگا،" میں نے سوچا۔ "اگر وہ بھونکنے لگا تو میرا سارا کام خراب ہو جائے گا۔ سب اٹھ جائیں گے... بہانہ تو میں بنا ہی لوں گا کہ

ناگہر بار بار چھت پر چڑھ جاتا ہے اور نیند کھل جاتی ہے... لیکن ایسا پہلے کبھی ہوا تو نہ ہوگا... خیر، بہانہ اور بھی بن سکتا ہے۔"

میں نے صحن میں چارپائی کی سمت دیکھ کر بہن رضیہ کی چارپائی کی سمت دیکھی۔ وہ سو رہی تھیں۔ دراصل جیواں اور بلقیس میں امی ہی بہن رضیہ کو جگایا کرتی تھیں۔ یہاں تو فجر کی نماز ادا کرنے والا ایک فرد بھی نہ تھا۔ بہن رضیہ بھی یہاں کچھ سست ہوگئی تھیں۔ اور یہی بات میرے لیے بہتر بھی تھی۔ میری نیند بھری آنکھیں پوری طرح کھل چکی تھیں۔ پھر میں نے مسلسل صحن میں چارپائی کی سمت دیکھنا شروع کردیا۔ رقیہ اور بوبو دونوں سوئے ہوئے تھے۔ وقت گزر رہا تھا۔ چارپائی پر ہلکی سی جنبش بھی نہ تھی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ میں اپنے ارادے میں ناکام ہو جاؤں گا۔

دور کہیں سے مرغ کے بولنے کی دھیمی سی آواز سنائی دی۔ دیوار کے پار ہوا کے تیز جھونکے سے صحن میں سرسراہٹ بھی نمودار ہو رہی تھی۔ شاید ایک منٹ سے بھی کم مدت کے بعد مرغ کی آواز پھر سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی قریب سے بھی کسی مرغے نے اپنے بیدار ہونے کا اظہار کیا۔ اس کے ساتھ ہی رقیہ نے بستر پر کروٹ لی۔ میں نے جسم کو فوراً نیچے جھکا لیا۔ اب میں دو فٹ اونچی منڈیر کی اوٹ میں تھا لیکن میری نظر صحن میں بچھی چارپائی پر مرکوز تھی۔ مرغ کی آواز پھر ابھری... لمحے مجھ پر بہت گراں تھے... رقیہ اٹھ کر چارپائی پر بیٹھ گئی۔ پاؤں ادھر ادھر پھرا کر اس نے اپنے سلیپر تلاش کیے اور اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ ناگہر دوڑ کر اس کے پاس آیا۔

میرا اندازہ درست تھا۔ وہ گاؤں کی عورتوں کی طرح کھیتوں میں جانے والی تھی۔ اس نے بوبو کی طرف دیکھا اور صحن میں موجود لیٹرین کی سمت جانے کے بجائے بیرونی دروازے کی سمت گئی۔ مرغ کی آواز پھر سنائی دی۔ رقیہ نے اپنا دوپٹہ سر پر لیا، دروازے کی کنڈی کھولی اور باہر جاتے ہوئے دروازے کے پٹ بند کر دیے۔ بوبو کا چہرہ بیرونی دیوار کی سمت تھا۔ اچانک مجھے احساس ہوا کہ ناگہر بھی رقیہ کے ساتھ باہر چلا گیا ہے۔ دھیمی دھیمی روشنی میں میں اسے دیکھ نہ سکا تھا۔ میرے لیے بہترین موقع تھا۔ بوبو نے [illegible] پر تھا۔ میں تیزی سے اٹھا۔ میرے پاس وقت کی کمی تھی۔ اس سے پہلے کہ کوئی بیدار ہو جاتا، میں تیزی سے سیڑھیوں سے دبے پاؤں اترا۔ اترتے ہوئے میں نے رک کر چھت کی سمت دیکھا... صحن میں آ کر میری نظر پھر

[illegible]

... بالوں کا گچھا میرے دائیں ہاتھ میں تھا۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] جسم پر پسینے کا احساس ہوا [illegible]

[illegible]

[illegible] ایک عورت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اچھی طرح جانتا تھا: وہ بھڑک کر ہوش و حواس کھو دیا کرتے ہیں... میں کچھوے کی چال چل رہا تھا، لیکن انسان کتنا بھی آہستہ چلے، فاصلے کو ختم ہونا ہی ہوتا ہے۔ میں بشیر نعل بند کی دکان کے قریب پہنچ گیا۔ وہ میدان میں بچھی چارپائی پر سو رہا تھا۔ میں گھر کے سامنے چوڑی گلی میں پہنچا۔ میرے قدم رک گئے... یوں محسوس ہوا جیسے گھر سے دھیمی دھیمی لیکن تیز لہجے میں آوازیں آ رہی ہیں... ملی جلی آوازیں... میں بیرونی دروازے تک پہنچا۔ دروازے کے سامنے میرے قدم پھر رک گئے۔ ہمت جواب دے رہی تھی۔ دروازے کے پٹ پر ہاتھ رکھ کر اسے دھکیلا تو میرے پورے بدن میں سردی سنسناتی لہر دوڑی... اندر کہرام مچا ہوا تھا...

کمرے سے رقیہ کی گھٹی گھٹی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ یوں لگا جیسے رقیہ چھاتی پیٹ رہی ہے۔

''کس نے کیا ہے؟'' بھائی کی غصے سے بھری، لیکن دبی ہوئی آواز سنائی دی۔

''خدا کی قسم...'' بھابھی نے کہا، ''مجھے نہیں معلوم۔''

''خالد کہاں ہے؟'' بھائی کی غصیلی آواز ابھری۔ مجھے پورے بدن میں کپکپاہٹ سی محسوس ہوئی۔

''چھت پر ہوگا،'' بھابھی نے کہا۔

''ہال نی میرا ابوبا'' رقیہ کی کربناک آواز سنائی دی۔

''میں نے چھت پر اسے نہیں دیکھا'' باجی زینب کی آواز آئی۔

''ٹھہریں، میں دیکھتی ہوں،'' عصمت نے کہا۔ میں بیرونی دروازے کے پیچھے چھپ گیا۔ عصمت سیڑھیاں چڑھ کر چھت پر گئی اور پھر تیزی سے نیچے آ گئی۔

''ہال نی میں کے کرساں'' (ہائے ری، میں کیا کروں گی) رقیہ کی آواز میں کرب کے ساتھ خوف بھی تھا۔ ''ہائے میرا ابوبا!''

عصمت برآمدے سے کمرے میں گئی۔ ''چھت پر نہیں ہے،'' اس نے کہا۔

''یہ اسی کا کام ہے'' بھائی کی آواز میں شدید غصہ تھا۔ ''اسی نے کاٹی ہے لٹ۔''

میں اس قدر گھبرا گیا تھا کہ یہ سوچنے سے بھی قاصر تھا کہ کیا کروں۔

Scanned with CamScanner

''یہ اسی نے کیا ہے!'' بھائی نے پھر کہا۔

''تیرا ککھ نہ رہوے ظالما...'' (تیرا کچھ نہ رہے ظالم!) رقیہ نے روتے ہوئے کہا۔ ''تیرا بیڑا غرق ہو... ہائے میرا بوبا۔'' اس کے ساتھ ہی بوبے کے رونے کی آواز آئی۔ اب میرے پاس کوئی راستہ نہ تھا۔ میں نے دروازہ کھولا، صحن میں آیا، دروازہ بند کیا۔ ٹائیگر دوڑ کر میری طرف آیا اور اگلے پیر اٹھا کر میرے پیٹ پر رکھ دیے۔ عصمت نے پہلے ٹائیگر کو اور پھر مجھے دیکھا۔

''وہ...'' عصمت نے تیزی سے کہا، ''آ گیا''

میں برآمدے سے ہو کر کمرے میں داخل ہوا۔ رقیہ کمرے میں بوبے کو گود میں لیے بیٹھی تھی۔ کمرے کی گرمی سے سب کے بدن پسینے سے بھیگے ہوئے تھے۔ رقیہ کے چہرے پر وحشت سی تھی۔ شدید دکھ کا احساس تھا۔ بھائی، بھابی اور بہنیں کھڑی تھیں۔ بھائی کے چہرے پر شدید غصہ اور بھابی بہنوں کے چہروں پر گھبراہٹ تھی۔ بوبا رقیہ کی گود میں صورت حال کو نہ سمجھتے ہوئے رو رہا تھا۔

''بوبے کی لٹ تو نے کاٹی ہے؟'' بھائی نے سختی سے کہا۔

''ہاں'' میں نے کسی جھجک کے بغیر کہا۔ ''میں نے ہی کاٹی ہے۔''

میرے اس اعتراف پر کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ بوبا بھی سہمی سہمی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ کمرے میں لالٹین کی دھیمی دھیمی روشنی میں سب کے چہروں پر خوف سا نمایاں ہوا۔ پھر رقیہ پھٹ پڑی۔

''کیڑے پڑیں تیرے ہاتھوں میں...'' وہ چیخی۔ ''کتے کی موت مرے تو... ظالما... میں نے تیرا کیا بگاڑا تھا؟''

''رقیہ...'' بھابی نے قدرے سختی سے کہا، لیکن رقیہ نے جیسے کچھ سنا ہی نہ تھا۔

''اللہ کرے تو آج ہی مر جائے'' رقیہ نے رونا شروع کر دیا۔ ''ہاتھ ٹوٹیں تیرے... کیا دشمنی تھی مجھ سے؟ اسی لیے پوچھ رہا تھا کہ لٹ کیا ہوتی ہے؟ ہائے میرا بوبا!'' رقیہ نے ماتھے پہ ہاتھ مارا اور بوبے کو زور سے اپنی چھاتی کے ساتھ بھینچا۔ میری طرف جلتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

''کیا دشمنی تھی میرے ساتھ؟''

''تجھ سے اس کی کوئی دشمنی نہیں ہے'' بھائی کی آواز غصے سے کانپ رہی تھی۔ ''میں جانتا ہوں اس کی دشمنی کس کے ساتھ ہے۔''

رقیہ نے پھر ماتھے پر ہاتھ مارا۔ ''وے ظالما میرے ابو نے تیرا کیا بگاڑا ہے؟''

''ظالم میں نہیں'' میں نے ہمت کرتے ہوئے کہا۔ ''ظالم وہ پیر ہے جس نے تم جیسے دکھوں بچوں کو اپنی ہوس کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ میں نے تو بوٹے کو آزاد کیا ہے۔''

بھائی میرے سامنے آئے۔ چہرے پر شدید غصہ اور ماتھے پر شکنیں تھیں۔

''چین سے جینے دے گا ہمیں کہ نہیں؟'' بھائی کا زناٹے دار تھپڑ میرے بائیں رخسار پر پڑا۔ ''کیوں کاٹی ہے لٹ — کیا تکلیف تھی تجھے؟''

اس سے پہلے کہ میرے چہرے پر دوسرا تھپڑ پڑتا، عصمت دوڑ کر میرے اور بھائی کے بیچ میں آ گئی۔ بھابھی نے بھائی کا بازو پکڑ کر انھیں پیچھے کھینچا۔ مجھے چہرے پر تھپڑ کی ضرب کا احساس جلن سے ہوا۔ میرا بایاں رخسار جل رہا تھا۔

''کیا کر رہے ہیں آپ'' بھابھی نے تیزی سے کہا۔

''بھائی جان... بھائی جان...'' عصمت تقریباً چیخی۔

''ہٹ جاؤ آگے سے'' بھائی کا غصہ انتہا کی طرف جا رہا تھا۔ ''میں آج اسے نہیں چھوڑوں گا۔''

''اس سے کیا ہوگا؟'' بھابھی نے کہا۔ ''کیا ہوگا... کیوں معاملہ بگاڑ رہے ہیں؟''

''تو نہیں جانتی'' بھائی نے بھابھی کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔ ''تو کچھ نہیں جانتی۔ اس نے ہم سب گھر والوں کو کتنا ستایا ہے۔ بچپن سے لے کر اب تک اس نے ہمیں چین نہیں لینے دیا۔ بابا جی اور امی جی، وہ مجھے... تو کچھ نہیں جانتی... اس نے کیا کیا تماشے کیے ہیں... ہمیں کتنا پریشان کیا ہے... دماغ خراب ہے اس کا۔''

''ہائے میں کیا کروں'' رقیہ نے روتے ہوئے کہا۔ ''صرف ڈھائی مہینے رہ گئے تھے۔ ہائے میرا ابو بابا... کس طرح میں نے سال گزارے ہیں... ہائے ظالم، تجھے ذرا رحم نہیں آیا۔ اب کالی بلا کو کون روکے گا؟ ہائے میرا ابو بابا... ظالم، تجھے کفن نصیب نہ ہو تیری لاش میں کیڑے پڑیں۔''

''بس کر رقیہ... بس!'' باجی زیبا بولیں۔ ''اب کیا ہو سکتا ہے، اللہ کو یہی منظور تھا۔''

Scanned with CamScanner

بھائی جو میری طرف بڑھے، لیکن بھابھی نے پھر انھیں بازو سے پکڑ کر پیچھے کھینچا۔

"[illegible]" بار عصمت نے کہا۔ "بھابھی ٹھیک کہہ رہی ہیں،

معاملہ بگڑ جائے گا۔"

"[illegible] ضرورت ہے،" بھابھی نے کہا۔ "اچھا [illegible]"

[illegible] طرف مڑے۔ "تم نہیں جانتی،" انھوں نے غصے سے کہا، "تو تو چار دیواری [illegible] نہیں جانتی [illegible] مصیبت کھڑی ہو رہی ہے۔ یہ مصیبت [illegible] سے بڑھ [illegible] ہے۔ میں نے ہی تجھے [illegible] پریشانیاں [illegible]" بھائی کی آواز [illegible] ہو گیا۔

[illegible] بھابھی حیرت سے بھائی کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ پھر [illegible] میری طرف [illegible] سے بہت بڑی مشکلیں پیدا ہو گئی ہیں۔

"[illegible]" بھائی نے کہا۔ "شاید پانچ برس سے بھی کم عمر کا تھا، جب یہ گجرات شہر [illegible] سسرال [illegible] جلال پور[29] [illegible] گجرات سے [illegible]، اور... [illegible] تھیں... [illegible] دیا ہے۔ تجھے کچھ معلوم نہیں... [illegible][30] کو پا کر [illegible] لہولہان

29 [illegible] یہ گاؤں جوڑے جلال پور میں ایک سکول ماسٹر سے بیاہی گئی تھیں۔ ایک [illegible] شہر میں گھس آنے پر ہم قدرے جلدی پر واقع آپا کے سسرالی گاؤں [illegible] کی سمت چلا گیا۔ گجرات [illegible] سوار نے مجھ سے پوچھ کر کہ میں نے کہاں جانا ہے، مجھے جوڑے جلال [illegible] مجھے واپس گھر تک لے آئے۔

30 [illegible]

[illegible] پڑوسی ولی اللہ خان[31] صاحب [illegible] [illegible] [illegible] اور اس کے باپ [illegible] [illegible] طرف دیکھا۔ آنکھوں میں غصہ موجود تھا۔

"[illegible] [illegible] وہاں کے، اس علاقے کے [illegible] پیر قدرت شاہ[32] [illegible] ہماری نوکرانی نارو نے پیر کے جوتوں پر سر رکھ دیا تھا۔"

رقیہ [illegible] سے اوپر اٹھا۔ وہ میری طرف دیکھ رہی تھی۔

"[illegible]"

31۔ [illegible] [illegible] گہری دوستی تھی۔ [illegible]

32۔ پیر قدرت شاہ [illegible] کے علاقے کا بڑا پیر تھا۔ ہماری نوکرانی نارو [illegible]

[illegible]

[illegible] ... کیا غلط کیا تھا اس نے؟"

[illegible]

[illegible] رقیہ نے غصے سے کہا "اگر [illegible]

[illegible]

[illegible] بولی۔ "آئی ہے تو [illegible]

[illegible] رقیہ نے کہا "کیوں آئی یہاں کام کرنے [illegible]

[illegible] رقیہ کی آواز میں [illegible]

[illegible]

[illegible] ان کی آواز دھیمی پڑ گئی۔ پھر وہ رقیہ کی [illegible] انھوں نے بہت دھیمی آواز میں کہا "اب تیری [illegible]

[illegible]

بھائی کمرے سے برآمدے میں گئے اور پھر گھر سے باہر چلے گئے۔

"ہائے بی بی جی..." بھائی کے جاتے ہی رقیہ نے پھر رونا شروع کر دیا۔ "کیا کروں گی میں نقلی بالوں کا؟ اصلی رکھ تو لی... کون بچائے گا کالی بلا سے میرے بوبے کو!"

بہن زیبا رقیہ کی طرف بڑھی۔ اس کے قریب بیٹھ کر بہن زیبا نے اپنا دایاں بازو اس کے گلے میں حمائل کیا۔ رقیہ کی گود میں بوبا بہت سہما ہوا تھا لیکن اس نے رونا چھوڑ دیا تھا۔ سہمی سہمی نظروں سے سب کو دیکھ رہا تھا۔

"ہائے میرا بوبا..." رقیہ نے روتے ہوئے بہن زیبا کی سمت دیکھا۔

"کچھ نہیں ہوگا تیرے بوبے کو" بہن زیبا نے کہا۔ "تو فکر نہ کر، اللہ سب سے بڑا ہے... اللہ سے بڑا کوئی نہیں... بس اللہ کی طرف دھیان لگا... اللہ سے مدد مانگ... کوئی دشمن، کوئی کالی بلا تیرے بوبے کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ میں ہر نماز کے بعد بوبے کی سلامتی کے لیے دعا مانگوں گی... یہ میرا وعدہ ہے۔ میں تین مہینے تک... کتنی دیر ہے بوبے کے پانچ سال کا ہونے میں؟"

بہن زیبا کے اس جملے پر میں چونکا۔ رقیہ نے رکھ کے متعلق بہنوں کو بھی سب کچھ بتا رکھا تھا۔

"ڈھائی مہینے رہ گئے تھے۔" رقیہ کی آواز میں اب بے بسی تھی۔

"میں وعدہ کرتی ہوں" بہن زیبا نے کہا۔ "میں ڈھائی مہینے تک ہر روز ایک سپارہ پڑھ کر بوبے کی سلامتی کے لیے دعا مانگوں گی... تو فکر نہ کر، کچھ نہیں ہوگا بوبے کو... تو بالکل نہ ڈر، اللہ سب سے بڑا ہے۔"

بہن زیبا نے اپنے دوپٹے سے رقیہ کے آنسو پونچھے۔ زیبا نے اپنے مذہبی رجحانات کے مطابق جو تسلی رقیہ کو دی وہ کارگر ثابت ہوئی۔ رقیہ نے رونا بند کر دیا۔ بوبے کو چوما اور پھر میری طرف دیکھا۔

"رکھ کہاں ہے؟" اس نے غصے سے پوچھا۔

"کہاں ہے لٹ؟" عصمت کے لہجے میں بھی غصہ تھا۔

"وہ تو میں..." میرا لہجہ کچھ اکھڑا اکھڑا سا تھا۔ "میں نہر میں پھینک آیا ہوں۔"

میرے اس جملے پر رقیہ پھٹ پڑی۔

"رب کرے ڈوب کے مرے تو..." وہ قہر آلود نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ "پیروں سے

Scanned with CamScanner

[illegible] تو تڑپ تڑپ کر مرے، کفن نصیب نہ ہو تجھے..."

[illegible]

[illegible] والی پگڈنڈی پر قدم رکھا۔

[illegible]

[illegible] لہجے میں کہا۔ کوئی اور دن ہوتا تو

Scanned with CamScanner

میں کوئی مزید جواب دیتا، لیکن میری ذہنی حالت ابتر تھی۔ دھیما سا مسکرا کر میں اس کے پاس سے گزر گیا۔

17

نہر سے پہلے شمالی سمت، کھیتوں میں رہٹ پر مجھے بیل گھومتے نظر آئے جنھیں کسی ملیار نے ابھی ابھی جوتا تھا۔ میں رہٹ کی سمت چل دیا۔ ذہن میں کچھ نہیں تھا۔ بائیں رخسار کی ہڈی میں درد محسوس ہو رہا تھا۔ میں اس قدر خالی الذہن تھا کہ مجھے اپنے تمام تجربات، ڈانٹ ڈپٹ، پھٹکار، گالیوں، بددعاؤں اور دھمکیوں کے ساتھ تیز آندھی میں اڑتے ہوئے خشک پتوں کی مانند اور بے سمت محسوس ہو رہے تھے۔ میری تمام سوچ جامد ہو چکی تھی۔

کنوئیں پر جا کر میں نے منہ دھویا۔ رہٹ کی ٹنڈوں سے چھن چھن بہتی اور پانی کی مسلسل گرتی ہوئی دھار دیکھی۔ مجھے اپنے گلے میں پھانس کا احساس ہوا۔ میں نے بہت سا پانی پیا اور نہر کی سمت چلا گیا۔ کھیتوں میں نباتات کی مہک تیر رہی تھی۔ سورج طلوع ہو چکا تھا۔ مجھے ہر بار ایک سانس کھنچی کھنچی سی محسوس ہو رہی تھی۔ کھیتوں میں سورج کی دھیمی کرنوں سے نباتات کا رنگ یقیناً گہرا سبز ہو گا، لیکن مجھے ہر شے دھندلی محسوس ہو رہی تھی۔ اس دھندلائی ہوئی فضا میں، میں صورت حال دیکھنے کے لیے سوچنا چاہتا تھا، لیکن یوں لگتا تھا کہ میری سوچنے کی صلاحیت ہی ختم ہو گئی ہے... آگ ہے ری... بھائی نے پہلی بار مجھ پر ہاتھ اٹھایا تھا۔ بھائی کا جملہ بار بار میرے ذہن کے خالی گنبد میں گونج رہا تھا "سامان باندھو... دفع ہو جاؤ۔"

میں آہستہ آہستہ نہر کی سمت جا رہا تھا — مایوس، افسردہ، بے بسی کے اذیت دہ احساس کے ساتھ۔ میرے قدم آہستہ آہستہ بوجھ کی مانند اٹھ رہے تھے۔

"دکھ انسان کا محسن ہے۔" بے بسی کے گنبد میں گونجتی آواز اور اس سے پیدا ہونے والے دکھ کے شدید احساس نے چپ میں دراڑ ڈالی۔ "رنج ہی انسان کو بے حسی کی اس گراں جانی سے نجات دلاتا ہے جو بظاہر محسوس نہیں ہوتی لیکن دل و دماغ کی گہرائیوں اور غیر مرئی خطوں پر اس لاوے کی طرح جم جاتی ہے جو کسی مردہ آتش فشاں کی تہہ میں کروٹیں لیتا رہتا ہے۔"

Scanned with CamScanner

شہر تک پہنچتے پہنچتے میرے ذہن پر موجود بے حسی کا گنبد ترخ چکا تھا۔ میرا سوچنے کا سلسلہ پھر سے پیش آنے والے واقعات سے جڑ رہا تھا۔ میری سمجھنے کی صلاحیت لوٹ تو آئی تھی لیکن دکھ کا یہ احساس اس طرح سے زخم کی طرح تھا جس میں زخم لگانے والے ہتھیار کے ٹوٹے ہوئے ذرے...
آہنی ذرے سوزش پیدا کر رہے ہوں، چبھ رہے ہوں، اور ان میں نمو پاتا ہوا زہر زخم کو بڑھا رہا ہو۔

"میں نے کیا جرم کیا ہے؟" میں کھیتوں کے کنارے پر، پگڈنڈی سے نہر کی سمت بلند ہوتی ہوئی چڑھائی پر قدم رکھ چکا تھا۔ "کیا جرم کیا ہے میں نے جس کی پاداش میں مجھے یہ سب کچھ سہنا پڑا ہے؟" میں نہر کے کنارے پر کھڑا ہو کر ان دھاروں کو دیکھنے لگا جو سطحِ آب پر آہستہ رو، لیکن سطح کے نیچے بہت تیز ہوتے ہیں۔ "درست ہے، میں نے ایک ماں کو دکھ پہنچایا ہے، لیکن یہ دکھ اس دکھ سے کہیں چھوٹا ہے جو ان فرسودہ روایات والے پسماندہ علاقے میں ماؤں کو صدیوں سے مل رہا ہے۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا... معاشرے میں پھیلی تاریکی میں درندوں کی چمکتی ہوئی آنکھوں کو، ان کے خون آلود تیز پنجوں کو، ان کے ہڈیاں توڑتے ہوئے دانتوں کو دکھانے کی کوشش میں پہلا قدم ہی تو اٹھایا ہے۔ کیا جرم کیا ہے میں نے؟ سادہ لوح انسانوں کو صدیوں سے اپنے مذموم ہتھکنڈوں سے لوٹنے والے ان نقاب پوش ڈاکوؤں کے نقاب اتارنے کی کوشش ہی تو کی ہے۔ کیا یہ جرم ہے؟ میں نے ان عیار لوگوں کے خلاف ایک چھوٹا سا اقدام ہی تو کیا ہے جو سیدھے سادے دیہاتیوں کو مذہب کے نام پر خوف اور خود غرضی کا اسیر بنا کر اپنی تجوریاں سونے اور چاندی سے بھر رہے ہیں۔"

اچانک میرے دل پر لگے زخم میں، زخم لگانے والے ہتھیار کے آہنی ذروں نے آپس میں جڑ کر ایک اور خراش لگائی۔

"یہ سب کچھ ان مذہبی نظریات کی وجہ سے ہو رہا ہے جنھوں نے فرسودہ عقائد اور اندھی عقیدتوں کو انسانی معاشروں میں بتدریج پروان چڑھایا ہے، جو صدیوں سے اس دنیا کے انسانوں کو تاریک تہ خانوں کی سمت دھکیل رہے ہیں۔ انسانوں کو خوف اور خود غرضی کا اسیر بنانے میں مذہبی نظریات بنیادی کردار ادا کرتے ہیں: ان دیکھے کا خوف، سزا کا خوف، جہنم کا خوف اور پھر سب سے زیادہ فرسودہ عقائد سے انحراف پر، اندھی عقیدتوں کو نہ ماننے پر تعذیب کا خوف... اس کے خلاف آواز اٹھانے پر واجب القتل ٹھہرانا فرسودہ عقائد اور اندھی عقیدتوں کو ماننے والوں کا آخری ہتھیار ہوتا

Scanned with CamScanner

ہے۔ دوسری جانب لالچ کی دلدل ہے: کبھی رجا، کبھی ثواب، کبھی نعمتوں کا حصول تو کبھی جنت کی آرزو۔ . . خود غرضی کے کتنے ہی روپ ہیں — اچھے کام کرو، جنت ملے گی، برے کام نہ کرو، دوزخ میں جلائے جاؤ گے۔ رہی عزت نفس تو اسے اس دنیا کے انسانی معاشروں میں ممنوع قرار دے دیا گیا ہے، کیونکہ انسان کی سچی عزت نفس ہوس کی تمام قوتوں کے لیے سپر کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہوس کی تمام جابر قوتوں کو یہ احساس ہمیشہ سے ہے کہ ان کی حاکمیت کو اگر کسی قوت سے خطرہ ہے تو انسان کی عزت نفس سے ہے جو انسان کو اس کے مقام سے گرنے نہیں دیتی . . . وہ کوئی برا کام کر ہی نہیں سکتا، اس پر کوئی خوف بھی نہیں ہوتا، پھر بھی وہ برے کام سے اجتناب کرتا ہے، اسے کوئی لالچ نہیں ہوتا، پھر بھی وہ اچھے کام کرتا ہے۔"

میں نہر کے کنارے پر جون جولائی کی جھلسی ہوئی گھاس پر بیٹھ گیا۔

"بچہ ابھی پوری طرح ہوش بھی نہیں سنبھالتا کہ اس پر ان دیکھے کا خوف سائے کی طرح منڈلانے لگتا ہے۔ اس کے ننھے سے ذہن پر خوف کا گنبد قائم ہو جاتا ہے۔ یہ خوف اس کے والدین اس پر مسلط کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد وہ زندگی بھر اپنے ذہن پر آہنی کٹورے کی موجودگی میں، جو اُلٹ دھر دیا جاتا ہے، خوفزدہ رہتا ہے۔ وہ آہنی کٹورے میں اسیر مچھر کی طرح چکر لگاتا رہتا ہے اور پھر اسی میں جلد یا بدیر مر بھی جاتا ہے، لیکن زندگی بھر خوف سے نجات نہیں پا سکتا۔ یہ کس قسم کے مذہبی نظریات ہیں جو انسان کو پیدائش ہی سے ہر قسم کی آزادی سے محروم کر دیتے ہیں؟ پھر خوف کا اسیر ہونے والے بچے کو لالچ سے واسطہ پڑتا ہے۔ اس کی تمام خواہشات کو، اس کی ذات کے گرد، اس کے وجود کے گرد حصار بنا دیا گیا ہوتا ہے . . . ثواب اور جنت کی خواہش میں اسیر بچہ جیسے جیسے بڑا ہوتا ہے تو اس کے وجود میں خود غرضی بھی بڑی ہوتی جاتی ہے، اور جب یہ خود غرضی جوان ہو جاتی ہے تو وہ اسی لالچ کی تحریک پر ہر وہ کام کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے جس کا تعلق اس کی ذات اور وجود سے ہو۔ اس سلسلے میں، اس کے نزدیک، اچھائی برائی کا کوئی امتیاز ہی قائم نہیں رہتا۔

"یہی وہ قوت شر کا مقصد ہے جس نے انسانی دل و دماغ کو صدیوں سے ہوس کا اسیر بنا رکھا ہے۔ وہ تمام نظریات جو ہوس کی اساس پر قائم ہیں، انسان کی ذہنی آزادی سلب کر لیتے ہیں۔ یہ غلامی ان سے بھی مضبوطی کے ساتھ جڑی رہتی ہے جن سے منحرف ہونے پر نہ صرف اغراض سے محروم

Scanned with CamScanner

ہونے کا بلکہ عذاب کا خوف بھی پیوستہ رہتا ہے۔"

مشرقی افق سے سورج بلند ہو چکا تھا۔ سورج کی کرنیں شیشم کے سبز درختوں کی گھنی شاخوں میں چھنی چھنی ہوا کے جھونکوں سے جھومتے پتوں میں چمک رہی تھیں۔

"وہ بچے جنہیں شعوری پختگی سے پہلے ہی خوف اور خودغرضی کا اسیر بنا دیا جاتا ہے، عزت نفس کے احساس ہی سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس کی آئندہ زندگی کا ہر لمحہ، اس کی ہر سوچ، اس کا ہر عمل یا تو خوف کے تابع ہوتا ہے یا خودغرضی کے حصار میں رہتا ہے۔"

میری سوچ میں نہر کے اندر سطح کے نیچے بہتے دھاروں کی طرح تیزی نمودار ہو رہی تھی۔ خیالات بظاہر آہستہ رو لیکن بباطن بہت تیز ہوتے جا رہے تھے۔

"بچہ، جو ہوش سنبھالتے ہی اپنے ذہن پر شہد کی طرح جم جانے والے آہنی کٹورے میں مکھی کی طرح پھنس جاتا ہے اور خودغرضی کے بھورے شہد میں اپنی مکھی کی طرح چپکا رہتا ہے، کبھی سکون محسوس نہیں کر پاتا۔ اسے چین نہیں ملتا۔ وہ بے چین مکھی کی طرح بھنبھناتا رہتا ہے، اس مکھی کی طرح جو مرنے پر بار بار بھنبھناتی ہے۔ ... سکون نہیں لینے دیتا؛ پیٹ بھر جانے کے باوجود مرنے کے احساس رہتی ہے اور اسی طرح بھنبھناتے ہوئے پھر اکتاہٹ کا شکار ہو جاتی ہے۔ وہ مرنے سے پہلے بھی اپنے پروں کو تیزی سے پھڑپھڑاتی ہے اور پھر مر جاتی ہے...

خودغرضی میں اپنی نفسیاتی بناوٹ کی مکھی جیسی ہوتی ہے۔ وہ بچے جو بچپن ہی میں خودغرضی کا اسیر بنا دیے جاتے ہیں، صرف اپنی ذات تک محدود ہو جاتے ہیں۔ حاصل کا اسیر۔ جتنی بھی بڑا ہے تو دوسروں کی امید پر زندگی سے بچنے کی کوشش بھی کرتا ہے تو مرنے کے خوف سے۔ یہ مرجھانے کی زندگی میں اس کے شعور کو کسی شکنجے میں کس دیتے ہیں۔ اس کے ذہن میں زندگی بھر عزت نفس جگہ نہیں بنا سکتی۔ عزت نفس تو اس کے شعوری پختگی سے پہلے ہی مر جاتی ہے یا پھر مار دی جاتی ہے۔ مذہبی طریقت کی روایت نفس کو اس کے شعور سے پہلے ہی ہلاک کر دیتے ہیں... کیا یہی مذاہب انسانی فلاح کے علم بردار ہیں؟"

میرے ذہن میں سوالات شیشم کی ٹہنیوں میں ارتعاش سا نمودار ہوا اور پتوں سے چھن چھن کر آتی روشنی میں جیسے ستارے پر سوئی کی نوک پر مرتعش ہو گئیں۔

Scanned with CamScanner

"فطرت لطیف تو خود انسان کو اس کی عزت نفس سے آشنا کرتی ہے۔ فطرت تو خود انسان کی تربیت کرتی ہے لیکن فطرت شدید، یعنی قوت شر، یہی تربیت کی وجہ سے دبتی چلی جاتی ہے۔ فطرت لطیف، یعنی قوت خیر تو انسان کی عزت نفس، اعلیٰ اور ارفع رتبے کا احساس دلاتی ہے، اسے بتاتی ہے کہ اس کا مقام کیا ہے۔ وہ مقام اعلیٰ اور ارفع ہستی ہے۔ اور کسی بھی صورت میں بھی ہوں۔ تعصب، خوف اور خود غرضی اس کے ارفع مقام سے نیچے کے ہیں۔ اس کے اچھے اعمال کی خوبی کی وجہ سے نہیں ہوتے بلکہ اس کی زندگی میں ظہور پذیر ہوتے ہیں کہ اسے اپنے ارفع مقام کا احساس رہتا ہے۔ اس کے اچھے اعمال کسی لالچ کی وجہ سے نہیں ہوتے اور نہ خود غرضی سے بلند ہوتے ہیں۔ اس کے اچھے اعمال کی وجہ صرف ایک ہوتی ہے۔ وہ خود اچھا ہوتا ہے اور اسے اپنے وجود کی اس اچھائی کا احساس بھی رہتا ہے۔ نہ اسے خوف ہوتا ہے، نہ لالچ، نہ بزدلی اور غرض... اس کے سامنے فطرت لطیف اعلیٰ انسانی اقدار کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے۔"

میں نے نہر کے کنارے بیٹھے بیٹھے جلدی اتارے، شلوار کو ٹخنوں تک چڑھایا اور پاؤں بہتے ہوئے ٹھنڈے پانی میں ڈبو دیے... مجھ پر ندامت کا احساس چھا گیا۔

"چینی بی بی... میں نے سوچا کہ میں نے بیٹھ کر تقریب کی ہے۔ میری وجہ سے ایک ماں کو شدید دکھ سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ میں نے رقیہ کو دکھ دیا ہے... مجھے اس کا قطعی اندازہ نہ تھا... دنیا نے مجھ سے یہ بات پہلے کبھی نہیں سوچی تھی کہ اپنے سے چھوٹوں کا خیال رکھنا چاہیے... تو ہم دونوں کو شدید دکھ پہنچا... مجھے پہلے اس کا ضرور سوچ لینا چاہیے تھا... لیکن یہ دیر سے سوچی۔"

مجھے بہت اداس دیکھ کر اس کے ہونٹوں کا کچھ جس کی خواب ناک کیفیت میں دیکھ رہی ہے، میرے چاروں سمت پھیلتی رہی۔ لیکن پاؤں کے انگوٹھوں سے نیچے تلووں پر ٹھنڈے پانی کی بہتی لہروں سے ٹکرانے سے یہ احساس بھی میرے ذہن میں موجود تھا کہ میں سو نہیں رہی... بیدار ہوں۔

ٹھنڈ چاروں سمت بکھری ہوئی اور پھر مجھے اپنے ساتھ لپیٹ لیا۔ ٹھنڈ میں مسکراتا شمع کی روشنی میں ڈوبا نانی کا چہرہ دکھائی دیا۔ اس کی آنکھوں میں بے بسی کی کیفیت تھی۔

[illegible] رہتی ہیں۔

[illegible] آنکھیں بند [illegible] کوئی [illegible] خوف [illegible]

[illegible] قوت [illegible] کا ذریعہ [illegible]

[illegible] قوت [illegible]

[illegible] آباؤ اجداد سے ورثے میں ملے ہیں۔ یہ سب کچھ اس کا ذریعہ معاش [illegible]

[illegible] خوف سے [illegible] ہیں۔۔۔"

[illegible] روشن کرتی نظر آ رہی تھیں۔ خوبصورت اور بے انتہا [illegible]

[illegible] خوبصورت [illegible] رہی تھیں۔

[illegible] آنکھیں بند ہوئیں۔ دوبارہ کھلیں تو روشنی کی شعاعیں [illegible]

[illegible] رہی تھیں۔

[illegible]

[illegible] تم ندامت کا [illegible] دل پر نہ رکھو۔ تم نے جو کیا، وہ درست اقدام تھا۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے [illegible] خوبصورت [illegible] آ رہا ہے اور [illegible]

[illegible] مجھے اپنے بہت قریب [illegible]

[illegible] آنکھیں [illegible]

[illegible] آنکھیں بند ہوئیں۔ دوبارہ کھلیں تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ میں قبر میں [illegible]

[illegible]

[illegible]

Scanned with CamScanner

[illegible] پانی [illegible] تھی۔ کچن میں شیشے [illegible] قریب سے [illegible] والی [illegible] سو گیا تھا [illegible] جلدی [illegible] آنکھ کھلی [illegible] میں [illegible]

[illegible]

18

[illegible]

[illegible] دھوپ [illegible] پر [illegible] احساس [illegible] پانی [illegible] کی طرف [illegible] دھوپ [illegible] تمازت کا احساس [illegible] تمازت میں بھی ایک حسن [illegible] ہوتا ہے، جسے بیان کرنا نہایت مشکل ہے [illegible] میں نے [illegible] ناشتہ کیا تھا نہ دوپہر کا کھانا کھایا تھا، پھر بھی بھوک [illegible] تھی [illegible] صورت حال کا سامنا ہوگا۔

[illegible] اپنے [illegible] زندگی [illegible]

[illegible] یقین کے ساتھ میں نے سوچا [illegible] انسانیت [illegible]

[illegible] نظریات کی [illegible] خوشی ہے۔"

[illegible] کے متعلق [illegible] اور [illegible] کی صورت ہے ضرور مانا جاسکتا ہے، لیکن [illegible] خوف [illegible] کا خوف [illegible] حصول سے بہت قریب پہنچ [illegible] شروع کر دیتے ہیں اور یہی سمجھتے ہیں کہ [illegible] کا باعث ہوگی۔ خواہشات پر قابو پا لیا اگرچہ عزت [illegible] رہتی ہے جو برفانی چوٹی کے [illegible] عزت نفس کے حصول کی جدوجہد میں، یہ خوف ذہن پر [illegible] خواہشات [illegible] خواہشات کے طوفانی برفیلے [illegible]

33۔ [illegible]

(avalanche) سے سامنے عزت نفس ٹھہر نہ پائے گی اور تباہ ہو جائے گی۔ یہ خوف عزت نفس سے محروم شخص کو ہمیشہ ستاتا رہتا ہے۔ کوہ پیما چوٹی کے قریب پہنچ کر گہری کھائیوں میں جا گرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بدھ معاشرے میں بھکشوؤں سے دو خواہشات کا تیاگ سب سے اہم فرض کی طرح لیا جاتا ہے۔ خود بھکشو بھی زندگی بھر خوف ہی میں مبتلا رہتے ہیں کہ ان کا تیاگ مکمل ہو پائے گا کہ نہیں۔ اگر ان کا یہ خوف حدیث کی مانند بدھ ازم میں نہ ہوتا تو وہ خواہشات کی موجودگی میں بھی عزت نفس کے حصول سے انسانی قدر سے وہ آگاہی حاصل کر لیتے جو فطرت طبیعت کا رشتہ اور اختیار رکھتی ہے۔ خوف کی تو صورت یہ ہی ہے کہ وہ وجود کو برقرار رکھنے کے لیے نشیب میں گری پڑی رہتی ہے۔"

میں نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا اور مجھے گداؤ نظر آیا۔ شاید اس نے مجھے دیکھ لیا تھا، میری سمت ہی آ رہا تھا۔ چند لمحات میں وہ قریب پہنچ گیا۔

"آپ کب آئے صاحب؟" اس نے دور ہی سے کہا۔ "میں چند دن کے لیے گیا ہوں۔ بی بی جی بہت پریشان ہیں۔ جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا..." گداؤ نے گہری سانس لی۔

"یہ تو اب تمہیں سب کو تمہاری طرح معلوم ہو چکا ہے؟" میں نے مختصر کہا۔

"جی!" گداؤ نے کہا۔ "یہ سب قوتیں ہم نہیں کر سکتے صاحب۔" اس بات کو وہ حال میں چھپا کر گداؤ میری سمت اس انداز میں دیکھ رہا تھا جیسے پوچھنا چاہتا ہے یہاں کیسے ہوئے حجاب رہا ہے۔

"آپ بہت دیر..." گداؤ نے خاموشی توڑی۔ "وہ بڑے صاحب جی نے سیڑھیاں میں بلایا ہے... بیٹھک میں بی بی جی پریشان ہیں۔"

میں گداؤ کے ساتھ چند منزل پر گھر کی سمت چل دیا۔ شعاعوں کی تمازت سے چند قدموں پر ہی پسینے سے پورا بدن تر ہو گیا۔ پسینے کے قطرے پورے بدن پر ڈھلکنے شروع ہو گئے۔

"آسمان سے فیصلہ ہو گیا" میں نے سوچا۔ "سب سامان باندھو اور رخصت ہو جاؤ۔" میرے ذہن میں کئی بار یہ خیال آیا کہ... چلا جاؤں گا... جو مجھے کرنا تھا وہ تو میں کر چکا ہوں اور مجھے یقین بھی ہے کہ سب ٹھیک نہیں ہوگا۔ باقی اب بھی گر رہا ہے۔ نئے سرے سب کو یقین ہو جائے گا کہ آپ کی صاحب زادی کا بچہ کسی کا تھا۔"

پھر ایک بار ... والی کیفیت طاری ہوئی۔

[illegible]

[illegible] میں نے سدا سے پوچھا۔

[illegible] جیسے چیتے میں ایک قدم تک

[illegible]

[illegible] اختیاری تو اس کا رد عمل کیا ہو گا؟ خود کو سچا ثابت کرنے

[illegible] مذموم کاروبار کے لیے، وہ کسی حد تک بھی جا سکتا

[illegible] میرے بدن میں جھرجھری سی نمودار ہوئی جو چلچلاہٹ سے

[illegible] ... ڈھالی

[illegible]

[illegible] اور حسینوں کے ساتھ بھی تک

اندیشے نے بھی میرے ذہن پر اپنے پنجے گاڑ دیے۔

"میں ڈرپوک نہیں ہوں صاب جی..." گداو ابھی تک میرے سوال میں الجھا ہوا تھا۔ "لیکن کچھ بھی ہو سکتا ہے۔"

"پیر نور شریف خود بھی تو کالی بلا بن کر بوبے کو مروا سکتا ہے۔" میں نے کہا اور گداو چلتے چلتے رک سا گیا۔

"کیا؟" اس نے گھبرا کر کہا۔

"کالی بلا اور کے نذرانے،" میں نے کہا۔ "اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کے لیے، رکھ کو بھی ثابت کرنے کے لیے۔ اپنی دھاک بٹھائے رکھنے کے لیے، سونے چاندی کی نذر کے لیے وہ آپ بھی تو بوبے کی جان لے سکتا ہے۔"

گداو کے چہرے پر خوف نمایاں ہوا۔ اس کے ہونٹ دو تین بار ہلے۔ لیکن اتنے میں بوبے بھائی کا گھر نزدیک آ گیا۔

"ڈاکٹر صاب سے..." گداو نے خوفزدہ آواز میں کہا۔ "مجھے ڈاکٹر صاب نے کہا تھا کہ میں نقلی بالوں کا انتظام کروں، لیکن میں نے انھیں کہا ہے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ کالی بلا روز بوبے کا منہ دھلواتی ہے اور ساتھ ہی رکھ بھی دھو کر اسے کنگھی کیا کرتی ہے۔ نقلی رکھ پکڑی جائے گی... یہ آپ نے اچھا نہیں کیا صاب..."

میں خاموش رہا۔ میرے ذہن میں اب صرف بوبے کی سلامتی کی فکر سب خیالات پر چھائی ہوئی تھی۔ گھر کے بیرونی دروازے سے اندر داخل ہوتے ہوئے میں قدرے گھبراہٹ محسوس کر رہا تھا۔ بیچ کے برآمدے میں رقیہ کھجور کے پتوں کا بنا ہوا ہاتھ والا پنکھا لیے بیٹھی تھی۔ بوبا اس کی گود میں تھا۔ رقیہ نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔ مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں غصہ بھر آیا۔ میں تیزی سے کمرے میں چلا گیا۔

"کہاں تھے تم؟" بہن عصمت نے کہا۔ میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ بھابی رجو اٹھ کر برآمدے میں چلی گئیں۔ "ایک تو ہم سب صبح سے پریشان ہیں، ایک تم صبح سے غائب ہو۔"

"رقیہ صبح سے رو رہی ہے،" بھابی نے کہا۔ "تسلیاں دیتے دیتے ہم تھک گئے ہیں۔"

Scanned with CamScanner

[illegible] آئیں۔ مجھے بھوک نہیں تھی لیکن روایتی انداز میں "مجھے بھوک نہیں [illegible] تھا۔ آدھی روٹی کھا کر میں نے پانی پیا۔

[illegible] بھابھی نے کہا۔

[illegible] نہیں چاہتا، اور پھر بھائی جان نے مجھے ہسپتال میں بلایا ہے۔"

[illegible] بھابھی [illegible] کہا۔ "بہتر ہے تم جلدی سو جاؤ۔"

[illegible] طرف چلے [illegible] عصمت [illegible] کہا۔ "اس [illegible] میں تمہیں نیند [illegible]"

[illegible] میں نے [illegible] پڑھنے کا موڈ نہیں ہے میرا۔"

[illegible] بھابھی نے [illegible] آمدے سے پھر رقیہ کی سسکیاں سنائی دیں۔

میں [illegible] سے ہسپتال چلا جاؤں گا۔"

[illegible] عصمت نے کہا۔

[illegible] بہت ٹھنڈی ہوتی ہے،" میں نے کہا اور آہستگی سے [illegible] آمدے میں [illegible] رقیہ [illegible] سمت [illegible] میں آیا۔ [illegible] سے [illegible] نکل کر ہسپتال کی سمت چل دیا۔

[illegible] پاؤں رکھتے ہوئے سوچا۔ [illegible] ہیں... یہ تو اب طے ہے کہ مجھے یہاں سے آنا پڑا [illegible] طرف [illegible] ہوگا تو بھائی اسے [illegible] میں [illegible] مجھے بھائی [illegible] نہیں [illegible] کوئی اور بات سوچ رکھی ہو انھوں نے۔ [illegible] دن بعد انھیں مجھ پر غصہ آیا ہوگا [illegible] ندامت ہو رہی ہوگی۔"

[illegible] مجھے [illegible] بھائی نے اس انداز میں [illegible] ہے۔ وہ [illegible] اپنے [illegible] بہت پرخلوص ہے اور اس پر اعتماد [illegible] بات کا [illegible] نہیں بنتا۔

''شاید بھائی مجھ سے یہ کہیں کہ میں رقیہ کے سامنے کم سے کم جاؤں۔'' میں نے سوچا اور پھر خود ہی اپنے من میں اس کی تردید بھی کر دی۔ ''میں پہلے ہی گھر پر کہاں رہتا ہوں۔ میری عادت ہی نہیں گھر رہنے کی۔ گھوڑ بلنسر اور چکوال میں میں پہلے ہی سے آوارہ گرد مشہور ہوں۔ چار دیواری میں میرا دم گھٹتا ہے۔ اگر بھائی نے مجھے رقیہ کے سامنے نہ آنے کا کہا تو یہ تو اور بھی اچھی بات ہوگی... بھابی یہ تو نہیں پوچھ سکیں گی کہ دن بھر کہاں رہے؟''

گرمی کا احساس دوپہر کی نسبت سہ پہر میں بہت زیادہ تھا۔ خصوصاً پسلیوں سے جب کوئی پسینے کا قطرہ جسم پر سرسراتا ہوا نیچے کی سمت جاتا تھا تو ناگواری سی محسوس ہوتی تھی۔ نہر کا کنارہ آ گیا۔ میں اب اس جگہ کھڑا تھا جہاں میں نے پہلی بار گھوڑے کو شیشم کی شاخوں سے باندھا تھا اور نہر میں چھلانگ لگائی تھی... جہاں کماری کی سہیلی نوراں میرے دیکھنے سے پہلے ہی کپڑے اتار کر آدھی ننگی ہو گئی تھی... میں کنارے پر بیٹھ گیا۔ میرے ذہن پر بوجھ چھایا ہوا تھا۔ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد میں گھاس پر لیٹ کر شیشم کے پتوں کو دیکھنے لگا۔ نہر کے مغربی کنارے کے درختوں کے سائے لمبے ہو کر مشرقی کنارے تک پہنچ چکے تھے۔ میرا چہرہ دھوپ میں تھا۔ میں اٹھ کر پھر نہر کے کنارے پر بیٹھ گیا۔

بے چینی کی کیفیت کا کوئی نام نہیں ہوتا کہ اسے لے کر انسان اپنی بے چینی کا مناسب اظہار کر سکے۔ ہوا کے جھونکوں سے نہر کے پانی پر لہروں میں یکساں ارتعاش تھا۔ درختوں کے سائے گدلے پانی پر مچھلیوں اور کچھوؤں کی طرح تیرتے محسوس ہو رہے تھے۔ درختوں پر چند کووں نے شور مچا رکھا تھا۔ سورج کا سفر مغرب کی سمت جاری تھا۔

''خبر چھپی تو نہیں رہے گی'' میں نے سوچا۔ ''کسی صورت بھی نہیں۔ ہر شام گلنازی بھائی کے گھر دودھ لینے آتی ہے۔ وہ جا کر ماں کو بتا دے گی۔ مائی جیراں نے اگر اپنی ایک رشتے دار عورت کو بھی یہ بات بتا دی تو اگلے دن پورے جھاوریاں میں یہ بات پھیل چکی ہوگی۔ پھر یہ خبر جھاوریاں سے نکل کر پورے علاقے میں پھیل جائے گی۔ وہ کسی صورت بھی خود کو چھوٹا ہوتے نہیں دیکھ پائے گا۔ وہ بوٹے کو فوراً مروا دے گا۔ یہ ضد رکھتو کب چکی ہے اور اس کی کالی بلا کو روکنے والا کوئی ہے تو نہیں۔ پھر وہ بے عزتی برداشت نہ کر سکے گا، فوراً ہی، چند دنوں ہی میں بچے کو مروا دے گا... خبر کو چھپنے سے روکنا بہت مشکل ہوگا۔ اگر بھابی نے مائی جیراں اور گلنازی کو اعتماد میں لے بھی لیا تو بھی شیکے (رفیق) نائی کو

Scanned with CamScanner

[illegible] وہ معذوں [illegible] میں [illegible]

[illegible] [illegible] کا [illegible]"

[illegible] [illegible] محسوس ہو رہی تھیں۔ [illegible]

[illegible]

[illegible] مجھے یہ بھی بتایا تھا [illegible]

[illegible] طریقوں سے [illegible]

[illegible] کوشش [illegible]

[illegible] بچے پر حملہ کرائے گا... اس کا طریقِ کار کیا ہوگا؟"

[illegible] طریقِ کار [illegible]

[illegible]

[illegible] کو ساتھ لے کر والد صاحب کے پاس کھوڑ چلی

[illegible]

[illegible] کافی [illegible] اس موقعے پر بھی تو کوئی

[illegible] اپنے چھپے ہوئے بدمعاشوں ملنگوں کے ذریعے ہی

[illegible]

[illegible] وہ کالی بلا کے خوف

[illegible] کہ وہ ایک [illegible]

[illegible] انھیں نہیں [illegible]

[illegible] سکتے ہیں [illegible]

[illegible] انھوں نے تو [illegible]

کھانے کو نہیں دی۔۔۔ اس صورت حال سے تو بچنا مشکل نہیں۔ رقیہ کو منع کیا جا سکتا ہے کہ وہ بوبے کو باہر کی کوئی چیز کھانے کو نہ دے، چاہے وہ مٹھائی ہی کیوں نہ دیں۔ مگر وہ ہر روز بازار سے دودھ لے کر آتا ہے۔ مٹھائی، دودھ بیچنے والے کی ہٹی میں تو زہر ملا نہیں سکیں گے۔۔۔ ان کا طریق کار کیا ہوگا؟ اب اس بات سے تو انکار ممکن ہی نہیں کہ پیر نور شریف، خود کو سچا ثابت کرنے کے لیے اور اپنی دہشت قائم رکھنے کے لیے، بوبے کو مروانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔''

اچانک ایک خیال میرے تھکے ہوئے ذہن کی تاریکی میں جگنو کی طرح چمکا۔ یقیناً میری آنکھیں بھی چمک اٹھی ہوں گی۔ میں فوراً اٹھا اور ہسپتال کی طرف چل دیا۔

19

تنور کے سامنے سے گزر کر میں ہسپتال کی سمت جانے والی سڑک پر پہنچا اور آہستہ آہستہ قدموں سے متوقع صورت حال کا اندازہ لگاتے ہوئے چلنے لگا۔ شام ہو رہی تھی۔ تنور پر ماسی جیراں دوپٹے سے سر باندھے روٹیاں لگا رہی تھی۔ ارد گرد لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ ان میں نوراں بھی تھی اور موٹی کانی شریفاں بھی۔ شریفاں کے قریب ایک لمبوترے چہرے والی قدرے صاف رنگت والی لڑکی مجھے آتا دیکھ کر ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگی۔ لمبی ناک والی اس لڑکی نے آنکھوں میں بہت زیادہ سرمہ ڈالا ہوا تھا۔ چھوٹی چھوٹی آنکھوں والی اس لڑکی کو میں پہلے بھی تنور پر دیکھ چکا تھا، لیکن کبھی اس کی طرف توجہ ہی نہ کی تھی۔ گلناز کی تلاش میں میری نگاہیں اس کی سمت چلی گئی تھیں۔ میں نے فوراً تنور کی دوسری جانب دیکھا۔ گلناز وہاں بھی نہیں تھی۔ نوراں ہمیشہ کی طرح پلکیں جھپکائے بغیر مجھے دیکھ رہی تھی۔ نوراں اس انداز سے دیکھتی تھی کہ میں گھبرا سا جاتا تھا۔ جب سے نہر پر وہ میرے سامنے آدھا جسم ننگا کر چکی تھی، مجھے اس سے گھبراہٹ محسوس ہوتی تھی۔ نوراں نے مجھ سے نظریں ہٹائیں اور ماسی جیراں کی طرف دیکھنے لگی۔

''یہ تو اچھی بات ہے،'' میں نے سوچا۔ ''گلنازی تنور پر نہیں ہے، ورنہ آج میرا حال دیکھ کر، میرا اترا ہوا مایوس چہرہ دیکھ کر نہ جانے کیا سوچتی۔۔۔''

ہسپتال کے صحن میں بچھی کرسیوں پر بھائی اور میر صاحب بیٹھے تھے۔ دونوں کے چہروں پر

[illegible] بھائی [illegible] میں ان [illegible]
[illegible] پریشانی [illegible] دل [illegible]
[illegible] کی طرف [illegible]

[illegible] صاحب نے دھیمی آواز میں کہا: "تشریف [illegible]"
[illegible]
[illegible] بھائی [illegible] قدر پریشان [illegible] آپ نے [illegible] کس مصیبت میں [illegible] اس چال [illegible]؟"

[illegible] "ہمارے خیال میں،" انھوں نے [illegible] گھومنے چلتے ہیں [illegible] میں [illegible]"

[illegible] بھائی [illegible]
[illegible] محسوس [illegible]
[illegible] تھے۔

[illegible] گلنار [illegible] جاتی ہیں؟"

[illegible] بھائی نے کہا: "گداگر ایک دو دن روٹیاں [illegible]"

[illegible] تو نہیں [illegible]

[illegible] بھائی نے "اب [illegible]
[illegible] شاہ پور جانے والی سڑک کی سمت مڑ گئے۔ سڑک کے کنارے شیشم [illegible]
[illegible] تھے۔

"[illegible] میر صاحب نے [illegible]
[illegible] انھوں نے میری طرف دیکھا [illegible]
[illegible] لمحے بھر کو رکے۔ پھر انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا [illegible]
[illegible] زندگی میں بہت اونچا مقام حاصل کرتے ہیں۔"

بھائی نے پہلے میری اور پھر میر صاحب کی سمت دیکھا۔ "ابھی تو میں اسے سمجھا رہا ہوں"
بھائی بولے۔ آواز میں غصہ نہیں، متانت تھی۔ "[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] اپنی پڑھائی کی طرف تو [illegible]
[illegible] اس کی فطری صلاحیت کو دبا رکھا ہے۔"

[illegible]
[illegible] قدر و قیمت نہیں [illegible]
[illegible] ہسپتال میں [illegible]
[illegible] آپ کے گھر والے آپ کی پڑھائی کے تمام اخراجات برداشت کرنے کے قابل ہیں۔
[illegible] میڈیکل [illegible]
[illegible] میڈیکل میں اعلیٰ تعلیم حاصل کیجیے [illegible]
[illegible] آپ ان چکروں میں پڑے ہیں۔"

[illegible] میر صاحب جو تمہید باندھ رہے تھے [illegible]
[illegible] پہنچ جاؤ۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] بھی جاگیردار بھی اس سے عقیدت [illegible]

[illegible] محسوس ہوا [illegible]

[illegible] میر صاحب نے کہا اور پھر خاموش ہو گئے۔

[illegible]

[illegible] میر صاحب نے چلتے چلتے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ [illegible] معاملات ایسے ہوتے ہیں جن میں بہت سمجھداری کی [illegible] بھی توقعات ہیں کہ آپ [illegible]

[illegible] بابے کی سلامتی کی فکر مستزاد تھی۔

[illegible] صاحب نے پھر کہا: "امید ہے کہ آپ [illegible]

سمجھیں، اسی میں آپ کے بھائی اور بھابھی بہنوں کی سلامتی ہے اور ماں بچے کی بھی۔۔۔''

''آپ صاف صاف کہیے'' میں نے پہلی بار ہمت سے کام لے کر کہا، ''آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟''

''دیکھیے'' میر صاحب کچھ جھجکے، پھر انھوں نے بے باکانہ انداز اختیار کیا۔ ''ہم جانتے ہیں، آپ بہت ذہین ہیں۔ ہم آپ کو صحیح الدماغ سمجھتے ہیں، کیونکہ آپ ہیں۔ لیکن اس وقت صورتحال کا یہی تقاضا ہے کہ ہم آپ کے جانے کے بعد گاؤں میں مشہور کر دیں کہ۔۔۔ کہ آپ ذہنی مریض ہیں۔ آپ پر دورے پڑتے ہیں اور اسی قسم کے دورے کے دوران میں آپ نے بچے کی لٹ کاٹ دی ہے۔ یہ ترکیب کام کر جائے گی۔ دیوانگی میں کیے ہوئے کام پر کسی کو کتنا غصہ آئے گا؟ آپ کے بھائی کہہ دیں گے کہ انھوں نے آپ کو واپس بھجوا دیا ہے، کیونکہ آپ مزید کوئی خرابی پیدا کر سکتے تھے۔۔۔ پیر نور شریف سے مزید بھڑکیں گے، لیکن کچھ کر نہ پائیں گے۔ کسی دیوانے پر کوئی کتنی دیر بھڑک سکتا ہے؟ پھر یہ واقعہ گاؤں میں ایک مزاحیہ واقعہ بن جائے گا۔ لوگ ہنس ہنس کر اس واقعے کو یاد کریں گے۔۔۔ پیر نور شریف بھی کچھ نہ کر پائیں گے۔ مصیبت بھی ٹل جائے گی اور بات بھی دب جائے گی۔ آپ برا نہ مانیں۔۔۔ ہمارے پاس اور کوئی راستہ بھی نہیں ہے۔''

اس بار خاموشی دیر تک رہی۔ شام گہری ہو رہی تھی۔ بھائی واپس پلٹے۔ میر صاحب کے ساتھ میں بھی واپس مڑا۔ ہمیں اندھیرا چھانے سے پہلے واپس ہسپتال پہنچنا تھا۔

''بہت اچھا فیصلہ کیا ہے آپ نے'' میں نے بھائی کی سمت دیکھتے ہوئے خاموشی کو توڑا۔ ''بھیج دیجیے مجھے، چلا جاؤں گا بلکہ صبح ہی چلا جاؤں گا۔'' مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سینے میں چھپے آتش فشاں کے لاوے نے حرکت کی ہے۔ ''کر دیجیے مشہور کہ میرا ذہنی توازن درست نہیں ہے، پاگل ہوں میں۔۔۔ گھر میں برتن توڑتا ہوں، گالیاں بکتا ہوں، اپنے کپڑے پھاڑتا ہوں۔۔۔''

''دیکھیے، دیکھیے'' میر صاحب تیزی سے بولے، لیکن مجھے اپنے سینے میں کروٹیں لیتا ہوا لاوا ابلتا محسوس ہو رہا تھا، جیسے وہ دو چار بار ابل کر پھٹ جائے گا۔

''کہہ دیجیے کہ میں۔۔۔'' مجھے خود اپنا لہجہ بدلا بدلا سا لگا۔ ''کہہ دیجیے کہ مجھ پر پاگل پن کے دورے پڑتے ہیں اور اسی دیوانگی میں میں نے بالوں کا گچھا کاٹ دیا ہے۔ سب سے کہہ دیجیے کہ

Scanned with CamScanner

میں آج کا نہیں، بچپن سے پاگل ہوں۔ بلکہ واپس بھیجنے کی بھی کیا ضرورت ہے؟ مجھے لاہور جا کر پاگل خانے میں داخل کرا دیجیے... یا پھر سنگھاسن لے جا کر پیر کے قدموں میں پھینک دیجیے اور کہیے کہ اس پر کالی بلا نے پنجے گاڑے ہیں، اس کا بھی بالوں کا گچھا رکھوا دیں...'' میرے اندر آتش فشاں پھٹ گیا۔ ''کرا دیجیے میری منڈیر کا چھوڑ کر آپ کی جان بچ جائے گی... سلامت رہیں گے آپ... لیکن کیا یہاں کے بزرگوں، دکھوں سادہ لوح، سیدھے سادے دیہاتی اس تاریک فریب سے بچ جائیں گے جو اندھیرے کی پرتوں کی مانند صدیوں سے ان کے وجود پر محیط ہے؟ کیا وہ خوف کے ان نوکیلے دانتوں سے بچ جائیں گے جو ان کے ناخنوں میں پیوست ہیں اور جس سے پیر لوگ صدیوں سے ان کا خون اپنی ہوس کی زبانوں سے چاٹ رہے ہیں؟ کیا وہ خودغرضی کے ان تیز ناخنوں والے پنجوں سے بچ جائیں گے جن سے مکار پیروں نے انھیں دبوچ رکھا ہے؟ کیا یہ سادہ لوح دیہاتی کبھی ان دلدلوں سے نکل پائیں گے جن میں ہوس کی جونکیں ان کے جسموں سے چمٹی ہوئی ہیں؟ بنا دیجیے مجھے یہاں کے لوگوں کے لیے باعث تضحیک، اڑا دیجیے میرا مذاق... لیکن مت بھولیے کہ یہ اندھیرا عارضی ہے، یہ خوف کے سفاک دانت، یہ خودغرضی کے خون آلود ناخنوں والے پنجے، یہ ہوس کی دلدلیں، سب عارضی ہیں، ہمیشہ نہیں رہیں گی۔ زمانہ بدلے گا، یہ تاریکی چھٹے گی... اس وقت تاریخ انسانیت آپ جیسے تعلیم یافتہ روشن خیال لوگوں پر ضرور ہنسے گی کہ تمام تر روشن خیالی کے باوجود آپ نے اس تاریک جنگل میں درندوں کے لیے خود راہیں ہموار کی تھیں، راستے بنائے تھے... تاریخ ہنسے گی کہ آپ کے روشن ذہن پر تاریکی حاکم تھی، آپ کی روشن خیالی محکوم تھی، غلام تھی... آپ خوف کے اسیر تھے، خودغرضی نے آپ کو اپنے وجود کے دائرے میں قید کر رکھا تھا۔ اس غلامی میں بھی آپ روشن خیالی کا دعویٰ کرتے تھے... اس سے بڑی خودفریبی کیا ہوگی! میں ابھی جا کر اپنا بیگ تیار کرتا ہوں، کل صبح چلا جاؤں گا۔''

میر صاحب میری سمت غور سے دیکھ رہے تھے۔ کچھ دیر خاموش رہے۔ پھر چلتے چلتے رک گئے، بولے کچھ نہیں۔

''اپنی عمر سے بہت آگے نکل چکے ہیں آپ، صاحبزادے!'' میں نے میر صاحب کی سمت دیکھا، جن کی نظریں میرے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔ پندرہ سولہ برس کے میٹرک کے لڑکے میں یہ

Scanned with CamScanner

شعور ناقابلِ یقین ہے۔ ہمیں آپ جیسے سول کے لڑکے سے اس شعور کی توقع نہ تھی، لیکن صاحبزادے۔۔۔ آپ نے خود ہی کہا ہے کہ یہ تاریکی صدیوں پرانی ہے، تو اسے ختم ہونے میں بھی صدیاں ہی لگیں گی۔ اس علاقے میں خواندگی نہ ہونے کے برابر ہے۔ شعور تعلیم سے حاصل ہوتا ہے۔ ہمیں تو یوں لگتا ہے کہ ہمارے نواسوں کے نواسے، پھر ان کے نواسوں کے نواسے اور پھر ان کے نواسوں کے نواسے بھی وہ دن نہیں دیکھ پائیں گے جس کا تصور آپ اپنے ذہن میں بسائے ہوئے ہیں۔" میر صاحب خاموش ہو گئے۔ بھائی بہت آزردہ اور خاموش تھے۔ ہم چپ چاپ آہستہ آہستہ چلنے لگے۔

[illegible] ایک بات ذہن میں" میں نے کہا، "میرے یہاں سے چلے جانے سے، گاؤں میں [illegible] یہ مصیبت نہیں ٹلے گی۔ آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ معاملہ دب جائے گا۔ [illegible] آپ [illegible] شریف بھی اس بات کو ہنسی میں اڑا سکے گا۔ اسے چینا تک بھر سونے یا چاندی [illegible] تو اس علاقے میں اپنے خاندان کی صدیوں سے قائم اندھی عقیدت [illegible] کا شدید اندیشہ ہو گا۔ اس کی تو بنیاد اس فکر سے [illegible] بچے کی رکھوالی نے مکاری سے [illegible] جانے کتنے بچوں کے سر [illegible] صورت میں بھاری [illegible] اس کا بھید کھل جائے گا۔ بچے کی رکھ کرنے میں ابھی [illegible] شریف یہ نہیں سوچے گا کہ بچے کے [illegible] جانے سے اس کے عقیدت [illegible] خوف ختم ہو جائے گا؟ وہ خوف جو اس کی [illegible] کا [illegible] ہتھیار ہے۔ "[illegible] خوف [illegible] لوگوں میں خودغرضی و شدید [illegible] اپنی مجبوریاں [illegible] اور چاندی [illegible] آپ مجھے تو وہاں بھجوا رہے ہیں، لیکن میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں [illegible] پلے ہوئے جرائم پیشہ یا [illegible] ملنگوں کے ذریعے بچے کو مروانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔

بھائی اور میر صاحب چلتے چلتے رک گئے۔ دونوں کے چہرے پر پریشانی خوف میں بدل گئی۔

[illegible] بھی میری [illegible]" بھائی کے چہرے پر شکنیں ابھر آئیں۔

[illegible]" ان کی آواز میں غصہ تھا۔

"مصیبت [illegible] بھی بات کی تھی،" میں نے کہا، "مصیبت آئی ہے تو مقابلہ تو

[illegible]

[illegible] پان [illegible]

[illegible]

[illegible] احساس ہونے کا تھا۔

[illegible] پرندے بھی خاموش ہو رہے تھے۔

[illegible] صاحب نے خاموشی توڑی۔ [illegible] ہے۔"

"[illegible] آپ نے ..."

[illegible] قاتل [illegible] ساتھ فرار [illegible] ساتھیوں نے [illegible] روپوش رہا۔ اس کے ساتھیوں نے گولی تو نکال [illegible] کے ہسپتال [illegible] سات سال قید کی سزا سنائی۔ [illegible] رکھ دیا۔ اس کی [illegible] کندھے پر [illegible] دہشت [illegible] قید کاٹنے کے بعد وہ اب [illegible] مجرم ہوں گے ... وہ بچے [illegible] گا۔"

[illegible] سے سن رہے تھے۔

[illegible] صاحب بولے۔

"[illegible]" بھائی نے جیسے خود سے سوال کیا "میں اکیلا کیا کر پاؤں گا؟" انھوں نے

غصے سے میری سمت دیکھا۔ ''اس نے کبھی زندگی میں سکون نہیں لینے دیا... مجھے تو لگتا ہے سب چوپٹ ہو جائے گا۔'' بھابی کے ماتھے پر شکنیں گہری ہو گئیں۔ ''کس مصیبت میں پھنسا دیا ہے!'' ان کی آواز میں غصہ ابھرا۔

''بھیا... بھیا...'' میر صاحب نے کہا، ''اب غصے سے کیا ہو گا؟... ہمیں کچھ تو سوچنا ہے... سوچنے دیجیے۔''

''میں نے سوچ لیا ہے...'' میں نے کہا، ''دن بھر اور کیا کرتا رہا ہوں۔''

''تم جیسے کوڑھ مغز کا مقدر رونا ہے؟'' بھابی نے غصے سے کہا۔ ''دماغ خراب ہو چکا ہے تمہارا۔''

''تو گاؤں سے نکلیں صاحبزادے'' میر صاحب نے کہا، ''یہ اتنا آسان نہیں ہے۔''

''کاش میں نے اسے یہاں نہ بلوایا ہوتا۔'' بھابی نے کہا، ''غلطی ہو گئی مجھ سے۔''

''پھر بھی'' میر صاحب نے کہا، ''کیا سوچ رکھا ہے، آپ نے؟''

ہم دریا کے قریب پہنچ چکے تھے۔ شام بہت گہری ہو چکی تھی، لیکن مکمل تاریکی نہیں پھیلی تھی۔ ہمارے قدم آہستہ تھے۔

''... میرا لہجہ رفتار کی مانند دھیما تھا۔ ''آپ نے کہا تھا کہ یہ بات چھپی نہ رہے گی۔ گلناری اور ماسیاں لے کر ہمارے گھر جاتی رہتی ہے۔ مائی جیراں کو خبر ہو گئی تو بات پورے گاؤں میں پھیل جائے گی۔''

''یہ تو ہے،'' میر صاحب نے کہا، ''خواتین کے لیے بات چھپانا بہت دشوار ہوتا ہے۔''

''یہ بہت روحانی بات ہے سر...'' میں نے کہا، ''میرے خیال میں مائی جیراں اور گلنازی کو قابو میں لیا جا سکتا ہے اور گلناری اتنی بچی بھی نہیں ہے کہ...''

میر صاحب نے سر گھما کر میری طرف دیکھا۔ ہونٹوں پر پریشان سی مسکراہٹ آئی۔

''آپ نے یہ کیسے جانا کہ وہ بچی نہیں ہے؟'' انھوں نے پوچھا اور میں گھبرا گیا۔

''وہ... وہ...'' میں نے کہا، ''بس عصمت بتا رہی تھیں کہ گلناری کو اس علاقے کے بہت سے ڈھولے اور ماہیے یاد ہیں۔ بچیوں کو ڈھولے اور ماہیے گانے نہیں آتے۔''

میر صاحب کے ہونٹوں پر آتی ہوئی مسکراہٹ مٹ سی گئی۔ آہستہ قدموں سے ساتھ بھی ہم لاری اڈے پر اس جگہ پہنچ گئے جہاں ملیر ریلوے بستی کے لیے ویگنیں رکتی تھیں۔

"کل نہ سہی اور اس کی ماں کو اطلاع دی جا سکتی ہے؟" بھائی نے کہا۔ "چلو یہ بات مان لی۔ پھر بھی یہ بات کب تک چھپائی جائے گی؟ پورے پچھتر دن باقی ہیں بچے کے پانچ برس پورے ہونے میں۔"

"میں بات چھپانے کے حق ہی میں نہیں،" میں نے کہا۔ بھائی نے غصے سے میری طرف دیکھا۔ میر صاحب بھی چونکے۔ "کیا؟"

بھائی نے غصے سے کہا "کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم اس کے ہاں مرید کو گھسیٹتے ہوئے ملیر بستی لے جائیں اور اس کے سامنے قتل کر دیں؟"

"میں لوگوں سے یہ بات چھپانا چاہتا ہوں، لیکن گاؤں میں یہ خبر پہنچنے سے پہلے خود یہ خورشید تک پہنچانا چاہتا ہوں۔"

میرے اس جملے پر بھائی اور میر صاحب یوں چونکے جیسے بات نہ تھی کوئی پتھر تھا جس نے ان کے ذہنوں پر ضرب ماری۔ وہ دونوں لاری اڈے کے ٹول کے مقابل سڑک کی دوسری جانب رک گئے۔

"مجھے کوئی شک نہیں رہا،" بھائی نے تلخی سے کہا۔ "تمہارا دماغ واقعی خراب ہو چکا ہے۔"

"ابھی آ چلیں گے یار،" میر صاحب نے کہا۔

"میری پوری بات تو سن لیں،" میں نے کہا۔

"کیا سنیں؟" بھائی کا لہجہ درشت تھا۔ "ایسی احمقانہ باتیں سننے کے لیے نہ تو ہمارے پاس وقت ہے نہ برداشت۔"

"آپ بات پوری سن تو لیں پہلے تو..." میں نے دھیمے سے کہا۔

"ایک تو پہلے ہی خاصی مصیبت میں ہیں ہم، اوپر سے یہ فضول باتیں... تمہارا دماغ بھی خراب کرنا چاہتے ہو۔"

"اچھا اچھا..." میر صاحب نے قدم بڑھایا اور ہم ہسپتال کی سمت مڑنے والی سڑک کی سمت میں چل پڑے، لیکن بہت ہی آہستہ۔ "آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟... دیکھیں بھیا،" میر صاحب

Scanned with CamScanner

نے بھائی کی طرف دیکھا: ''انھیں پوری بات کر لینے دیجیے۔ چلیے بقول آپ کے ہم نے یہ خبر خود ہی پیر تک پہنچا دی، پھر کیا ہوگا؟''

''جو ہوگا، بہت اہم ہوگا۔'' میں نے کہا: ''میں یہ چاہتا ہوں کہ اگر پیر کا ارادہ بچے کے لیے گھناؤنا ہو — جو مجھے یقین ہے کہ ہوگا — تو ہمیں اس کی خبر پہلے سے ہو۔ ہمیں بالوں کا گچھا کٹنے کی خبر کل ہی اپنے کسی با اعتماد شخص کے ذریعے پیر تک پہنچا دینی چاہیے، اور میرے خیال میں گداؤ سے بہتر اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ آپ خود بھی تو...'' میں نے بھائی کی طرف دیکھا۔ ''آپ ہی نے کہا تھا کہ گداؤ بہت بھروسے کا آدمی ہے۔ پیر تک خبر پہنچنے اور اس کا ردعمل ظاہر ہونے تک ہی ہمیں یہ خبر چھپانے کی ضرورت ہوگی۔''

بھائی نے غصے سے میری سمت دیکھا۔ ''کھوڑا اور ہلکمر کے قصبوں میں جاسوسی فلمیں دیکھ دیکھ کر تم خبطی ہو چکے ہو۔ اپنے تصورات کو یوں پیش کر رہے ہو جیسے یہ حقیقت ہیں۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا۔ ایک اور مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔ تم سامان باندھو اور واپس چلے جاؤ۔ جو ہوگا میں دیکھ لوں گا۔''

''وہ تو میں چلا ہی جاؤں گا۔'' میں نے کہا: ''لیکن بچے کی زندگی بچانا میرے دفع ہو جانے سے کہیں زیادہ اہم ہے۔ آپ کہتے ہیں کچھ نہیں ہوگا...'' مجھے اپنے لہجے میں تلخی کا احساس ہوا اور میں نے فوراً لہجے کو بدتمیز ہونے سے بچانے کے لیے دھیما کیا۔ ''اگر کچھ نہیں ہوگا تو آپ کے پاس جانے تو موجود ہی ہے کہ میں پاگل ہوں، دورے پڑتے ہیں مجھے... میں اپنے تصورات کو اس لیے حقیقت کہہ رہا ہوں کہ پیر نور شریف اپنی دہشت اور ساکھ بچانے کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرے گا۔ انتہائی قدم، بچے کو جان سے مروا دینا ہے اور مجھے لگتا ہے کہ کالی بلا کا خوف قائم رکھنے کے لیے وہ انتہائی قدم ہی اٹھائے گا... علاقے میں مشہور ہے، مجھے گداؤ نے بتایا تھا — یہ بات مشہور ہے کہ صرف رکھ ہی کالی بلا سے بچ سکتی ہے... اب بچے کے سر پر بالوں کا گچھا نہیں ہے تو پیر خود کالی بلا بن کر کچھ نہ کچھ تو کرے گا۔''

پچاس قدم دور تنور پر ماسی جیراں کا چہرہ، تنور میں دہکتے کوئلوں کی دھیمی سی عنابی رنگت میں دور سے بھی دکھائی دے رہا تھا۔ ماسی کے پاس تین لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ میں نیم تاریکی میں نہ دیکھ سکا کہ ان میں گلناری ہے یا نہیں۔

Scanned with CamScanner

[illegible] صاحب نے کہا۔ "[illegible] بات میں [illegible] ہے اگر ہم بھی [illegible] سوچیں تو [illegible] بات [illegible] معلوم ہوتی ہے کہ وہ اپنی ساتھ [illegible] کی [illegible] قدر [illegible]۔"

[illegible] یا چاک [illegible] بھائی سے [illegible]

[illegible] بات [illegible] غیر شعوری طور پر مان گئے تھے کہ [illegible] [illegible] تھی۔

"[illegible]" صاحب نے کہا۔

[illegible] شخص [illegible] آپ [illegible] بھی [illegible] [illegible] مسکرایا۔ گلناری مجھے دیکھ رہی تھی۔ [illegible] مسکراہٹ [illegible] آنکھوں میں بھی [illegible] نے ماسی جیراں کی طرف [illegible] ہسپتال سے نکل [illegible] سمت جا رہا تھا [illegible] [illegible] تھا۔

[illegible] وقت بھی تو [illegible] مجھے [illegible] کو اعتماد میں لینا ہوگا۔"

بھائی نے [illegible] ہم ہسپتال کے صحن میں داخل ہو رہے تھے۔ "اپنے [illegible] بھائی [illegible] ساتھ ہی [illegible] کام [illegible] [illegible]۔"

[illegible] اچھا صاحب جی!" وہ دوسری سمت [illegible]۔"

"[illegible] بہت خوبصورت [illegible]۔"

"[illegible] اندھیرا ہو رہا ہے!" گداؤ نے کہا اور ماسی نے [illegible]

"ہاں..." گلناری نے اس انداز میں کہا جیسے کوئی چھوٹی بچی ماں سے بڑے ناز سے ضد کر رہی ہو۔ "وہ چھوٹی بی بی میری سہیلی بن گئی ہے۔ اس سے باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے۔" گلناری کی زبان اور لہجہ سرگودھا کی لڑکیوں جیسا تھا۔ گلنازی کا اشارہ صمت بی بی کی سمت تھا۔ نانی اماں تو اس کی طرف دھیان ہی نہیں دیتی تھیں۔

"کل کر لینا باتیں" نانی جی اماں نے کہا۔ "نہیں بھاگی جاتی تیری چھوٹی بی بی۔"

گلنازی کے چہرے پر اداسی آ گئی۔ تو میں نے سمجھا بجھتے ہوئے دیے سے تڑپنے پر جو شعلہ سا لپکا کرتا ہے، اسی کی دھیمی سی روشنی میں گلنازی کا اداس چہرہ بے انتہا خوبصورت دکھائی دیا۔ میں بھائی اور میر صاحب کے ساتھ صحن میں بچھی کرسیوں پر جا بیٹھے۔

"بڑی دیر لگا دی صاحب!" خشو نے قریب آتے ہوئے کہا۔ "چائے کا پانی ٹھنڈا ہو گیا ہے۔"

"پھر گرم کر لے۔" بھائی نے کہا۔

خشو ایک کوٹھری کی طرف چلا گیا۔ میر صاحب نے کرسی کی پشت پر ٹیک لگالی۔

"بیٹے... ہم نے یہ تو مان لیا۔" انھوں نے کہا۔ "پیر نور شریف جتنی ساکھ بھی رکھتے ہیں اور دہشت قائم رکھتے ہیں... وہ کسی بھی بچے کی زندگی کو خطرے میں ڈال سکتے ہیں۔ لیکن مسئلہ یہ ہے... اگر پیر کے بدمعاش ملک بچے ہمارے گاؤں میں آئیں گے تو ہم سے کیسے بچ پائیں گے؟ اور ظاہر ہے وہ بچے کو گھر سے نکالنے کے لیے کوئی نہ کوئی کامیاب چال چل سکتے ہیں۔"

میں نے میر صاحب کی آنکھوں میں دیکھا۔

"جی..." میرا لہجہ اب پُراعتماد تھا۔ "وہ پورے گاؤں کے سامنے بچے پر حملہ نہیں کر سکتے۔ وہ پورے گاؤں کو ہمارے گھر کے سامنے اکٹھا کر بھی لیں تو بھی بچے کی جان کو کوئی خطرہ نہیں۔ سو لوگوں کی موجودگی میں وہ بچے کو نہیں مار سکیں گے... خطرہ صرف یہی ہے کہ جان جانے کا... ہجوم بھی تو ہو سکتا ہے... پیر لوگ بے حد مکار ہوتے ہیں، وہ کوئی اور طریقہ بھی اختیار کر سکتے ہیں جو انھیں پیر نور شریف بنا کر جیتے گا۔ میں نے اس طریقے کے متعلق سوچ لیا ہے جو پیر اختیار کر سکتا ہے۔"

میر صاحب نے پہلے بھائی کی طرف اور پھر میری طرف دیکھا۔

"تو ہمیں بھی بتائیے۔" انھوں نے کہا۔

ہاں ہاں... [illegible] تھا۔" ہمیں بھی بتاؤ مسٹر شرلاک ہومز۔"[34]

[illegible] مجھے بھائی کا طنز بہت ناگوار گزرا، لیکن میں نے اپنی ناگواری کو [illegible] مجھے [illegible] ناگواری سے زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔ چونکہ [illegible] روشنی میں [illegible] مجھے دیکھ [illegible] نظر آئی [illegible] چہرے پر پھیل [illegible] طرف [illegible]۔

[illegible] میں نے میر صاحب اور بھائی کی طرف [illegible]۔

"[illegible] بھائی [illegible] مجھے سب کچھ فضول سا لگ رہا ہے۔"

"[illegible] میں آپ کی سلامتی نظر آ رہی ہے۔ کیسے آپ یہ [illegible]" میر صاحب نے میری طرف دیکھا۔

"[illegible] کے ڈیرے پر جائیے۔" میں نے کہا" پیر کے [illegible] پوری بات بتائیے اور کہیے کہ [illegible] پاگل [illegible] کے ساتھ چھٹیاں گزارنے آیا ہوا ہے۔ بھینس تو [illegible] فقیروں کو گالیاں دیتا ہے۔ [illegible] بہت سمجھایا [illegible] مہینے ہو گئے ہیں، بچارہ [illegible] گالیاں [illegible]... مرشد، [illegible] اور کبھی [illegible] لگتا ہے۔ [illegible] گھر سے باہر نکل کر گھومتا رہتا [illegible] تھے۔

[illegible] بیوی، بھینس اور پاگل چھت پر سوتے

34 [illegible]

ہیں۔ رقیہ اور بچہ صحن میں بچھی چارپائی پر۔ صبح جب وہ باہر کھیتوں میں گئی تو پاگل کو موقع مل گیا۔ پر کاٹنے والی قینچی سے اس نے زلف کاٹ دی ہے اور بال نہر میں پھینک آیا ہے۔ بچے کی ماں کا رو رو کے برا حال ہو گیا ہے۔ آنکھیں سوج گئی ہیں۔ اسی نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے... مرشد کچھ کریں، بچے کو بچا لیں مرشد... وہ بال کاٹ چکے ہیں۔ اب تو رکھے بھی نہیں جو کالی بلا کو دے... بچے کی سلامتی آپ کے رحم اور کرم پر ہے مرشد۔ گنتی کے دن رہ گئے ہیں... سب یہی کہتے ہیں کہ آخری سال بہت خطرناک ہوتا ہے۔ کالی بلا کو روکنا آپ کے بھی بس میں نہیں رہتا... رحم مرشد، رحم... بچے کے بغیر ماں بھی مر جائے گی۔ وہ پہلے ہی بیوہ ہے... ایک بچے کا سہارا ہے۔ اسی کے لیے جیتی ہے مرشد، کرم کریں... بچے کی جان بچا لیں... پھر دیکھیں وہ چالاک پیر کیا کرتا ہے۔

میر صاحب کے چہرے پر سنجیدگی سی نمودار ہوئی۔

"تدبیر بہت اچھی ہے آپ کی... آپ کے پاگل پن کا ذکر موثر ہوگا۔ پیر فوراً اپنے بندے ہی کی بات پر یقین کر لے گا کہ آپ پر دورے پڑتے ہیں۔ ورنہ ہمارے کہنے پر وہ اسے دیوانہ سمجھیں گے... تدبیر اچھی ہے، لیکن یہ بات جو مجھے کھٹک رہی ہے..." میر صاحب لمحہ بھر کو رکے۔ "پیر لوگ بڑے شاطر قسم کے ہوتے ہیں اور ہمارے گداو میاں ٹھہرے سیدھے سادے دیہاتی۔ پکڑے گئے تو معاملہ بہت بگڑ جائے گا۔"

بھائی کے چہرے پر تذبذب تھا۔ انھوں نے میر صاحب کی طرف دیکھا۔

"وہ اتنا سیدھا سادا بھی نہیں ہے،" انھوں نے قدرے اعتماد سے کہا۔ "بہت تیز ہے۔ ہسپتال کی نوکری سے پہلے تھیٹر میں اداکاری اور گلوکاری کرتا تھا۔ اسے پکڑنا آسان کام نہیں ہے۔"

مجھے اندرونی طور پر خوشی اور اطمینان کا احساس ہوا۔ بالآخر بھائی نے میری تائید کر دی۔

"اگر ایسا ہے،" میر صاحب نے کہا، "تو پھر کوئی دشواری نہیں ہے۔ ہاں، ایک بات اب بھی باعث تشویش ہے۔ گداو میاں پڑھے لکھے نہیں، اسی پسماندہ علاقے کے رہنے والے ہیں۔ کیا ان کے دل و دماغ پر پیر کا خوف نہیں ہوگا؟ کیا آسانی سے جانے پر رضامند ہو جائیں گے؟"

"نہیں..." میں نے کہا، "میرے خیال میں ایسی کوئی بات نہیں ہو سکتی جو گداو کو خوف زدہ کرے گی۔ اس نے پیر کے پاس جا کر سچ ہی تو بتانا ہے۔ یہ بات جھوٹ تو ہے نہیں۔ بالوں کا گچھا کٹ چکا ہے۔

"[illegible] چھپاتا [illegible] سمجھا ہے۔"

[illegible] سے پہلو بدلا۔

[illegible]

[illegible] اس کے بعد بچے کی جان کو [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] مذموم ارادے [illegible] اور بہت محتاط تھی [illegible]

[illegible] کے اور دن کے وقت کوئی ایسی حرکت [illegible]

[illegible]

[illegible] جیسے تمہیں ان کا شیڈول معلوم ہو۔"

[illegible]

[illegible] اپنی بات پوری کر لینے [illegible]

[illegible]

[illegible]

دے جیسے شیخ کی ذہانت جانچنے کے واقعے میں میرا طریقِ کار بتا رہا ہو۔ اس طرح وہ مکار پیر اپنے گھناؤنے ارادے کے لیے گھر کی اندرونی صورتِ حال پر نہ صرف غور کرے گا، بلکہ اسے اپنے مذموم مقصد کے لیے استعمال بھی کرے گا۔ مثلاً جب بھی گاؤں آئیں گے، پرانے مندر والی حویلی ہی میں ٹھہریں گے۔''

میر صاحب نے غور سے میری طرف دیکھا۔

''یہ بات آپ کو کس نے بتائی ہے؟'' میر صاحب نے کہا۔ ''یہ بات درست ہے۔ وہ وہیں ٹھہرتے ہیں۔''

''گداؤں نے،'' میں نے کہا۔

''یہاں بھی جاسوسی شروع کر دی!'' بھائی نے غصے سے کہا۔ ''تمھیں چین کیوں نہیں ملتا؟ مجھے تو پہلے ہی یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ بلکسر میں پیر کوثر شاہ کی ڈھوک کے ملنگوں سے متعلق تم کس قدر معلومات رکھتے ہو... چاہتے کیا ہو؟ پیروں سے یہ دشمنی تمھیں مہنگی پڑے گی۔ خطرناک ہے... بہت ہی خطرناک۔ اس میں تمھاری جان بھی جا سکتی ہے۔'' بھائی کے غصے میں تشویش بھی شامل تھی۔

میر صاحب نے چائے کی پیالی میز پر رکھی۔

''کیا بتا رہے تھے آپ؟'' انھوں نے پوچھا۔

''بھادریاں سے جو تانگہ صبح نو بجے میٹھا چن جاتا ہے، شام چار بجے واپس آ جاتا ہے،'' میں نے کہا۔

''تم نے یہ بھی معلوم کر لیا کہ تانگہ کب جاتا ہے، کب آتا ہے؟'' بھائی نے کہا۔ میں نے اس کی بات ان سنی کر دی۔

''وہ چار بجے آئیں گے، سیدھے حویلی کے کھنڈر میں جائیں گے۔ شام کو وہ کبھی بھی گاؤں میں نہیں آئیں گے۔ اگلا دن وہ یقیناً گاؤں میں گزاریں گے۔ انھیں یہ بھی تو معلوم کرنا ہوگا کہ ہمارا گھر کہاں ہے؟''

''تم تو یوں بتا رہے ہو جیسے ملنگوں نے تمھارے ساتھ بیٹھ کر پروگرام طے کیا ہو،'' بھائی کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔

Scanned with CamScanner

"میں قیاس آرائی کرسکتا ہوں جو آخر درست بھی ہوتی ہے،" میں نے کہا۔ "انھیں یہ تو پتا چل گیا ہوگا کہ ہمارا گھر کھیتوں کے سامنے ہے۔ [illegible] وہاں ان کے پیر کو یہ بات بتا چکا ہوگا۔ پیر کے ڈیرے پر مویشی تو ہوں گے۔ وہ گاؤں میں مویشیوں کے حوالے سے، کسی سے بھی مویشیوں کے ڈاکٹر کا پتا پوچھ سکتے ہیں۔ وہ گاؤں میں آئیں گے تو [illegible] ان پر نظر رکھے گا۔ اگر وہ ہمارے گھر کے پاس آئے اور ان کی حرکات مشکوک ہوئیں تو ہمیں یقین کرنا ہوگا کہ ان کا ارادہ بد ہے۔"

میر صاحب نے بھائی کی طرف دیکھا۔

"اس کی باتوں پر..." انھوں نے میری طرف دیکھا، "اسی صورت میں یقین کیا جاسکتا ہے اگر، [illegible] ان کے، پیر نے ملنگ گاؤں میں بھیج دیے... ارادہ کچھ بھی ہو... ان کی آمد مشکوک ہوسکتی ہے۔"

بھائی نے پہلے میری سمت اور پھر میر صاحب کی طرف دیکھا۔

"کچھ نہیں ہوگا،" انھوں نے کہا۔ "[illegible] کو پیر کے پاس بھیجنے کا ایک ہی فائدہ نظر آرہا ہے کہ اسے یقین ہو جائے گا کہ جو کچھ ہوا ہے، اس کے..." بھائی نے میری طرف دیکھا، "پاگل پن کی وجہ سے ہوا ہے۔"

[illegible] ان کی سمت سے ہوتے ہوئی توہین کی جگہ کوئی پروا نہ تھی۔ میں نے بھائی کی طرف دیکھا۔

"[illegible] چپ چاپ بیٹھ جائے گا؟ اس کی ساکھ، اس کی دہشت، اس کا مستقبل کا [illegible] اور وہ خاموش بیٹھ جائے گا؟ ملنگ ضرور [illegible] میں آئیں گے اور [illegible] آئیں گے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے کہ وہ ہمارے گھر کا اچھی طرح جائزہ لیں گے۔ [illegible] رات بھی اس بات کی تسلی کرلیں گے کہ رقیہ اور بچے صحن ہی میں سوتے ہیں۔ یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ نہیں سوچیں گے کہ [illegible] کے بعد رقیہ بچوں [illegible] صحن میں [illegible] میرے خیال میں وہ ایسا نہیں سوچیں گے [illegible] کوئی [illegible] نہیں [illegible] بند کمرے میں چھپ جانا [illegible] میں موجود [illegible] کہ کان [illegible] صرف [illegible] حملہ آوروں کو [illegible] روک سکتا ہے۔ میرے

نخیوں میں ان کی آمد سے بعد اگلی رات [illegible] جس رات [illegible] کی طرف سے [illegible]
اس رات بھی بھی اور بہنیں گھر پر نہیں ہونی چاہئیں۔ اس رات۔۔۔" میں نے میر صاحب کی طرف
دیکھا۔ "وہ آپ سے [illegible] آپ [illegible] انھیں [illegible]
ہے۔ بھائی جان خود ان سے [illegible] وہ رات آپ سے [illegible] ۔۔۔ میں نہیں چاہتا [illegible]
کی رات وہ گھر کی چھت پر ہوں۔

"کیوں؟" بھائی نے کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ رقیہ اور لوبا چھت پر ہوں۔" میں نے [illegible]
کے لیے میں ماسی جی اں اور گلنار کی [illegible] میں سے [illegible]۔

بھائی کرسی پر آگے بڑھے۔ انھوں نے [illegible]۔

"[illegible] کسی صورت بھی نہیں ہو سکتا۔" انھوں نے [illegible] افسوس، وقت [illegible]
[illegible] عورت [illegible] قریب [illegible] رات [illegible]
[illegible] وہ کسی بھی دن آئیں گی اور تم میرے لیے ایک اور مصیبت لے آؤ گے۔"

"[illegible]"

"تم [illegible] نہیں کرو گے!" بھائی نے سختی سے کہا۔

"صاحبزادے،" میر صاحب نے کہا، "یہ چھوٹا سا گاؤں ہے، کسی کو بھنک پڑ گئی تو ہنگامہ
[illegible] چھت سے [illegible]"

میں نے بھائی کی طرف دیکھا [illegible]۔

"[illegible] اور [illegible] پر، خصوصاً [illegible]
[illegible]

بھائی نے غصے سے میری طرف دیکھا لیکن میں نے ان کی [illegible]۔

"رقیہ اکیلی بھی بھی بھائی جان اور میرے ساتھ چھت [illegible]
[illegible] اور گلنار [illegible] نہیں ہوگا۔ [illegible]
[illegible]

میں [illegible] وہ مچھلیوں کے [illegible] ہی آئیں گے۔ غسل خانے اور [illegible] کے ساتھ موجود [illegible] [35] میں [illegible] باقی [illegible] رات ہوئی اور ہمارے لیے بھی... [illegible] کوشش کرے گا تو...

"[illegible]" بھائی نے [illegible] لہجے میں طنز موجود تھا۔

"[illegible]" یہاں ہسپتال میں ہوگا... آپ میری بات سن تو لیں۔

"[illegible] (Hound of Baskervilles) سے کوئی [illegible] نہیں ہے" [illegible] بھائی کا طنز بہت [illegible] تھا۔

"[illegible]" میں نے کہا "مجھے کسی [illegible] نہیں [illegible]۔"

میر صاحب نے میرے لہجے کی ناگواری کو محسوس کر لیا۔

"[illegible]" انھوں نے کہا "آپ اپنی بات جاری رکھیں۔"

"[illegible]" بھائی نے [illegible] کی فیس [illegible] لگ رہی ہے [illegible] جانتا ہوں، کچھ نہیں ہوگا۔"

میں نے بھائی کی طرف دیکھا۔

"[illegible]" میں نے کہا "تو [illegible] مجھے واپس بھجوانے کا معقول بہانہ تو ہوگا۔"

میر صاحب نے بھائی کی سمت سر گھما کر دیکھا۔

"[illegible]" انھوں نے کہا "یہ بات آپ نے درست کی ہے کہ گداؤ میاں کو [illegible] بھیجنا نہایت معقول بات ہے، [illegible] آپ کی [illegible] موجود ہے۔ ہاں اگر گاؤں میں [illegible] تو ہمیں [illegible] گا۔"

35 [illegible]

''وہ آئیں گے،'' میں نے کہا۔ ''وہ نہ گلی کی سمت سے آئیں گے نہ خالی پلاٹ کی طرف سے وہ کھیتوں کے راستے آئیں گے۔''

میں خاموش ہو گیا۔ بخشو چائے کی پیالیاں اٹھانے آ رہا تھا۔ اس کے جانے تک خاموشی رہی۔ اس کے لیے اتنی دیر ہمارا چپ بیٹھے رہنا باعث حیرت ضرور تھا لیکن اس میں استفسار کی ہمت نہ تھی۔

''اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے،'' بخشو کے دور چلے جانے پر میں نے کہا، ''وہ حملہ کس انداز میں کریں گے؟ نہ تو وہ گولی چلا سکتے ہیں، نہ ہی کوئی اور ہتھیار استعمال کر سکتے ہیں... گداؤ نے مجھے بتایا ہے کہ تمام علاقے میں یہ بات مشہور ہے کہ کالی بلا بچوں کا خون چوستی ہے، بچے کے بدن میں خون خشک ہو جاتا ہے۔ خون زہر ہی سے خشک ہوتا ہے... ملنگ بچے کو زہر نہیں دے سکیں گے... گداؤ دودھ باندھ رکھتا ہے، دودھ میں بھی زہر نہیں ملایا جا سکتا۔ نہ ہی کوئی ملنگ رات کے وقت باورچی خانے میں جا کر رکھے ہوئے دودھ کی چاٹی[36] میں زہر ملا سکتا ہے۔ وہ یقیناً کوئی اور ہی طریقہ اختیار کریں گے... اگر اس پر غور کریں تو آپ کو خود بھی احساس ہو جائے گا کہ اس صورت حال میں ان کے پاس ایک ہی طریقہ رہ جاتا ہے کہ ان میں سے کوئی دیوار سے دبے پاؤں اترے اور کسی تیز موثر بے ہوش کر دینے والے سفوف سے رقیہ اور بوبے کو بے ہوش کر دے۔ پھر تکیے سے ناک اور منہ دبا کر بوبے کو ہلاک کر دے اور واپس دیوار پر چڑھ کر کھیتوں کے راستے بھاگ جائے۔ اماوس میں کسی کے دیکھے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا... ہم تو رقیہ اور بچے کو محفوظ کر چکے ہوں گے۔ صحن میں اترنے والے ملنگ کو جب یہ احساس ہوگا کہ ماں اور بچہ چارپائی پر موجود نہیں تو وہ بہت گھبرا جائے گا، واپس بیرونی دیوار کی جانب بھاگے گا۔ وہاں وہ گداؤ کی اینٹوں اور پتھروں کی زد پر ہوگا۔ وہ بیرونی دروازے کی سمت جائے گا، جس میں اندر سے تالا لگا دوں گا۔ تالا دیکھ کر وہ نروس ہو جائے گا، سیدھا سیڑھیوں کی سمت آئے گا تاکہ خالی پلاٹ میں کود سکے۔ خالی پلاٹ میں وہ خود ہی پھنس جائے گا۔ دیواریں اونچی ہیں۔ ہم اسے آسانی سے پکڑ لیں گے۔ پھر آپ کی مرضی، اسے پولیس کے حوالے کریں یا گاؤں والے کے سامنے سچ اگلوائیں۔ میرا ایک ہی اندیشہ ہے۔ کیا میکھا پتن جا کر گداؤ کامیابی سے لوٹ پائے گا؟ اسی پر اور ملنگوں کے آنے پر ہی ہماری تدبیر کا انحصار ہے۔''

36۔ مٹی کا کھلے منہ والا گھڑا، چھوٹا مٹکا۔ گرمیوں میں دودھ کو بچانے کے لیے اسے پانی کی بھری ہوئی پرات میں رکھ دیتے ہیں۔

منصف دوں سے پہلے گاؤں میں آ گئے تو سب پتہ آپ کی طرح صاف ہو جائے گا۔ ادھر میں دو دن رات ہیں یا تین راتیں؟"

میر صاحب نے ... سے اٹھتے ہوئے کہا: "صاحب زادے، ہمیں یہ معلوم... چاند دیکھے بھی مدت ہو چکی ہے۔"

ہم بھی اٹھے۔ ... میر صاحب کی طرف دیکھا۔

ان کی باتوں سے تو یوں لگتا ہے جیسے سب سمجھا دیے پہلے ہی سے کسی نے کان میں سرگوشی کر رکھی ہو۔ مجھے ابھی کوئی یقین نہیں۔ پھر بھی نہیں ہوگا۔ ہاں، گدھو کا وہاں جانا ہمارے حق میں بہتر ہوگا۔

... بھائی جیسے ... زندہ رہی تھی۔ گلنار کب گھر کے اندر گئی، مجھے احساس تک نہ ہوا تھا۔ ہم واپس چل دیے۔

"آپ کی ساری منصوبہ بندی کا دار و مدار گدھو میاں کی کامیابی پر ہے..." ... وہاں جا کر ... میر صاحب سے کہا۔

... بھائی نے کہا۔ ... کے قریب آنے پر میر صاحب ... کی سمت جانے سے ... میدان میں ... اندھیرا ... روشنی ... رہا تھا۔

20

... ہمارے ساتھ ... بھائی، گدھو اور میں صحن میں چارپائی ... بیٹھ گئے۔ ... رقیہ اور بوا بھابھی کے ساتھ چھت پر چلی گئیں۔ بھائی نے دھیمے ... سب کچھ بتایا۔ چھت سے رقیہ ... دیکھ... یہ صورت حال اس کے ... کہ ہم بالوں کا ... جانے سے متعلق ہی ...

بھائی ... میں ... چکے تھے، اس لیے انھیں مزید کچھ بتانے کی ضرورت نہ

تھی۔ جب وہ گداو کو میٹھا چتن میں دوبارہ لینے کے لیے ہماری تدبیر تیار کر رہے تھے، میں نے ایک دو بار بولنے کی کوشش کی لیکن بھائی نے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ انھوں نے پہلے تو گداو کو اپنے انداز میں سمجھایا کہ چڑیلوں اور کالی بلا کا خوف محض ایک فریب ہے، دھوکا ہے اور پھر انھوں نے اس اندیشے کا اظہار کیا کہ کالی بلا کو اب ہمارے تدارک سے، پیر نور شریف اپنے ملنگوں کے ذریعے ضرور مروا دے گا، اور اسی لیے ہم نے یہ تدبیر اختیار کی ہے۔

”تمھیں بس اتنا ہی کرنا ہے کہ میٹھا چتن جا کر پیر نور شریف کو یہ بتانا ہے کہ ڈاکٹر کا پاگل بھائی ان دنوں جھاوریاں آیا ہوا ہے، اس نے بچّی رکھ کاٹ لی ہے۔“

گداو کے چہرے پر خوف سا نمودار ہوا۔ خوف اس کی آنکھوں میں کہیں زیادہ تھا جو لالٹین کی روشنی میں پوری طرح عیاں ہو رہی تھیں۔ اسے خوفزدہ دیکھ کر میں مایوس سا ہو گیا۔ یوں لگا جیسے گداو میں میٹھا چتن جانے کا حوصلہ نہیں ہے۔ پھر گداو کی سرگوشی ابھری: ”وہ وڈے (بڑے) پیر جی ہیں... مجھ پر کوئی آفت نہ آ جائے... بال بچوں والا ہوں۔“

گداو کی یہ بات سن کر مجھے یوں لگا جیسے میٹھا چتن جانے سے پہلے مجھے جھاوریاں کے بازار میں گھنٹے دو گھنٹے چڑیلوں اور کالی بلا کو گالیاں دینا ہوں گی، آتے جاتے لوگوں کو پتھر مارنا ہوں گے، خود کو پاگل ثابت کرنا ہوگا... گداو کی آواز میں خوف مجھے بار بار یہی احساس دلا رہا تھا کہ مجھے واپس جانا ہی ہوگا۔ میں ذہنی طور پر شکست خوردہ ہو چکا تھا... اچانک بھائی نے ایسا انداز اختیار کیا، جیسے وہ بے چینی سے ساتھ رہ رہ کر پہنچ گئے تھے۔ انھوں نے معمولی سی تمہید کے بعد گداو کو ڈانٹ دیا۔ وہ گداو کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔

”میں سن رہا تھا...“ بھائی نے کہا، ”سب کہتے ہیں کہ دیہاتی لوگ بہت ڈرپوک ہوتے ہیں لیکن گداو... میں نے یہ بات کبھی نہیں مانی۔ کوئی شخص پیدائشی طور پر ڈرپوک نہیں ہوتا، ماحول اور حالات اسے خوفزدہ کرتے ہیں۔ تم تو مجھے کبھی بھی ڈرپوک نہیں لگے... تم پر تو ماحول اور حالات کا اثر محسوس نہیں ہوتا... تم جب ہسپتال میں اڑیل بیل یا بھینسے کو سینگوں کی سمت سے رسہ ڈال کر ٹیڑھا کر دیتے ہو تو میں کھڑکی سے دیکھا کرتا ہوں کہ کون کہتا ہے کہ گاؤں کے رہنے والے ڈرپوک لوگ ہوتے ہیں؟ اور آج یہاں ہمارے سامنے تم سہمے ہوئے ہو۔ پہلے کی طرح بنو، بے خوف

[illegible] جولی [illegible] اشارہ [illegible] تھیں [illegible]
[illegible] تمھیں [illegible] تم نے
[illegible]

[illegible] صاحب جی...'' اس نے
[illegible] بال بچوں والا ہوں۔

[illegible] انسان نہ اپنے لیے ڈرتا ہے نہ بال بچوں [illegible]'' جولی نے [illegible]
[illegible]
[illegible] چھوڑتا [illegible]
زندگی کا سوال ہے اور تم اس قدر ڈرے ہوئے ہو کہ مجھے حیرت ہو رہی ہے۔ ... دیکھو گدا، ہم یہ سب
[illegible] سوال [illegible]
[illegible] مدد کرنا تمھارا فرض نہیں ہے؟''

[illegible] یہ بات [illegible] کی طرف دیکھا۔

[illegible] ایک ہی شخص [illegible] یہ کام کر سکتا
[illegible] تمھیں [illegible]
[illegible] تمھیں [illegible] یہ بات تو جھوٹ نہیں ہے۔ بالوں
[illegible] یہ بات چھپائی [illegible] محسوس ہوئی کہ تمھیں بھیجا
[illegible] تمھیں [illegible] صرف تم ہی کر سکتے ہو — کیونکہ یہ کام کوئی
[illegible] تم ہو۔ تم سچے اداکار ہو۔ تم ہی اپنی اداکاری
[illegible] بات چھپا سکتے ہو۔ تم [illegible] تھیٹر کے اداکار ہو، سیکڑوں لوگوں کے سامنے کردار
[illegible] تو پیر کے ملک ہی پکڑ لیں گے۔ وہ
[illegible] نہیں تم... تم [illegible]
[illegible] بات چھپا سکتے ہو [illegible]... اداکار ہو۔ تمھیں کون پکڑ سکتا ہے! اس
[illegible] بھی ایسا شخص نہیں جو یہ کام کر سکے، سوائے تمھارے کوئی بھی یہ بات نہیں چھپا

Scanned with CamScanner

سکتا۔ لیکن میں پورے یقین سے [illegible] ہوئے چھپا رہے ہو [illegible] اداکار کا ہے، اور وہ تم ہو گداؤ۔ تمھیں جو بھی نہیں پہچان سکا۔ اور تم نے صرف یہ تماشا [illegible] ہے۔ تمھیں ذرا سی بھی ضرورت [illegible] تم نے تو نہیں کمائی، میں نے کمائی ہے، اور یہ بات جھوٹ بھی نہیں ہے۔"

گداؤ کی آنکھوں میں خوف کا تاثر ہوتا ہوا لمحاتی [illegible] رہی۔

"وہاں تمھاری باتوں سے [illegible] ہوتے ہو۔" میں نے بات جاری رکھی "تمھاری آنکھوں [illegible] تمھیں میں نے بھیجا ہے۔ [illegible] باقی تم وہاں تک ہی جاؤ گے۔ مجھے یقین ہے [illegible] ہو۔۔۔ یہ زندگی بھی [illegible] گداؤ۔۔۔ [illegible] دکھاوا اپنے پاس [illegible] ہو۔"

"[illegible] ہوں گا،" گداؤ نے کہا۔ میں نے [illegible] مجھے [illegible] چھپی محسوس ہوئی۔

"تمھیں [illegible] اور یہ بھی جھوٹ نہیں [illegible] پانچویں برس [illegible] ہوتی بھی [illegible] کہ میں پاگل ہوں [illegible] سمجھ گیا۔"

گداؤ نے سیدھا میری آنکھوں میں دیکھا۔

"[illegible] صاحب،" گداؤ نے کہا، "[illegible] سنبھال سکتی ہے۔"

"[illegible] بالکل درست ذہن رکھتی ہیں، [illegible] پاگل ہے،" میں نے کہا۔

"وہ کون ہوتا ہے؟" گداؤ نے فوراً پوچھا۔

"ایسا پاگل جو کبھی تو بہت سمجھدار اور ذہین نظر آتا ہے اور کبھی پاگل ہو جاتا ہے،" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک کہا صاحب،" گداؤ نے کہا، "دوروں والا پاگل۔"

[illegible] بھائی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] پاگل سکول

[illegible]

[illegible] بھی بتاتا کہ ماں اور بچہ ڈاکٹر کے گھر پر ہی

[illegible] اسی طرح بتاتا جیسے رکھ کا لے جانے کے واقعے

[illegible] چارپائی [illegible] تھی...

[illegible]

[illegible] گھر کے ساتھ ہی شروع ہو جاتے

[illegible] بڑی قینچی سے رکھ کاٹ دی اور نہر میں پھینک

دی۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] جاؤں گا صاب [illegible] بھائی کے چہرے پر سکون نمودار ہوا۔

[illegible]

[illegible] تمہیں بچے کی ماں کی بہت فکر ہے۔ اسے مدد کی ضرورت ہے، اسی نے

[illegible] بہت پیار [illegible]

بلاتے ہیں۔ پھر جو کچھ وہ کہیں، واپس آ کر ہمیں بتا دینا۔ بس یہی کام ہے۔"

"ایسا ہی ہوگا،" گداؤ نے حوصلے سے کہا، "آپ فکر نہ کریں۔"

مجھے حیرت آمیز خوشی محسوس ہو رہی تھی کہ مدتوں سے اس گاؤں کے پسماندہ ماحول میں رہنے والا، ناخواندہ، یہاں کے فرسودہ معاشرے میں پلا بڑھا، یہاں کے ماحول میں پروان چڑھا گدا حسین اتنی جلدی مان کیسے گیا ہے!

"دھوکا تو نہ دو گے؟" بھائی نے کہا اور گداؤ کا چہرہ تیزی سے بھائی کی سمت گھوما۔

"صاحب،" گداؤ نے کہا، "یہ کیا بات کی ہے آپ نے! بڑے ڈاکٹر آئے یہاں پر۔ میں نے ان کے گھروں میں بھی نوکروں کی طرح کام کیا تھا۔ وہ سرکاری تنخواہ پر گھر کا کام کراتے تھے۔ بی بی جی مجھے الگ سے تنخواہ دیتی ہیں۔ بیوی بچوں کے لیے کپڑے دیتی ہیں... میں روپے پیسے، کپڑے لتے کا بھوکا نہیں ہوں صاحب... مجھے تو آپ کے گھر میں جو عزت ملی ہے، پیار ملا ہے، مجھے تو اس نے خرید لیا ہے... میں نے تو کبھی کوئی آس ہی نہیں رکھی تھی... یہ کیا بات کی آپ نے صاحب... میں آپ کا وفادار ہوں... جان بھی دے سکتا ہوں... ڈائیلاگ نہیں بول رہا ہوں، صاحب، دل سے کہہ رہا ہوں..." بھائی مسکرا دیے۔ "میں تو دعائیں مانگتا ہوں کہ آپ جیسے وریاں ہی میں رہیں، کبھی نہ جائیں... دھوکا نہیں دوں گا؟ آپ ایسا سوچیں بھی مت... آپ نے تو بہت چھوٹا سا کام دیا ہے... میں کل صبح ہی نیکھا پتن چلا جاؤں گا۔"

میں نے گداؤ کی سمت دیکھا۔

"دیکھو،" میں نے کہا، "یہ کام ایک فنکار کا ہے، اپنی اداکاری سے سنبھال لینا۔"

گداؤ نے دھیما سا قہقہہ لگایا۔ اس نے اپنی پہلے ہی سے مجھے بتائی ہوئی باتیں دہرائیں۔

"خوشاب کے تھیٹر میں،" گداؤ کا لہجہ خاصا خوشگوار ہو گیا، "جب میں تھیٹر میں ملازم تھا تو وہاں مرزا صاحباں کا کھیل ہوا تھا۔ پورے میلے میں دھوم مچ گئی تھی۔ شانی (شاہانہ) کے ڈانس نے لوگوں کو پاگل کر دیا تھا۔ وہ صاحباں ہی بنی ہوئی تھی۔ میں نے اس کھیل میں کرموبامن کا رول بھی کیا تھا صاحب۔ تین مہینے تک لوگ مجھے ہندو سمجھتے رہے تھے۔ میں تو رہ گیا... شانی کے ساتھ بمبئی چلا جاتا تو پورے ہندوستان میں دھوم مچا دیتا۔ بس رہ گیا... آپ فکر نہ کریں، وہاں کسی کو پتا نہیں چلے گا۔ وہاں

Scanned with CamScanner

سے مطلب ہے یہ چیز... اس کا اس کی عزت (عصمت) ماری جائے گی۔ پیر کو پتا نہیں کتنے دنوں کا کہہ گئے آپ نے سمجھا ہے۔''

بھائی نے میری طرف دیکھا۔

'' اس کی بات سچی ہے،'' انھوں نے کہا۔

'' باقی تو سب یہ جھوٹ ہی بتاتا ہے... پر...'' میں نے کہا۔

'' میں نے کون سا جھوٹ بولا ہے؟'' گداؤ نے میری بات کاٹ دی۔ '' یہی بتاتا ہے کہ رقیہ کٹ گئی ہے، اور بدروح لگی ہے۔''

'' دو جھوٹ تو تمھیں بولنا ہی ہوں گے گداؤ،'' میں نے کہا۔ '' ایک یہ کہ تمھیں رقیہ نے بھیجا ہے اور دوسرا یہ کہ میں پاگل ہوں۔''

گداؤ نے قہقہہ لگایا۔ رقیہ نے چھت کی منڈیر سے نیچے جھانکا۔

'' اور یہی دو جھوٹ تمھاری اداکاری کا امتحان ہوں گے،'' میں نے کہا۔

'' آپ فکر نہ کریں۔'' گداؤ اٹھا اور ہینڈ پمپ کی طرف گیا۔ اس نے ٹائیگر کے پٹے سے زنجیر کھول کر میری طرف دیکھا۔ '' یاد ہے نا صاحب، ٹائیگر کا ذکر نہیں کرنا۔''

'' اس بات کا ذکر اپنے گھر میں بیوی بچوں سے بھی نہ کرنا،'' بھائی نے کہا۔

'' کوئی ایسی بات نہیں ہوگی صاحب جی،'' گداؤ نے ٹائیگر کا ہاتھ میں پکڑا ہوا پٹہ چھوڑ دیا۔

'' آپ فکر نہ کریں،'' ٹائیگر نے حیرت کی طرح زنجیر کھلتے ہی دوڑ کر صحن کا ایک چکر لگایا۔ وہ غسل خانے کی سمت گیا، پھر سیڑھی... دروازے کی طرف گیا، پھر برآمدے میں گھس کر باہر نکلا اور سیڑھیاں چڑھتے ہوئے چھت پر چلا گیا۔ میں اور بھائی کرسیوں سے اٹھے۔ رقیہ بوکھلائے ہوئے سیڑھیوں سے نیچے آئی، صحن میں بچھی چارپائی پر بستر بچھاتے ہوئے کو اندر کمرے میں لے گئی اور کمرہ اندر سے بند کر لیا۔

شدید گرمی کا احساس صحن میں تو نہ تھا، لیکن کمرے میں...

مجھ پر ایک بار پھر ندامت سی اتری۔ '' کچھ بھی ہو، میں نے رقیہ کو تکلیف ضرور پہنچائی ہے۔''

21

اگلی صبح نو بجے والے تانگے پر بیٹھ کر گداؤ سکھا چن چلا گیا۔

دن بہت بے چینی سے گزر رہا تھا۔ میں گھر پر رہ نہیں سکتا تھا۔ کھیتوں میں ادھر سے ادھر گھومتے گھومتے دوپہر ڈھل گئی۔ میں گھر آیا اور کاپی پنسل لے کر میر صاحب کی ڈسپنسری پہنچ گیا۔ پڑھنے میں نہ میری محویت تھی نہ ہی میر صاحب کا انداز پہلے جیسا تھا۔ ان پر اضطرابی کیفیت نمایاں تھی۔ تانگے نے سکھا چن سے تین بجے واپس آنا تھا اور تین بجنے میں چھ سات منٹ ہی باقی تھے۔

''آج اگر گداؤ کی جیرو سے ملاقات نہ ہو سکی تو . . . '' میں نے سوچا ''ایک دن اور گزر جائے گا۔'' میں نے شدت سے محسوس کیا۔ ''گلنازی کو اتنے دن روکنا بہت دشوار ہو گا۔ اور گلنازی کو پتا چل گیا کہ جو بابا بالوں کا گچھا کٹ گیا ہے تو وہ ہر حال میں ماسی جیرو کو بتا دے گی۔''

میری نظریں بار بار تال کی سمت، گلی میں دیکھنے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں۔ میں ڈسپنسری کے اندر میر صاحب کے پہلو میں بیٹھا تھا۔ میر صاحب شاید گلی میں بیس تیس قدم تک دیکھ سکتے تھے۔ تین بج کر پندرہ منٹ پر میر صاحب گلی کی سمت دیکھتے ہوئے چونکے۔ میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''بیٹھ جائیے۔'' میر صاحب نے کہا ''گداؤ میاں آ رہے ہیں۔''

کچھ دیر بعد گداؤ ڈسپنسری کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے ہاتھ میں پوٹلی سی اٹھا رکھی تھی۔ پوٹلی میں کوئی چیز بندھی ہوئی تھی۔ میں چونکا۔ میر صاحب کرسی پر سیدھے بیٹھ گئے۔ گداؤ دکان کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر کوئی پریشانی نہ تھی۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ مجھے ایک لمحے سے بھی کم مدت میں احساس ہوا کہ گداؤ کامیاب لوٹا ہے۔

''کیا ہوا؟'' میر صاحب نے جیسے سرگوشی میں گداؤ سے پوچھا۔

''میں اپنے گھر جا رہا ہوں۔'' گداؤ نے پر اعتماد آواز میں جواب دیا۔ ''پھر ہسپتال جاؤں گا۔''

گداؤ اس قدر نارمل تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں اور یہی بات میرے لیے باعث سکون بھی تھی۔ وہ اگلی گلی میں مڑ کر اپنے گھر کی سمت چلا گیا۔ میں نے میر صاحب کی سمت اور میر صاحب نے تشویش بھری نظروں سے میری سمت دیکھا۔

''آپ گھر جائیں۔'' میر صاحب نے کہا۔ ''ہم شام کو ہسپتال پہنچ جائیں گے۔''

Scanned with CamScanner

میں نے ضرورت کا سامان اٹھایا، کاپی پنسل سنبھالی اور گھر کی سمت چل دیا۔ بازار میں بہت
سے دکاندار، شاید تھک ہار کر بیٹھے تھے۔ کھجور کے پتوں والے ہاتھ پنکھے لیے نظر آئے۔ گرد و تند سے
تنگ آ کر مجھے اس سمت حدت آمیز تیز روشنی کا احساس ہوا۔ بشیر نعل بند کی دکان سامنے سے کھلی
رہتی تھی۔ وہ دکان سے اندر ہی اندر دراز ہو رہا تھا۔ بیرونی دروازے کے قریب میرے قدم رک گئے۔
... شاید یہ دوسری بار تھی۔ میں رقیہ کا سامنا کرتے ہوئے بے حد گھبرا رہا تھا۔ سامنا
تو میں پہلے بھی نہیں کر پاتا تھا، کیونکہ میرے سامنے گوب کا بالوں کا گچھا آ جایا کرتا تھا، لیکن کافی
عرصے سے میں رقیہ کے سامنے جانے کا حوصلہ نہیں کر پاتا تھا۔ میں واپس مڑا اور ہسپتال کی سمت چل دیا۔ جولائی
کی تپتی دوپہر سے حدت اور حرارت کا احساس شام تک پھیلا رہتا ہے۔ ہر سمت خاموشی تھی۔ کوئی دیہاتی
نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہسپتال کی سمت جانے والی سڑک سنسان تھی۔ میرے قدم آہستہ تھے۔ دھوپ
میرے ... اپنی حدت کا احساس ترچھی شعاعوں سے پھیلا رہی تھی۔ پسینے
سے ... تر ہو رہے تھے۔ ... میری قمیص بدن سے چپکی ہوئی تھی۔ ہر سمت تیز
دھوپ میں ... چمک رہی تھیں۔ تمازت سے اس احساس سے میں ناآشنا نہیں تھا، پہلے بھی کئی بار
... یہ احساس عجیب سا تھا، جسے میں محسوس کرتے ہوئے بھی ناآشنا سا تھا۔ ...
... میرے تصور میں وہ پوٹلی بھی ... ہاتھ میں تھی ... میں تھکا تھا۔

... رقیہ نے ... کھلانے کے لیے کوئی چیز تو نہیں بھیجی؟" اس خیال سے
... میرے قدم رک گئے۔ میں واپس پلٹا، لیکن پھر رک گیا۔ "بھابی گھر پر ہی ہیں...
بھائی ہمیشہ سے مجھ پر شک کرتے ہیں... اگر میں وہاں گیا تو وہ یہی سمجھیں گے کہ مجھے ان کی
بات پر کچھ شک ہے ... گوب کو کھلانے کے لیے کوئی چیز بھیجی ہے تو بھائی کسی صورت میں
بھی بچے کو نہیں کھلانے دیں گے۔ اور ابھی تو ... اپنے گھر گیا ہے، وہ شام ہی کو بھائی کے گھر پہنچے گا۔"

میں دوبارہ ہسپتال کی سمت چل دیا۔ ... کا تنور اور ہسپتال کا صحن سنسان تھے۔ ...
... کے درمیان تنور میں لکڑیاں ڈالا کرتی تھی۔ اڑھائی بجے تنور بند ہو جاتا
تھا۔ ہسپتال میں ... موجود نہ تھا۔ ہسپتال کے شمال مشرقی کونے میں اس کی کوٹھڑی کا دروازہ باہر
سے بند تھا، تالا لگا ہوا تھا۔ میں ہسپتال کے صحن میں، گھنے پتوں والے شیشم کے درخت کے نیچے،

سیمنٹ کی بنچ پر بیٹھ گیا... بیٹھتے ہی فوراً اٹھا، چھاؤں میں ہونے کے باوجود بنچ تپی ہوئی تھی۔ مجھے بنچ پر بیٹھنے کے لیے کئی بار بیٹھ کر اٹھنا پڑا، پھر میرے جسم کی بیرونی جلد بنچ کی تپش کو برداشت کرنے کے قابل ہو گئی۔ میری نظریں تنور کی سمت گئیں۔

"گلنازی تو گھر کے اندر، کمرے میں سو رہی ہوگی،" میں نے سوچا "کمرے میں تو بہت گرمی اور گھٹن ہوگی۔ گلنازی وہ سب دوپہریں، سب سہ پہریں گرمی اور گھٹن میں ہی گزارتی ہوگی۔ اس کے باوجود اس کا چہرہ، اس کے ہاتھ... اس کی ٹانگیں..." مجھے پھر ویسی ہی شرم کا احساس ہوا۔ "اس کا رنگ کھلتے ہوئے گلابی پھول کی مانند ہے۔ وہ تو چہرے پر کوئی کریم بھی نہیں لگاتی، ہونٹوں پر بھی، ہونٹوں کو نم رکھنے والی کوئی چیز نہیں لگاتی، پھر بھی اس کا چہرہ نکھرا رہتا ہے... اس کی گھنی پلکوں والی آنکھیں کاجل بن گزارتی ہیں... وہ بے انتہا خوبصورت ہے۔ شاید میری طرح وہ بھی موسموں کی شدت کی عادی ہو چکی ہوگی اور موسم اس کا حسن خود اپنی شدت سے نکھارتے رہتے ہوں گے۔ شاید وہ بھی قدرت کی نامعلوم تغیر سے لطافت میں بدلتے رہتے ہیں، جس کا ہمیں احساس تک نہیں ہوتا۔"

گلنازی کا خوبصورت چہرہ، چمکتی مسکراتی آنکھیں، میرے تصور میں ابھریں۔

"وہ مجھے دیکھ کر جب بھی مسکراتی ہے،" میں نے سوچا، "مسکراہٹ اس کے ہونٹوں سے کہیں زیادہ اس کی خوبصورت آنکھوں میں چمکتی ہے۔ شاید میں اسے بہت اچھا... کیا وہ مجھے چاہتی ہے؟"

میرے خیالات کا مرکز گلنازی تھی۔ قصے کہانیوں میں پڑھا تھا کہ اسی طرح محبت ہو جایا کرتی ہے لیکن میں نے تو ابھی تک اپنے دل میں کسی ایسے جذبے کو محسوس نہیں کیا تھا جو مجھے یہ احساس دلاتے کہ میں گلنازی کی سمت کھنچتا جا رہا ہوں۔ خصوصاً یہ جاننے کے بعد کہ وہ کسی جوان سے منسوب آبجو خان کی منگیتر ہے۔ مجھے اپنے دل میں ایک خلا سا محسوس ہونے لگا تھا۔

"شاید میں اپنے آپ سے جھوٹ بول رہا ہوں،" میں نے سوچا۔ میری نظریں گلنازی کے گھر کے بیرونی دروازے پر جمی ہوئی تھیں۔ "شاید میں چاہتے ہوئے بھی اپنے دل میں کسی جذبے کو نہیں دیکھنا چاہتا۔ شاید میں خود کو فریب دے رہا ہوں۔ گلنازی میں اگر کوئی کشش نہیں ہے تو ہر رات سونے سے پہلے وہ مجھے کیوں یاد آتی ہے؟ اس کا خوبصورت چہرہ اور چمکتی ہوئی مسکراتی آنکھیں مجھے

Scanned with CamScanner

یوں بھولی بنتی ہے جیسے اس کی معصوم بھولی شرارتیں یوں یاد آ گئی ہیں؟ آنے کا چہرہ اٹھا کر میری طرف دیکھنے لگے۔ میں نے جان بوجھ کر منہ پھیر لیا اور پھر ماں سے ذات کی مسکرا کر آنکھوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے مجھے ہنسی آ گئی اٹھتے ہوئے تصور میں چھیڑ دیں اور چنگاریاں اڑنے پر ماں نے پیچھے سے نیچے سے اٹھ کر لڑنا اور رشتے سے بھول جانے والے ہوئے بار بار میری طرف دیکھ کر مجھے مسکرانے کے لیے بے بس کر دیتی... وہ اتنی پیاری سی شرارتیں کیوں کرتی ہے؟"

اس سوال کا جواب میرے ذہن تو نہیں دے پاتا تھا، لیکن دل سے یہی جواب ملتا تھا کہ وہ مجھے چاہتی ہے اور مجھے اپنی سمت متوجہ کرنے کے لیے ہی بھولی بھالی سی شرارتیں کرتی ہے۔

وہ بے حد خوبصورت ہے۔ ذہن میں گلناری کے متعلق میرے احساسات کو خیالات کا روپ دیا۔ وہ بہت خوبصورت ہے۔ اپنے نام کی طرح۔ یہاں کی لڑکیوں سے بالکل الگ سی، دبلی پتلی، دراز قد... اس علاقے میں اتنی خوبصورت لڑکی شاید ہی کہیں ہو۔ اس علاقے میں آیا، مجھے تو یوں لگتا ہے شاید اس دنیا میں گلناری جیسی خوبصورت لڑکی کہیں اور نہیں ہوگی۔ اس علاقے کی لڑکیاں عموماً چوٹیاں بناتی ہیں۔ وہ بھی ایک ہی چوٹی بناتی ہے اور اس کے بالوں سے کچھ بال زلف کی مانند اس کے رخسار پر بکھرے رہتے ہیں۔ اس کی بے حد خوبصورت آنکھوں پر گھنی پلکیں جیسے سایہ کرتی ہیں۔ وہ سب سے جدا لگتی ہے... لیکن میں یہ کیوں سوچ رہا ہوں؟ میں تو جانتا ہی نہیں... وہ کیسی لگتی ہے۔"

گلناری کے رخسار پر بکھرے بالوں کا خیال آتے ہی میرے تصور میں نور بانمایاں ہو گئی۔ اس سے پوچھنے کا خیال آتے ہی پھر اندیشے نے سر اٹھایا، لیکن اس احساس سے کہ بھولی گھر پر ہی ہیں، اندیشہ پوری طرح میرے ذہن کو نہ دبوچ سکا۔ میری نظریں نور کی سمت اٹھیں... میرے بیٹھنے کا جو پہلو گلناری ہی کی سمت تھا جا رہا تھا۔ اس کی بڑی لمبی پلکوں والی خوبصورت چھلکتی ہوئی شربتی آنکھیں مجھے قریب تر محسوس ہوئیں۔ اس کے چہرے پر پھیلنے والی مسکراہٹ مجھے چاروں سمت فضا میں پھیلتی محسوس ہوئی۔

وہ اس علاقے کی دوسری لڑکیوں سے کس قدر مختلف ہے! یہاں ہی کی زبان بولتی ہے۔ اس کا لہجہ بھی یہاں کا ہے۔ لیکن اس کی آواز میں جو خوبصورت سا ترنم ہے، جو دلکش سی نغمگی ہے وہ تو کسی دوسری

Scanned with CamScanner

لڑکی کی آواز میں نہیں ہے۔ میں نے کبھی اتنی خوبصورت لڑکی نہیں دیکھی جس کی ہر شے.. آنکھیں، انداز دید، آواز، ادائیں، سب ہی میں حسن اور دلکشی، اور انتہا جمال کا احساس دلاتی ہے۔ کشمیر کے پہاڑی علاقوں میں کیا اس قدر خوبصورت لڑکیاں ہوتی ہیں؟ میں تو یہ سمجھتا تھا کہ پہاڑی لڑکیاں، چٹانوں اور پتھروں کی طرح سخت مزاج اور کرخت ہوتی ہوں گی، لیکن گلناری۔ یہ تو بہت ہی نازک سی ہے۔

نہ جانے کیوں مجھے یوں محسوس ہوا کہ کھڑکی کے اس پار، اپنے کمرے میں لیٹی ہوئی گلناری مجھے دیکھ رہی ہے۔

''میں خود سے خود کو چھپا رہا ہوں۔'' میں نے سوچا۔ ''مان کیوں نہیں لیتا کہ اس حقیقت کے باوجود کہ گلناری کسی اور کی منگیتر ہے، وہ میرے تصورات کی وادی میں، میرے احساسات کی آبجو کے کنارے، میرے جذبات کے پودے پر نیم وا کلی کی طرح اپنی جگہ بنا چکی ہے، جسے کھلنے میں دیر نہیں لگے گی۔'' پھر اچانک ہی ریڈیو پر سنا ہوا ایک پہاڑی گیت، جو کشمیر کے پہاڑی علاقوں ہی میں گایا جاتا ہے، میرے ہونٹوں پر آ گیا۔

''ٹِک ٹِک بی جانا، بی جانا، ہو جند رے...'' (پل بھر بیٹھ جا، اے میری زندگی...)

مجھ پر آہستہ آہستہ اس لوک گیت کی وجہ سے اداسی سی چھا گئی جو لمحہ لمحہ گہری ہوتی چلی گئی... میں مایوسی کی حد تک اداس ہو گیا۔

''مجھے تو یہاں سے چلے جانا ہے۔'' میں نے اداسی سے سوچا۔ ''چھٹیوں میں پچیس دن رہ گئے ہیں... مجھے کون سا یہاں رہنا ہے۔ یہ ساتھ تو پل بھر ہی کا ہے۔ میں تو یہاں سے چلا جاؤں گا... پل بھر کا ساتھ تو بس ایک یاد بن کر رہ جائے گا... میرے لیے بھی اور گلناری کے لیے بھی... مجھے گلناری کے متعلق نہیں سوچنا چاہیے... یہ بات گلناری کو کیسے بتاؤں کہ ہمارا ساتھ پل بھر ہی کا ہے۔''

جوانی کی سہ پہر اداسی سے بوجھل ہو گئی۔ بیت الخلا کی شرقی جانب چھپر کے نیچے ایک بہت ہی کمزور گائے بندھی ہوئی تھی۔ سرخ رنگ کی اس گائے کو نہ جانے کیا بیماری تھی، ڈھانچہ بن چکی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ایک مریل سا بیل بندھا ہوا تھا۔ چند گز دور۔ بیل کی بھی ہڈیاں نظر آ رہی تھیں، خصوصاً پسلیوں پر اس کے انتہائی کمزور ہونے کا احساس زیادہ تھا۔ دونوں کو شاید ایک ہی بیماری نے

Scanned with CamScanner

ہوتی رہتا تھا۔ حاجی نے یہ بھی بتایا تھا۔ جانور جب بیمار ہو جاتے ہیں تو کھانا پینا چھوڑ دیتے ہیں یا شاید انھیں بھوک ہی نہیں لگتی ہوگی۔ راشن سامنے پڑا رہتا ہے اور وہ اس کی طرف دیکھتے بھی نہیں ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ اپنی زندگی ہی سے مایوس ہو چکے ہیں۔

بیل سے آگے دو ہرا اور ایک گدھا بندھا ہوا تھا جس کی گردن پر خارش تھی، بال جھڑ چکے تھے۔ میں نے دیکھا اس نے اس کی گردن سے خارش زدہ حصے پر کوئی تیل نما دوا لگا دی تھی جو چمک رہی تھی اور مکھیاں خارش زدہ حصے پر بیٹھنے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں۔ گدھے سے آگے ایک موٹا تازہ سفید رنگ کا بیل بندھا تھا جس کے جسم پر ران کے قریب زخم تھا جس پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ حاجی نے خوبصورتی سے ... میں بیل کے سینگ بڑے بڑے تھے۔ زخم پر پٹی کو پلاسٹک سے اس کی حفاظت کے لیے لپیٹا گیا تھا۔ پٹی پر دو چار مکھیاں بیٹھی رہی تھیں اور بیل بار بار اپنے دم کو پٹی پر مار رہا تھا۔

اسے زخم پر پٹی والی جگہ سے اس طرح تنگ کر رہی ہوں گی! "میں نے سوچا۔ اسے تو بہت درد ہو رہا ہوگا۔ مجھے ڈر لگ رہا تھا کہ مکھیوں نے چونچ کا کہیں کوئی خطرہ کر دیا۔"

ہسپتال کا کمپاؤنڈر خاموش قسم کا بوڑھا شخص تھا اور شاید منٹ میں چند جملے ہی بولتا تھا۔ مجھے شاید یہ آج بار بار ہی محسوس ہوئی تھی۔ بہت ہی سنجیدہ قسم کا تھا۔ میری نظریں جیسے ان پر جمی تھیں۔

زخمی بیل سے آگے ایک بڑی جسامت کا دوسرا (بل ٹیریر) کتا بندھا ہانپ رہا تھا۔ اس کے چوڑے جبڑے سے نکلے ہوئے دانت نمایاں تھے اور ان دانتوں کے درمیان سے اس کی زبان باہر لٹکی ہوئی تھی۔ اس کی سرخ سرخ آنکھوں سے پتہ چلتا تھا اور وہ غصے میں بھی نظر آ رہا تھا۔ گرمی سے ہانپتے ہوئے یہ منظر خاصا دہشت انگیز تھا۔

کافی وقت گزر گیا۔ حاجی نے "نہ میر صاحب اللہ کا واسطہ اور نہ بخشو..." "بہتر ہے کہ میں گھر واپس چلی جاؤں!" میں نے سوچا۔ "نہ جانے یہاں اور کتنی دیر بیٹھنا ہوگا۔" مجھے رقیہ کا خیال آیا۔ "وہ شاید رقیہ ... وہ بھی خاصی پریشان محسوس ہو رہی ہے۔"

میں کسی طرح بچ بچا کر اس کے گھر کی دیوار سے نکل آئیں اور پھر بیرونی دروازے پر پہنچ گئیں۔

"مجھے گلنازی کے متعلق نہیں سوچنا چاہیے۔" خیالات پھر رواں ہوئے۔ "یہاں سے جانے کے بعد شاید میں اسے دیکھ بھی نہ پاؤں گا... موسم سرما کی چھٹیوں تک نہ جانے بھائی یہاں رہتے بھی ہیں کہ ٹرانسفر ہو جاتے ہیں۔ وہ کئی بار اپنی اس خواہش کا اظہار کر چکے ہیں کہ وہ فیلڈ کے بجائے لاہور کے وزیری کالج میں جانا چاہتے ہیں تاکہ وہاں طالب علموں کو پڑھا سکیں۔ اگر بھائی ٹرانسفر نہ ہوئے تو بھی... کیا خبر موسم سرما میں ہمارا یہاں آنے کا پروگرام بنتا ہے یا نہیں۔ کیا خبر میں پھر کبھی گلناری جیسی خوبصورت لڑکی کو دیکھ سکوں گا یا نہیں... اس سراپا حسن کی بس یاد ہی رہ جائے گی... میں گلنازی کے متعلق کیوں سوچوں... اس راستے پر کیا چلنا جس کی منزل ہی نہیں۔"

میں خود کو دیکھ تو نہیں سکتا تھا لیکن میرے چہرے پر اداسی بہت گہری ہو چکی ہو گی۔

"نہ بھائی آئے ہیں نہ گداو..." دادی پھر اندیشے میں بولی۔ "کوئی گڑبڑ تو نہیں ہو گئی؟ نہیں، ایسا ہوتا تو گداو اتنا مطمئن نہ ہوتا۔ پتا نہیں گداو کی پیر سے ملاقات ہوئی بھی ہے یا نہیں... اس کے ہاتھ میں پوٹلی تھی۔ پوٹلی میں کیا تھا؟ پیر لوگ بہت متکبر قسم کے ہوتے ہیں۔ غریب دیہاتیوں کو ان کے ڈیروں پر ملاقات کے لیے کئی کئی دن ٹھہرنا پڑتا ہے۔ میراثیوں، مصلیوں کو تو وہ انسان ہی نہیں سمجھتے۔ انہیں تو پیر کے دربان ہی بھگا دیتے ہیں جیسے وہ انسان نہیں، کتے بلے ہوں۔"

وادی میں دیکھا، چاروں جانب جولائی کی ڈھلتی سہ پہر کی دھوپ... شعاعوں سے آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔ ہوا کے ایک گرم جھونکے میں مجھے حدت کا احساس ہوا۔ مغرب کی سمت جانے کے باوجود سورج کی شعاعیں، تیز ترچھی شعاعیں، زمین پر ہر ذرے کو تنور میں موجود مٹی کی دیواروں کے ذروں کی مانند تپا رہی تھیں، جنہیں سوکھی لکڑیوں سے اٹھتے ہوئے شعلے جھلسایا کرتے ہیں۔

"گلنازی کا خیال میں دل سے کیسے نکالوں؟" میں نے سوچا۔ "وہ میرے وجود میں سما رہی ہے... اس قدر تیزی سے وہ میرے وجود میں اپنی جگہ بنا رہی ہے کہ اب میں نے اس کی آنکھوں سے، اس کی نگاہوں سے تنور کے اندر جھانکنا شروع کر دیا ہے... لیکن یہ درست نہیں ہو گا... یہ غلط ہے... میں غلطی کر رہا ہوں۔ میری حالت تو اس مسافر کی سی ہے جو پل بھر کے لیے کسی درخت کی چھاؤں میں بیٹھ گیا ہو... میں کیوں اپنے تصورات میں ایک ایسے تصور کو جگہ دے رہا ہوں جو میرے وجود میں سما رہا ہے... اس کے نتیجے میں مجھے دکھ ہی ملے گا، ایسا دکھ جو یاد بن کر ہمیشہ میرے ساتھ رہے گا۔"

Scanned with CamScanner

یہ اتنی چاہا۔ میں نے پھر بیٹھ جاؤں لیکن سیمنٹ کی بنچ فضا کی حدت میں تپتی ہوئی تھی۔ ہسپتال سے تمام مریض رخصت ہو گئے ہوئے تھے۔ مجھ پر اداسی گہری ہوتی جا رہی تھی۔ پھر اس گہری میں مجھے چاروں سمت تیز شعاعوں کی طرح پھیلتا ہوا وسعت کا احساس ہوا، جس میں بہت دور تک پھیلی ہوئی تنہائی ہوا کرتی ہے۔ تنہائی کا یہ احساس تیز شعاعوں کی مانند میرے وجود کے گرد گھیرا سا ڈالتا، پھیلتا ہر شے پر چھا رہا تھا۔ میں اس احساس سے ناآشنا نہیں تھا، لیکن اس بار اس میں شدت سی تھی۔ مجھے یہ دل ڈوبتا محسوس ہوا۔ تنہائی نے میرے دل کے گرد حصار بنا لیا تھا۔ مجھے کھلی آنکھوں سے نظر آنے والی ہر شے اداس اور غمزدہ محسوس ہو رہی تھی۔

”شاید یہی وہ کیفیت ہے جس میں کائنات کی ہر شے اداس نظر آتی ہے...“ اس خیال کے ساتھ ہی میری چندھیائی ہوئی آنکھیں پوری کھل گئیں، لیکن احساس کی شدت میں کوئی کمی نہ آئی۔ جو اس کی چھپدور میں، پیڑ، پیڑوں کی چھاؤں، ہسپتال کی تپتی ہوئی دیواریں، کھلی پکی سڑک، سڑک کے پار مادی چیزوں کا تصور، مادی چیزوں کے گھر کی بیرونی دیواریں، زخمی بیل، ہانپتا کتا، بخشو کی کوٹھڑی، چاروں سمت پھیلی ہوئی دھوپ — ہر شے غم میں ڈوبی محسوس ہو رہی تھی۔ ”یہ غم ہے کیا؟“ میرے ذہن میں سوال پیدا ہوا۔ ”غم تو کسی چیز کے کھو جانے پر ہوا کرتا ہے — وہ مادی ہو یا روحانی... میں نے کیا کھویا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ غم تو محرومی سے پیدا ہوتا ہے۔ میں کس محرومی کا شکار ہوں؟ غم تو کسی سے بچھڑ جانے کا ہوا کرتا ہے۔ جب میں کسی سے ملا ہی نہیں تو پھر بچھڑنے کا غم مجھے کیوں ہوگا۔ ہاں یہاں سے جانے کا خیال مجھے اداس ضرور کر دیتا ہے۔ کیا اس کا باعث گلناری تو نہیں ہے؟“

مجھے اپنے گھر والوں کا خیال آیا۔ ”وہ مجھے چاہتے ہیں۔ بار بار پریشان اور تنگ کرنے کے باوجود انہوں نے کبھی مجھے خود سے جدا نہیں ہونے دیا... میں اپنے گھر کا اٹوٹ انگ ہوں۔ میری تمام ضرورتوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔ تو پھر مجھے محرومی کا دکھ کیوں ہوگا۔ میرا اپنا ایک وجود ہے، زندگی ہے، ذہن ہے جو انفرادی سوچ بھی رکھتا ہے، سینے میں دل ہے جو اپنوں اور دوسروں کے لیے برابر دھڑکتا ہے... تو میں نے زندگی میں اب تک کیا کھویا ہے؟ یہ اداسی اور غم کیوں مجھ پر چھا جاتا ہے؟“ خیالات تیز شعاعوں کی طرح محسوس ہو رہے تھے جو میری چاروں جانب اور اوپر، پیڑ کے گھنے پتوں میں چمک چمک جاتی تھیں۔

"درست ہے کہ میں اپنی عمر سے بہت آگے نکل چکا ہوں لیکن یہ حقیقت بھی میرے کسی دکھ کا باعث تو نہیں ہو سکتی۔ یہ اداسی، یہ غم کیا ہے جس کا کوئی سبب بھی نہیں، نہ ہی اس کا کوئی نام ہے؟ یہ بے نام اداسی مجھ سے کیا چاہتی ہے؟ میں خود سے کیا چاہتا ہوں؟ شاید میں اپنے وجود کو کسی بڑے وجود سے جدا محسوس کرتا ہوں، ایک قطرے کی طرح جو کُل سے جدا ہے۔ وہ وجود کُل کیا ہے، کہاں ہے؟ شاید وہ اس کائنات میں حسن فطرت کی طرح ہر جگہ موجود ہے اور میں اس سے جدا ہوں۔"

میرے ذہن میں میرے پیچھے شیشم کے گھنے پیڑ کی شاخوں میں چھپے ہوئے پتوں کی طرح کئی سوال ابھر آئے۔ اداسی میں تنہائی کا احساس گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ اداسی اور تنہائی میں بے بسی بھی شامل ہو رہی تھی۔ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ کچھ دیر بعد یہ کیفیت یقیناً ذہنی دباؤ ہو کر ذہنی انتشار میں بدل جاتی لیکن بخشو کی آواز نے خیالات کا سلسلہ توڑ کر کیفیت کو کم کر دیا۔

"آپ؟" اس کی آواز میں حیرت تھی۔ "اس گرمی میں یہاں بیٹھے ہیں؟ کیوں، کیا ہوا؟"

"بھائی وہ میر صاحب آتے ہوں گے،" میں نے کہا، "ان ہی کی راہ دیکھ رہا ہوں۔"

"وہ تو ساڑھے چھ بجے آئیں گے،" بخشو نے کہا، "ابھی تو بڑی دیر ہے۔" اس نے آسمان کی سمت دیکھا، "بڑی گرمی ہے، آپ گھر چلے جائیں۔"

"نہیں بخشو،" میں نے کہا، "چھاؤں میں بیٹھا ہوں۔ گھر میں بھی تو گرمی سے جان نکلتی ہے۔ پنکھا جھلا جھلا کر برا حال ہو جاتا ہے۔"

"ہاں صاحب،" بخشو نے کہا، "دیواریں تپ جانے پر کمرے بھی تندور بن جاتے ہیں۔"

"کیا وقت ہو گیا ہو گا؟" میں نے پوچھا، "میں گھڑی ساتھ نہیں لایا۔"

"گھڑی کیا کرنی ہے صاحب،" بخشو نے کہا، "میں تو دیوار کا سایہ دیکھ کر ہی وقت کا اندازہ لگا لیتا ہوں۔۔۔ میں آپ کے لیے کرسی لے آتا ہوں۔"

بخشو ہسپتال کے بند کمروں کی طرف گیا، ایک کمرے کا تالا کھولا، ایک کرسی لا کر چھاؤں میں رکھ دی۔ میں کرسی پر بیٹھ گیا۔ جہاں بنچ پر میں بیٹھا تھا، وہاں بخشو بیٹھ گیا۔ پھر اٹھا اور کمرے سے دو کرسیاں اٹھا لایا، پھر گیا اور میز کے ساتھ ایک سٹول بھی لے آیا۔ دوبارہ بنچ پر اسی جگہ بیٹھ کر، جہاں میں بیٹھا تھا، بخشو نے سٹول کی سمت دیکھا، مسکرایا۔

Scanned with CamScanner

''[illegible] مجھے بھی بہت پسند ہے۔'' بختو نے کہا۔

''ہاں بختو!'' میں نے [illegible] [illegible] طرح [illegible] نہیں پڑتا۔''

بختو نے [illegible] اصطبل کی سمت دیکھا۔

''[illegible] بھی [illegible]'' میں نے پوچھا۔

''نہیں [illegible]'' میں نے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

''[illegible] آ [illegible] سمت دیکھا۔

[illegible] ''یہ بات تو [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] پاؤں نکل جائے تو رکاب میں پاؤں ڈالنے کی کوشش [illegible] [illegible] [illegible]

''تم بھی کبھی گرے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''[illegible]'' بختو نے [illegible] لہجے میں کہا۔ ''[illegible]...'' [illegible] ہوئے کہا۔ ''جب میں [illegible] میں تھا، راجہ افضل کے پاس، وہاں اصطبل میں ایک گھوڑی تھی۔ [illegible] اس گھوڑی کو چڑی (چڑیا) کہا کرتا تھا۔ چھوٹے قد [illegible] [illegible] آنکھوں [illegible] چڑیل تھی صاب، چڑیل تھی چڑیل...'' [illegible] میری نظر [illegible] کسی سمت نہیں۔ [illegible] تھی۔ میں [illegible] اس وقت مجھے اکیلا ہسپتال [illegible] [illegible] سوچتی ہوں [illegible] مجھے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] پر نظر [illegible] [illegible]

بتا رہا تھا کہ میں چڑیل کو مار دے۔ میں تو ڈال دیا پر وہ رکی ہی نہ تھی۔"

"پھر کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"ہونا کیا تھا صاحب، وہ سے چلی پہ چلی... وہ سے چلی پہ چلی... مغز پھر گیا میرا..."

بخشو قصہ سناتے سناتے کھڑا ہو گیا۔ سڑک پر بھائی، میر صاحب اور گداو آ رہے تھے اور ان کے پیچھے دوڑتی ہوئی، ان کی پرچھائیاں (پرچھائیں) رستے تو کی سمت آ رہی تھیں۔ سورج مغرب کی سمت جا چکا تھا۔

"تم آج گرمی میں یہاں کب سے بیٹھے ہو؟" بھائی نے آتے ہی کہا۔ بخشو اپنی کوٹھری کی طرف چلا گیا۔

"میں رقیہ کا سامنا کرتے ہوئے گھبراتا ہوں۔" میں نے بھی بولا۔

"اتنا اقدام نہیں کرتی، آپ گھبراتے ہیں!" میر صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔

"وہاں سے تو تم کا شکار ہے۔" میں نے کہا۔ بخشو آ رہا تھا۔ میں خاموش ہو گیا۔ گداو سڑک پر بہت خوش نظر آ رہا تھا۔

"آج تو گرمی بڑی ہے صاحب جی۔" بخشو نے آتے ہی بھائی کو مخاطب کیا۔ "چھوٹے صاحب نے تو گرمی یہاں ہی ہماری ہے..." بخشو چڑیل والا قصہ بھول چکا تھا۔

"شیشم کی چھاؤں تو بہت ٹھنڈی ہوتی ہے بخشو۔" میں نے کہا۔

"یہ ہو تو لو بھی ہوتی ہے۔" بخشو نے کہا۔ "چھاؤں لو کو تو نہیں روک سکتی۔"

"چائے نہیں پلائیں گے بخشو میاں؟" میر صاحب نے کہا۔ "گرمی میں چائے کا اپنا ہی لطف ہوتا ہے۔"

"کیوں نہیں جی۔" بخشو نے کہا۔ "وہ خوشاب کے اڈے پر ایک تانگے والا ہے۔ کبھی ہانک تو لگاتا ہے کہ گرمیوں میں گرم چائے ٹھنڈک پہنچاتی ہے۔" بخشو نے ہانک لگائی۔ سب ہنسنے لگے۔

بھائی نے ہنستے ہوئے گداو کی سمت دیکھا۔

"تو پھر گرم چائے ہی کیوں؟" بھائی کا لہجہ خوشگوار تھا۔ انھوں نے بخشو کو دیکھا، کرسی سے ٹیک

Scanned with CamScanner

نکالی۔ فضلو حلوائی سے مٹھائی خریدنا شروع کر دیے ہوں گے۔"

"نہیں نکالے ہوں گے تو نکلوا لوں گا۔" بخشو نے کہا۔

"اچھا یہ دو روپے لو بخشو۔" محمود نے کہا۔ "فضلو تمہیں بڑی گڑ والی سوہن حلوہ ڈال دیتا ہے۔"

محمود بھائی نے بخشو کو ایک روپیہ چار آنے دیتے ہوئے کہا۔ "دس کو سے لے آنا۔"

"ٹھیک ہے صاحب۔" بخشو نے پیسے پکڑتے ہوئے کہا۔

"تجھے محمود بھائی کا پتہ نظر نہیں آتا؟" بھائی نے کہا اور بخشو نے اپنے دانت نکالے۔

"فضلو سے کہنا،" محمود نے کہا "چٹنی زیادہ دے۔۔۔ وہ چٹنی کے معاملے میں بڑا کنجوس ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔" بخشو نے کہا۔ "میں اسے چٹنی کی ہانڈی سے ڈالوں گا، چمچے کی جگہ آج چٹنی کی پلیٹ بھروں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" محمود نے کہا اور بخشو ہنستا ہوا بازار کی سمت چلا گیا۔ میں سمجھ گیا کہ بھائی نے بخشو کو کیوں بھیجا ہے۔

فضلو حلوائی کی دکان بازار کے آخر میں بائیں جانب جانے والی گلی میں ہے۔ بخشو کو لوٹنے میں دیر ہو جاتی تھی۔

"محمود بھائی" میں نے آہستہ سے کہا "آپ تو محمود بھائی بہت کامیاب لوٹے ہیں۔"

تب محمود نے میری طرف دیکھا اور مسکرایا

"میں اب کے جرگے کے ڈیرے پر پہنچا" محمود نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "اس نے پیر و مرشد کو بتانے سے بچا لیا۔ مجھے اندر ہی اندر خوشی کا احساس ہوا۔ آخر شاہ کامیابی پر فخر کرتی ہے۔ پہنچتے ہی ملنگوں نے مجھے باہر ہی روک دیا۔ تین چار ملنگوں نے مجھ سے پوچھا کہ میں کیوں آیا ہوں؟ جب میں نے بتایا کہ میں ایک بہت ہی بڑی خبر لایا ہوں تو وہ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ ان میں سے ایک نے پوچھا کہ کیا خبر ہے؟ تو میں نے بتانے سے انکار کر دیا۔ میں نے کہا کہ میں تو مرشد ہی کو بتاؤں گا۔ قصبہ جہانیاں میں ایک بڑا واقعہ ہوا ہے جس کی خبر مرشد تک پہنچانی بہت ضروری ہے۔ مجھے ایک بڑی بڑی مونچھوں والے آدمی کے پاس لے گئے۔ اس نے سر پر بہت بڑا پگڑا باندھ رکھا تھا۔ اس نے بھی پوچھا کہ کیا ہوا ہے؟ میں نے پھر بتانے سے انکار کر دیا کہ میں تو

مرشد ہی کو بتاؤں گا۔ وہ غصے میں آ گیا۔

''میں مرشد کا خاص آدمی ہوں، اس نے غصے سے کہا اور میں نے ہاتھ جوڑ دیے۔

''مجھے ان کے پاس لے چلو، میں نے کہا، بات ایسی ہے کہ مرشد کے علاوہ اگر میں نے ان کی اجازت کے بغیر کسی کو بتائی تو کیا خبر مرشد مجھ سے ناراض ہو جائیں۔ غریب آدمی ہوں... بال بچوں والا ہوں... مرشد کی ناراضگی سے برباد ہو جاؤں گا۔ مجاوریوں میں بہت ہی بڑی بات ہو گئی ہے۔

''وہ کچھ دیر مجھے دیکھتا رہا۔ پھر میرا نام پوچھا۔ میں نے اپنا نام بتایا تو وہ ڈیرے کے اندر چلا گیا۔ دس پندرہ منٹ بعد باہر آیا اور میری تلاشی لی۔

''بڑے قسمت والے ہو گدا حسین، اس نے بہتر لہجے میں کہا۔'' مرشد کو تمہارے آنے کا پہلے ہی سے پتا لگ چکا ہے... دیدار ہو جائے گا... اوئے شرفو! ایک چھوٹے اور بے لمبے کھلے بالوں والا ملنگ دوڑتا آیا۔

''...سے وضو کرا، مونچھوں والے نے حکم دیا۔ پیر اچھی طرح دھلوا۔ وضو کراتے ہوئے اسے پانچ بار کلمہ پڑھوا اور پھر مجھے بتا۔ وہ اندر ڈیرے میں چلا گیا، جس کے اندر ایک عمارت اونچی اور سرخ اینٹوں کی بنی ہوئی ہے۔ میں پہلے کبھی میکھا چن نہیں گیا تھا صاب۔ عمارت کی چھتیں بہت اونچی ہیں، باہر چاروں طرف دس بارہ فٹ اونچی دیوار ہے اور لوہے کا مضبوط کالا گیٹ بھی بہت اونچا ہے۔ ملنگ مجھے پانی کی بھری ہوئی بالٹیوں کے پاس لے گیا۔ میں وضو کرنے بیٹھا ہی تھا کہ ملنگ نے گردن کے پاس میری قمیص کو پکڑ کر اوپر کھینچا۔

''استنجا تیرا ابو (باپ) کرے گا؟'' اس نے غصے سے کہا اور مجھے اینٹوں کی بنی ہوئی ایک چھوٹی سی کمرہ نما چار دیواری میں لے گیا جس کی چھت نہیں تھی۔ اندر پانی کی دو بالٹیاں پڑی تھیں۔ اچھی طرح طہارت کر، ملنگ نے پھر غصے سے کہا۔ بولتے ہوئے اس کے لمبے بال دائیں بائیں جھولتے تھے۔ میں اندر گیا۔ مجھے بہت پیشاب آیا ہوا تھا، میں نے کھل کر کیا اور ہاتھ دھو کر باہر آ گیا۔ میں نے کوئی استنجا وستنجا نہیں کیا۔''

میر صاحب نے قہقہہ لگایا۔ بھائی بھی ہنس رہے تھے، میرا تجسس بڑھ چکا تھا۔

''پھر میں نے ملنگ کے سامنے وضو کیا،'' گدا نے کہا۔ ''پانچ بار کلمہ پڑھا۔ پاؤں مل مل کے

دھو لئے۔ ملنگ نے مجھے ربڑ کے سلیپر دیے اور کہا کہ ربڑ کے یہ سلیپر پہن کر میں مرشد کے حجرے تک جاؤں۔ باقی باتیں اندر معلوم ہوں گی۔ وہ مجھے گیٹ تک لے کر گیا۔ اندر بھی ایک ملنگ تھا، جس نے گیٹ کھولا۔ سرخ اینٹوں کا بڑا سا صحن نظر آیا جس میں ایک فوارہ بھی لگا ہوا تھا۔ چاروں جانب کیاریاں بنی ہوئی تھیں۔ صحن کے تین طرف برآمدوں کے اندر، کمروں کے دروازے نظر آتے۔ دائیں ہاتھ والے برآمدے میں مونچھوں والا آدمی موجود تھا۔ اس نے مجھے اشارے سے بلایا اور برآمدے کی بائیں طرف اونچی عمارت سے جڑے ہوئے ایک کمرے تک لے گیا۔

''جو بات تو مرشد کو بتانے آیا ہے، مونچھوں والے نے کہا، اس کا کشف مرشد کو پہلے ہی ہو چکا ہے۔ یہ بات سن کر میں ذرا سا گھبرایا ضرور، پر حوصلہ قائم رہا۔ پھر وہ بولا، مرشد نے تجھے حجرے میں بلایا ہے۔ یہ سعادت کسی کسی کو ملتی ہے۔ بہت نصیبوں والا ہے تو۔۔۔ اس نے مجھے ٹھہرنے کو کہا، کچھ دیر ایک دوسرے ملنگ سے باتیں کرتا رہا جو تیز تیز قدموں سے برآمدے میں دائیں جانب چلا گیا۔ مونچھوں والا میری طرف مڑا۔

''غور سے سن، اس نے کہا، حجرے میں داخل ہوتے وقت تیری نظریں نیچی رہیں۔ جب تک مرشد کا حکم نہ ہو، دہلیز پر ہی کھڑے رہنا۔ حکم ہوتے ہی سلیپر اتار کر، سر جھکا کر مرشد کے تخت تک جانا۔ تخت کے سامنے قالین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ جانا۔ سامنے مرشد کے گھٹنے پڑے ہوں گے۔ پہلے گھٹنے ٹیک کر مرشد کے دائیں گھٹنے کو ہاتھ لگا کر چومنا۔۔۔ غلطی نہ ہو۔۔۔ مرشد کا دایاں گھٹنا تیرے بائیں ہاتھ ہوگا، پھر اسے رکھ کر دایاں گھٹنا چومنا اور آنکھوں سے لگانا۔ اس وقت تک مرشد کی طرف نہ دیکھنا جب تک وہ سوال نہ کریں۔ ادھر ادھر کی باتیں نہ کرنا۔ بس جو بتانا ہے، نیچی آواز میں وہی بتانا اور خاموش ہو جانا۔ اگر مرشد کوئی سوال پوچھیں تو سیدھا جواب دینا۔ اگر جواب ہاں یا نہ میں دینا ہو تو بس جی سائیں مرشد کہنا۔ یہ کہہ کر مونچھوں والا حجرے کے اندر چلا گیا۔ اس بار وہ فوراً ہی باہر آیا۔

''چل حجرے میں، اس نے کہا، بلایا ہے مرشد نے۔۔۔ لیکن ٹھہر۔۔۔ اس نے اس انداز میں کہا کہ میرا دل دھڑکنے لگا۔ جو جو باتیں تجھے بتائی ہیں، اچھی طرح یاد کر لے۔ کوئی غلطی نہیں ہونی چاہیے۔ مرشد ناراض ہو گئے تو تجھ پر قہر ٹوٹے گا۔ بس اب آگے تو نے اکیلے ہی جانا ہے۔

''میرا دل دھڑک رہا تھا صاحب، لیکن میں نے خود کو سنبھالا اور بڑے حوصلے سے سلیپر اتار

Scanned with CamScanner

کہ دروازے کا ایک پٹ کھول کر دہلیز پر ہی کھڑا ہو گیا۔ نظریں تو نیچی تھیں، لیکن میں نے حجرے سے اندرونی کمروں کی سمت کھلنے والے دروازے کی طرف دیکھ ہی لیا۔۔۔ ایک سرخ دوپٹہ لہراتا ہوا اندر گیا اور اندرونی دروازے کے دونوں پٹ دو سفید ہاتھوں نے بند کیے۔ کوئی عورت تھی۔''

بھائی نے میر صاحب اور میر صاحب نے بھائی کی طرف دیکھا۔ گداؤ نے میری طرف دیکھا۔

''میں اتنا گھبرایا ہوا تھا کہ ایک بار تو مجھے یوں لگا کہ میری اداکاری فیل ہو جائے گی۔

''اندر آ جا محمد حسین! پیر کی آواز آئی۔ نہ موٹی نہ پتلی۔ یوں لگا جیسے بولنے والے نے نشہ کیا ہوا ہے۔ میں نے حجرے میں قدم رکھا۔ اتنا موٹا اور نرم قالین میں نے پہلے بھلا کہاں دیکھا تھا، پاؤں اندر دھنس دھنس جاتے تھے۔ ہر طرف اگربتیوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ ایک طرف مجھے صوفہ نظر آ گیا۔ صوفے پر سبز مخمل کا غلاف چڑھا ہوا تھا۔ سامنے دیکھنے سے مجھے منع کیا گیا تھا۔ میں نظریں جھکائے تخت تک پہنچا، گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ ہدایت کے مطابق دایاں گھٹنا، بایاں پیر، آنکھوں سے لگایا۔ پیر کے ہاتھ مجھے نظر آ رہے تھے۔ ان میں تسبیح تھی، کالے دانوں والی تسبیح۔

''تو محمد حسین۔۔۔ پیر کی آواز آئی۔ میں جانتا ہوں تو کیا کہنے آیا ہے۔ اسی لیے اس وقت حجرے میں بلایا ہے۔ بھادریوں میں جو کچھ ہوا ہے، میرے موکلوں نے مجھے بتا دیا ہے۔ لیکن تو اتنی دور سے آیا ہے، کچھ باتیں تیرے دماغ میں بھی ہوں گی، کئی سوال بھی ہوں گے جنھوں نے تجھے پریشان کیا ہوگا۔ تجھے بات کرنے کا موقع تو ملنا ہی چاہیے۔ بول ـــ تو کیا کہنا چاہتا ہے۔''

''صاحب، میں گھبرایا ہوا تھا، لیکن ہمت قائم تھی۔ ایک بار تو جی چاہا کہوں کہ مرشد، جب آپ کو سب کچھ معلوم ہی ہے تو پھر میرے بتانے کی کیا ضرورت ہے، لیکن آپ کی بات یاد آئی کہ پیر کو سارا واقعہ بتاتے ہوئے کھیت کا نقشہ اور رات کو سونے کا طریقہ بھی بتانا ہے، اور تانگیر کا ذکر ہرگز نہیں کرنا۔۔۔ صاحب، میں نے ڈری ہوئی چیچکی[37] آواز بنائی اور اس طرح بولا جیسے الفاظ میرے گلے میں پھنسے ہوئے ہوں۔

بھائی نے، میر صاحب نے گداؤ کی طرف دیکھا۔

''گداؤ میاں،'' انھوں نے سوالیہ انداز میں کہا، ''یہ چیچکی کیا ہوتی ہے؟''

37۔ چیچکی: نہایت پتلی چیخی آواز جو عموماً ڈر کی حالت میں گلے سے نکلتی ہے۔

...ہوتی ہے۔'' گداؤ نے نہایت پتلی چیخ جیسی آواز میں کہا، جسے سن کر شاید ہر شخص کو ہنسی آ جاتے۔ میرے صاحب نے قہقہہ لگایا۔ گداؤ مسکرایا۔

''درست! پیر نے مجھے حوصلہ دیا... '' گداؤ نے بیان جاری رکھا۔ ''ساری بات بتا۔ میں نے ذرا ذرا ... میں رونما ہونے کا تمام واقعہ آہستہ آہستہ اس طرح بتایا کہ گھر کا نقشہ، چارپائیوں کی حالت، سب ... بتایا۔ ... کا ذکر بھی کر دیا۔ پیر کچھ دیر خاموش رہا، پھر اس نے تخت پر جیسے ... لی۔

''مجھے سب معلوم ہے،'' اس نے کہا۔ کالی بلا نے ہر طرف سے مایوس ہو کر آخری کامیاب وار کیا ہے۔ کالی بلا نے معمول[38] پکڑ لیا ہے۔

''اس بات پر میں نے بے اختیار پیر کی طرف دیکھا۔ گول چہرہ، بھرا بھرا سا، سفید رنگ جس میں سرخی بھی تھی، کالی چھوٹی خط والی داڑھی جس میں کانوں کے قریب سفید بال نظر آ رہے تھے، بڑی بڑی آنکھیں جن میں لال ... ڈورے تھے، ناک موٹی جو آگے سے کچھ جھکی جھکی سی تھی، موٹا جسم، جس پر سفید کرتا تھا، ململ کی طرح کی چمکدار باریک کپڑے کا۔ یہ کرتا اتنا لمبا تھا کہ کاندھے سے نیچے ... لپیٹے ہوئے پیروں تک، ٹانگوں کو ڈھانپے ہوئے تھا۔ پیر کے گلے میں ... سبز اور پیلے رنگ کے منکوں والی مالائیں تھیں، سر پر کوئی عمامہ نہ تھا اور بال پیچھے گردن تک ... ہوئے تھے۔ پیچھے سے بنے ہوئے تھے۔ تخت کے پیچھے کھڑکی تھی، جس پر ململ کی ... کا پردہ ... سے آنے والی ہوا میں لہرا رہا تھا۔ کھڑکی میں سے باہر درختوں کا جھنڈ نظر آ رہا تھا۔ ... درختوں سے پیچھے دریائے جہلم بہہ رہا ہوگا، جس کے دوسرے کنارے پر کالا چٹا پہاڑ ہے۔'' گداؤ پھر ... خاموش ہو گیا۔ یوں محسوس ہوا جیسے وہ کوئی بات بتانے سے جھجک رہا ہے۔

''پھر کیا ہوا گداؤ؟'' میں نے پوچھا۔

38۔ ... اس لفظ کا مفہوم ... ہے کہ جس پر کوئی عمل کیا گیا ہو لیکن قدیم زمانے کے ساحر اور موجودہ ... معمول بتاتے ہیں ... یہ تو وہ مرد یا عورت جس کے جسم میں خود پیر نے جن یا چڑیل ڈال دی ... ہے ... وہ مرد یا عورت جس کے جسم میں کوئی بدروح یا کالی بلا گھس جائے اور قبضہ کر لے۔

''پیر میری طرف ترچھی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میں ڈر گیا صاحب۔

''مجھ سے نہ ڈر' پیر نے کہا۔ ڈر تو اب کالی بلا کا ہے۔

''پیر نے بھی ڈراؤنی سی آواز بنائی۔

''مرشد، میں نے کہا، اب کیا ہوگا؟

''بچہ کہاں ہے؟ پیر نے کہا۔ کیا جھوریاں ہی میں ہے؟

''جی مرشد، میں نے پھر کہا، ڈاکٹر کے گھر پڑی ہے۔ ماں کا رو رو کر برا حال ہو گیا ہے۔ وہ تو خود بچے کے ساتھ آنا چاہتی تھی لیکن بہت سہمی ہوئی ہے۔ گھر سے باہر نہیں نکلتی۔ کمرے میں بہت زیادہ گرمی ہوتی ہے، ورنہ وہ کمرے میں ہی رات دن رہنا چاہتی ہے۔ بچہ گرمی میں سو نہیں سکتا، اس لیے سوتی تو صحن ہی میں ہے، لیکن بہت ڈری رہتی ہے۔

''پیر کچھ دیر سوچتا رہا، خاموشی سی رہی۔

''بہت اچھا کیا اس نے جو خود بچے کے ساتھ نہیں آئی، پیر نے کہا۔ میلھا چٹن کا جنگل بدروحوں سے بھرا ہوا ہے۔ وہ درختوں پر رہتی ہیں، ٹہنیوں پر بیٹھتی ہیں، کسی کو نظر نہیں آتی ہیں اور کالی بلا تو سارے جنگل میں اڑتی پھرتی ہے... بہت اچھا کیا اس نے جو یہاں بچے کو نہیں لائی، ورنہ بچہ میرے پاس پہنچنے سے پہلے ہی کالی بلا کا شکار ہو جاتا، خون پی جاتی بچے کا... بچے کی چار بدروحیں تو نکل چکی ہیں، پانچواں سال کالی بلا کا ہوتا ہے، ابھی رکھ کٹنے میں دن باقی ہیں... کالی بلا اپنا کام کر گئی، رکھ کٹوا گئی۔

''میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ مرشد، میں ایک کم عقل آدمی ہوں، آپ کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی تو پیر نے پھر کروٹ بدلی۔

''گدا حسین' اس نے کہا۔ تو نے یہی بتایا ہے کہ ڈاکٹر کا بھائی پاگل ہے؟

''جی مرشد، میں نے فورا کہا، دورے پڑتے ہیں اسے۔ پیروں فقیروں کو... توبہ توبہ... گالیاں دیتا ہے۔

''وہ پاگل... پیر نے کہا، پیدائشی پاگل نہیں ہے۔ تو نہیں جانتا کہ کالی بلا کا آخری وار کیا ہوتا ہے۔ وہ کسی کمزور دماغ والے کو اپنا معمول بنا لیتی ہے۔ اس کے جسم میں گھس جاتی ہے اور وہ پاگلوں

Scanned with CamScanner

[illegible] دیا ہے کہ وہ پاک روحوں کو گالیاں دیتا ہے۔۔۔وہ نہیں [illegible]
[illegible] مرشد [illegible]
[illegible] ہاتھوں [illegible] بچے [illegible]
[illegible] بیٹے سے کوئی نہیں روک سکتا۔۔۔میں بھی نہیں۔

[illegible] ایک ہی سہارا ہے اس کا۔ کوئی تو بچے [illegible] مرشد، کرم [illegible] نے ہاتھ جوڑے ہوئے تھے۔

[illegible] ایک بار [illegible] [39] [illegible] دونوں میں سے ایک کی موت یقینی ہے۔

"ماں کی بھی مرشد؟" میں نے گھبرا کر کہا۔

[illegible]

[illegible] نام بتایا۔

[illegible] محب یعنی پیارا — یہ تو بہت غلط بات ہو گئی۔ کالی بلا اس نام [illegible]

[illegible]

[illegible] کالی بلا [illegible] آخری سال کالی بلا کا ہوتا ہے۔

مرشد [illegible] اصل قاتل [illegible] کالی ہے [illegible]

39 [illegible]

چاہیے۔

"معاف کرنا صاحب، میں تو چھوٹا منہ ہوں پھر بھی سمجھتا ہوں، اس لیے یہ بات بھی کہنی پڑی۔"

"پیر نے پھر پہلو بدلا۔ قاتل اور ظالم تو کالی بلا ہے، کہا تھا میں نے، پیر نے کہا، وہ تو معمول ہے، پر بڑا بدنصیب ہے۔ مرے گا تو نہیں، پر اس کی زندگی برباد ہو جائے گی۔ اس کا پالتو جانوروں کو گالیاں دینا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کے اندر کالی بلا گھس جاتی ہے۔ وہ بہت بدنصیب ہے، کیونکہ جب کالی بلا کسی کو معمول بنا کر اپنی مرضی کا کام کرانے پہ چھوڑ دیتی ہے تو اس معمول کے دماغ میں بدروحیں گھس جاتی ہیں۔ وہ پھر لپٹ دیتی ہیں۔ یہ دیکھ کر کالی بلا کو غصہ آتا ہے۔ وہ دوبارہ معمول کے جسم میں گھس کر بدروحوں سے لپٹ جاتی ہے اور خود بچہ جنتی ہے۔ کالی بلا کا بچہ پہلے تو دماغ میں پرورش پاتا ہے، پھر وہ دماغ سے ریڑھ کی ہڈی کی سمت آتا ہے اور ریڑھ کی ہڈی پر سانپ کی طرح بل ڈال کر لپٹ جاتا ہے اور حرام مغز چوسنے لگتا ہے، ساتھ ساتھ حرام مغز کا گودا بھی کھانے لگتا ہے۔ معمول کو اپنا ہوش نہیں رہتا۔ اس کے بال لمبے ہو کر کنگھی سے بے بہرہ ہو جاتے ہیں، داڑھی بھی لمبی ہو جاتی ہے اور کنگھی سے بے بہرہ ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے کپڑے پھاڑ کر الف ننگا ہو کر سردیوں گرمیوں ہر موسم میں سڑکوں گلیوں میں پھرتا ہے، پھر اسی حالت میں مر جاتا ہے۔"

"پیر کچھ دیر رکا، کھانسا، پھر کروٹ لی۔"

"تم واپس جا کر... اس کی آواز سرگوشی جیسی ہو گئی، ڈاکٹر سے اکیلے میں ملنا اور کہنا، اگر بھائی کو بچانا چاہتا ہے تو بھائی کو میرے پاس لے آئے۔ میں دم کر کے پانی دوں گا اور تعویذ بھی۔ تعویذ پینے کے لیے سات تعویذ ہوں گے... انشاءاللہ ساتویں تعویذ پر کالی بلا کا بچہ مر جائے گا اور پیشاب کے رستے نکل جائے گا۔ اس کا جو گند دماغ میں رہ جائے گا وہ بھی ناک کے رستے مواد کے ساتھ بہہ کر خارج ہو جائے گا۔ اس کے بعد میں اسے ہمیشہ کے لیے محفوظ رکھنے کا نقش سلیمانی بنا دوں گا، چاندی کے تعویذ میں، جسے وہ موت تک اگر گلے میں پہنے رکھے گا تو کالی بلا اس پر حملہ نہیں کر سکے گی... ڈاکٹر کو یہ بات اچھی طرح سمجھا دینا۔"

"ربش" (rubbish) بھائی نے کہا۔

"یہی تو ڈھنگ ہیں سیدھے سادے دیہاتیوں کو پھانسنے کے" میں نے کہا۔

Scanned with CamScanner

ایسا ہونا ہے قدرتی!" میر صاحب نے کہا۔ "بھئی، اس سے تو پڑھا لکھا انسان بھی پریشان ہو جاتا ہوگا۔ ناخواندہ دیہاتیوں کا خوف سے برا حال ہو جاتا ہوگا۔ بھئی ہم تو گداگر میاں کے حوصلے کو داد دیتے ہیں۔ کوئی اور ہوتا تو خوفزدہ ہو کر بتا دیتا کہ اسے ہم نے بھیجا ہے۔"

"میں ذرا ڈرپوک نہیں ہوں۔" گداگر نے کہا۔ "لیکن جھوٹ کیوں کہوں... گھبرا تو میں بھی گیا تھا۔"

میر صاحب نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا۔

"آپ کی تو خیر نہیں صاحبزادے!" انھوں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "آپ کے سر میں تو اب درد نہیں چھوڑے گی۔ پھر کالی بلا انھیں کھا جائے گی اور خود بچہ جنے گی۔ کالی بلا کا بچہ آپ کی ریڑھ کی ہڈی پر سانپ کی طرح بل کھا کر لپٹ جائے گا اور حرام مغز کو چوسے گا... آپ تو گئے، صاحبزادے!"

بھائی بھی ہنس رہے تھے۔

"اب تو آپ کو یقین ہو گیا ہوگا۔" میں نے کہا۔ "پیروں سے متعلق میری باتیں جھوٹی نہیں تھیں۔ آپ خود ہی اندازہ لگائیں کہ دماغ میں بدروحوں کے بچے، کالی بلا کو غصہ آنا، اس کا بدروحوں سے بچے پیدا کرنا اور خود بچے پیدا کرنا اور پھر اس بچے کا ریڑھ کی ہڈی پر بل کھا کر سانپ کی طرح لپٹ جانا اور حرام مغز کو چوسنا... سیدھے سادے دیہاتی تو یہ سن کر خوف سے لرز اٹھتے ہوں گے۔ پھر [illegible] سمجھتے ہوں گے... وہ جو گنڈے تعویذوں پر چلتا ہے، وہ تعویذ [illegible] دیتا ہوگا۔ وہ تعویذوں کی قیمت سینکڑوں ہزاروں روپے میں [illegible] سائلوں کو ہدیہ اور نذر کے نام پر قیمت بتاتے ہوں گے... [illegible] قیمت [illegible]... [illegible]۔"

میر صاحب [illegible] کی بات سن رہے تھے۔ تھوڑا سا آگے جھکے۔

"آپ [illegible]" انھوں نے کہا۔ "خوف سے بڑا کوئی ہتھیار ہو ہی نہیں سکتا۔"

[illegible]" بھائی نے کہا۔ "[illegible]

[illegible] ہیں اور [illegible] سمجھتے ہیں۔"

Scanned with CamScanner

''وہ تو یہ سب کچھ کریں گے،'' میں نے کہا۔ ''ان کی حکمرانی اسی وقت تک قائم رہ سکتی ہے جب تک اس علاقے کے لوگ ناخواندگی کے ساتھ ساتھ فرسودہ عقائد کے غلام رہیں گے، اور یہ فرض پیر بخوبی ادا کر رہا ہے۔''

میر صاحب نے گداؤ کی سمت دیکھا۔

''گداؤ میاں،'' انھوں نے کہا۔ ''آگے کیا ہوا، وہ بھی تو بتاؤ۔''

''بس جی،'' گداؤ نے کہا۔ ''مجھے پیر نے حکم دیا کہ زبان بند رکھوں۔ کسی سے نہ واقعے سے متعلق بات کروں نہ اس ملاقات کا ذکر کسی سے کروں۔ اگر میں نے کسی سے بھی پیر سے ہونے والی ملاقات کا ذکر کیا تو بچّے سے پہلے کان بلا مجھ پر حملہ کرے گی۔ یہ حکم دے کر پیر نے تالی بجائی۔ مونچھوں والا اندر آیا۔

''گداحسین کو برکت کے لیے گڑ اور چاول دے دو۔ واپسی کا کرایہ بھی دے دو۔ اور تو نے بہت اچھا کیا گداحسین کہ یہ بات کسی کو نہیں بتائی۔ اپنے ہونٹوں پر ٹوپے (ٹانکے) لگا لے۔

''میں اٹھا۔ کھڑکی کی سمت سے بڑی ٹھنڈی ہوا آ رہی تھی۔ میں الٹے قدموں حجرے سے دروازے تک آیا۔ باہر نکلنے سے پہلے میں نے حجرے کو نظر بھر کر دیکھا... صاحب، حجرے میں اتنی قیمتی چیزیں تھیں... میں حیران رہ گیا۔ سنہری پھولدان خالص سونے کے لگ رہے تھے۔ اتنی ہی چیزیں تھیں، مجھے تو نام تک معلوم نہیں... کتنے ہی رنگوں کی۔ سب کیا بتاؤں، نوابوں، ٹھیکیداروں اور افسروں کی حویلیوں میں بھی اتنی قیمتی چیزیں نہیں ہوں گی... میں باہر برآمدے میں آیا تو مونچھوں والے نے حجرے کا دروازہ بند کر دیا۔ وہ مجھے برآمدے ہی میں ایک طرف کمرے میں لے گیا۔ وہاں ایک منشی نے مجھے چاول اور گڑ دیئے۔ مونچھوں والے نے مجھے آٹھ آنے بھی دیے... واپسی کا کرایہ۔ باہر دس بارہ عورتیں اپنے بچّوں کے ساتھ موجود تھیں، دکھیں کنویں سے لیتے...''

''تو وہ تبرک کی،'' میں نے کہا۔ ''جو تم ساتھ لائے ہو، چاول اور گڑ کی تھی؟''

''ہاں جی،'' گداؤ نے کہا۔ ''بیوی کو دے آیا ہوں، بچے سے پہلے چاول کی دیں گی۔''

بھائی جان میر صاحب نے قہقہہ لگایا۔

''تم نے بیوی کو بتایا تو نہیں؟'' بھائی نے پوچھا۔

[illegible] نے کہا "بے وقوف نہیں ہوں۔ کہہ دیا ہے کہ چاول اور گڑ [illegible] بیٹھے ہیں اور... " گداؤ کہتے کہتے رک گیا۔ بخشو آ رہا تھا۔

[illegible] بخشو نے [illegible] "بہت سی چٹنی بھی لایا ہوں۔" اس [illegible] چٹنی لی ہے... " بخشو نے اپنی بات [illegible]۔

"[illegible]" گداؤ نے کہا "چائے بناؤ۔"

[illegible] سمت میں [illegible] بائیں رخسار [illegible] [illegible] کی سمت [illegible]۔

"گداؤ" میں نے کہا۔

[illegible] چائے [illegible] روٹیاں لے جاؤں گا۔"

[illegible] چٹنی [illegible] [illegible] چائے بنانے کے لیے اپنی کوٹھڑی کی سمت چلا گیا۔

"اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے" میر صاحب نے [illegible] "کیا واقعی پیر نور شریف بچے کو مروانے کی [illegible]"

"[illegible] آپ کو گداؤ کی بتائی ہوئی باتوں سے اس کا اندازہ نہیں ہوا [illegible] ماں کی جان بچانا اب بہت مشکل ہے۔"

"[illegible]" میں نے [illegible] "ماں کی جان کو کیوں خطرہ ہے؟"

[illegible]

[illegible] بھی ختم کر سکتے ہیں [illegible]

[illegible] میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا [illegible]

[illegible]

"گداؤ میاں،" میر صاحب نے شاید میری اور بھائی کی مشترکہ سوچ کو محسوس کر لیا تھا۔ "گداؤ میاں، ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔ آپ پڑھے لکھے نہیں ہیں، اسی علاقے میں پلے بڑھے ہیں... آپ پر عام دیہاتیوں کی طرح پیر کا خوف نہیں ہے اور آپ اس کو اچھا بھی نہیں سمجھتے... یہ کیا بات ہے؟"

گداؤ کے چہرے پر اداسی کی پھیل گئی، جیسے میر صاحب کی بات نے اس کی کسی بری یاد کو اس کے سامنے لا کھڑا کیا ہو۔

"ویسے ہی..." گداؤ نے کہا، "کوئی خاص بات نہیں... میں پیروں فقیروں کو بہت نہیں مانتا۔"

گداؤ کے چہرے کے تاثر اور لہجے نے صاف بتایا کہ وہ کوئی اہم بات چھپا رہا ہے۔

"کسی دن،" میں نے سوچا، "گداؤ سے اگلواؤں گا، کوئی بات ہے ضرور۔"

"ہم تو یہ سوچ رہے ہیں،" میر صاحب نے کہا، "اگر واقعی پیر نے بچے کو مروانے کا ارادہ کر لیا تو وہ کیا طریقہ اختیار کریں گے؟" انھوں نے میری طرف دیکھا۔ "ضروری نہیں کہ جو کچھ آپ نے سوچا ہے وہی درست ہو۔"

"یہ بات تو سب میں بھی مانتا ہوں،" بھائی نے کہا۔ "رقیہ اور بچے کی جان کو خطرہ ہو سکتا ہے۔"

"یہ بات بھی ہمیں درست معلوم ہو رہی ہے،" میر صاحب نے کہا۔ "حملہ رات ہی کو ہو سکتا ہے۔"

"مجھے یقین ہے،" میں نے کہا، "پیر اپنے پالے ہوئے بدمعاش ملنگ ضرور بھیجے گا اور حملہ تین ہی دن میں ہو گا۔ دو دن بعد اماوس ہے۔ خطرہ اسی رات کو ہے۔"

بھائی نے کرسی پر پہلو بدلا۔

"جب تک ملنگ آ نہیں جاتے،" انھوں نے کہا، "سب قیاس آرائی ہے۔"

"آپ پیر اور گداؤ کے درمیان ہونے والی گفتگو پر غور کریں،" میں نے کہا، "اس نے گداؤ کو زبان بند رکھنے کے لیے کہا ہے... کیوں؟ صاف ظاہر ہے کہ وہ اپنی ساکھ، حشمت اور پیری کو سچ ثابت کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرے گا۔ اس نے چالیس گھنٹے کے چلے کی بات کی ہے۔ وہ اس مدت میں بچے کو مروانے کی منصوبہ بندی کرے گا۔ چالیس گھنٹوں بعد ہی اماوس کی رات بھی ہے۔ چالیس

Scanned with CamScanner

مجھے وہ کالی بلا کو روکنے سے پہلے کی بات کر رہا ہے۔۔۔ کیونکہ اس کے بعد اس کی کالی بلا۔۔۔ یعنی وہ بلی کالی بلا سے مزید انتظار نہیں کرانے کا۔ سارا معاملہ صاف ہے۔ اگر میں غلط نہیں ہوں تو کل تک جھاڑیاں میں آجائیں گے۔"

"یہ ابھی کا فیصلہ مت کرو،" بھالی نے کہا، "ممکن ہے ایسا کچھ بھی نہ ہو۔"

میر صاحب نے کرسی پر کھچی نکالی۔

"کچھ بھی ہو بھیا،" انھوں نے کہا، "اس صاحبزادے کی تجویز نے آپ کی تو تمام پریشانی ختم کر ہی دی۔"

"ہاں،" بھالی نے کہا، "میں اب خود کو محفوظ محسوس کر رہا ہوں۔ کم از کم اب میرے خلاف نہ یہ کوئی کارروائی کرے گا نہ اس کے مرید۔"

"اگر اس نے مجھے بھی ڈرانے لگے،" میر صاحب نے کہا، "تو ہمیں فوراً چوکنا ہونا پڑے گا۔"

بھالی نے منہ بنا کر دیکھا جو دور بیٹھا پیالیوں میں چائے ڈال رہا تھا۔ پھر بھالی نے میر صاحب کی طرف دیکھا۔ "اگر کوئی ملنگ آئے تو پھر سوچیں گے۔" انھوں نے کہا، "مجھے تو ابھی تک اس بات پر یقین نہیں ہے۔"

"جیسیں ہم قیاس کرتے ہیں،" میر صاحب نے کہا، "قیاس کرتے ہیں کہ ملنگ بچے کو مارنے سے پہلے کی بات کرتے ہیں تو یہ اس بات کا ثبوت ہوگی کہ ان کا طریقِ کار کیا ہوگا۔"

مجھ سے پہلے خاموشی رہی۔ میر صاحب خاموش تھے، جیسے چاند اور کچھ چاہتے ہیں۔ اب میں اس بات سے کافی خوش تھا۔۔۔ مجھ کو اس خاموشی کی تمام تفصیل پتا چل گئی۔

"دو لوگ چاہتے ہیں، کوئی ہمدرد تحریک استعمال کرتے ہیں۔" میں نے کافی بات دہرائی اور پھر میر صاحب کی خاموشی دیکھتے ہیں، خاموشی کو ختم کیا۔ "یہ یقیناً بہت ہی مکار اور چالاک ملنگ ہے کہ مدد لینے والا ہے۔ قیاس اور گمان ہی ہوتے ہیں اور ملنگ کی ہمدردی رکھتے ہیں۔ ملنگوں کے لیے اس صورت حال میں وار کرنا بہت آسان ہوگا۔ پرسوں اماوس ہے، ملنگ وہ دن ہیں آسانی سے۔ اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ ملنگ اکیلا نہیں ہوگا، وہ ضرور کسی ساتھی کی مدد لے گا۔"

''ماں بچے تو چھت پر محفوظ ہی ہوں گے،'' میر صاحب نے کہا: ''صحن میں اگر کوئی اترتا ہے اور یہ جان کر کہ چارپائی پر ماں بچے نہیں ہے، اس کا ردِعمل شدید بھی تو ہو سکتا ہے . . .'' میر صاحب بھائی کی طرف دیکھنے لگے۔

بھائی کچھ دیر سوچتے رہے، پھر انھوں نے میر صاحب کی طرف دیکھا۔

''چلیے میں آپ کے قیاس کو مان لیتا ہوں،'' انھوں نے کہا: ''اگرچہ مجھے اب بھی یقین نہیں کہ ملنگ بچے کو مارنے آئیں گے۔ بچگانہ سی بات لگتی ہے۔ لیکن اگر وہ آگئے اور ان کا ارادہ بچے کی جان لینا ہو، تو صحن میں اترنے کے بعد ہمیں ہر حال میں ملنگ کو پکڑنا ہوگا تاکہ اسے کارہ کے پولیس سٹیشن میں لے جا کر چوری کے الزام میں گرفتار کرا سکیں۔ ملنگ کی گرفتاری پر پیر مجبوراً خاموشی اختیار کرے گا۔''

گداؤ بے چین سا نظر آیا۔

''نہ صاب . . .'' گداؤ نے کہا: ''کارے نہیں — کارے کا تھانیدار پیر کا مرید ہے۔''

''یہ تو اور بھی اچھی بات ہے گداؤ میاں،'' میر صاحب نے کہا: ''پیر خود بھی پکڑے جانے والے ملنگ کو چور ہی قرار دیں گے اور اپنے ملنگوں کے ٹولے سے نکال کر لاتعلقی کا اظہار کریں گے، کیونکہ اسی میں ان کا اپنا مفاد بھی ہوگا۔ وہ کوشش کریں گے کہ معاملہ دب جائے۔ دوبارہ بچے کو مارنا بھی ان کے مفاد سے ٹکرائے گا۔''

گداؤ میر صاحب کی اردو سمجھ نہ سکا۔ وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ بخشو چائے لے آیا۔

''بہت دیر لگا دی بخشو،'' گداؤ نے کہا: ''سموسے بھی ٹھنڈے ہو گئے۔''

''یار دل . . .'' بخشو بیزاری سے بولا: ''اس بار ٹال[40] پہ ساری لکڑیاں ہی گیلی آئی ہیں۔''

بھائی نے پلیٹ میں دو سموسے رکھ کر چٹنی ڈالی اور بخشو کو دی۔ بخشو نے مسکراتے ہوئے پلیٹ پکڑی۔

''سوچتا ہوں،'' بخشو نے کہا: ''میں بھی ماسی جیراں کی طرح من چھٹی سے اونٹ والوں سے بات کر ہی لوں۔'' بخشو پلیٹ پکڑے ہوئے اپنی کوٹھڑی کی طرف چلا گیا۔ سب کے ہاتھوں میں

40۔ ٹال وہ جگہ جہاں عمارتی اور جلانے والی لکڑیاں فروخت ہوتی ہیں۔

موسموں کی چپتیں تھیں، ان دونوں منطق تھی۔ میری نگاہیں تنور کی سمت گئیں۔ گلنازی ماسی کو چیز سے بنا بنا کر دے رہی تھی۔

"سب سے اہم کام۔۔۔" میں نے سوچا "اس واقعے کو گاؤں والوں سے چھپانا ہے۔ اگر کسی کو بھی بھنک پڑ گئی تو سب تدبیر نہ صرف ختم ہو جائے گی، بلکہ الٹ بھی جائے گی۔ سب سے مشکل کام گلنازی کو روکنا ہے۔ وہ دن کے وقت کسی بھی وقت سے ملنے کے بہانے جا سکتی ہے۔ رقیہ نے باپ کو کمرے میں چھپا رکھا ہے۔ گلنازی میں بھی کمرے اور چھتوں والے برآمدے تک محدود کر رکھا ہے، لیکن گلنازی۔۔۔"

گلنازی نے جلدی جلدی سموسے تلے، چائے بنائی اور تنور کی سمت روٹیاں بنانے چلی گئی۔ اسے جاتے دیکھ کر گلنازی نے چہرے پر ناگواری کا تاثر لیا، کسی چھوٹی سی بچی کی طرح، جو کسی بات پر روٹھی ہو، پھر اس نے میری جانب دیکھا۔ آہستہ سے چلتی ہوئی بیرونی دروازے تک گئی۔ کواڑ کھول کر اندر قدم رکھا۔ مڑی، مجھے دیکھا۔ چہرے پر اداس سی مسکراہٹ تھی۔ یہ مسکراہٹ ہمیشہ کی طرح اس کی آنکھوں میں بھی تھی، جسے میں شام کے دھندلکوں میں آسمان پر چمکنے والے پہلے ستارے کی طرح ٹمٹماتا محسوس کر رہا تھا۔

"مجھے ہر حالت میں۔۔۔" میں نے سوچا "ماسی جیراں اور گلنازی کو اعتماد میں لینا ہوگا۔" میں یہ فیصلہ تو کر ہی چکا تھا کہ مجھے ماسی جیراں اور گلنازی سے مدد حاصل کرنا ہوگی، لیکن نہ جانے کیوں میں ہچکچاہٹ سی محسوس کر رہا تھا۔ "پھر بھی۔۔۔ مجھے یہ قدم تو اٹھانا ہی ہوگا۔"

22

میری یہ مشکل اگلے روز خود ہی حل ہو گئی۔

اگلی شام بھائی ... صاحب اور میں شام کے وقت ہسپتال کے صحن میں بیٹھے تھے۔ میں اس بات پر سکون محسوس کر رہا تھا کہ اب تک گلنازی، رقیہ اور ... سے ملنے گھر نہیں آئی تھی۔ شاید ماسی نے اجازت ہی نہ دی ہو۔ میری نظریں بار بار تنور کی سمت اٹھ رہی تھیں۔ ماسی تنور دہکا چکی تھی۔ گلنازی یقیناً گھر ہی میں ہوگی۔

Scanned with CamScanner

اچانک سڑک پر گداؤ نظر آیا۔ وہ تیز تیز قدموں سے ہسپتال کی سمت مڑا۔ اس کا انداز ایسا تھا کہ کسی کو بھی شک میں مبتلا کر سکتا تھا۔ اس کے چہرے پر وحشت سی تھی۔ آنکھیں پوری کھلی ہوئی تھیں۔ میں گھبرا سا گیا۔ رقیہ اور بوبا خیریت سے تو ہیں؟ بھائی اور میر صاحب کے چہرے پر بھی پریشانی سی نمایاں تھی۔ کہیں بھید کھل تو نہیں گیا؟ گداؤ نے قریب آ کر سب سے پہلے بخشو کی سمت دیکھا جو دور چوبھا جا رہا تھا، پھر اس نے گھبرائے ہوئے انداز میں ادھر ادھر دیکھا۔ پھر سٹول پر بیٹھتے ہوئے، گھبرائے ہوئے لہجے میں آہستہ سے کہا۔

"آگے..." اس کا گھبرایا ہوا لہجہ سرگوشی میں بدل گیا۔ "آگے صاحب جی... ٹھگ..."

"کیا؟" میر صاحب کا بدن جھٹکے سے آگے کی سمت جھکا، بھائی نے بھی گداؤ کی سمت جسم کو آگے بڑھایا۔

"ٹھگ..." گداؤ کی سرگوشی میں خوف سا تھا۔ "سیدھے پرانی حویلی کی طرف گئے ہیں... وہ دونوں... شکل سے مشٹنڈے۔ دونوں نے جھولے[41] لٹکائے ہوئے ہیں۔"

میر صاحب اور بھائی دونوں میری طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کی نگاہوں میں نہ جانے کیا تھا کہ میں ان کی سمت دیکھ کر بخشو کی سمت دیکھنے لگا۔ تھوڑے میری نظریں پھر بھائی اور میر صاحب کی سمت گئیں۔ وہ اب بھی میری طرف دیکھ رہے تھے۔ پھر میر صاحب نے گداؤ کی سمت دیکھا۔

"آپ نے کہاں دیکھے؟" انھوں نے پوچھا۔

"میں گھر ادھر ہی سے آ رہا تھا جی،" گداؤ نے کہا۔ "میں بازار کی طرف جا رہا تھا کہ میگھا چوک سے آتے ہوئے تانگے پر وہ آئے... ایک بہت موٹا ہے، دوسرا کم موٹا ہے، دونوں بڑے خطرناک لگتے ہیں... سیدھے پرانی حویلی کی طرف گئے ہیں... میں سیدھا ادھر آیا ہوں۔ وہ جب بھی آتے ہیں، پرانی حویلی کی طرف ہی جاتے ہیں۔"

مجھے گداؤ کی گھبراہٹ سے پریشانی محسوس ہو رہی تھی۔ "انھوں نے آنا ہی تھا گداؤ،" میں نے کہا۔ "گھبرانے کی کیا بات ہے؟ ہم تیار ہیں۔"

"نہیں صاحب زادے،" میر صاحب نے کہا۔ "کسی کو معلوم نہیں کہ اب ان کا ارادہ بچے کو

41۔ جھولے: بڑے تھیلے جو ٹھگ لوگ کندھوں پر لٹکاتے ہیں۔

مارنے کا سبب تو اس طرح کا کوئی ہوگا۔ آپ نے جو قیاس آرائی کی ہے، وہ غلط بھی تو ہو سکتی ہے۔"

"یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ بچے کو مارنے ہی آئے ہوں۔" بھائی نے کہا۔ "ٹھیک ہے کہ ان کا آنا ہمارے لیے تشویش کا باعث ضرور ہے، لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ان کے آنے کا مقصد کچھ اور ہو۔"

میر صاحب نے بھائی کی جانب دیکھ کر اثبات میں سر کو جنبش دی۔

"نہیں بھائی جان۔" میں نے کہا۔ "اب ان کا کوئی اور مقصد ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ سیدھے پرانی حویلی کے کھنڈرات کی سمت گئے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ کل سارا دن جائزہ لیں گے، گھر کا پتا چلائیں گے، تیاری کریں گے... کل اماوس کی رات ہے، اور مجھے بہت خطرناک محسوس ہو رہی ہے۔"

میر صاحب کچھ کہنے ہی والے تھے کہ گداؤ نے انھیں روکا۔ بخشو چائے لے کر آ رہا تھا۔ بخشو نے ہمیشہ کی طرح پیالیاں میز پر رکھیں اور جانے کے لیے مڑا، لیکن پھر پلٹا... اس نے غور سے گداؤ کی سمت دیکھا۔

"اوئے، تجھے کیا ہوا ہے؟" بخشو نے گداؤ کی گھبراہٹ کو محسوس کر لیا تھا۔ "بگڑے تھوڑے کی طرح کیوں دیکھ رہا ہے؟"

"پتا نہیں، ملنگ گداؤ۔" میں نے فوراً کہا۔ "بچوں کو بخار آ ہی جاتا ہے... کل صبح ڈاکٹر صاحب کی ڈسپنسری لے جانا۔" میں نے صورتحال کو سنبھالنے کے لیے جھوٹ بولا۔

"یہ تو بخار کا موسم بھی نہیں۔" بخشو نے کہا۔ "تیرے بیٹے کو ابھی سے بخار ہو گیا ہے؟ ابھی تو سردیاں بھی شروع نہیں ہوئیں... اسے لُو لگ گئی ہوگی۔"

"کبھی اپنی بات بھی کر لیا کر۔" گداؤ نے غصے سے کہا اور ہمیشہ کی طرح بخشو غصہ دیکھ کر دانت نکالے، کچھ مسکراتے ہوئے چولہے کی سمت چلا گیا، جہاں اس نے اپنے لیے چائے کا گلاس محفوظ رکھا ہوا تھا۔

"مشکل تو یہی ہے۔" بھائی نے کہا۔ "ہمیں ہر حال میں یہ بات چھپانا ہے۔"

"ہاں بھیا۔" میر صاحب نے کہا۔ "جب تک معاملہ صاف نہیں ہو جاتا، بات کو چھپانا بہت ضروری ہے۔"

"اگر یہ مان لیا جائے کہ وہ بچے ہی کو مارنے آئے ہیں۔" بھائی نے کہا۔ "تو آج رات تو وہ

کوشش نہیں کریں گے۔ انھیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ ہمارا گھر کہاں ہے۔''

''یہی تو میں کہہ رہا ہوں،'' میں نے کہا۔ ''وہ کل رات ہی کوشش کریں گے۔ کل اماوس کی رات ہے۔''

''تو کیا وہ کل گاؤں میں گھومیں گے؟'' بھائی نے کہا۔ ''کس بہانے سے؟''

بھائی کی اس بات پر گداؤ چونکا۔

''بہانہ تو ہے ان کے پاس،'' گداؤ نے کہا۔ ''ہرل دھونی۔''

''وہ کیا ہوتی ہے؟'' میر صاحب نے کہا۔

''گاؤں کے ہر گھر کو، گلی کو، دکانوں کو اور راستوں کو پاک صاف کرنے کے لیے، ملنگ ہرل دھونی دیتے ہیں، ہرل کو جلا کر، دھواں پھیلا کر...'' گداؤ نے کہا۔

''ہاں ہاں'' میر صاحب نے کہا۔ ''ملنگ بازار میں ایسا دھواں پھیلاتے ہیں۔ چند مہینے پہلے وہ ہماری ڈسپنسری میں بھی آئے تھے۔ بہت تیز بو تھی دھوئیں میں۔''

''ہاتھ میں چھوٹی چھوٹی کڑاہیاں ہوتی ہیں،'' گداؤ نے کہا۔ ''جن میں لکڑی کے دستوں والے کنڈے لگے ہوتے ہیں۔'' گداؤ نے تصور میں ایک کسی کڑاہی کو پکڑا۔ اس کا ہاتھ اس کے سامنے ہوا میں اٹھا ہوا تھا، مٹھی بند تھی۔ ''کڑاہیوں میں انگارے ہوتے ہیں۔ انگاروں پر ہرل کے دانے پھینک کر، جب دھواں اٹھتا ہے تو پھونکیں مارتے ہیں... ہر جگہ دھواں پھیلاتے ہیں، ہر دکان سے، ہر گھر سے بخشش بھی مانگتے ہیں۔''

میں قدرے بے چین سا تھا۔ اپنی بے چینی کو میں نے زبان دے ہی دی۔ ''اب تو شک کی بھی گنجائش نہیں ہے،'' میں نے کہا۔ ''کل اماوس بہت خطرناک ہوگی — تاریک رات۔''

''ہم تو اس کا انتظام کر چکے ہوں گے، صاحبزادے،'' میر صاحب نے کہا۔ ''رقیہ بی بی اور بچے تو چھت پر ہوں گے۔''

''انھیں...'' میں نے کہا۔ ''ملنگوں کو... پکڑنا بھی تو ہے۔ جو صحن میں اترے گا، ممکن ہے اس کے پاس ہتھیار بھی ہو۔''

''یقین سے تو نہیں کہا جا سکتا،'' بھائی نے کہا۔

Scanned with CamScanner

[illegible] "کبھی کبھی ایسی صورتحال بہت خطرناک بھی ہو جاتی [illegible] آدمی کچھ بھی کر سکتے ہیں۔۔۔ [illegible]

[illegible] آپ کو اور گداؤ کو بہت محتاط رہنا ہوگا۔"

[illegible] انھوں نے [illegible] جلد جیسے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] " میں نے کہنا شروع کیا۔ " تو گداؤ ان کی چھپ کر [illegible] یہ خبر ان میں سے کسی نے گداؤ کو [illegible] مجھے امید ہے کہ وہ شام سے پہلے [illegible] [illegible] صاحب کو دیکھتے ہوئے میں نے بات جاری رکھی۔ " آپ [illegible] [illegible] اور لوہے کے ساتھ چھت پر [illegible]

[illegible]

[illegible] آخر کل رات [illegible]

[illegible]

[illegible] مجھے مکمل یقین ہے [illegible]

گداؤ اٹھا اور تنور کی سمت چلا گیا۔ ماسی نے اسے روٹیوں کی چنگیر پکڑا دی۔ گلنازی نے آنکھیں بھینچ کر ماسی کی طرف دیکھا اور پھر گداؤ کی طرف دیکھا۔ ماسی نے گلنازی کے چہرے پر نظریں جمائی ہوئی تھیں۔

"اچھا،" ماسی نے کہا، آواز مجھ تک بھی پہنچی۔ "کل صبح چلی جانا بی بی کے پاس۔"

میر صاحب بھی یہ سن کر چونکے، وہ اب مقامی زبان اچھی طرح سمجھ لیتے تھے۔

"صاحبزادے،" انھوں نے میری طرف دیکھا، "جو کرنا ہے جلد کیجیے۔ گلنازی تو کل آپ لوگوں کے گھر پہنچ جائیں گی۔ اجازت مل گئی ہے انھیں۔ یہی سب سے مشکل کام ہے۔"

"میں آج رات ہی ماسی سے ملوں گا،" میں نے اعتماد سے کہا۔

"یہ بہت مشکل ہوگا،" بھائی نے کہا، "رات کے وقت ماسی کے گھر جانا، وہاں... میرا مطلب ہے ماسی... اگر اس نے پوچھا اور سمجھ تو..." بھائی جو کہنا چاہ رہے تھے، کہہ نہیں پا رہے تھے۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔ بخشو آیا، چائے کی پیالیاں اٹھا کر لے گیا اور اپنی کوٹھڑی کے پاس بیٹھ کر ایک بالٹی میں بھرے پانی سے دھونے لگا۔

"اگر ماسی کا ردعمل منفی ہوا،" میر صاحب نے کہا، "تو کیا بات بگڑ نہ جائے گی؟"

"مجھے امید ہے،" میں نے کہا، "کچھ نہیں ہوگا، میں سنبھال لوں گا۔"

"زیادہ پراعتماد ہونا خطرناک ہے،" بھائی نے کہا۔

"میں جانتا ہوں میں نے کیا کرنا ہے،" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے،" بھائی نے کہا، "لیکن میرے لیے اب کوئی اور مصیبت نہ کھڑی کر دینا۔"

"آپ مجھ پر اعتماد رکھیں،" میں نے کہا۔

میری نظریں تنور کی سمت گئیں۔ ماسی کے پاس اب گلنازی اور نوراں ہی بیٹھی تھیں۔ نوراں اٹھی تو ساتھ گلنازی بھی اٹھی۔ نوراں نے میری طرف دیکھا، پھر پلکیں نہ جھپکاتے ہوئے وہ سڑک کی جانب مڑتے ہوئے مجھے دیکھتی گئی۔ گلنازی کی نگاہیں نیچی تھیں، ناراض سی لگ رہی تھی۔ وہ گھر کے بیرونی دروازے تک گئی، رکی، ایک ہاتھ سے کواڑ کو دھکیلتے ہوئے اس نے سر گھما کر مجھے دیکھا۔ گہری شام میں اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پل بھر کے لیے چمکی اور وہ اندر چلی گئی۔ میر صاحب بھائی سے

Scanned with CamScanner

پٹھوں سے تھے جو میں قریب بیٹھے ہونے کے باوجود نہ سن سکا۔

"انھیں تمھارے بچے کی زندگی کا سوال ہے۔" میر صاحب کی آواز میری سماعت میں آہستہ سے ابھری اور معدوم ہو گئی۔ "ہم سمجھتے ہیں کہ اب اس کی جان کو خطرہ ہے... اب اس کا امکان ہے کہ ... لیکن میں یہ سوچ رہا تھا کہ کیا ملنگ یہ غلطی کریں گے کہ وہ بچے کی جان کو ایسے وقت میں خطرے میں ڈالیں جب وہ خود گاؤں میں موجود ہیں؟ کیا گاؤں والوں کو ان پر شک نہیں ہوگا؟"

بھائی ... میر صاحب کی طرف دیکھا۔

"ہاں، یہ بات تو ہے۔" انھوں نے کہا۔ "اگر بچے کو کچھ ہو جاتا ہے تو شک تو ملنگوں ہی کی طرف جائے گا۔ گدو یہ بات بتا چکا ہے کہ وہ بڑے کٹے مسٹنڈے ہیں، شکل ہی سے خوفناک لگتے ہیں۔ گاؤں والے ان پر شک ضرور کریں گے۔ مجھے تو یوں لگتا ہے کہ وہ بچے پر کل رات حملہ نہیں کریں گے، لیکن اب ..." بھائی نے میری طرف دیکھا۔ "اسے تو مکمل یقین ہے کہ وہ بچے کو مارنے آئے ہیں۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ قتل کر کے رات چلے جائیں اور دوبارہ کسی رات کوشش کریں۔"

"وہ پیدل تو کہیں جا نہیں سکتے۔" میں نے کہا۔ "تانگے پر ہی آئیں گے۔ جب بھی آئیں گے گاؤں میں ان کی آمد کی خبر ہو جائے گی۔ آپ نے پیر اور گدو کی گفتگو میں چالیس گھنٹے کے چلے پر غور نہیں کیا؟ مسلسل — چالیس دن کے نہیں — چالیس گھنٹے کے چلے کی بات ہوئی تھی... پیر نے جو چلہ دھونی کی بات کی ہے اس پر غور کریں... یہ لوگ انتہائی مکار ہوتے ہیں۔ جب ملنگوں کو بھیجا ہو گا تو گھروں میں، گلیوں میں، راستوں میں، بازاروں کی دکانوں میں دھونی دیتے وقت وہ لوگوں سے کہیں گے کہ جھاڑیاں پر کوئی خطرہ منڈلا رہا ہے اور پیر نے انھیں اسی لیے بھیجا ہے کہ وہ دھونی کے ذریعے بدروحوں اور بلاؤں کو بھگا دیں... اس کے بعد اگر گاؤں میں کوئی واردات ہو جاتی ہے تو وہ ملنگوں پر شک نہیں کریں گے، بلکہ سادہ لوح دیہاتیوں کے دلوں میں پیر کی دہشت کے ساتھ عقیدت بھی بڑھ جائے گی۔"

میر صاحب تھوڑا سا آگے جھکے، میری طرف غور سے دیکھا۔

"ہاں، یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔" انھوں نے کہا۔ "ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ... بہرحال اب تو... ہمارا مطلب ہے کہ کل ہی پتا چلے گا کہ کیا ہوتا ہے... چلیں۔" میر صاحب نے کرسی کو اٹھتے

Scanned with CamScanner

ہوئے دھکیلا۔

بھائی اٹھے۔ میں بھی اٹھا۔ ہمارے اٹھتے ہی بخشو کرسیاں، میز اور سٹول اٹھانے کے لیے آتا نظر آیا۔ تنور پر ماسی جیراں الٹی کڑاہی رکھ رہی تھی۔

23

میری زندگی میں یہ نہایت ہی کٹھن آزمائش تھی۔

کہنے کو تو میں نے کہہ دیا کہ میں ماسی جیراں کے گھر جاؤں گا، اسے اعتماد میں لوں گا، لیکن اس رات کھانا کھا کر جب میں گھر سے نکلا تو یوں محسوس ہوا جیسے میرے پاؤں بہت تھکے ہوئے ہیں۔ ٹانگوں میں سکت ہی نہ تھی۔ ایک انجانی سی پریشانی نے دل و دماغ کو جکڑ رکھا تھا۔

''ماسی جیراں کوئی بچی تو نہیں ہے،'' میں نے تنور کی سمت جانے والی سڑک پر آ کر گھبراہٹ میں سوچا۔ ''اس نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ گلنازی مجھ میں دلچسپی لے رہی ہے۔ ایسے میں رات کے وقت، اس اندھیرے میں، اس کے گھر جانا...''

امادس سے ایک رات پہلے کے اندھیرے نے سارے گاؤں کو ڈھانپ رکھا تھا۔ ہر سمت سیاہ پردے سے تنے ہوئے تھے اور ہوا کے دھیمے دھیمے جھونکے جیسے ان پردوں کو جھلا رہے تھے۔ سڑک کی دائیں جانب میدان میں بشیر نعل بند کی چارپائی نظروں سے اوجھل تھی۔ میں چلتے ہوئے ایک دو بار ٹھٹکا۔

''ماسی جیراں اور گلنازی تو سو گئی ہوں گی۔'' خیال خاصا پریشان کن تھا۔ ''گاؤں میں لوگ رات آٹھ بجے ہی سو جاتے ہیں۔ ماسی جیراں اور گلنازی کو جگانا ہوگا۔ کیا وہ اٹھ جائیں گی؟ ان کے پڑوس میں خالی احاطہ ہے۔ دروازہ تو میں آسانی سے کھٹکھٹا سکوں گا، لیکن تنور کے ساتھ تو گھر میں لوگ رہتے ہیں۔ کہیں وہ اٹھ گئے تو...''

اس خیال کے ساتھ ہی پریشانی، سیاہ پردوں کی طرح، ایک ایک گزرتے لمحے کے ساتھ، مجھے اپنے وجود پر اترتی محسوس ہوئی۔ پھر میں تیز تیز قدموں سے چلنے لگا۔

''جو بھی ہو،'' میں نے سوچا ''ماسی جیراں چاہے جو بھی سوچے، مجھے اب اس کے گھر جا کر

[illegible] حال جاتا ہوں۔ انھیں اعتماد میں لینا ہوگا۔"

میں [illegible] روشنی [illegible] تبدیلی [illegible] سے [illegible] نظروں سے [illegible] اندازہ [illegible] کے بیرونی دروازے تک پہنچنے [illegible] مجھے [illegible] آنے [illegible] کی سمت سے [illegible] آوازیں آرہی تھیں۔ [illegible] خوشبو [illegible] میں محسوس [illegible] [illegible] قدم [illegible] ہو چکے تھے۔ میں [illegible] [illegible] کی [illegible] سمت [illegible] تاریکی [illegible] نظروں سے اوجھل تھا۔ [illegible] انگلیاں [illegible] دیوار [illegible] "ہوں گا۔" [illegible] "نہیں" [illegible] گلنازی۔۔ [illegible] ردعمل [illegible] ہوگا۔"

[illegible] تھی [illegible] مجھے اپنے [illegible] پر [illegible] محسوس ہو رہی تھی [illegible] تھی اور [illegible] میں [illegible]

میں نے [illegible] دروازے کو اندر کی سمت دھکیلا۔ دروازے پر [illegible] تھی۔ میرے ہاتھ میں [illegible] تھی۔ میں نے اپنی جسمانی حالت پر قابو پانے کی [illegible] لیکن کپکپاہٹ پورے بدن میں پھیل رہی تھی۔

میں نے [illegible] گلنازی ہے۔۔۔ میں خوفزدہ [illegible] رات [illegible] تاریکی [illegible] شور [illegible] ساری بات [illegible] مجھے [illegible] وہ شور تو [illegible] نہیں [illegible] اندھیرا بہت ہے۔۔ وہ مجھے [illegible] لیکن میری آواز تو پہچانتی ہوگی۔۔ میں [illegible] رہا ہوں؟ میری جسمانی حالت ایسی [illegible] جیسے [illegible] والا ہوں؟ [illegible] یقینا گلنازی کی جانب میرے کسی [illegible] کی [illegible] کی وجہ سے ہے۔ میں اپنے کسی داخلی جذبے، کسی اندرونی کیفیت

کی وجہ سے کپکپا رہا ہوں۔"

اس سوچ سے کچھ ہمت تو محسوس ہوئی لیکن ہوا کے ٹھنڈے جھونکوں میں موجود خنکی کے باوجود، میرا سارا بدن پسینے سے یوں بھیگا ہوا تھا جیسے کسی نے مجھ پر ڈھیروں پانی چھڑکا ہو۔

"اگر میں اسی طرح گھبراتا رہا،" میں نے سوچا، "تو میں کبھی بھی ماسی جیراں سے گلناز کی واقفیت میں نہیں لے سکوں گا۔"

میرے اندر حوصلہ سا پیدا ہوا اور میں نے کنڈی کھٹکھٹا دی۔

اندر خاموشی تھی۔ شب کی میت میں چند لمحے گزرے جس میں حوصلہ اور بے حوصلگی، دونوں کی آمیزش تھی۔ میں نے دوبارہ کنڈی کھٹکھٹائی۔ چوتھے صحن سے چارپائی کے چرچرانے کی آواز آئی۔ کسی کے اٹھنے کا احساس ہوا، پھر جیسی کی آہٹ سے دوبارہ چارپائی چرچرائی۔

"کون ہے؟" ماسی جیراں کی آواز آئی۔ "اس وقت؟" اس نے مقامی زبان اور لہجے میں قدرے اونچی آواز میں کہا۔ میں گھبرا گیا۔ دروازے کے پاس آتی ہوئی ماسی جیراں کی آواز میں تشویش تھی۔

"میں ہوں ماسی،" میں نے آہستہ سے کہا، "ڈاکٹر کا بھائی۔"

"کیا بات ہے؟" ماسی جیراں کی آواز آہستہ ہو گئی۔ اب اس کی آواز میں تشویش کے ساتھ حیرت بھی تھی۔ اس نے دروازہ کھولا۔ چند لمحوں کی خاموشی رہی۔

"کیا کام ہے... اس وقت کیوں آئے ہو؟" ماسی پریشان سی تھی۔

"رقیہ اور ثوبیہ کی بات کرنی ہے،" میں نے جواب دیا۔

"کیا؟" ماسی نے فوراً دروازہ کھول دیا۔ "کیا ہوا ہے رقیہ اور ثوبیہ کو؟" ماسی ایک دم سے بہت گھبرا گئی۔ "خیر تو ہے پتر... کیا ہوا ہے؟"

وہ اندھیرے میں میرے سامنے کھڑی تھی لیکن اس کے خدوخال نمایاں نہ تھے۔ ماسی جیراں نے پتر (بیٹا) کہہ کر میرے خوف کو باہر تاریکی کی سمت بھگا دیا۔ برآمدے میں دیا سلائی جلی، گلناز نے لالٹین جلائی۔ میری نگاہیں تھوڑے سے توقف سے چھت کی طرف گئیں۔ مجھے کچھ یوں محسوس ہوا کہ اس گھر کی منڈیریں اونچی تھیں، تاریکی میں اور بھی سیاہ نظر آ رہی تھیں۔ کوئی چھت پر سویا بھی ہو گا تو

Scanned with CamScanner

مجھے یوں [illegible] کہ اس کے چہرے پر [illegible] تھی۔ اس کی آنکھیں، لمبی پلکوں والی خوبصورت [illegible] تھیں [illegible] پریشان سی تھیں۔ [illegible] رات میں [illegible] [illegible] گلنازی [illegible] روشنی [illegible] گئی۔

[illegible] دروازے میں [illegible] بات نہیں [illegible]

[illegible]"

ماں [illegible] مجھے صحن میں قدم رکھتے [illegible] برآمدے کی طرف مڑی [illegible] قدم [illegible] میں نے [illegible] صحن میں [illegible] چارپائیاں بچھی تھیں۔ چارپائی [illegible] سے پیچھے برآمدے تک گیا۔

[illegible]" گلنازی کی آواز میں خوف سا تھا۔ اس نے دروازے میں میری [illegible] بات سن لی تھی۔

[illegible] نہیں [illegible] اس سے [illegible] میں [illegible] تھی [illegible]

[illegible] گلنازی نے آہستہ سے کہا۔

ماں [illegible] میں نے [illegible] مجھے لہجے میں کہا "میں نہیں چاہتا کہ پڑوس میں کوئی جاگ اٹھے۔ [illegible] کمرے میں چلیں۔"

[illegible] آنکھوں سے مجھے دیکھ لیا۔ گلنازی [illegible] پریشان ہو گئی۔ ماں [illegible] اس نے مجھے اندر کمرے میں چلنے کا اشارہ کیا۔ میں نے ماں اور [illegible] کی طرف قدم بڑھایا۔ کمرے میں داخل ہو کر میں نے کمرے کا دروازہ [illegible] میری اس حرکت سے ماں اور گلنازی ڈر سی گئیں۔

[illegible] ماں نے کہا [illegible] بات ہوئی ہے [illegible] وقت [illegible]" ماں کے لہجے میں [illegible] تھا۔

ماں [illegible] بیٹھ [illegible] آہستہ آواز میں بات [illegible] ہوگا۔" میں نے گلنازی کی طرف

Scanned with CamScanner

دیکھا۔"بہت بڑی مصیبت آ گئی ہے۔"

میرے اس جملے پر ماسی کو جیسے بچھو نے ڈنک مارا۔ گلنازی کے خوبصورت چہرے پر میں نے پہلی بار خوف محسوس کیا۔۔۔ کمرہ ہمارے گھر کے کمروں کی طرح بڑا تھا۔ چھت پر بھی شہتیر نظر آئے۔ کمرے میں ایک رنگین پایوں والا پلنگ بچھا تھا جس پر سفید اور کالے رنگ کا کھیس بچھا ہوا تھا۔ چھت سے تین فٹ نیچے پڑچھتی بنی ہوئی تھی — چھت کے نیچے چھت، جو شاید اڑھائی فٹ چوڑی ہوگی۔ پڑچھتی پر دو ٹین کے صندوق اور کچھ برتن پڑے ہوئے تھے۔ ایک سمت زمین ہی کی چوکی پر سلائی مشین اور چرخہ نظر آیا۔ گھر کا سامان غریبانہ تھا۔ گلنازی نے کمرے کے ایک کونے سے موڑھا اٹھایا اور پلنگ کے سامنے مجھے بیٹھنے کو دیا۔ گلنازی اور ماسی پلنگ پر بیٹھ گئیں۔

"تو کل صبح نور پر آ کر بھی بتا سکتا تھا۔۔۔" ماسی نے کہا، "اس وقت۔۔۔ ہوا کیا ہے؟ کیا تجھے بی بی جی نے بھیجا ہے؟ رقیہ اور بوبا ٹھیک تو ہیں؟"

"بہت بڑی مصیبت آ گئی ہے ماسی،" میں نے کہا اور ماسی کا منہ کھل گیا۔ تشویش اس کے سارے چہرے پر تحریر ہو گیا۔ گلنازی بھی پریشان تھی۔ "میں صبح تک انتظار نہیں کر سکتا تھا۔"

"خیر تو ہے؟" ماسی نے کہا، "جو کہنا ہے کھل کر کہہ۔"

میں پریشان سا ہو گیا کہ بات کہاں سے شروع کروں؟ کیسے کروں؟ کیا کسی تمہید کی ضرورت ہے یا سیدھی بات کروں؟

"خیر ہی تو نہیں ہے ماسی،" میں نے کہا، "ورنہ اس وقت کیوں آتا۔" ماسی نے بے چینی سے پہلو بدلا "ماسی۔" میں نے بہت دھیمے لہجے میں کہا، "کمرے میں بہت گرمی ہے، لیکن تمہیں میری پوری بات تحمل سے سننی ہوگی۔ آوازوں کو بھی دھیما رکھنا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے،" ماسی نے کہا، "تو پوری بات بتا۔"

"ماسی،" میں نے کہا، "میری ایک اور عرض ہے۔۔" مجھے خود پر حیرت محسوس ہوئی، میں سرگودھا کی پنجابی مقامی لہجے میں روانی سے بول رہا تھا۔ "اگر بات سن کر تجھے غصہ آ جائے تو اس پر قابو رکھنا، آواز اونچی نہ ہو۔ میں یہاں بیٹھا ہوں، رات کا وقت ہے اور غصے پر قابو رکھنے ہی میں سب کی بھلائی ہے، رقیہ کی بھی اور بوبے کی بھی۔"

Scanned with CamScanner

مائی نے چند سیکنڈ ... ہمیشہ تیرا ... میں بدلا۔

"خیر؟" اس نے گلناری کی طرف دیکھا، پھر میری طرف دیکھا۔ "سیدھی سیدھی طرح بتا، ہوا کیا ہے؟" مائی نے پھر گلناری کی طرف دیکھا۔ "تیری مائی کو میں بچپن سے جانتی ہوں۔ کیا ہوا جو چھ سات سال اس سے دور رہی ہوں۔ رقیہ بہت اچھی ہے۔ بے وقوف ضرور ہے، سوچ کے بات نہیں کرتی لیکن بہت اچھی ہے۔ وہ کوئی ایسی بات کر ہی نہیں سکتی جو بُری ہو، اس پر تو غصہ آتا ہی نہیں۔"

"ماں!" گلناری کی خوبصورت آواز ابھری۔ "بات صرف رقیہ مائی کی نہیں ہے... تو نے سنا نہیں، بات بوبے کی بھی ہے۔"

مائی نے فوراً میری طرف دیکھا۔

"کیا ہوا ہے بوبے کو؟" مائی کی آواز میں سختی سی نمودار ہوئی۔ "صاف صاف بتا، اس وقت... ہوا کیا ہے؟" میں نے مائی کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کی۔ گلناری کی سمت دیکھنے کی مجھ میں ہمت ہی نہ تھی۔

"رقیہ کو پتہ نہیں ہوا،" میں نے کہا، "اس نے کچھ نہیں کیا۔ وہ جو... بوبے کے سر پر رقیہ نے بالوں کا گچھا رکھوایا ہوا ہے..."

"رکھ!" مائی نے میری بات کاٹ دی۔ "کیا ہوا ہے رکھ کو؟"

"مجھے گلناری نے بتایا تھا کہ وہ رکھ پانچ سال کے لیے رکھوائی گئی تھی،" میں نے کہا۔

"ہاں!" مائی نے حیران ہو کر کہا۔ "ابھی دو ڈھائی مہینے رہتے ہیں کٹنے میں۔"

"وہ رکھ..." میں نے کہنا شروع کیا تھا۔ گلناری نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"کیا ہوا ہے رکھ کو؟" مائی نے کہا، "تو بتاتا کیوں نہیں؟" گلناری پلنگ پر تیزی سے آگے کی سمت جھکی، سر گھما کر مائی کو دیکھا۔

"ماں... ماں..." اس کے لہجے سے صاف ظاہر تھا کہ اسے کوئی بات یاد آئی ہے۔ "ماں وہ تو راں بتا رہی تھی کہ گاؤں میں دو ملنگ آئے ہیں... کہیں رکھ کا ہدیہ تو نہیں مانگ رہے ہیں؟"

"نہیں نہیں،" میں دوبارہ گلناری سے مخاطب ہوا۔ اس کے ہونٹوں پر بہت دھیمی سی مسکراہٹ ابھری۔ "معاملہ کچھ اور ہے۔"

Scanned with CamScanner

ماسی کے ماتھے پر شکن سی ابھری۔

”تو بتاتا کیوں نہیں؟“ ماسی کی دھیمی آواز میں غصہ بھی تھا ”بات کیا ہے؟ صاف صاف بتا۔

وہ لمحے میرے لیے بہت پریشان کن تھے، لیکن میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے، گالیوں، بددعاؤں اور دھمکیوں کے خوف سے آزاد ہو کر، بڑے حوصلے سے سب سے بالوں کا گچھا کٹ جانے کا واقعہ ماسی اور گلناری کو سنا دیا۔ ماسی نے کئی بار بولنے کی کوشش کی، مگر میں نے اشارے سے اسے روک دیا۔ خصوصاً رقیہ کے بال کٹ جانے کی بات سن کر ماسی نے اپنا دوپٹہ ہونٹوں پر، دانتوں میں ہاتھ سے دبا لیا۔ اس نے سہم کر گلناری کی طرف دیکھا جو ماسی ہی کی طرح گھبرائی ہوئی تھی۔ میں واقعہ سناتے ہوئے گداؤں سے میٹھی چٹنی چاٹنے اور مینڈکوں کے تجوریوں سے نکلنے کا ذکر کرتا رہا۔

”یہ کیا ظلم کیا ہے تو نے“ ماسی کی گھٹی ہوئی آواز میں شدید غصہ تھا۔ ”کیا دشمنی تھی تیری ہوبے سے؟ اور... اب مجھے یہ سب کچھ بتانے کیوں آیا ہے؟ اتنی رات گئے...“

”میری دشمنی ہوبے سے نہیں ہے ماسی!“ میں نے کہا۔ ”میری دشمنی تو ان پیروں سے ہے جو سیدھی سادی عورتوں کو خوفزدہ کر کے سونے اور چاندی سے اپنا گھر بھر رہے ہیں۔“

”کیا...؟“ ماسی نے غصے سے کہا۔ ”تو نے مرشد کے متعلق یہ بات کی اور میرے گھر بیٹھ کر؟... مرشد سے دشمنی؟... جا، اسی وقت چلا جا... نکل جا میرے گھر سے... مجھے بی بی جی کا واسطہ ہے... چلا جا... مرشد کو دشمن کہہ رہا ہے... عذاب آئے گا تجھ پر۔“

”مجھ پر کوئی عذاب نہیں آئے گا ماسی!“ میں نے کہا۔ ”عذاب تو مینڈکوں کی صورت میں تجوریوں میں آ چکا ہے... تو میری پوری بات سن لے... اس طرح آدھی بات سن کر گھر سے نہ نکال ماسی۔ رقیہ اور ہوبے کی جان کو خطرہ ہے۔“

ماسی پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا۔ گلناری بھی سہمی ہوئی تھی۔ مجھے شاید اسی لمحے کا انتظار تھا تاکہ پوری بات بتانے کے لیے گفتگو کا آغاز کر سکوں، تمام حالات و تفصیلات کو بیان کر سکوں... میں نے گداؤں سے میٹھی چٹنی چاٹنے اور پیر کے ساتھ ہوئی تمام باتیں ماسی فیروزاں اور گلناری کو بتا دیں۔ میں نے ایک بار ماسی کے چہرے کا تاثر جاننے کی کوشش کی۔ کمرے میں لالٹین کی دھیمی دھیمی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ماسی کے چہرے پر خوف بھی تھا، پریشانی بھی۔ گلناری بھی بہت سہمی ہوئی تھی۔

Scanned with CamScanner

[illegible] اُن کا ارادہ یہ ہے۔ وہ
[illegible]

[illegible]

[illegible] بھائی اور [illegible]
[illegible]
[illegible] آپ دونوں اُن کے ساتھ ہوں۔ میں
[illegible] چھپا کر رقیہ سے کی ہے ... ہمیں آپ کی مدد
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] پانچ سال پورے ہو جائیں اور [illegible] کے بغیر بھی زندہ
[illegible]
[illegible] ضرور مروا دے گا۔''

[illegible] ماں نے کہا ''میں کچھ نہیں کروں گی۔
[illegible] موجودگی جوانوں کے لیے ہوا کرتی ہے۔ بظاہر وہ
[illegible] مجھے صاف محسوس ہو رہا تھا [illegible] فکر مند ہے۔

[illegible] کہ وہ آپ دونوں کے ساتھ چھت پر [illegible]

کو لے کر سو جائے گی تو پھر تمھیں وہاں سونے میں خوف کیوں محسوس ہو رہا ہے؟''

گلنازی تھوڑا سا آگے جھکی۔

''تو نے ڈاکٹر جی (میر صاحب) کو یہ بات کیوں بتائی ہے؟'' پہلی بار گلنازی مجھ سے براہ راست مخاطب ہوئی۔ ''یہ تو نے چھپا نہیں لیا۔'' اس کی خوبصورت آنکھوں میں شکایت سی تھی۔

''یہ بات صرف میر صاحب ہی کو معلوم ہے۔'' میں نے آہستہ سے گلنازی کی سمت دیکھتے ہوئے کہا۔ ''انھوں نے اپنی بیوی اور بیٹیوں کو بھی یہ بات نہیں بتائی۔ بدو نے بھی یہ بات اپنے بیوی بچوں سے چھپائی ہے۔ میر صاحب نے اپنی بیگم اور بیٹیوں سے ذریعے بھابھی اور بچوں کو اپنے گھر رات رہنے کے لیے بلایا ہے، لیکن بہت احتیاط سے۔ تمھاری وصل وجہ معلوم نہ ہو۔''

مائی نے پھر پلنگ پر پہلو بدلا۔

''ٹھیک ہے۔۔۔'' مائی نے کہا۔ ''یہ ہم سے نہیں ہوگا۔۔۔ نہ میں جاؤں گی۔ گلنازی۔۔۔ مجھے ڈر لگتا ہے۔''

''ڈر کس بات کا مائی؟'' میں نے کہا۔ ''بدروحوں اور کالی بلا کا خوف صرف خوف ہے مائی۔۔۔ بدروحیں ہوتی ہیں نہ کوئی کالی بلا ہوتی ہے۔ یہ پیر کا کاروبار ہے۔ مجھے بدو نے بتایا ہے کہ جب رکھ لیتی ہے تو بالوں سے وزن کے مطابق پیر کو ہدیے کے طور پر سونا یا چاندی دینی پڑتی ہے۔۔۔ یہ تو کاروبار ہے مائی، خوف کا کاروبار۔۔۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر پیر خود بوبے کو مروانے کی کوشش نہ کرے تو اگلے دو مہینے بھی گزر جائیں گے۔ بوبے کو کچھ نہیں ہوگا۔ لیکن خود کو سچا ثابت کرنے کے لیے اور علاقے میں اپنی دہشت اور کاروبار جمائے رکھنے کے لیے پیر کسی صورت بھی یہ برداشت نہیں کرے گا کہ رکھ کٹ جائے اور بچہ زندہ رہے۔ وہ بوبے کو مروانے کی کوشش کرے گا، بلکہ اس نے اسی کوشش میں ملنگ بھیجے ہیں۔''

کچھ دیر خاموشی رہی۔ یہ خاموشی کمرے میں موجود گرمی کی طرح بوجھل تھی۔

''تو بھی تو مدارجی جیسا ہے۔'' مائی کا لہجہ بدل گیا۔ گلنازی کے چہرے سے ناگواری بہت کم محسوس ہوئی۔ ''وہ بھی پیروں فقیروں کو نہیں مانتے تھے۔ انھوں نے کبھی کام پر جاتے ہوئے بھی کوئی تعویذ گلے میں نہیں ڈالا تھا۔۔۔ کہا کرتے تھے۔۔۔'' مائی کے چہرے پر سوچ سی نظر آئی۔ ''کہا کرتے تھے کہ

Scanned with CamScanner

[illegible] ڈر کر گلے میں پیروں [illegible] بہت [illegible]

[illegible] نظر آئے، زمین کی لہراتی ہوئی روشنی بجھتی محسوس ہوئی [illegible] کی سمت دیکھا۔

[illegible]

[illegible] ان نے میری طرف دیکھا۔

[illegible] میں جاؤں [illegible] اب تو ہی [illegible] ظلم تو نے کیا [illegible] سب کو [illegible] تو تیرا بچنا بھی مشکل ہوگا، ہمارے رشتے دار تجھے بھی مار دیں گے۔"

[illegible]

"مجھے اپنی فکر نہیں [illegible] مرنا تو ایک دن ہے ہی... مجھے تو [illegible] کی فکر ہے۔ میں اس کی جان بچانا چاہتا ہوں اور اسی لیے مدد مانگنے آیا ہوں [illegible] نہیں ہوگا۔"

[illegible] کی کوشش کر رہا تھا [illegible]... "میں [illegible] پیدائش پر [illegible] اور کالی بلا اس پر [illegible]

Scanned with CamScanner

ہے۔ ۔۔۔ میں اُن میں سے نہیں ہوں۔" "مجھے [illegible] پتہ" گلناری نے ہونٹوں پر ہنسی کی مسکراہٹ
بکھیر دی۔ اس نے اپنے خوبصورت انداز میں ماہی کی سمت دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں [illegible] ماہی۔
اگر یہ بات سچ ہے تو پھر تم [illegible] [illegible] بھی [illegible] [illegible] بلا کے بچے کا [illegible] ہے
کہ پانچواں سال کالی بلا کا ہوتا ہے تو مجھے پانچ سال [illegible] [illegible] [illegible] میری تو
کوئی رکھ نہیں تھی۔ [illegible] میں کوئی تعویذ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
قتل کیا تھا [illegible] میں [illegible] انگلی میں انگوٹھی بھی نہیں پہنتا۔۔۔ [illegible] مجھے [illegible] [illegible] دیکھ رہی
تھی۔ میری [illegible] کی سمت [illegible] مسکراہٹ [illegible] [illegible] آنکھوں میں بھی [illegible] رہی تھی۔ میرے
جسم پر۔۔۔ "[illegible] سے بات جاری رکھی: "[illegible] [illegible] کی حفاظت [illegible] کوئی چیز نہیں ہے۔ کوئی
[illegible] کالی بلا، [illegible] مجھے [illegible] [illegible]؟" ماہی نے ہونٹوں پر ہنسی کی مسکراہٹ سے [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہوں۔ اگر [illegible] [illegible] مجھے کوئی [illegible] [illegible] روحوں
کا [illegible] تو بدروحوں کا کام ہوتا ہے، نہ کالی بلا کا۔ ان چیزوں کا [illegible] [illegible] نہیں ہے۔۔۔ یہ
تو [illegible] خوف کی صورتیں ہیں۔ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] بھی [illegible] ہوں۔۔۔ ان [illegible] باتوں میں بدروحیں کہاں سے آ جاتی ہیں؟ کالی بلا کا
[illegible] تعلق ہے؟ بدروحوں اور کالی بلا کا تو کوئی وجود ہی نہیں ہوتا۔ [illegible] [illegible] [illegible] خوف ہے۔
[illegible] [illegible] خوف [illegible] [illegible] وہ قیمت وصول کرتا ہے۔ [illegible] خوف [illegible] [illegible]
[illegible] اور [illegible] بھالی عورتوں کو خوف و خوف میں [illegible] کرتا ہے اور پھر اس خوف سے [illegible]
قیمت سونے یا چاندی کی صورت میں وصول کرتا ہے۔۔۔ یہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] کہ بدروحیں میرے [illegible] میں [illegible] اور کالی بلا کا بچہ میری [illegible]
سے سانپ کی طرح [illegible] [illegible] مغز چوسے گا۔ [illegible] بکواس ہے۔"

گلناری نے [illegible] قہقہہ لگایا۔ ماہی کے چہرے پر بھی مسکراہٹ ظاہر ہوئی۔

"اور [illegible] کالی بلا کے بچے کو مارنے کے لیے مجھے پانی میں گھول [illegible] [illegible] تعویذ [illegible]
ہے۔۔۔ وہ تعویذ مفت میں تو نہیں دے گا۔ جو لوگ اس کے چکر میں [illegible] [illegible] ان سے وہ
سینکڑوں ہزاروں روپے ہدیے کے طور پر لیتا ہوگا۔ اسے صرف [illegible] [illegible] غرض ہے اور [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible] اس نے کانوں میں [illegible]

[illegible] مجھے یوں محسوس ہوا جیسے [illegible] روشنی کم ہو رہی ہے۔

[illegible] فوراً [illegible]

[illegible]

[illegible] مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں [illegible] کوئی عورت ہے جو صدیوں سے ہوس کار قوتوں [illegible] اس کا [illegible] اس کے گناہ نے [illegible] تاریکی میں اس کے اپنے وجود [illegible] بھی آشنائی [illegible] خود غرضی.. خصوصیت [illegible] زندگی [illegible] ہے۔

[illegible] ذہن میں [illegible] کسی بھی انسان سے [illegible]

[illegible] چہرے پر [illegible] اس نے کھڑکی کی طرف دیکھا۔

[illegible] خطرہ ہو یا نہ ہو، مجھے اس جگہ سے [illegible] مصیبت کا سامنا کرنا میرے لیے مشکل ہے۔ میں نہیں [illegible] میری طرف دیکھا۔ [illegible] تجھے اس طرح رات کے [illegible] میں تجھ سے [illegible] ڈر رہی ہوں کہ یہ بات میں کسی سے نہیں کہوں گی اور نہ ہی کھڑکی [illegible] یہ بات بتاؤں گی.. تو اب جا۔"

میں [illegible] نیچے اتر گیا۔

''ماسی،'' میں نے کہا: ''میں آج تک جیٹھ اساڑھ کی تپتی دوپہر میں کسی گاؤں کی کسی گلی میں ننگے پیر نہیں دوڑا... '' میں نے انگلی کو ٹیڑھا کرتے ہوئے ماتھے سے پسینہ پونچھا۔ چند قطرے نیچے مٹی سے لپے ہوئے فرش پر گرے۔ ''لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اگر جلتی زمین پر کوئی بچہ ننگے پیر پھر رہا ہو، بار بار اپنے پنجوں پہ کھڑا ہو کر پاؤں کو جلنے سے بچا رہا ہو تو کوئی نہ کوئی مرد، عورت، لڑکا، لڑکی، یہاں تک کہ ہیجڑا بھی اسے اٹھا ضرور لے گا۔''

''کیا مطلب ہے تیرا؟'' ماسی نے کہا۔

''یہاں بوبے کے پاؤں جلنے کا نہیں، اس کی چلتی سانسوں کا سوال ہے،'' میں نے کہا۔ ''تمھارے لیے پیر نور شریف بہت طاقتور ہوگا، میرے لیے نہیں... میں پیر کے ظلم اور مکاری سے دہکتے انگاروں پر بوبے کو پاؤں نہیں رکھنے دوں گا۔ میں بوبے کی سانسیں نہیں رکنے دوں گا۔ چاہے اس کے لیے میری اپنی سانسیں کیوں نہ رک جائیں۔ میں اس کا سگا نہیں ہوں، نہ سہی، یہ تو جانتا ہوں کہ اس کی زندگی کو سخت خطرہ لاحق ہے۔ ٹھیک ہے تم مدد کے لیے نہ جانا۔ لیکن یہ سچ ہے کہ پیر نے ملنگ بوبے ہی کو مارنے کے لیے بھیجے ہیں۔ میں بوبے کو بچاؤں گا۔ چاہے میری جان کیوں نہ چلی جائے، میں بوبے کو نہیں مرنے دوں گا... میں ڈرپوک نہیں ہوں ماسی... تمھاری مدد لینے کے لیے رات کے اندھیرے میں آ گیا... اس کے لیے معافی مانگتا ہوں۔''

میں آہستہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''میں نے اتنی رات گئے تمھیں جگایا، پریشان کیا۔ معاف کر دے ماسی۔''

میں دروازے کی سمت مڑا۔

''تو کیا کرنا چاہتا ہے؟'' گلنازی نے پوچھا۔ ماسی نے سر گھما کر اس کی سمت دیکھا۔ ماسی کے ساتھ میرا سر بھی گلنازی کی سمت گھوما۔

''بتا تو چکا ہوں،'' میں نے بہت آہستہ سے لہجے میں کہا۔ ''ایک تو یہ کہ رقیہ اکیلی کسی صورت میں چھت پر نہیں سوئے گی۔ نیچے اس کی اور بوبے کی جان کو خطرہ ہے۔ دوسرے یہ کہ ملنگ بہت چالاک ہوتے ہیں۔ وہ اس بات کا اطمینان ہونے پر کہ چھت پر پانچ افراد سوئے ہوئے ہیں اور ماں بچہ صحن میں ہیں، اپنا کوئی گھناؤنا طریقہ اختیار کریں گے۔ وہ اندھیرا ہونے سے پہلے کھیتوں میں چھپ

کر تسلی کریں گے۔ چھت پر پانچ چھ یا چھ سے پر پانچ افراد ہی سوئیں گے۔ میں ملنگوں کو دھوکا دینا چاہتا ہوں۔ ہمارے گھر کی چاروں طرف کی دیوار سے چھت صاف نظر آتی ہے۔ کل اگرچہ بہت گہرے اندھیرے والی رات ہوگی، پھر بھی ملنگ تسلی کیے بغیر حملہ نہیں کریں گے۔ اگر آپ دونوں وہاں چھت پر رقیہ اور بوبی کے ساتھ ہوں گی تو میں اور گنداوا ملنگوں سے نمٹ لیں گے۔"

ماسی اختر میری طرف دیکھ رہی تھی، بے چین سی تھی۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے پھر بیٹھنے کے لیے کہا۔

"بیٹا میں ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں۔۔۔" ماسی نے کہا۔ "تو مجھے اور گلنازی کو کیوں لے جانا چاہتا ہے؟ ملنگوں کو دھوکا تو تو ویسے بھی دے سکتا ہے۔ پانچ لوگ تو تم ہو ہی۔ ایک بہن کو ذا اشی کے گھر بھیج دے، اس کی چارپائی پر رقیہ اور بوبی سو جائیں گے۔ ہماری کیا ضرورت ہے؟ ہمیں کیوں لے جانا چاہتا ہے؟"

میں دوبارہ موڑھے پر بیٹھ گیا۔ گلنازی سیدھی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی، جیسے اسے بھی اس سوال کا جواب چاہیے تھا۔

"میں اپنی بہنوں اور بھابھی کو اچھی طرح جانتا ہوں ماسی!" میں نے کہا۔ "اب تو گلنازی بھی جانتی ہوگی۔" میرے ہونٹوں پر اپنا نام پا کر گلنازی کی آنکھیں چمکیں۔ "بھابھی پٹھوہار کی رہنے والی ہیں، لیکن کس قدر کمزور دل کی ہیں۔ اندھیرے سے، چوہے سے بھی ڈر جاتی ہیں۔"

گلنازی کا دھیما سا قہقہہ سنائی دیا۔ ماسی کے چہرے پر بھی مسکراہٹ پھیلی۔ میرا حوصلہ پھر بڑھا۔

"میں کیا بتاؤں ماسی!" میں نے کہا۔ "بڑی بہن اس قدر ڈرپوک ہے کہ کوئی خوف کی آواز بھی سن لے تو فوراً سیپارہ کھول کر تلاوت کرنے لگتی ہے۔ میری اور گنداوا کی تیاری دیکھ کر وہ ساری رات جاگتی رہے گی اور خطرے کے وقت شور مچا دے گی۔۔۔ چاہے کتنا ہی منع کیوں نہ کیا ہو، وہ شور مچا دے گی۔"

"گلی بی جی۔۔۔" گلنازی نے عصمت بہن کی سمت اشارہ کیا۔ "وہ تو ڈرپوک نہیں لگتیں۔"

"ہاں" میں نے کہا۔ "لیکن وہ بہت جلد گھبرا جاتی ہے۔ مجھے بہت دلیر اور مضبوط ساتھی چاہئیں۔"

"تو نے یہ کیسے جان لیا کہ ہم۔۔۔" ماسی نے کہا۔ "ہم مضبوط دل والیاں ہیں؟"

Scanned with CamScanner

"تونے خود ہی تو بتایا تھا کہ جب گلناری چار سال کی تھی تو اکیلی گلناری کو سے رسی کی قبر سے جھاڑیوں آ گئی تھی۔ یہ کسی ڈرپوک عورت کا کام نہیں ہے۔ اور گلناری بھی تو تیری ہی بیٹی ہے۔"

میرے اس جملے پر ماسی کے چہرے پر خوشی سی نمودار ہوئی۔ "مجھے یقین ہے کہ تم ماں بیٹی بہت مضبوط دل والیاں ہو۔ تم نہ ڈرو گی، نہ گھبراؤ گی، نہ شور مچاؤ گی۔ ملنگ اگر یہ جھوں کی سمت آیا تو بہن بھی اور بہنیں تو اس قدر شور مچائیں گی کہ سارا گاؤں جاگ اٹھے گا۔"

ماسی کے چہرے کا تاثر پھر بدل سا گیا۔

"میں تو ڈرتی ہوں،" ماسی نے کہا۔ "اگر ایسی بات ہے تو پورے جھوریاں کو پتا چلنی چاہیے۔"

"نہیں ماسی،" میں نے کہا۔ "یہ بات تو تو بھی جانتی ہے کہ یہاں ہر دوسرے گھر میں پیر نور شریف کے مرید موجود ہیں۔ ایک ہنگامہ ہو جائے گا۔ وہ ہماری کوئی بات نہیں سنیں گے۔ سب لوگوں کا یا سب وہ تو دور دور سے کہیں گے کہ وہ بوٹے کی حفاظت کے لیے آئے ہیں۔ اس بکواس میں تو بس محفوظ رہے گا، نہ رقیہ، نہ میں، نہ بھائی، نہ بھابھی، نہ بہنیں، نہ گلاؤ بچے کا... سب ختم ہو جائیں گے۔"

"مجھے تو اب بھی اس بات پر یقین نہیں ہو رہا،" ماسی نے کہا۔ "ملنگ... کیا واقعی بوٹے ادھر آتے ہیں؟"

"کل رات تجھے یقین ہو جائے گا ماسی،" میں نے اعتماد سے کہا۔

"اگر وہ نہ آئے تو؟" ماسی نے کہا۔

"تو جیسے میں بتا ہی چکا ہوں، پیر صاحب اور بھائی مجھے پاگل مشہور کر دیں گے۔ گلاؤ کسی پیر کے ڈیرے پہ بھی لے کر آیا ہے،" میں نے کہا۔ "ملنگ نہ آئے تو ماسی... تو ماسی... تو بھی پھر مجھے پاگل ہی سمجھ لینا۔"

گلنازی کا دھیما سا قہقہہ بلند ہوا۔ وہ میری طرف دیکھ رہی تھی۔ مسکراتی چمکتی آنکھوں میں کچھ اور بھی تھا، جسے شاید میں کبھی بیان نہ کر پاؤں گا۔ گلنازی کے پورے بدن پر مسکراہٹ سی پھیل گئی۔ مجھے اس کے جسم پر ویسی ہی روشنی نظر آئی۔ لالٹین کی مدھم روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی لیکن ہر شعاع مجھے اس قدر روشن محسوس ہوئی کہ مجھے گلنازی کا چہرہ روشنی کے ہالے میں نظر آیا۔ پھر یہ روشنی مجھے اپنے بدن پر بھی پھیلتی محسوس ہوئی۔ گلنازی کے بائیں رخسار پر روشنی مدھم تھی۔ اس

Scanned with CamScanner

[illegible] طرح نظر آ رہی تھیں۔ گلنازی کی آنکھوں میں نہ جانے کیا
تھا، مجھے [illegible] کا احساس ہوا جس کے بعد اکثر میرا چہرہ سرخ سا ہو جایا کرتا ہے۔
مجھے [illegible] محسوس [illegible] میں [illegible] ہوں...

[illegible] گلنازی کی خوبصورت آواز پر میرا سر جھٹکے سے اوپر اٹھا۔ وہ روشنی جو گلنازی
[illegible] پڑ رہی تھی [illegible] ہو گئی۔ دیئے کی تپش، جو شعلے سے پہلے میرے چہرے [illegible] سینے میں منعکس
[illegible] ہو گئی۔ [illegible] بالوں سے بائیں جانب ایک زلف گری اور رخسار پر پھیل [illegible]
[illegible] کی خاطر میری جان بھی چلی جائے تو مجھے پروا نہیں... میں جاؤں
[illegible]۔"

گلنازی نے مسکراتی چمکتی آنکھوں سے میری طرف پھر اس انداز سے دیکھ کر دوسرے ہی
[illegible]۔

[illegible] ہے گلنازی؟" ماسی کی آواز پر میں چونکا۔

[illegible] تو بھی جائے گی؟" گلنازی نے ماسی کی طرف دیکھا۔ "میں ڈرپوک نہیں
[illegible] کی زندگی کا سوال ہے۔ [illegible] مجھے بہت پیارا لگتا ہے، ماں [illegible] میں جاؤں گی۔"

[illegible] ماسی نے چارپائی پر بیٹھے بیٹھے گلنازی کی سمت پہلو بدلا۔ "[illegible]، ہم کیسے
[illegible] کسی نے دیکھ لیا تو ہمارا ریاں میں رہنا مشکل ہو جائے
گا... [illegible] بدنامی ہوگی کہ جینا مشکل ہو جائے گا... نہ
... [illegible] تو بیٹا رہ جائے گا جینے کے لیے..."

[illegible] نے ماسی کا ہاتھ پکڑ لیا۔

[illegible] آہستہ سے کہا۔ "وہاں رقیہ ماسی بھی تو ہے... ڈر کس بات کا؟ سب
جانتے ہیں رقیہ ماسی [illegible] سب کے گھر میں رہتے ہیں، بی بی جی کے پاس... ہم رقیہ ماسی
[illegible] گی۔"

"ماسی [illegible] کہا۔ "[illegible] ہوتا تو میں خود بھی یہ کبھی نہ چاہتا کہ تو اور گلنازی رات
کے اندھیرے میں [illegible] آؤ... لیکن یہاں بوبے کی زندگی کا سوال ہے۔"

"یہی تو میں کہہ رہی ہوں، ماں،" گلنازی نے کہا، پھر اپنی خوبصورت آنکھوں سے میری طرف دیکھا۔ "ہمیں یہ بات چھپانی ہی ہے ماسی۔" میں نے کہا۔ "یہ درست ہے کہ ہم اگلے دو مہینے بوبے کو کہیں چھپا بھی سکتے ہیں۔۔۔ کمرے میں رکھ سکتے ہیں، رات کو چھت پر سلا سکتے ہیں۔۔۔ لیکن خطرہ تو موجود رہے گا۔ پیر کوئی اور طریقہ اختیار کرے گا، جو زیادہ خطرناک ہوگا۔ رقیہ موت سبب بنے گا۔ ہاں اگر کل رات، ہم اس کے ملنگوں کو ناکام بنا دیں تو پھر پیر بھی بے بس ہو جائے گا۔۔۔ پھر وہ خود ہی اس معاملے کو دبانے کی کوشش کرے گا اور خاموش رہنے ہی میں اپنی بھلائی جانے گا۔"

ماسی نے میری جانب، میری آنکھوں میں دیکھا۔

"پتر!" اس نے کہا، "لوگوں کی زبانیں روکنا آسان نہیں ہوتا۔ میں تو گلنازی کو بازار کی طرف بھی نہیں جانے دیتی۔ تو ابھی بہت چھوٹا ہے، ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتا۔"

"ماں!" گلنازی نے کہا، "کل رات بہت اندھیرا ہوگا۔ جب سب لوگ سو جائیں گے، میں اندر سے کنڈی کھول کر۔۔۔" گلنازی کا ہاتھ باہر کی سمت اٹھا ہوا تھا۔۔۔ بہت خوبصورت، نازک سا ہاتھ، لمبی لمبی انگلیوں والا۔۔۔ ماسی شاید گھر کا کوئی کام اس سے نہیں کراتی ہوگی، ورنہ برتن دھونے سے ہاتھ نازک نہیں رہتے۔ "میں دیوار سے تنور کی طرف اتر جاؤں گی، ہم تو کسی کو نظر بھی نہیں آئیں گی۔"

ماسی کے چہرے پر مسکراہٹ آئی۔ "تو چھوٹی سی بچی ہی رہے گی گلنازی!" ماسی نے کہا۔ "کل صبح جب ہم واپس آ رہی ہوں گی، ککڑ (مرغ) کے بولنے پر، اگر کسی مرد، کسی عورت نے ہمیں دیکھ لیا تو۔۔۔"

"ماں!" گلنازی نے کہا، "ہم سڑک سے کیوں آئیں گی؟ بی بی جی کے گھر کے ساتھ ہی تو کھیت ہیں۔ ہم کھیتوں میں چلی جائیں گی۔۔۔ وہاں سے کھیتوں ہی سے ہو کر، اپنے گھر کے سامنے، وہاں۔۔۔" گلنازی نے باہر کی طرف اشارہ کیا، "وہاں آ جائیں گی اور پھر گھر۔۔۔ میں دیوار پر چڑھ کر اندر سے کنڈی کھول دوں گی۔"

میں نے بھی حیرت سے، ماسی ہی کی طرح گلنازی کی سمت دیکھا۔

"نی گلنازی۔۔۔" ماسی نے حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثر والے انداز میں کہا، "نی تو تو بہت سیانی ہو گئی ہے۔"

Scanned with CamScanner

گلنازی کی آنکھوں میں مسکراہٹ چمکی۔

"میں کل... میں نے کہا۔" کل رات صحن کا دروازہ کھلا رکھوں گا۔ آپ آجائیں گی تو اندر سے دروازہ بند کر لیں... باقی جو ہوگا میں اور گلنازی دیکھ لیں گے۔ یہ بات تو پکی ہے... کل کی رات خطرناک ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" ماسی نے کہا۔ "رقیہ سے کہہ دینا، نہ گھبرائے۔ ہم کل آجائیں گی۔"

"چھوڑ دیں۔" میں نے کہا۔ میرے ساتھ ماسی اور گلنازی بھی صحن میں آگئیں۔ صحن میں آتے ہی کمرے کی شدید گرمی کا احساس ہوا، جس میں ہم نے کم از کم تیس منٹ گزارے تھے۔ میں نے لالٹین کی مدھم سی روشنی میں گلنازی کی طرف دیکھا۔ میں اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا اور شاید اس نے بھی میری آنکھوں میں شکرگزاری کے تاثر کو محسوس کر لیا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے مجھے دیکھا۔ پیشانی پر آئے ہوئے پسینے کو دوپٹے کے پلو سے پونچھا۔ میرا سارا بدن پسینے سے اس طرح بھیگا ہوا تھا جیسے میں نہر سے نکل کر آیا ہوں۔ جسم پر چپکے بغیر کپڑے چپکے ہوئے ہوں۔ ماسی جیراں نے باہر کا دروازہ کھولا۔ باہر کے سارے مناظر پہلے تو تاریک نظر آئے، پھر حویلی کے صحن میں شیشم کا پیڑ آسمان سے ملتا نظر آیا، ستاروں سے سامنے ایک دیا سا لگا۔ کھیتوں کی جانب سے حشرات الارض کی آوازیں آ رہی تھیں۔ دور سے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں بھی سنائی دیں۔ میں دروازے سے باہر نکلا تو مجھے یوں لگا جیسے میں ایک بار پھر تاریکی کے پھڑپھڑاتے پردوں میں گھر سا گیا ہوں، خوف بہت زیادہ تھا...

میں کئی دن بعد حویلی کے گھر کی طرف آہستہ آہستہ قدموں سے جا رہا تھا۔ کامیابی کا احساس بہت خوشگوار تھا۔ اتنا شدید کہ میں واقعی حد سے خوش ہو گیا تھا کہ میں خوشی کا احساس، ذہن میں ایک بہت روشن کیفیت میں بدلتا محسوس کر رہا تھا۔ فطرت کی وہ کیفیت جو لطیف ہے، حسین ہے، انصاف ہے، رحمت ہے، ہمدردی ہے، وہ سب میرے ساتھ ہے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اب تک جو کچھ بھی میں نے کیا ہے مجھے جتنی بھی کامیابی ملی ہے اس میں فطرت حنیف کی قوت خیر کا عمل دخل ہے۔ یہی قوت مشکل میں میری مددگار ہے۔ یہ قوت جس کے پاس خوف نہیں ہے۔ جس کے پاس خودغرضی نہیں ہے جو اس دنیا میں رہنے والے ہر انسان کو وہ مرد ہو یا عورت، بوڑھا ہو یا جوان، ادا...

عمر کی تخصیص ہو یا لڑکپن کی، یا وہ بچہ ہو، سب کو آزادی سے آشنا کرنا چاہتی ہے اور اس سلسلے میں کی گئی ہر کوشش کو کامیاب بنانے کے لیے کوشاں انسان کی مدد بھی کرتی ہے، جس نے آج بے حد خوبصورت اور نازک سی دیہاتی لڑکی کے دل میں بے مثال حوصلہ پیدا کیا ہے، جس نے آج گلنازی کی زبان بن کر میری مشکل کو ختم کر دیا ہے.. مجھے کامیابی دی ہے... سڑک پر بے حد تاریکی تھی۔ میں بہت احتیاط سے قدم اٹھا رہا تھا۔

"کل اماوس ہے،" میں نے سوچا۔ "کل اس سے بھی زیادہ تاریکی ہوگی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ میں کامیاب ہو جاؤں گا... میں بوبے کو ہر حال میں ظلم کے خونیں پنجے سے بچا لوں گا۔"

غصے سے بھری "خرررکھا آآخرررو" کے ساتھ، بائیں جانب کوئی جانور تیزی سے بھاگا اور میدان کی سمت چلا گیا — یقیناً کوئی بلا یا بلی ہوگی۔ میں میدان کے قریب تھا، اندازے سے گھر کی جانب گلی میں مڑا۔ میدان میں بشیر نعل بند کی چارپائی نگاہوں سے اوجھل تھی۔

24

رات بہت بے چین تھی۔

میں بستر پر لیٹا تو بے سکونی کا احساس پورے بدن پر چھایا ہوا تھا۔ اندھیرا اس قدر تھا کہ چھت پر قریب قریب پڑی چارپائیاں بھی نظر نہیں آ رہی تھیں۔ بھائی، بھابھی اور بہنیں کچھ دیر، ہر رات کی طرح، باتیں کرتے رہے اور پھر خاموشی چھا گئی۔ میرے ذہن میں دن بھر کے واقعات گردش کر رہے تھے۔ پھر یہ گردش تھور پر تھم گئی۔ گلنازی کی دو چمکتی ہوئی آنکھیں تصور میں مسکرا رہی تھیں۔ آسمان پر تاروں کے جھرمٹ میں ہر ستارہ پلکیں جھپکتا محسوس ہوا۔ پھر مجھے تصور میں بھی جھٹکا سا محسوس ہوا۔ مجھے گلنازی کی سہیلی نوراں کی آنکھیں نظر آئیں جو پلکیں جھپکائے بغیر مسلسل مجھے دیکھ رہی تھیں۔ پھر دوسرے سے بھری ہوئی آنکھیں دور سے مجھے ٹکٹکی باندھے دیکھتی نظر آئیں۔

"یہ لڑکیاں..." میں نے بے چینی سے سوچا۔ "کیا ہے... یہ لڑکیاں مجھے گھورتی کیوں رہتی ہیں؟ گھوڑ میں، جہلم میں اور چکوال میں بھی لڑکیاں مجھے گھورتی رہتی ہیں... کیوں؟"

مجھے گھوڑ گاؤں کے پاس کنواں یاد آیا، جس کے قریب سے میں جب بھی گزرتا تھا، پانی بھرتی

[illegible] ہاتھوں سے چبوترے پر رکھ دیا کرتی تھیں۔ [illegible] میری طرف [illegible] تھا جس میں تو کانوں کے کلوتے [illegible] پر مجھے [illegible] چھوٹ گئی تھی۔ تمام لڑکیوں نے ہنسنا شروع کر دیا تھا۔ [illegible] کے وقت اگر اتفاق سے میں ڈھلوان [illegible] رنگ اور سبوترے چہروں والی لڑکیاں مسلسل میری سمت دیکھتی جاتی تھیں۔ کوئی ایک تو اپنے دوپٹوں کے پلو کھینچنا شروع کر دیتی تھیں۔

"کیا میں لڑکیوں کی طرح بہت خوبصورت ہوں؟" میری سوچ نے پھر مجھے اپنے چہرے پر [illegible] کا احساس ہوا۔ "لیکن مجھ میں کسی لڑکی کی سمت متوجہ ہونے کی خواہش کیوں نہیں ہے؟... [illegible] لیکن میرے دل میں ابھی تک وہ جذبہ [illegible] دوست [illegible] جب وہ [illegible] لڑکیوں سے [illegible] اور [illegible] ایک لڑکے نے تو یہ بھی کہا تھا کہ یا تو وہ اپنی محبوبہ کو حاصل [illegible]... کوئی گوری سبوترے چہرے والی!

[illegible] "لڑکیوں کی جانب سے آنے والے ہوا کے جھونکوں میں [illegible] محبت کا یہ جذبہ موجود تو ضرور ہوگا لیکن اس کی نوعیت عجیب سی [illegible] میں ایک لڑکا ہوں۔ میں اس حقیقت کو جسمانی طور پر محسوس بھی [illegible] کو چاہنے کے بجائے چاہے جانے کا جذبہ کیوں موجود ہے؟ یہ جذبہ [illegible] کا روپ کیوں دھار لیتا ہے [illegible] کسی لڑکی کی طرح کیوں نہیں [illegible] ہوتی ہے کہ وہ مجھے دیکھے، میرے پاس آئے، مجھ سے [illegible] یہ جذبہ تو [illegible] لڑکیوں کا ہوتا ہے۔ لیکن میرے [illegible] چاہے جانے کی خواہش [illegible] ہوتی ہے [illegible]... یہ [illegible] میرے وجود میں... ایک [illegible] بھی موجود [illegible] ہے۔"

اپنے ان خیالوں سے میں چونک سا گیا۔ دھیان بوبے کی سمت گیا۔۔ رقیہ شدید گرمی میں بھی اس کے ساتھ برآمدے میں چقیں لٹکائے سو رہی تھی۔ میں نے بھائی، بھابھی اور بہنوں کے چھت پر آ جانے کے بعد، پانی پینے کے بہانے نیچے جا کر رقیہ کو آہستہ سے بتا دیا کہ کل رات ماسی اور گلنازی چھت پر اس کے ساتھ سونے کے لیے آ جائیں گی۔ رقیہ نے صرف اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ وہ خوفزدہ تھی۔

''جو بھی ہو'' میں نے سوچا ''کل فیصلہ تو ہو ہی جائے گا۔ یا تو میں پیر نور شریف کو بے نقاب کر دوں گا یا مجھے پاگلوں کی سی حرکتیں کرنے کے بعد، خود کو پاگل ثابت کرتے ہوئے جھاوریاں سے جانا ہو گا۔''

بے چینی بڑھ گئی۔ میں بار بار بستر پر کروٹیں لے رہا تھا۔ پھر میں سیدھا لیٹ کر ستاروں کے جھرمٹ کی سمت دیکھنے لگا۔ لمحہ لمحہ تصورات ٹمٹماتے ستاروں کی طرح جھلکیاں دکھاتے رہے۔ جھاوریاں سے چلے جانے کا خیال مجھے اداس سا کر رہا تھا... گلنازی کو چھوڑ کر جانا... ''لیکن میں یہ کیا سوچ رہا ہوں؟... وہ ماسی جیراں کے بھتیجے محمد اکبر خان کی منگیتر ہے!'' میرے دل پر مایوسی سی اتری... پھر یوں محسوس ہوا میرے چہرے کے اوپر دھند سی چھا رہی ہے اور اسی دھند میں مجھے گلنازی کا بے حد خوبصورت چہرہ نظر آیا۔ مسکراتی چمکتی آنکھیں... مسکراہٹ اس کے چہرے پر چمک رہی تھی۔ میری پلکیں لمحے بھر کو بند ہوئیں، دوبارہ کھلیں تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ دور فضا کے جھرمٹ میں ستاروں کی روشنی جھلملا رہی تھی۔

''میں بار بار یہ کیوں بھول جاتا ہوں کہ گلنازی کی منگنی ہو چکی ہے، وہ کسی سے منسوب ہے؟''

اس خیال کے ساتھ ہی مایوسی کی سیاہ چادر تہیں بنا کر میرے دل میں اترنے لگی، پھر بوجھ سی بن گئی اور میرے وجود پر بے حسی کی طرح پھیل گئی۔ نیند اگرچہ اداسی میں ہوا کرتی ہے، لیکن یہ سب کچھ عجیب سی کیفیت میں تبدیل ہو کر غنودگی کی طرح میرے جسم پر پھیل گئی۔

''شاید فطرت نے اسی لیے'' میں نے خواب آلود ذہن سے سوچا ''شاید اسی لیے فطرت نے میرے وجود میں اس کے لیے جگہ چھوڑ رکھی ہے... کیا گلنازی اس حد کو پورا کر سکے گی؟''

میں اگرچہ بہت دیر سے سویا تھا، لیکن صبح جب چھت پر سورج کی کرنوں نے اپنی تمازت کا

Scanned with CamScanner

احساس دلایا تو میں نے چارپائی پر ہی اٹھ بیٹھا۔ سب بچے صحن میں جا چکے تھے۔ صحن میں گداؤ موجود تھا۔ گاؤں کے لوگ صبح بہت جلدی اٹھ جاتے ہیں، بازار بھی بہت جلد کھل جاتا ہے۔ بھابھی گداؤ کو بازار سے کچھ لانے کے لیے کہہ رہی تھیں۔ میں صحن میں اترا۔ گداؤ بیرونی دروازہ کھول کے چلا گیا۔ رقیہ اور بوٹے کو دیکھ کر مجھ پر صورت حال کی سنجیدگی اور اندیشے نے بوجھ سا ڈالا۔ میں ہینڈ پمپ کی سمت گیا۔ ٹائیگر نے ہمیشہ کی طرح اگلے پیر میرے پیٹ پر رکھ دیے، اس کی پچھلی دارؤم دائیں بائیں ہل رہی تھی۔ یہ چار چشما جرمن شیفرڈ اپنی محبت کا اظہار اتنی نمایاں کیفیت میں کرتا تھا کہ حیرت ہوتی تھی۔ اس کی آنکھیں پوری کھل جاتی تھیں۔ تقریباً نو بجے گداؤ واپس آیا۔ اس بار بھی اس کے چہرے پر گھبراہٹ سی تھی۔ گداؤ نے مجھے آہستہ سے بتایا کہ ملنگ شمالی جانب تانگے کے اڈے سے بازار میں داخل ہو چکے ہیں۔ وہ ایک ایک دکان کے سامنے کھڑے ہو کر ہرل دھونی دیتے ہیں اور دکانداروں سے باتیں بھی کر رہے ہیں۔

''صاب، وہ ہمارے گھر کا پتا لگائیں گے...'' گداؤ نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''دیکھو گداؤ!'' میں نے کہا۔ ''تم گھبرے ہوئے ہو۔ اپنی گھبراہٹ پر قابو پاؤ، اس سے کسی کو بھی شک ہو سکتا ہے۔ دلیر جوان بھی تو تمھیں ملنگوں کا مقابلہ بھی کرنا ہے۔''

''صاب، ان کی نیت ٹھیک نہیں لگتی...'' گداؤ نے قدرے بہتر لہجے میں کہا۔ ''ہمارے گھر کا پتا پوچھیں گے۔''

''کس بہانے سے گداؤ؟'' میں نے پوچھا۔ میں گداؤ کی گھبراہٹ کم کرنا چاہتا تھا۔

''بہانے تو بہت ہیں صاب،'' گداؤ نے کہا۔ ''وہاں میگھا چن میں پیر نور شریف کا طویلہ ہے، گھوڑے گھوڑیاں ہیں، مویشی ہیں، بھیڑ بکریاں ہیں، مرغیاں ہیں، شکاری کتے ہیں — ہمارے گھر کا پتا پوچھنا ان کے لیے بہت آسان ہے صاب۔ ہسپتال کا پوچھ کر وہ ڈاکٹر صاحب کے گھر کا پتا بھی تو پوچھ سکتے ہیں... پھر میں پیر کو یہ بھی تو بتا آیا ہوں کہ گھر کی باہر والی دیوار کے سامنے کھیت ہیں۔ وہ سارے گاؤں کا چکر تو لگائیں گے۔ پتا چلنا کون سا مشکل ہوگا۔'' گداؤ کے چہرے پر اب بھی گھبراہٹ موجود تھی، جو مجھے پریشان کرنے لگی تھی۔

''گداؤ... دیکھو...'' میں نے کہا۔ ''اپنی گھبراہٹ کو خود محسوس کرو — یہ ٹھیک نہیں ہے۔ تم

Scanned with CamScanner

جب پیر کے حجرے میں پیر کے سامنے نہیں گھبرائے تھے تو اب ان ملنگوں کو دیکھ کر کیوں گھبرا رہے ہو؟ یہ تو ہم جانتے ہی ہیں کہ ان کی نیت خراب ہے اور ہمیں آج رات ان کا مقابلہ بھی کرنا ہے۔ وہ آج رات ضرور ہوپے کو مارنے کی کوشش کریں گے... دیکھو تم ملنگوں کی خبر رکھو لیکن ان کے سامنے بالکل نہ جانا۔''

''پتا ہے صاحب!'' گداؤ نے کہا۔ ''میں یہ سوچ کے گھبرا رہا ہوں صاحب کہ اگر ہم نے بچانے کا انتظام نہ کیا ہوتا تو ہمارا ہوپا ملنگوں کے ہاتھوں سے مارا جاتا... اب تو مجھے بھی پورا یقین ہے کہ وہ ہوپے ہی کو مارنے آئے ہیں... آج رات چالیس گھنٹے پورے ہو جائیں گے۔''

''مجھے یقین ہے کہ آج رات ان میں سے ایک ہمارے صحن میں ضرور اترے گا۔'' میں نے کہا۔

''میں اترنے سے پہلے ہی، اینٹیں اور پتھر ماروں گا کہ دیوار پر چڑھتے ہی نشانہ بازی شروع کر دوں گا۔'' گداؤ کے لہجے میں اعتماد سا ابھر آیا۔

''بہتر تو یہی ہوگا گداؤ کہ اسے صحن میں اترنے کے بعد زخمی کیا جائے۔ ہمیں اس کو پکڑنا ہے۔'' میں نے کہا۔

''دوسرا تو باہر ہی ہوگا۔'' گداؤ نے کہا۔

وہ بھی تمہارے نشانے پر ہوگا۔'' میں نے کہا۔ ''اندر آنے والا تو چھت سے میرے نشانے پر بھی ہوگا۔ اور ہاں ہمیں یہ بھی خیال رکھنا ہوگا کہ وہ ہماری اینٹوں اور پتھروں سے مر ہی نہ جائے، ورنہ ایک اور مصیبت ہمارے سامنے کھڑی ہو جائے گی۔''

''آپ فکر نہ کریں صاحب!'' گداؤ نے کہا۔ ''میں ہتھ ہولا رکھوں گا...'' (زیادہ زور سے نہیں ماروں گا) ''پر صاحب جی!'' گداؤ نے کہا۔ ''اگر وہ آج ہمارے گھر کا پتا لگا کر واپس میگھ چن چلے گئے تو...''

''ابھی تم نے خود ہی چالیس گھنٹوں کی بات کی تھی، گداؤ!'' میں نے کہا۔ ''پیر نے چالیس گھنٹوں کے چلنے کی بات کی تھی۔ ملنگ اگر کامیاب ہو جائیں تو بات پورے علاقے میں پھیلے گی اور پیر یہی کہے گا کہ اس نے کالی بلا کو روکنے کے لیے چالیس گھنٹے کا چلہ کاٹا تھا، اور وہ تمہیں اس کا وہ بھی بتائے گا، اور یہ بھی کہے گا کہ اس نے ملنگوں نے مددوحوں کو جھاڑیوں سے بھگانے کے بے دھونی

[illegible]

[illegible] ... کون زندہ رہ سکتا ہے [illegible]

[illegible] برسات میں بہت تھے۔ ان دنوں تو سب کیڑے کھیتوں سے [illegible]

[illegible]

ماتھا نصف سے زیادہ پٹکے میں چھپا ہوا تھا، ابرو بہت گھنے اور آنکھیں بھی بڑی بڑی، گول گول سی تھیں۔ ناک بھی موٹی اور چہرے پر لمبی لمبی سی تھی، دہانہ چوڑا تھا، پٹکے کے پیچھے اس کے لمبے لمبے کالے بال لٹک رہے تھے۔ کانوں میں عورتوں کی طرح جھمکے ٹنگے ہوئے تھے۔ دوسرا اس کے الٹ تھا۔ اس کا چہرہ لمبوترا تھا، آنکھیں چھوٹی چھوٹی سی تھیں، ناک پتلی اور آگے کی سمت جھکی ہوئی تھی، دہانہ تنگ تھا اور ٹھوڑی آگے کی سمت نکلی ہوئی تھی۔ اس کے کانوں میں بھی بندے تھے اور بال پٹکے سے نکل کر آگے، کندھوں پر اس طرح لٹکے ہوئے تھے کہ اس کی چھاتی تک پہنچ رہے تھے۔ دونوں خاصے خطرناک قسم کے تھے۔

انھوں نے مجھے دیکھ لیا۔

میں نے فوراً اپنے آپ سے باتیں شروع کر دیں، جیسے ہوا سے باتیں کر رہا ہوں، لیکن زیر لب، ورنہ بازار میں موجود لوگ بھی میری اس حرکت کو محسوس کر لیتے۔ موٹے، سیاہ، چوڑے منھ والے ملنگ کے ہونٹوں پر مکارانہ سی مسکراہٹ آ گئی۔ ان کے قریب جانے پر میں نے گنگنانا شروع کر دیا، جیسے کوئی دنیا سے بے خبر، اپنی ہی مستی میں گم ہو۔ ہر سمت اسپند کے دانوں کے جلنے سے پیدا ہونے والے دھوئیں میں شدید قسم کی ناگوار بو کا احساس ہوا۔ میں ملنگوں کے قریب سے یوں گزرا جیسے میں نے انھیں دیکھا ہی نہ ہو۔ مجھے حیرت تھی کہ مجھے دیکھ کر موٹا سیاہ ملنگ کیوں مسکرایا تھا۔ کیا وہ سمجھ گیا تھا کہ میں ہی وہ پاگل ہوں جس نے بچے کے بالوں کا گچھا کاٹا ہے؟ میں نے مڑ کر بھی نہ دیکھا اور میر صاحب کی ڈسپنسری میں چلا گیا۔ وہاں چار پانچ مریض موجود تھے۔ میر صاحب کی ڈسپنسری میں بھی ہرمل دھونی کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ میر صاحب نے مجھے دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں تشویش تھی۔

"میں آج پڑھنے نہیں آ پاؤں گا سر۔" میں نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔" میر صاحب نے جواب دیا۔

میں واپس مڑا۔ ملنگ اب سبزی فروشوں کی دکانوں کے قریب پہنچ چکے تھے۔ میں نے پھر کسی ہوش و حواس سے عاری لڑکے کی طرح گنگنانا شروع کر دیا۔ ملنگوں کے قریب پہنچ کر میں نے سر کو زور سے جھٹکا دیا اور یوں بڑبڑایا جیسے میں نے کسی کو گالی دی ہو۔ دونوں ملنگوں کے چہروں پر عیارانہ مسکراہٹ ابھری۔ قریب سے گزرتے ہوئے میں نے ان کی طرف دیکھا۔ دونوں کی آنکھوں میں

Scanned with CamScanner

اس وقت [illegible] سے مجھے [illegible] وہ ان کی آنکھوں میں دیکھتے تھے۔ ان کے بڑے بڑے گھوڑے ان کے [illegible] سے تھے۔ میں ان کے قریب سے [illegible] میدان میں آ گیا۔

[illegible] سب سے قریب [illegible] تو [illegible] میں نے دور تک تلاش کر لیا ہے۔

"صاحب [illegible] دور سے گھر سے پہنچ گئے۔ انھوں نے [illegible] اور بیٹھے سے [illegible] دونوں [illegible] بخشش دی۔ پھر [illegible] گھر کی چھت کی طرف دیکھا، دیوار کی طرف دیکھا [illegible] دیوار سے [illegible] رہے ... میں پرانی حویلی کے پاس تھا صاحب جی.. پھر [illegible] کھیتوں کے پاس والی دیوار سے پار گئے۔ ادھر ادھر دیکھ [illegible] کھیتوں میں چھپ گئے [illegible] میں اتنا ہی دیکھ سکا ہوں۔ کھیتوں میں جا کر انھوں نے کیا کیا، مجھے نہیں معلوم [illegible] صاحب [illegible] کھیتوں کی طرف سے پرانی حویلی کی طرف گئے ہوں گے..." گل داد کی آنکھوں میں گہری تشویش تھی۔ "صاحب، آپ کا... ٹھکانہ خطرہ [illegible] وہ کھیتوں ہی کی طرف سے آئیں گے۔"

گھر پر خاموشی طاری تھی۔

"[illegible] مجھے یقین ہے کہ وہ آج رات بڑے کو مارنے کی کوشش کریں گے اور کھیتوں ہی کی طرف سے آئیں گے۔ ہمیں اپنی تیاری مکمل کر لینی چاہیے۔"

"میں تیار ہوں صاحب۔" گل داد نے کہا۔

بھابھی اور بہنوں کو میر صاحب کے گھر سے یہ دعوت مل چکی تھی کہ انھیں رات میر صاحب کی بیگم اور بیٹیوں کے پاس رہنا ہے۔ وہ اسے معمول کی دعوت سمجھ رہی تھیں۔ عصمت بہت خوش تھی، میر صاحب کی چھوٹی بیٹی سے اس کی دوستی ہو چکی تھی، اور عصمت نے یہ بھی بتایا تھا کہ میر صاحب کی بیٹیاں موسیقی میں دلچسپی رکھتی ہیں۔

"آج تو گانوں کی محفل جمے گی!" عصمت بہن نے کہا۔

"توبہ توبہ..." [illegible] نے کہا، "فضول میں وقت ضائع کرنے کا، اس سے تو ہزار درجہ بہتر ہے کہ نعتیں پڑھی جائیں۔"

عصمت کچھ کہنے ہی والی تھی کہ بھابھی نے موضوع بدل کر دونوں بہنوں میں معمول کی چخ چخ

کو روک دیا۔ شام سے پہلے ہی وہ میر صاحب کے گھر چلی گئیں۔ میں نے گداؤ کو خصوصی طور پر کہہ رکھا تھا کہ وہ اس بات کا مکمل خیال رکھے کہ جب بھابی اور بہنیں میر صاحب کے گھر جائیں، ملنگ گاؤں سے دور ہوں۔۔۔ گداؤ نے بتایا کہ وہ شام سے پہلے پرانی حویلی میں پہنچ چکے تھے۔

شام ہوتے ہی بھائی، میر صاحب، گداؤ اور میں ہسپتال کے صحن میں بیٹھ گئے۔ مجھے اندیشہ تھا کہ رقیہ اور بوبا گھر پر اکیلے ہیں، لیکن میں نے ہسپتال آنے سے پہلے، رقیہ کی سمت دیکھے بغیر کہہ دیا تھا کہ کچھ بھی ہو جائے، وہ دروازہ نہ کھولے اور بوبے کے ساتھ برآمدے ہی میں رہے۔ اس بار ہسپتال کے صحن میں ہمارا باتیں کرنے کا انداز قدرے مختلف سا تھا۔ بچشو چائے بنانے میں مصروف ہو گیا۔ ماسی جیراں کے گھر کا بیرونی دروازہ کھلا۔ گلنازی باہر نکلی۔ مجھے دیکھ کر وہ لمحہ بھر کے لیے رک سی گئی، لیکن دوسری سمت جاتے ہوئے اس کا انداز ایسا تھا جیسے اس نے مجھے دیکھا ہی نہ ہو۔ اس بار میرے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ سی بکھر گئی۔

"آپ کو یقین ہے کہ ماسی آج رات آپ کی مدد کریں گی؟" میر صاحب نے کہا۔

"شک کی وجہ نہیں،" میں نے کہا۔ "وہ ضرور آئیں گی۔"

"میں نہیں جانتا،" بھائی نے کہا، "لیکن مجھے اب بھی یہ سب کچھ فضول محسوس ہو رہا ہے۔۔۔"

"میر صاحب،" اس بار گداؤ نے کہا۔ "ملنگوں کا ارادہ بد ہے۔"

"آج کی رات خاصی پریشان کن ہوگی،" میر صاحب نے کہا۔ گداؤ شاید پریشان کن کا مطلب سمجھ نہ سکا تھا جبھی تو اس نے آگے جھکا، اس نے میر صاحب کی طرف دیکھا۔

"معاف کریں ڈاکٹر جی،" گداؤ نے کہا۔ "میں گن من تو نہیں جانتا پر وہ جس طرح گھر کو تاڑ رہے تھے، وہ آج رات کچھ نہ کچھ تو ضرور کریں گے۔"

"مجھے یوں لگتا ہے،" میں نے کہا، "موتی ملنگ باہر ٹھہرے گا، دوسرا دیوار پھلانگ کر اندر آئے گا۔ جب اسے پتا چلے گا کہ چارپائی پر رقیہ اور بوبا نہیں، گداؤ اور گاؤ تکیہ ہے تو وہ بدحواس ہو کر یا واپس بھاگے گا تاکہ دیوار پھلانگ کر باہر چلا جائے یا بیرونی دروازے کی سمت جائے گا۔ دروازے پر اندر سے تالا لگا ہے، وہ دوبارہ دیوار کی طرف دوڑے گا۔ اوپر سے پتھر برس رہے ہوں گے۔ وہ آسانی سے پکڑا جائے گا۔"

گداؤ نے سر جھٹکے سے اوپر اٹھایا۔

[illegible] جوشیلے انداز میں [illegible] اسی مار ماروں گا کہ ساری حیاتی یاد رکھے گا۔"

[illegible] بھائی [illegible]

[illegible] حقیقت [illegible]

[illegible] شیر دل [illegible]

[illegible]

[illegible] خیال کے ساتھ ہی میرے دل میں خواہش پیدا [illegible] اس کے ہونٹوں سے کہیں زیادہ اس کی آنکھوں میں [illegible] خود ہی اٹھ کر روٹیوں کی چنگیر کداؤ کو تھما دی۔

[illegible] رات بھائی کو بھی احساس ہو جائے گا کہ میں جھوٹا [illegible] چہروں پر [illegible] آپ بھیانک چہروں کو چھپا پائیں گے؟ سیدھے [illegible] خود ہی دیہاتیوں کے نجات دہندہ بننے والے یہ عیار [illegible] انسانوں کو [illegible] والے یہ ڈاکو [illegible] ان کا [illegible] رہے گا۔"

[illegible]

"[illegible]" [illegible] صاحب اور بھائی مسکرا دیے۔

"کداؤ میاں تو گئے،" میر صاحب نے کہا۔ "[illegible] پانی آپ ہی پی لیں۔"

"میں تو اپنے لیے گلاس بھر کے آیا ہوں۔" بخشو نے اپنی [illegible] کو

دیکھا۔ ''پر اب ضائع بھی تو نہیں کرنی۔ یہ بھی پی لیتا ہوں۔'' وہ پھر اپنے چولھے کی سمت چلا گیا۔

''سچ پوچھیں تو۔۔۔'' بھائی نے پیالی اٹھاتے ہوئے کہا: ''مجھے تو اب بھی یہ سب کچھ افسانوی جنون لگ رہا ہے جس میں یہ۔۔۔'' بھائی نے میری طرف اشارہ کیا، ''نہ صرف یہ مبتلا ہے، بلکہ اس نے ہمیں بھی مبتلا کر دیا ہے۔ ملنگوں میں اتنی ہمت ہو ہی نہیں سکتی کہ وہ میرے گھر میں داخل ہو کر بچے پر حملہ کریں۔۔۔ یہ ناقابلِ یقین سی بات ہے۔''

بھائی کو ابھی تک کسی بات پر یقین نہیں ہے۔۔۔ اس خیال سے مجھے دکھ سا ہوا۔

''آپ بھول رہے ہیں بھائی جان،'' میں نے کہا۔ ''ہم نے گداؤ کو سیکھا چتن بھیجا تھا اور اس کے جانے کے بعد ملنگ جھاوریاں میں آ گئے ہیں، اور آج رات چالیس گھنٹے ختم ہو جائیں گے، جن کا ذکر پیر نے گداؤ سے کیا تھا کہ وہ چلہ کاٹ کر کالی بلا کو بچے سے دور رکھے گا۔ چالیس گھنٹے بہت تھے یہ کے لیے کسی کالی بلا کا انتظام کرنے کے لیے۔۔۔ آپ یہ بات کیوں نہیں سمجھ رہے ہیں کہ ملنگ کسی برے ارادے سے ہی آئے ہیں؟ وہ ہمارے گھر کا جائزہ تک لے چکے ہیں اور آپ کو یہ سب کچھ افسانوی جنون لگ رہا ہے۔''

''بھئی، کچھ بھی ہو،'' میر صاحب نے کہا۔ ''کچھ ہو نہ ہو، اگر یہ افسانوی جنون ہے تو ہمیں زندگی بھر یاد رہے گا۔''

بخشو چائے کی پیالیاں اٹھانے آ رہا تھا۔

''بخشو'' میں نے اس کے قریب آتے ہی کہا۔

''جی صاب؟'' بخشو نے میرے غیر متوقع مخاطب ہونے پر قدرے گھبرا کر کہا: ''کیا ہوا؟''

''ٹائیگر کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے،'' میں نے کہا۔ ''میں ابھی ہسپتال چھوڑ جاؤں گا۔ اسے رات ہسپتال ہی میں رکھنا ہے۔ اسے کھانے کو کچھ نہ دینا۔''

''ہاں، وہ گداؤ کہہ رہا تھا کہ ٹائیگر کا پیٹ خراب ہے۔'' بھائی نے غیر متوقع طور پر میری مدد کی۔ ''میں نے چیک تو نہیں کیا۔۔۔ ٹھیک ہی کہتا ہو گا۔ اسے کل صبح دودھ میں اٹھائیس نمبر[42] کی دوائی

42۔ دیہاتی ہسپتالوں میں دوائیں بوتلوں میں بھر کے بوتلوں پر نمبر لگا دیے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر نمبر بتا دیتے ہیں اور ہسپتال کے کارکن کمپاؤنڈر سمیت نمبروں ہی سے جانوروں کو ادویات پلاتے رہتے ہیں۔

پلادیا، ایک بڑا چمچ...''

''جی صاحب جی،'' بخشو نے کہا۔ ''ہزار بار منع کیا ہے طیلچی کو کہ گوشت ابال کر کھلایا کرے.. کچا ہی ڈال دیتا ہے۔'' بخشو نے گدا دو پر بھڑاس نکالی۔ بھائی اور میر صاحب مسکرائے۔

غیر ارادی طور پر میری نگاہیں اوپر اٹھیں۔ گلنازی اپنے گھر کے دروازے میں کھڑی تھی۔ نگاہیں ملتے ہی وہ کچھ جھینپ سی گئی۔ پھر اس کی نظریں نیچے زمین کی سمت گئیں، اٹھیں۔

گلنازی کی آنکھوں میں وہی مسکراتی ہوئی چمک تھی جسے دیکھتے رہنے کی خواہش سے میں بچ نہیں سکتا تھا۔

25

گہری ہوتی ہوئی شام، افق پر سیاہی مائل نارنجی رنگ بکھیرتی شام، اندیشے، تشویش اور بے چینی کے لمحات کو لائی۔ گھر پہنچ کر میں نے ٹائیگر کی زنجیر کھولی۔ ٹائیگر میرے پیچھے پیچھے بیرونی دروازے سے باہر نکل تو آیا، لیکن باہر نکلتے ہی ٹھہر گیا۔ جرمن شیفرڈ شاید دنیا میں سب سے زیادہ عقلمند ہوتے ہیں۔ میں نے ٹائیگر کی زنجیر کھینچی تو وہ بھونکا، جیسے پوچھ رہا ہو کہ یہ کون سا وقت ہے سیر کرنے کا؟ میں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا، پشت کو تھپتھپایا۔ اس نے دُم ہلائی، وہ میرے ساتھ چل تو پڑا، لیکن وہ حیرت زدہ محسوس ہو رہا تھا۔ پھر گلی سے پکی سڑک پر آ کر اس نے ادھر اُدھر مٹی کو سونگھنا شروع کر دیا۔ کبھی رک جاتا تھا، کبھی مجھ سے بھی آگے نکل کر، مجھے زنجیر سمیت کھینچنے لگتا تھا۔ ہسپتال پہنچ کر وہ تین بار بھونکا۔ میں نے اسے چھپر کے مریض جانوروں کے ساتھ باندھ دیا۔

''یہ تو بھلا چنگا ہے،'' بخشو نے غور سے ٹائیگر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ مدتوں سے جانوروں کے ساتھ رہتے ہوئے وہ خاصا تجربہ کار ہو چکا تھا۔

''ہاں،'' میں نے کہا۔ ''گدا دو نے شام کو دوائی دی تھی۔ اب بہت بہتر ہے۔ بس اسے آج رات کھانے کو کچھ نہ دینا۔ چاہے جتنا بھونکے، کچھ بھی کھانے کو نہ دینا، ورنہ پھر بیمار ہو جائے گا۔''

''ٹھیک ہے صاحب،'' بخشو نے کہا، ''اچھا کیا جو آپ اسے یہاں لے آئے ورنہ بھونکنے پر بی بی جی ایک آدھ روٹی کا ٹکڑا ضرور ڈال دیتیں۔''

Scanned with CamScanner

''صبح وہ چلا دیں گے'' میں نے کہا۔ میں جانتا تھا کہ [illegible] وحشت [illegible]
[illegible] صبح تک بھوت نہیں رکے گی۔ ''صبح تمھارے بھی لے جاتا۔''

''اچھا صاحب،'' منشو نے کہا۔

میں واپسی کے لیے مڑا تو اس نے احتجاج کیا، جھونکا پیچھے سے [illegible] تھی [illegible] ایسا کرتے ہوئے اس نے اگلے پیر اوپر اٹھائے۔ وہ میرے ساتھ ہسپتال سے نکلنے تک [illegible] رہا جیسے پوچھ رہا ہو کہ مجھے کیوں چھوڑے جا رہے ہو۔ سڑک پار کر کے میں نے [illegible] سمت دیکھا۔ [illegible] پر [illegible] ([illegible]) پڑی تھی [illegible] بڑھتے ہوئے اندھیرے میں [illegible] مجھے [illegible] ماحول [illegible] محسوس ہوا۔ اس [illegible] میں بے چینی بھی تھی اور شدید قسم کا تجسس بھی تھا۔

''یہ سب [illegible] ایسا ہی ہوگا...'' میں نے سوچا ''جیسا میرے ذہن میں ہے'' [illegible] سمت میرے قدم آہستہ آہستہ اٹھ رہے تھے۔ اماوس کی رات کا آغاز ہو چکا تھا۔ ''[illegible] ایسا نہ ہوا...'' [illegible] خیال سے مجھ پر گھبراہٹ سی طاری ہوگئی۔ ''اگر [illegible] کو مارنے [illegible] نہ آئے [illegible] کوئی کوشش ہی نہ کی، اگر وہ کل تک جھاڑیوں سے [illegible] اور قصبے کی سمت چلے [illegible] تو پاگل بن [illegible] کا، سب مجھے حقیقت میں جنونی ہی سمجھیں گے... تصورات [illegible] حقیقت [illegible] دنیا میں جینے والا... گلنار بھی مجھے پاگل ہی سمجھے گی۔'' [illegible] میں میرے [illegible] اتری۔ یوں محسوس ہوا جیسے تاریکی نے فضا سے [illegible] مجھے [illegible] میں لے لیا ہے۔ میرے قدموں کو بوجھل کر دیا ہے، میرے ہاتھوں کو جکڑ لیا ہے۔ تاریکی [illegible] ہے... [illegible] طرح... اس خیال کے ساتھ ہی میرے سر کو جھٹکا سا لگا۔

''یہ میں کیا الٹی باتیں سوچ رہا ہوں'' میں گھر کے قریب پہنچ چکا تھا۔ ''یہ تو [illegible] سے میں لڑتا رہا ہوں، میرے ذہن پر کیوں حاوی ہو رہے ہیں... بد روحیں [illegible] سب [illegible] ہے۔ یہ محض ایک خوف ہے، انسان کا اندرونی خوف، جو صدیوں سے انسانی ذہن پر مسلط ہے [illegible] خوف نے ناکامی کا احساس [illegible] کر میرے قدم بوجھل کر دیے ہیں، میرے ہاتھوں [illegible] ہے۔ مجھ سے [illegible] گیا ہے۔ یہی وہ خوف ہے جس کی لاتعداد شکلیں ہیں۔ یہی وہ خوف ہے جس کی وجہ سے انسان صدیوں سے قوت شر کا غلام بنا ہوا ہے۔ [illegible] کا [illegible] خود غرضی سے جا ملتا ہے۔ [illegible] سے یہ خوف

Scanned with CamScanner

[illegible] انسانی زندگی کا ہر [illegible]

[illegible]

[illegible] میں نے میدان کی سمت [illegible]

[illegible] چار پائی بچھا [illegible]

[illegible] ہوائیں تھیں [illegible] چار پائی [illegible]

[illegible] آنکھیں [illegible] میدان کی سمت [illegible]

[illegible] میدان [illegible] چار پائی بچھا رکھی تھی [illegible]

[illegible] محسوس ہوئی۔ مجھے [illegible]

[illegible]

[illegible] محسوس ہوں [illegible] میں نے سوچا [illegible]

[illegible] کھول کر اندر داخل ہوا۔ لالٹین کی [illegible]

[illegible] چار پائی برآمدے [illegible]

[illegible]

[illegible] اچھی طرح چھت صاف کر کے [illegible]

[illegible] چار پائی [illegible] تکیہ [illegible]

[illegible] روشنی میں بچے کے جسم پر لپٹا ہوا اس کا [illegible]

[illegible]

[illegible] میں نے [illegible] طرف [illegible] خوشی سے مسکرایا۔

[illegible] خوش [illegible] مشکل [illegible]

[illegible]

[illegible] چھت پر [illegible] بھی [illegible]

[illegible]

[illegible] چھت پر چڑھنے کی کوشش [illegible]

میرے پاس، سر کھول دوں گا۔"

"نہیں گداؤ!" میں نے کہا: "ایسا کچھ نہ کرنا کہ ملنگ جان ہی سے چلا جائے۔ ہمیں اسے زخمی کر کے پکڑنا ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں..." گداؤ سٹول پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہو گیا، پھر اس نے ہاکی غسل خانے کی چھت پر رکھ دی، پھر اچھل کر چھت کی ایک اٹھی منڈیر پر اپنا پیٹ رکھا اور اچک کر چھت پر چڑھ گیا، پھر وہ غائب ہو گیا۔ اس نے ناقابل یقین حد تک خود کو چھپانے کا انتظام کر رکھا تھا۔ پھر وہ منڈیر کے پاس نظر آیا، منڈیر سے لٹک کر اس نے سٹول پر پاؤں جمائے اور نیچے اتر آیا۔

"کیوں صاب؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا: "کیسا ہے میرا مورچہ؟"

میں نے اسے داد دی اور سیڑھیاں چڑھتے ہوئے چھت پر چلا گیا۔ چھت پر صرف بھائی اپنی مخصوص چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ رقیہ اور بوبا ابھی برآمدے ہی میں تھے۔ مستطیل چھت پر، ہسپتال کی سمت جانے والی کچی سڑک پر تاریکی بہت گہری ہو چکی تھی۔ سڑک اور میدان کی جانب، ہر رات کی طرح، چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں، جن پر سفید چادریں بھی اندھیرے میں سیاہی مائل نظر آ رہی تھیں۔ گلی کی سمت بھائی کی چارپائی تھی، ان کے قریب بھابھی کی چارپائی پر آج رات ماسی جیراں نے سونا تھا، ماسی جیراں کے ساتھ رقیہ اور بوبے کے لیے باجی زیبا کی چارپائی تھی، اور کھلے احاطے کی جانب باجی عصمت کی چارپائی گلنازی کے لیے تھی۔ میری چارپائی سیڑھیوں کے پاس تھی، جسے میں نے منڈیر کے قریب کھسکا لیا تاکہ مجھے صحن نظر آتا رہے اور خطرے کے وقت میں گداؤ کی مدد کر سکوں۔

"صاب!" صحن سے آواز آئی۔ گداؤ لالٹین کی روشنی میں چھت کی سمت سر اٹھائے نظر آیا۔

"آج بھوکا ہی سونا ہے کیا؟"

میں کھانا کھانا بھی بھول چکا تھا۔

"میں کھا چکا ہوں،" بھائی نے کہا۔ "تم کھا لو۔ گداؤ سے کہنا گرم کر دے۔"

میں صحن میں اترا۔ گداؤ نے کھانا گرم کرنے کے بعد ہی مجھے آواز دی تھی۔ کھانا کھاتے ہوئے مجھے ٹائیگر کا خیال آیا۔

Scanned with CamScanner

[illegible] کی بات کاٹ دی۔

"[illegible] کل دوپہر تک بھی [illegible]"

"[illegible] جونک بھونک کر ہی رات گزارے گا۔"

[illegible] غیر متوقع طور پر بہت خوشگوار لہجے میں بولا۔ [illegible]

[illegible] نظر آ رہی تھی [illegible]

[illegible]

"[illegible] بشیر نعل بند سو گیا ہے کہ جاگ رہا ہے۔"

"سو گیا ہو گا [illegible] آپ اس کی فکر نہ کریں۔۔ [illegible] رہا ہو گا۔"

[illegible] لیکن [illegible]

[illegible] پیار رہتا ہے، اکثر کاٹنے بھی لگتا ہے۔"

[illegible] مجھ سے بھی [illegible]

[illegible] آدھی رات تک کو آئیں گے۔"

[illegible] اندھیرے میں نگاہوں سے اوجھل تھیں۔

[illegible]

[illegible] چھوٹی بیٹی

[illegible] بہت [illegible] روشنی

[illegible] گداز خود ہی

[illegible] ٹیلوں والی بڑی بیڑی ہے نا؟"

[illegible] جہاں تک [illegible]

[illegible] والی [illegible]

[illegible]"

[illegible] میں دونوں ہوتے

[illegible] طرح [illegible]

انگلیوں کے نشان رہ جاتے ہیں۔ وہ کوئی اور ہی طریقہ اختیار کرتا۔"

میں گداؤ کی اس عقلمندی پر حیران رہ گیا۔ "تم ٹھیک کہہ رہے ہو گداؤ!" میں نے کہا "اب جو انتظام ہم نے کیا ہے، اس سے تو ملنگ کے ہوش ہی ٹھکانے نہیں رہیں گے، بہت جلد پکڑا جائے گا۔"

"میں نے تو آپ کو پہلے ہی..." بیرونی دروازہ کھلنے پر گداؤ خاموش ہو گیا۔ ماسی جیراں اور گلنازی آ گئی تھیں۔ گداؤ فوراً برآمدے کی سمت گیا۔

"رقیہ بہن!" گداؤ نے کہا "ماسی اور گلنازی۔"

رقیہ باہر آئی، بوبا شاید سو رہا ہوگا۔ ماسی جیراں کو دیکھ کر رقیہ نے رونا شروع کر دیا۔

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے آپا!" رقیہ ماسی جیراں کے قریب آئی۔ "یہ کہتا ہے، ملنگ بوبے کو مارنے آتے ہیں۔" اس نے میری طرف اشارہ کیا۔ ماسی جیراں نے میری طرف دیکھا۔

"بہت زیادتی کی ہے اس نے!" ماسی جیراں نے غصے سے کہا۔ "کیا ضرورت تھی بوبے کی رکھ کاٹنے کی؟" ماسی کی اس بات پر میں گھبرا سا گیا۔ "دشمنی پیروں سے تھی تو ہمیں کیوں پھنسا دیا ہے اس نے؟... بی بی جی سے تو میں بات کروں گی... مذاق بنایا ہوا ہے... میں تیری خاطر آ گئی ہوں... خطرہ تو مجھے بھی محسوس ہو رہا ہے۔"

"ماسی!" گلنازی نے کہا "بوبا کہاں ہے؟"

"اندر ہے۔" رقیہ نے برآمدے کی طرف اشارہ کیا۔

"چھت پر لے چل، وہاں محفوظ رہے گا۔" گلنازی نے پھر کہا۔

"اب جو ہو گا دیکھ لیں گی!" ماسی جیراں نے کہا "اٹھا بوبے کو۔"

"مجھے بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے!" رقیہ نے کہا۔ "گداؤ نے بتایا ہے کہ وہ گھر کو اچھی طرح دیکھ گئے ہیں اور بہت خطرناک نظر آتے ہیں۔" بات کرتے ہوئے وہ بار بار سسکیاں لے رہی تھی۔

"میں کیا کہہ سکتی ہوں!" ماسی نے کہا۔ "اس نے..." ماسی نے میری طرف دیکھا "اتنا یقین دلایا ہے کہ میں اس کی بات مان کر آ گئی ہوں۔ اسے اور شاید ڈاکٹر صاحب کو بھی یقین ہے کہ وہ..."

"ماسی!" گداؤ نے کہا "شاید کی کیا بات ہے؟ ان کا ارادہ بد ہے، وہ کچھ نہ کچھ ضرور کریں گے۔ لیکن ہم نے بھی سارا انتظام کر لیا ہے۔"

"مجھے بہت افسوس ہے بابا۔" رقیہ کے ہونٹوں سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ خوف و ہراس میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ کسی نامعلوم خوف سے نیم جان سی لگ رہی تھی۔

"ہمت نہ ہارو،" گدو نے کہا۔ "ہم سب اتفاق سے بچ گئے ہیں۔ میں منٹ دو منٹ میں چلیں گے۔"

"بیبیاں ہوتیں تو،" رقیہ نے کہا، "میں تمہیں بتانے سے پہلے ہی مر جاتی۔"

گدو نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ میرے ذہن میں بات کی نزاکت کے احساس نے مجھے مسکرانے پر مجبور کر دیا۔

"ڈرنے کی کوئی بات نہیں رقیہ بی بی،" گدو نے کہا۔ "تیری بیبیاں ہوتیں تو وہ تجھ سے زیادہ ڈری ہوتیں۔ اچھا ہے کہ وہ یہاں نہیں ہیں۔"

گدو نے پھر میری سمت دیکھا۔ میرے دوسرے شخص کی تصدیق پر اس کی مسکراہٹ آنکھوں میں بھی چمکی۔

"سلے آبو بے کو،" ماسی نے کہا۔

رقیہ برآمدے میں تھی۔ چار برس دس مہینے سے جو سب واں سے یوں نظر پڑا جیسے ایک برس کا موسم پچلی میں تھی پڑی تھی۔

"صاحب،" گدو نے کہا، "لالٹین کمرے میں لے جائیں۔ جب تک میں اوپر لے جاتا ہوں۔ منٹ منٹ چھتوں سے تازہ ہی رہے ہوں گے تو نہیں اندھیرے میں کچھ نظر نہیں آئے گا۔"

گدو واقعی بہت ہوشیار اور عقلمند تھا۔ میں برآمدے میں لگی لالٹین کو اندر کمرے میں لے گیا اور دروازہ بھی بند کر دیا۔ کمرے میں اتنی زیادہ گرمی تھی کہ تین چار منٹوں ہی میں میری قمیص بھیگ کر جسم سے چپک گئی۔ پسینہ چہرے پر لکیریں بنانے لگا۔ میں کمرے کا دروازہ کھول کر باہر آیا تو سب چھت پر جا چکے تھے۔ گدو صحن میں کھڑا تھا۔

"آپ بھی چھت پر چلے جائیں صاحب،" گدو نے کہا۔ "دروازے کو اندر سے لگانے کے لیے تالا میری جیب میں ہے۔"

"گدو، تمہیں شاید رات دیر تک غسل خانے اور لیٹرین کی چھت پر بیٹھنا ہوگا۔ کوئی گدی یا تکیہ لے جاؤ،" میں نے لالٹین بجھاتے ہوئے کہا۔

''نہیں صاحب،'' گداؤ نے کہا۔ ''چادر ہے میرے پاس، دوہری کر کے بیٹھ جاؤں گا۔ آپ چھت پر جا کر سو جائیں۔ اب باقی سب کچھ مجھ پر چھوڑ دیں۔''

میں نے سیڑھیوں کی طرف قدم بڑھایا۔

''نیند کیسے آئے گی، گداؤ؟'' میں نے کہا اور سیڑھی پر پاؤں رکھا۔ ''ساری رات تکیے کے نیچے پڑی ٹارچ پر ہی ہاتھ رہے گا۔''

''ہو سکتا ہے،'' گداؤ نے کہا۔ ''حرامی جلدی ہی آ جائیں۔''

گداؤ کی ملنگوں سے نفرت مجھے بار بار اس بات کا احساس دلا رہی تھی کہ ماضی میں گداؤ کے ساتھ کوئی واقعہ ضرور ہوا ہے۔ بہر حال، ابھی تو یہ سوچنا بھی بیکار تھا۔ میں چھت پر پہنچا۔ اس قدر گہرا اندھیرا تھا کہ جسموں کا احساس بھی نہیں تھا۔ گلنازی رقیہ سے دھیمے لہجے میں باتیں کر رہی تھی۔ ماسی بھی کبھی کبھی آہستہ سے بول رہی تھی۔ بھائی خاموش تھے۔ میں اپنی چارپائی پر لیٹ گیا۔ لیٹتے ہوئے میں نے تکیے کے نیچے چھ سیلوں والی بڑی ٹارچ کو اسی طرح ٹٹولا جس طرح بوبے کے بالوں کا گچھا کاٹنے سے پہلے قینچی کو ٹٹولا تھا۔ اچانک رقیہ کی سسکی سنائی دی۔ وہ ماسی جیراں کی کسی بات پر رونے لگی تھی۔

''بس ماسی،'' گلنازی کی خوبصورت آواز آئی۔ ''صبح تک پتا چل ہی جائے گا کہ کیوں آئے ہیں۔'' گلنازی کا اشارہ ملنگوں کی سمت تھا۔ رقیہ خاموش ہو گئی۔ مجھ پر پھر ایک بار ندامت سی چھا گئی۔

''کچھ بھی ہو،'' میں نے سوچا، ''رقیہ کے اس دکھ کا باعث تو میں ہی ہوں۔''

''کچھ نہیں ہوگا ماسی،'' گلنازی کی آواز ابھری۔ ''بوبے کو کچھ نہیں ہوگا۔''

پھر سناٹا سا چھا گیا۔ ہوا بھی بند تھی۔ میں ہمیشہ کی طرح اپنی چارپائی پر لیٹا ستاروں کو دیکھ رہا تھا، لیکن گلنازی کی چھت پر موجودگی سے مجھ پر فطری گھبراہٹ بھی طاری تھی۔

''میری عمر سے اتنے ہوئے... '' ماسی جیراں نے آہستہ سے کہا، ''میں اتنی نہیں ڈری تھی جتنی آج گھر سے یہاں آتے ہوئے ڈری ہوں۔''

''بس کر ماں،'' گلنازی نے کہا، ''سو جا۔ بوبا تو محفوظ ہے۔''

''چپ!'' رقیہ نے کہا، ''مجھے ڈر لگتا ہے۔''

پھر سناٹا چھا گیا۔ میں ہر رات ستاروں کو دیکھا کرتا تھا، لیکن اس رات مجھے یوں محسوس ہوا

Scanned with CamScanner

جیسے تارے سمٹ کے نیچے آ گئے ہیں اور صحن میں دھیمی سی روشنی پھیلا رہے ہیں۔

"نہیں..." میں نے آہستہ سے کہا۔ "میری بات غور سے سنیں۔ جب خطرے کا احساس ہوگا تو صرف میں اٹھوں گا۔ آپ میں سے کوئی نہ اٹھے۔ نہ ہی کروٹ لے۔ مکمل خاموش رہیں... بھائی جان، آپ بھی۔"

"فضول..." بھائی نے پہلی بار آہستہ سے کہا: "فضول میں سب کو پریشان کر رہے ہو۔ کچھ بھی نہیں ہوگا۔ لیکن تمہاری ان باتوں کے بعد کوئی سو نہ سکے گا۔۔ کسی کو نیند آئے گی؟"

پھر خاموشی چھا گئی۔ میں نے کروٹ لے کر لیٹرین کی چھت پر گداؤ کو دیکھنے کی کوشش کی۔ لیکن تاریکی اس قدر تھی کہ میرے قریب چھت کی منڈیر بھی ایک سیاہ لکیر سی دکھائی دے رہی تھی۔ ایسی ہی ایک مدھم سی لکیر صحن کے پار بیرونی دیوار کے اوپر بھی محسوس ہوئی۔ ستاروں کی روشنی، اماوس کی رات میں، مدھم سے اوپر ہی اپنا احساس دلا رہی تھی۔ صحن کی طرف دیکھنے کے لیے آنکھوں کو بھینچنا پڑ رہا تھا۔ لیٹرین کی چھت پر کوئی شے نظر نہیں آ رہی تھی، لیکن کچھ دیر مسلسل دیکھتے رہنے کے بعد وہاں ایک سیاہ دھبا سا نظر آیا، جیسے مٹی کا کوئی ڈھیر ہو۔ پھر بیرونی دیوار کے بھی مدھم سے نقوش نگاہوں میں ابھرے اور صحن میں، دیوار سے کچھ ہی دور، چارپائی کا بھی احساس ہوا۔

"کہیں ایسا تو نہیں،" میں نے سوچا: "کہ میں لیٹرین کی چھت، بیرونی دیوار اور چارپائی کا تصور کر رہا ہوں اور وہ مجھے اندھیرے میں دکھائی دے رہے ہیں۔"

لیکن تھوڑی ہی دیر بعد مجھے یقین ہو گیا کہ یہ تصور کا نظارہ نہیں؛ ستاروں نے اتنی روشنی تو بکھیر ہی دی ہے کہ بیرونی دیوار پر چڑھنے والا نظروں سے بچ نہیں سکے گا۔

اچانک ایک عجیب سی کیفیت نے مجھ پر سایہ سا ڈالا۔ وہ خوف جو رقیہ کو تھا، ماسی جیراں کو تھا، جس نے شاید کماری کے ذہن پر بھی اپنا تاثر چھوڑا ہوگا، جس سے بھائی اور گداؤ بھی نہ بچ پائے ہوں گے، وہ خوف جس نے شام کے وقت ہسپتال سے واپس آتے ہوئے مجھے بھی اپنے گھیرے میں لے لیا تھا، وہ خوف مجھے اپنے اردگرد پھیلتا محسوس ہوا۔ اس خوف میں ایک انجانی سی پُراسراریت بھی تھی... انہونی کا خوف تو سب کو ہوتا ہی ہے، لیکن کسی بات کے ہونے کا ڈر، جب اس کے ہونے کا یقین بھی ہو، اعصاب کو اکثر جکڑ لیا کرتا ہے۔

''میرے خوف کی۔ ۔ ۔ '' میں نے سوچا،' نوعیت شاید سب سے الگ ہے۔ کسی کو بھی اس خوف کا احساس نہ ہوگا، کیونکہ کسی کے ذہن میں ناکامی کا خوف نہیں ہوگا۔ ناکامی پر سب مجھے پاگل سمجھیں گے — گلنازی بھی۔ اس کے دل میں جو جگہ میں بنا چکا ہوں، اس کے ذہن میں جو میری اہمیت ہے، وہ ختم ہو جائے گی، ہنسی میں اڑ جائے گی، جس طرح خزاں کی ہوا کے دھیمے سے جھونکے سے بھی خشک پتا ٹوٹ جایا کرتا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ ایسا ہو۔''

مجھے یوں لگا جیسے میرے خوف کی ڈور میری خودغرضی سے بندھی ہوئی ہے۔ اس خیال کے ساتھ ہی مجھے اپنے ارد گرد پھیلتا ہوا خوف سمٹتا محسوس ہوا۔ اب سارا خوف صورت حال کی سنجیدگی میں روپوش ہوتا جا رہا تھا۔

''شاید میری خودغرضی میرے خوف کا باعث تھی،'' میں نے سوچا۔ ''ڈور کا احساس ہوا ہے تو ڈور ٹوٹ گئی ہے۔ مجھے کیا— گلنازی کے دل میں میری جگہ رہے نہ رہے۔ ۔ ۔ اس کی نظروں میں اہم رہوں نہ رہوں۔ ۔ ۔ مجھے اس سے کیا۔ ۔ ۔ مجھے تو میں دنوں بعد یہاں سے چلا جانا ہے۔''

خوف سمٹ گیا لیکن کچھ ہی دیر بعد وہ اندیشے کی صورت میں پلٹا۔

''شاید میں اس ارادے سے خوفزدہ ہوا ہوں،'' میں نے سوچا،'' جس ارادے کے ساتھ ملنگ قصبے میں آئے ہیں — ایک معصوم بچے کا قتل۔ ۔ ۔ پیر کی دھاک بٹھانے کے لیے، پیر کی دہشت پھیلانے کی خاطر، پیر کو سچا ثابت کرنے کے لیے۔ ۔ ۔ یا پھر شاید میں اس ملامت سے خوفزدہ ہوا ہوں جس کا سامنا مجھے بوبے کے بالوں کا گچھا کاٹنے پر کرنا پڑا تھا، گالیاں، بددعائیں، دھمکیاں۔ ۔ ۔ اگر ملنگ نہ آئے تو کل صبح مجھے پھر سب کچھ سننا ہوگا، سہنا ہوگا۔''

میں نے پھر صحن کی سمت دیکھا۔

''میں تیار ہوں،'' میرے ذہن میں پختہ ارادہ ابھرا۔'' ہر ملامت کے لیے تیار ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ ناکامی کی صورت میں مجھے پاگل کہا جائے گا اور شاید کل صبح ہی میرا بیگ میرے کاندھے پر لٹکا کے مجھے شاہ پور جانے والے تانگے پر بٹھا دیا جائے گا، لیکن اس کے باوجود میں اپنے اس یقین کو ہمیشہ زندہ رکھوں گا کہ ہوس کے ہتھیاروں کے ساتھ سیدھی سادی نیت پر حملہ کرنے والے اس زمین پر قوت شر کے خاص نمائندے ہیں۔''

Scanned with CamScanner

اس سوچ نے خوف کو اس طرح جگا دیا جس طرح کسی باڑے میں بھیڑ بکریوں کے ممیانے پر رکھوالے کتے جاگ اٹھتے ہیں اور سیڑھی دیوار پر چڑھتا ہوا چیتا الٹی چھلانگ لگا دے۔

''جب تک میرا شعور میری ذہنی کیفیت کا رکھوالا ہے،'' میں نے سوچا، ''نہ خوف مجھے دبوچ سکتا ہے نہ خود غرضی...''

میں نے صحن سے نظریں ہٹا کر ستاروں کے جھرمٹ کی طرف دیکھا جو مجھے اوپر کی سمت، قریب ہی لٹکا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

میرے منتشر خیالات یکجا ہو رہے تھے۔

''رقیہ نے جتنی گالیاں، بددعائیں اور دھمکیاں مجھے دینا تھیں، دے چکی ہے،'' میری سوچ ایک نقطے پر مرکوز ہو رہی تھی۔ ''رقیہ اب میرا ساتھ دے رہی ہے۔ بوا چھت پر محفوظ ہے۔ آج اماوس ہے۔ ملنگوں نے جو کچھ بھی کرنا ہے، آج ہی کریں گے۔ ہم سب پوری طرح چوکس ہیں۔ بوا ڈھائی ماہ بعد پانچ برس کا ہو جائے گا۔ اب تو ساون شروع ہونے والا ہے، چھت سے چارپائیاں اتر جائیں گی۔ گھر میں دو کمرے ہیں۔ ایک میں بھائی بھابی اور دوسرے میں رقیہ اور بوا سویا کریں گے۔ آج اگر ہم نے ملنگ کو پکڑ لیا تو چودھری شریف بھی خاموش ہو جائے گا۔ خود ہی کوشش کرے گا کہ اس واقعے کی تشہیر نہ ہو۔ اگر میں آج ناکام رہا تو کل مجھے یہاں سے جانا ہوگا۔ سب مجھے پاگل سمجھیں گے۔ گلناری کے دل میں میری محبت ختم ہو جائے گی۔ مجھے اس سے کیا فرق نمایاں ہوگا؟ کامیابی کی صورت میں بھی تو مجھے یہاں سے جانا ہی ہوگا۔ پھر نہ جانے کبھی پھاوریاں آؤں نہ آؤں... گلناری مجھے بھول جائے گی۔ میں بھی اسے ایک خوبصورت خواب کی طرح کچھ دن یاد رکھوں گا، پھر بھول جاؤں گا۔ تو پھر مجھے اس کے دل میں اپنی محبت کے رہنے یا نہ رہنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ملنگ آئیں نہ آئیں... میں نے اپنی طرف سے بچے کو بچانے کی کوشش تو کی ہے...''

مجھے اپنے اعصاب میں مضبوطی کا احساس ہوا۔ میں پوری طرح چوکس تھا۔ نظریں بار بار دو فٹ اونچی منڈیر سے نیچے صحن میں ادھر ادھر دیکھ رہی تھیں، لیکن ہر سمت اندھیرا سا دکھائی دیتا تھا۔ مجھے وہ خوف جو پھیل کر سمٹ رہا تھا، سیڑھیوں کے ذریعے چھت سے نیچے صحن میں اترتا محسوس ہوا۔ وہ صحن میں چارپائی کی سمت گیا، پھر خوف کا احساس بیرونی دیوار پر چڑھ کر دوسری جانب کھیتوں میں کود

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] دیوار کی سمت تھیں، جہاں تاروں [illegible]

[illegible] محسوس ہو رہی تھی۔ [illegible]

[illegible] چھت پر [illegible]

ایک بار پھر کھڑے ہو گئے۔ بیرونی دیوار کے پیچھے دھیمی سی آواز سنائی دی جیسے کسی نے سرگوشی کی ہو۔

میں خود حیران تھا کہ اچانک ہی میری قوت سماعت اور قوت بصارت میں کئی گنا اضافہ ہو چکا تھا۔ دیوار کے پیچھے کسی کے ہونے کا احساس سرگوشی نما آواز سے ہوا اور کسی شک و شبے کے بغیر مجھے اس بات کا احساس ہو گیا کہ حملہ آور آ گئے ہیں۔ میری گرفت ٹارچ پر سخت ہو چکی تھی۔ چند لمحے بہت ہی بوجھل تھے۔

اچانک مجھے دیوار پر دو سیاہ دھبے سے نظر آئے۔ جو چند لمحوں کے لیے نمایاں تھے۔ پھر اوپر کی سمت کوئی تاریک سی شے دیوار سے جھانکتی نظر آئی تکون نما شے...

اس تکون نما شے سے روشنی کی ایک بہت ہی مدھم شعاع سی نکلی، صحن میں ادھر ادھر پھیلی اور پھر چارپائی پر ٹھہر گئی۔ یہ یقیناً انگلی جتنی چھوٹی ٹارچ کی روشنی تھی۔ اس مدھم سی روشنی نے مجھے دیوار سے اوپر اٹھتے ہوئے جسم کا احساس دلایا۔ دیوار سے اوپر اٹھنے والے نے اپنا سر اور کندھے چادر سے ڈھانپ رکھے تھے اور اس کا اوپر والا دھڑ تکون نما نظر آ رہا تھا۔ اگلے ہی لمحے ٹارچ کی دھیمی سی شعاع تاریکی میں ڈوب گئی۔ تکون نما جسم بھی پیچھے کی سمت اتر گیا۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ٹارچ کی مدھم شعاع میں کسی مالا میں پرویا ہوا منکا چمکا ہو، جھلک دکھا گیا ہو۔

وہ ملنگ ہی تھا۔ دیوار کے پیچھے پھر دھیمی سی آواز ابھری۔

میں دور چھت پر تھا، لیکن یہ دھیمی سی آواز مجھ تک پہنچ رہی تھی۔ گدھا مکمل طور پر خاموش تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ ملنگ کے دیوار پر چڑھنے اور پھر صحن میں اترنے کا منتظر تھا۔

بیرونی دیوار کے بالکل نیچے پھر حرکت سی ہوئی... لمحے سنسناتے ہوئے گزر رہے تھے۔ ملنگ شاید دیوار پر چڑھ رہا تھا... میں مضبوطی سے ٹارچ پکڑے، اچھلنے کے لیے تیار تھا لیکن تکون نما شے دوبارہ دیوار کے پیچھے اتر گئی۔

پھر یوں محسوس ہوا کہ دیوار کی دوسری جانب سے کسی نے دیوار پر کوئی شے رکھی ہے۔ اس کے ساتھ ہی تکون نما جسم پھر دیوار کی بالائی لکیر پر ابھرا۔ اس بار گھسٹنے کی آواز آئی۔ گلنازی نے پھر تکیے سے سر اٹھایا، پھر رکھ دیا... تکون نما جسم مزید اونچا ہو گیا۔ یوں لگا جیسے باہر کسی نے اسے اوپر اٹھایا ہوا

Scanned with CamScanner

[illegible] پیچھے موجود [illegible] نے [illegible] میں ہاتھ میں انگشت نما ٹارچ تھی۔ [illegible] سمت آئی [illegible] پیچھے [illegible] ہوئے [illegible] نے [illegible] میں ہاتھ میں [illegible] میں ٹھہری ہوئی تھی۔ [illegible] نے رسی کو ایک [illegible] رسی سے [illegible]

[illegible] سمت [illegible] پھر اس نے [illegible] رسی کو [illegible] چارپائی [illegible] اور [illegible] کے [illegible] قدرے بلند آواز ابھری [illegible] دیوار سے [illegible] کی سمت [illegible]

[illegible] ٹارچ جلائی [illegible] کی سمت گیا۔ [illegible] ہاتھ [illegible] چہرہ [illegible]

[illegible]

[illegible] کی سمت [illegible] لیکن [illegible] میں [illegible] تیزی سے غسل [illegible] صحن میں چارپائی کی طرف تھا، لیکن [illegible] صحن روشن ہو چکا [illegible] پیچھے [illegible] بھائی [illegible] جیب ان کے [illegible] پیچھے [illegible]

[illegible] کوئی چیخ [illegible] تیزی [illegible]

[illegible] گا۔)

[illegible] تیزی سے [illegible] پر [illegible] اپنی بغلوں کے نیچے، [illegible] اور [illegible] سے میرے سینے پر

دائیں بائیں جاتے ہوئے مجھے جکڑ لیا۔

وہ گلنازی تھی۔

''چھوڑ مجھے... چھوڑ...'' میں نے بھی گھٹی گھٹی آواز میں چیختے ہوئے کہا۔

''نہ چھڈ دی...'' (نہیں چھوڑتی) گلنازی نے اپنی خوبصورت لیکن گھبرائی ہوئی آواز میں سرگوشی سی کی۔

''چھوڑ مجھے...'' میں نے جھنجھلا کر کہا: ''صحن میں ناگ ہے۔''

''نہ چھڈ دی...''

گلنازی نے مجھے اس قدر زور سے جکڑ لیا تھا کہ میں پوری قوت کے ساتھ بھی اس کی گرفت سے نہ نکل سکا۔ صحن میں گداؤ ہاکی پکڑے آہستہ آہستہ چارپائی کی سمت بڑھ رہا تھا۔ سانپ کا رخ گداؤ ہی کی طرف تھا، پھن کھلا ہوا تھا، پھنکار کی آواز چھت پر پہنچ رہی تھی، کوبرا نہایت غصے میں تھا۔ پھر گداؤ کا ہاتھ کندھے پر پڑی تولیہ نما چادر کی سمت گیا۔ بائیں ہاتھ سے اس نے کندھے سے چادر اتاری... میں نے گلنازی کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کی، لیکن مجھے محسوس ہوا کہ اگر میں نے خود کو چھڑانے میں ذرا سی بھی غلطی کی تو میں گلنازی سمیت سیڑھیوں پر لڑھک جاؤں گا اور ٹارچ بجھ جائے گی۔ گلنازی نے اس انداز سے مجھے پکڑا ہوا تھا کہ میرے لیے دائیں بائیں ہلنا بھی دشوار تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ بھائی اور ماسی جی اس چھت کی منڈیر سے لگے نیچے صحن میں دیکھ رہے ہیں۔ گداؤ نے کندھے سے چادر اتار کر تیزی سے اس کا گولا سا بنایا اور کوبرے کے سامنے چارپائی پر پھینکا۔ کوبرے کا پھن ڈسنے کے انداز میں گولے سے ٹکرایا اور کوبرا چادر کے بنے گولے سمیت چارپائی پر گاؤ تکیے اور گدے کے درمیان گرا۔ کوبرا انتہائی چالاک اور پھرتیلا تھا۔ اس سے پہلے کہ گداؤ کی ہاکی اس کے پھن پر پڑتی، وہ گھوم گیا۔ گداؤ کا وار خالی گیا۔ کوبرے سے مقابلہ کرتے ہوئے یہ صورت حال انتہائی خطرناک ہوتی ہے۔ اگر وہ زمین پر ہوتا تو یا تو وہ گداؤ پر حملہ کرتا یا تیزی سے جان بچانے کے لیے بھاگتا۔ وہ چارپائی پر تھا۔ تیزی سے وہ چارپائی کی پائنتی کی سمت گیا۔

''چھوڑ مجھے'' میری آواز میں غصہ تھا۔ ''گداؤ نیچے اکیلا ہے... چھوڑ مجھے۔''

''نہ چھڈ دی...'' گلنازی کی گرفت میرے بدن پر اس قدر مضبوط ہو گئی کہ مجھے سانس لینی

Scanned with CamScanner

بھی دشوار محسوس ہو رہی تھی۔ گداؤ نے بڑی دلیری سے پائنتی کی طرف نیچے اترتے ہوئے سانپ پر ہانی کا وار کیا جو چارپائی کی سخت لکڑی اور کوبرے کے جسم پر ایک ساتھ لگا۔ کوبرا زخمی ہو کر چارپائی سے نیچے گرا اور درد کی شدت میں پائنتی کے نیچے کنڈلی سی مار کر گول گول گھومنے لگا۔ وہ اب بھی بار بار پھن کھول اور بند کر رہا تھا۔ اس کی پھنکار میں اتنا چبھنے والے جیبی سانپ کا سا شور تھا جو مسلسل جسم کو لرزاتا رہتا ہے۔ گداؤ نے گول گول چکر کھاتے کوبرے پر پھر ہانی ماری۔ مزید زخمی ہو کر سانپ جیسے سکڑا۔

"چھوڑ نا، گلنازی!" میں نے دھیمے لہجے میں کہا: "اب تو چھوڑ..."

"نہ چھوڑ دی..." گلنازی نے مجھے پیچھے کی سمت کھینچا۔

نیچے صحن میں ٹارچ کی روشنی سیدھی سانپ پر تھی۔ کوبرے نے تھوڑا سا پھن کھولا... پھن پھیل کر سکڑا اور پھر سرنگوں ہو گیا۔ گداؤ کی ہانی اس بار سیدھی سر پر پڑی اور سر پچکا گیا۔ گداؤ نے اوپر ہماری طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر کھنچاؤ تھا۔ پھر اس نے بیرونی دیوار کی سمت دیکھا۔ ملنگ کھیتوں میں بھاگ چکے ہوں گے۔

مجھے پہلی بار اپنے بدن پر، سینے کے دونوں جانب، گداز بازوؤں کا احساس ہوا۔ پھر پشت پر سڈول بدن کا عجیب سا گداز گداز احساس ہوا۔ میرے بدن میں ایک اجنبی سی کیفیت کی لہر اٹھی جس سے میں ناآشنا تھا۔ گلنازی کا چہرہ میری گردن کے بالکل قریب تھا۔ اس کی گرم گرم سانس مجھے اپنے کانوں کے نیچے محسوس ہو رہی تھی... پھر اس کا چہرہ کچھ آگے بڑھا، میرے بائیں رخسار سے مس کرتا ہوا اس کا دایاں رخسار آگے بڑھا اور پھر گلنازی کے ہونٹ میرے ہونٹوں کے قریب مجھے مس کرتے محسوس ہوئے... ہونٹوں کے لمس سے میرا چہرہ یقیناً سرخ ہو گیا ہو گا۔

"چھوڑ..." مائی میراں کی شکستہ بھری لیکن گھٹی گھٹی آواز آئی۔ وہ گلنازی سے پیچھے سیڑھی پر کھڑی تھی۔ "چھوڑ... چھوڑ اسے..." (چھوڑ اسے)

میرے بدن پر گلنازی کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ اس کے ہونٹ پیچھے ہٹے، رخسار میرے رخسار سے مس کرتا ہوا پیچھے گیا اور دونوں بازو میرے بدن سے اپنا حصار ڈھیلا کرتے ہوئے پیچھے کی سمت جھول سے نکل گئے۔ گلنازی تیزی سے مائی کی سمت مڑی۔

Scanned with CamScanner

''ڈنگ ماندا اے؟'' (ڈس لیتا تو؟) گلناری نے وقفے لیکن پرجوش انداز میں کہا اور ماسی جیراں خاموش ہو گئی۔ چند لمحوں بعد بھائی بھی ہمارے ساتھ سیڑھیوں سے اترے۔ ہم صحن میں چارپائی کے پاس آ گئے۔ رقیہ بیٹھا ہوئے کو چھاتی سے چمٹائے چارپائی پر بیٹھی ہوئی، وہ چھت سے نیچے نہ اتری۔ ہم دائرہ سا بنا کر کوبرے کو دیکھ رہے تھے جس کی دم ابھی تک ہل رہی تھی۔ سانپ کا سر کچلا جا چکا تھا۔

''تساں دے ہتھاں اج بڑے پون ملنگو!'' (تمہارے ہاتھوں میں بڑے پڑیں ملنگو!) ماسی جیراں نے کہا۔

''تو بیت گئی بلا'' بھائی نے کوبرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر وہ میری سمت کچھ اس انداز سے دیکھنے لگے۔ بھائی کی نظروں سے میں جھینپ سا گیا۔ سیڑھیوں پر رقیہ نظر آئی۔ گلناری تیزی سے سیڑھیوں کی طرف گئی اور چار پانچ سیڑھیاں پھلانگ گئی۔

''آ جا رقیہ بی بی'' گلناری کی خوبصورت آواز میں خوشی کا تاثر اور بھی خوبصورت محسوس ہوا۔

''بوبا تاں بچ گیا ای!''

گلناری کی آنکھوں میں فتح کی چمک تھی۔ رقیہ پل بھر کے لیے ٹھٹھک گئی، کوبرے کو دیکھا اور تیزی سے واپس مڑی۔ چھت پر بوبا اکیلا تھا۔

''اب نہ ڈر رقیہ بہن...'' گداؤ نے کہا۔ ''تیرا بوبا سلامت ہے... تو سلامت ہے... وہ بھی تنہا نہیں... اب بوبے کو کچھ نہیں ہوگا۔''

رقیہ گداؤ کی بات سن کر بھی نہ رکی۔ سیڑھیاں چڑھ گئی۔ گداؤ نے ہماری طرف دیکھا۔ ہم سارے ماسی جیراں کے پاس کھڑے ہو گئے۔

''وہ تھے...'' گداؤ نے کہا۔ ''سوتا تو بچہ کھڑا تھا۔ لمبی تھوڑی والا دیوار پر چڑھنے لگا تھا۔ اسے بچے کے سوٹے نے کمر سے پکڑ رکھا تھا۔ پہلے تو وہ اپنی چھوٹی پیڑھی کے صحن میں ادھر ادھر دیکھتا رہا، پھر واپس پلٹ آیا۔ اس نے موسے کو سرگوشی میں بتایا کہ ماں بچے چارپائی پر سو رہے ہیں۔ پھر صاحب، اس نے دیوار پر مڑی کی پنڈاری رکھی... میں چونک گیا... اسکی پنڈاری میں تو ناگ ہوتا ہے۔ موسے نے اسے دونوں سے پکڑ کر اوپر اٹھایا۔ اس نے پھر پیڑھی سے چارپائی کی دوری کا اندازہ کیا، پنڈاری کا

[illegible] چولی [illegible]

[illegible]

[illegible] ہے۔

[illegible] اور روشنی [illegible] پر سیدھی ڈالی۔

[illegible] بھائی [illegible] ان کی آواز میں حیرت تھی [illegible]

[illegible][43] [illegible]

[illegible]

[illegible][44] [illegible]"

[illegible] نیوروٹاکسک (neuro toxic) [illegible]

[illegible]

[illegible]... "(تیرا اتنا بھی نہ رہے یعنی تیرا کچھ نہ [illegible])

[illegible] تیرا ککھ نہ رہوے ویرا!" (تیرا کچھ نہ رہے [illegible])

[illegible] اس کی آنکھیں بھیگی بھیگی سی تھیں۔

[illegible] میں جانے سے پہلے وضو [illegible]

[illegible]"

[illegible] بھائی [illegible]

[illegible] میں نے بہت دھیمے لہجے میں کہا۔ "جانتا تھا کہ [illegible] کرے گا [illegible]

[illegible] صدیوں سے یہی کچھ کرتے آرہے ہیں [illegible]

43 [illegible]

44 [illegible]

گی۔ پیروں نے نہ جانے کتنے بچوں کو قتل کیا ہوگا، کتنی ماؤں کی آنکھوں کو ویران کیا ہوگا۔ اگر میں ان پیروں کو انسانیت کے سب سے بڑے دشمن کہتا ہوں تو غلط نہیں کہتا۔"

بھائی نے گداؤ کی طرف دیکھا۔

"اس معاملے کی خبر پولیس کو کر دینی چاہیے،" انھوں نے کہا، "تم صبح میرے ساتھ کالرے چلنا، میں ایف آئی آر لکھواؤں گا۔"

"نہ صاب... اب نہیں..." گداؤ نے کہا، "ایسی غلطی نہ کریں۔ ہم منگ کو پکڑ نہیں سکے۔ کالرے کا تھانیدار پیر نور شریف کا مرید ہے۔ وہ اور کا اور کیس بنا دے گا... ایسی غلطی نہ کریں۔"

بھائی انگلیوں سے اپنی ٹھوڑی کھجانے لگے۔ ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"مگر چارپائی پر..." بھائی نے کہا، "اگر رقیہ اور نوبہ چارپائی پر ہوتے تو کسی ایک کی موت یقینی تھی۔ اس کوبرے کا..." انھوں نے چارپائی کی پائنتی کی سمت دیکھا۔ "اس کا زہر تو تین منٹوں میں تگڑے سانڈ کو بھی ختم کر سکتا ہے۔"

"پولیس کچھ نہیں کرے گی صاب۔ الٹا ہم کو ہی تھانے کے چکر لگانے پڑیں گے،" گداؤ نے کہا۔

"یہاں کوئی کیا کرے..." بھائی نے بے بسی سے کہا، "ہر سمت جال سا بچھا ہوا ہے۔"

ماں جی اس چھت پر جانے کے لیے سیڑھیوں کی سمت مڑی۔ گلناز بھی مڑی۔ بھائی نے بھی سیڑھیوں کی سمت قدم اٹھایا۔

"اسے صبح باہر پھینک دینا،" انھوں نے سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے گداؤ کی طرف دیکھا۔

"بیبیوں کو دیکھ لینے دیں صاب!" گداؤ کے لہجے میں فخر سا تھا۔ "پھینک دوں گا۔"

گداؤ کے دل میں بھابھی اور بہنوں کو اپنا کارنامہ دکھانے کی خواہش موجود تھی، اور یہ خواہش جائز بھی تھی۔ گداؤ نے جس قدر دلیری سے کوبرے کا مقابلہ کیا تھا اس سے یہ مفروضہ غلط ثابت ہو گیا تھا کہ میراثی لوگ بہت ڈرپوک ہوتے ہیں۔

"مجھے افسوس ہے گداؤ،" میں نے کہا، "میں تمھاری کوئی مدد نہ کر سکا۔"

گداؤ نے دھیما سا قہقہہ لگایا۔

"اس رات میں آپ تھے نا صاحب؟" اس نے چلتے ہوئے کہا۔ "بیٹی کا رخ چارپائی کی سمت رہے... بہت بڑی مدد تھی۔"

تب مجھے یہ... گدا نے گلناری کو مجھ سے لپٹے ہوئے دیکھ لیا تھا... دیکھا تو ماسی جیراں نے بھی... تھا۔

"مجھے پتا نہیں تھی۔" میری آواز میں ندامت تھی۔

"بہت اچھا کیا صاحب!" گدا نے کہا۔ "آپ نہیں جانتے کہ اس نے آپ کے ساتھ..." گدا چارپائی کی سمت مڑا۔ چارپائی سے گدا اور گاؤ تکیہ اٹھایا۔ وہ برآمدے میں پڑے... برآمدے کی سمت کر دیا۔ گدا واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک چادر تھی۔ وہ چارپائی کی طرف بڑھا۔

"تمہیں سونا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں صاحب!" گدا نے کہا۔ "اب وہ مت آئے... اب کیا... وہ کبھی ادھر منہ بھی نہ کریں گے۔"

"ٹھیک کہتے ہو گدا۔" میں نے کہا۔ "مجھے بھی یہی محسوس ہو رہا ہے۔ وہ بہت مکار آدمی ہے... اب... وہ تھوڑا بہت چلا جائے گا۔"

گدا چارپائی پر بیٹھ گیا۔ وہ... پر... تھا۔

"آپ بھی چھت پر جا کر سو جائیں۔" اس نے کہا۔ "ابھی تو بہت رات پڑی ہے۔"

میں سیڑھیوں کی سمت مڑا ہی تھا کہ ماسی جیراں اور گلناری سیڑھیوں سے نیچے اتر رہی تھیں۔

"ہمیں تو اب اجازت دے بچہ..." ماسی جیراں میرے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ میرے سر پر رکھا۔ "تو نے رتی اور بوٹے کی جان بچائی ہے، میرا لوں لوں (رواں رواں) تجھے دعائیں دے رہا ہے... تو بہت سیانا ہے، بہت ہی سیانا... اور سچا بھی ہے... میری دعائیں ہمیشہ تیرے ساتھ رہیں گی۔ اب اجازت دے... بہت رات باقی ہے، ہم چلی جائیں گی بچہ..."

گلناری کا چہرہ دمک رہا تھا۔ وہ سر سے پاؤں تک مجسم مسکراہٹ محسوس ہو رہی تھی۔

"گداؤ کو ساتھ لے جاؤ ماسی۔" میں نے کہا۔ "راستے میں کتے ہوں گے۔"

"نہیں۔" ماسی جیراں نے کہا۔ "کوئی ضرورت نہیں۔ تندرو اس گاؤں کے سب کتے مجھے پہچانتے ہیں پتر۔"

گلنازی کا دھیما سا قہقہہ ابھرا۔

"ٹھیک ماسی۔" گداؤ نے کہا۔ "دروازے پر اندر سے تالا لگا لینا۔" گداؤ دروازے کی سمت گیا۔ اس کے پیچھے ماسی اور ماسی کے پیچھے گلنازی تھی۔ اچانک وہ بیٹھک سے مڑی۔ مدھم سی روشنی میں اس کا چہرہ بہت سا لگا۔ جس طرح چھوٹے بچے اور بچیاں ماں سے بچوں اور بچیوں کو چڑاتے ہیں اسی طرح گلنازی نے شرارت بھری چمکتی مسکراتی آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور زبان نکالی۔ پھر تیزی سے مڑی، اس کے ماتھے کے قریب کی سوئی رنگ لہرائی۔

ماسی اور گلنازی کے چلے جانے کے بعد گداؤ صحن میں چارپائی پر لیٹ گیا۔ میں نے پکی بیٹھک کی چھت پر بستر بچھا دی۔ ہر سمت گہرا اندھیرا چھا گیا۔ چھت پر پہنچتے ہی مجھے ایسی روشنی میں یوں محسوس ہوا جیسے رقیہ نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا ہو۔ ستاروں کی مدھم روشنی گہرے اندھیرے میں بھی اپنے ہونے کا احساس دلا رہی تھی۔ چھت پر گرمی کا احساس اگرچہ کم تھا لیکن جسم پر پسینے سے نمی سی محسوس ہو رہی تھی۔ اس گرمی میں بھی رقیہ نے جب کو چھاتی سے چمٹایا ہوا تھا۔ میں نے بستر پر بیٹھے ہی بیٹھے صحن کی سمت دیکھا۔ گداؤ کی چارپائی اندھیرے ہی کا حصہ تھی۔ گداؤ گہری نیند سو رہا تھا۔

"کسی غیر معمولی حالت میں حواس کی صلاحیت کئی گنا کیوں بڑھ جاتی ہے؟" ستاروں کو دیکھتے ہوئے یہ سوال میرے ذہن میں نمودار ہوا۔ "جسم تو وہی ہوتا ہے، جسم میں موجود ہر قسم کی صلاحیت بھی وہی ہوتی ہے، جسمانی قوت بھی وہی ہوتی ہے۔ پھر کسی غیر معمولی حالت میں قوت سماعت اور قوت بصارت کئی گنا زیادہ کیوں ہو جاتی ہے؟ اس کی طبی توجیہہ کیا ہو گی؟"

مجھے اپنی بغلوں کے نیچے سے دو لمبی نازک انگلیوں والے ہاتھ سینے کی جانب بڑھتے محسوس ہوئے۔۔۔ لمبی انگلیوں کا لمس محسوس ہوا، جو بڑھتے ہوئے دونوں جانب سے ایک دوسرے میں پیوست ہو گئیں اور پھر ان نازک انگلیوں میں اتنی زیادہ قوت کا احساس ہوا کہ میرا سینہ جکڑا گیا۔۔۔

[illegible]

[illegible] سوانی جسم کا گدگدا احساس کم مت سا گیا۔ گدگداہٹ [illegible]

[illegible] کیفیت کا احساس جلدی ساون کے بالوں سے گرتی ہوئی [illegible]

[illegible]

ہونے کا احساس بھی دلا دیتا ہے اور دل کی ہر تشنا حقائق کی تند لہروں میں بھربھری ہو کر بہہ جاتی ہے۔ دریا کی لہروں پر چند دردوز چیخوں کے سوا کوئی آواز بھی نہیں تیرتی۔ میں نے شیریں کو خسرو کے دربار میں دوزانو ہو کر اپنے آنسوؤں سے خسرو کے پاؤں بھگوتے بھی دیکھا ہے، جب وہ اپنے بدن کی قیمت پر، اپنی آبرو کے عوض، فرہاد کی زندگی مانگ رہی تھی۔ میں نے ارو سی کو وکرم کے بجوگ میں شدتِ غم میں پلکوں سے وہ خون کے آنسو گراتے دیکھا ہے جسے راج ہنس موتی سمجھ کر چگنے کے لیے آگئے ہوں اور اس منظر کو دیکھ کر جھیل کا پانی ساکن ہو گیا ہو۔ . . میں نا آسودگی کی مکمل کیفیت سے نا آشنا ہی سہی، میری حالت اس بچے کی سی تو ہے جو کسی دریا کے کنارے ریت پر بیٹھا، پاؤں سے گھروندا بنا رہا ہو، لیکن اسے یہ معلوم نہ ہو کہ پاؤں پیچھے ہٹانے پر، گھروندا ٹوٹ جانے پر اسے کتنا دکھ ہوگا۔''

میں نے ستاروں کے جھرمٹ کی طرف آنکھیں کھول کر دیکھا۔

''کلہاڑی نے گھروندا بنانا شروع کر دیا ہے۔ . .'' ستارے ٹمٹما رہے تھے۔ ''اس سے پہلے کہ وہ اپنا پاؤں پیچھے کھینچے اور گھروندا ٹوٹ جائے، اسے روکنا ہوگا۔''

ستاروں کے جھرمٹ اب بھی نیچے لٹکے ہوئے محسوس ہو رہے تھے، لیکن وہ کشمکش زدہ خوف جس نے سب کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا، اب کہیں بھی نہ تھا۔ وہ خوف ہمیشہ کے لیے چھت سے نیچے اتر چکا تھا، صحن کو پار کر چکا تھا، بیرونی دیوار کے پیچھے کھیت کی پگڈنڈی پر ڈھیر ہو چکا تھا، کھیتوں کی ہانپتی میں سے گھسٹتا ہوا پرانی حویلی کے کھنڈرات کی سمت جا چکا تھا — زخمی، سہما اور سمٹا ہوا میں نے سر گھما کر صحن کی طرف دیکھا۔ اندھیرے میں وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ بیرونی دیوار کا احساس بھی مٹ چکا تھا۔ ہیجانی کیفیت میں بڑھ جانے والے حواس، آہستہ آہستہ کم ہوتے ہوئے، اپنی معمولی صلاحیت تک آگئے تھے۔ حواس میں جو تیزی پیدا ہو گئی تھی، وہ مٹتے مٹتے مٹ چکی تھی۔

''وہ کتنی خوبصورت ہے۔ . .'' میرے خیالوں کا سلسلہ پھر جذبات کی رو میں، منبر کے بجتے دھاروں کی طرح بجنے لگا۔ ''وہ دل کی بھی کتنی اچھی ہے، بچوں جیسی، بھولی بھالی، کسی بھوٹنے سے ببول کی نازک سی شاخ پر بیٹھی فاختہ جیسی، کسی جھاڑی کی پتلی سی ٹہنی پر خوشی سے جھومتی چڑیا کی طرح۔ . . وہ کتنی خوبصورت ہے۔ . .''

Scanned with CamScanner

مجھے پھر اپنے بدن پر گلنازی کے بازوؤں کی مضبوط گرفت محسوس ہوئی۔

"اس کے بازو کتنے گداز ہیں... لیکن اس میں اتنی طاقت کہاں سے آ گئی تھی؟ اس سے تو مجھے یوں جکڑ لیا تھا کہ میں ہل بھی نہ سکا تھا۔ گاؤں کے جفاکش ماحول میں پلی بڑھی ہے، طاقتور تو ہوگی ہی... لیکن اس کے بازو کس قدر گداز تھے۔ اس کے ہاتھوں میں نرمی بھی تھی۔ اس کی انگلیاں، لمبی انگلیاں کس قدر خوبصورت ہیں... شاید وہ بھی میری طرح ہیجانی کیفیت میں ہوگی۔"

مجھے ایک بار پھر نسوانی بدن کے احساس سے پیدا ہونے والی کیفیت پشت پر محسوس ہوئی اور پھر وہ میرے پورے بدن میں انجانی سی لہر بن کر دوڑنے لگی۔

"اس کے رخسار ریشمی ہیں... اس کے ہونٹ..."

مجھے یوں لگا جیسے میرا چہرہ پھر سرخ سا ہو گیا ہے۔

"نہیں نہیں..." میں اپنے احساسات سے چونکا۔ "یہ غلط ہے، ایسا ہونا غلطی ہوگی۔ جو بات ممکن ہی نہیں، اس سے وابستہ احساسات و جذبات بے معنی ہوتے ہیں... مجھے تو یہاں سے بیس پچیس دنوں تک جانا ہی ہے... یہ میں کیا سوچ رہا ہوں... نہیں، یہ ٹھیک نہیں ہے۔"

تلخ حقیقت بے حسی بن کر میرے بدن پر اتری۔ اس بے حسی میں مجھے اپنے ذہن میں ایک گنبد سا بن گیا جس میں خیالات، بے صدا ہونے کے باوجود، بازگشت کے ہونے کا احساس پیدا کر رہے تھے۔

"نہیں، میں ہرگز ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ گلنازی کو خواہش کی اس دلدل میں نہیں گرنے دوں گا۔ وہ محمد اکبر خان کی منگیتر ہے اور یہ دیہاتی لوگ منگیتر کی خاطر انتہاپسند ہو جاتے ہیں... گلنازی کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو جائے گا... وہ گلنازی کو مار دیں گے... خواہش کی کالی بلا اسے مارے نہ مارے، غیرت کے اندھے عفریت اسے نہیں چھوڑیں گے... شاید میں بھی اندھی غیرت کے عفریت کا شکار ہو جاؤں گا... میں ڈرپوک نہیں ہوں، نہ ہی موت کا خوف کبھی مجھے کسی راستے پر جانے سے روک سکا ہے، لیکن یہ راستہ ایسا ہے جس پر روشنی نہیں ہے اور قدم قدم پر گہرائیاں ہیں، اور اس راستے پر اگر میں نے قدم رکھا تو میرے ہاتھ میں گلنازی کا ہاتھ بھی ہوگا... نہیں، میں گلنازی کو ہر حال میں روکوں گا..."

Scanned with CamScanner

میں نے صحن میں مردہ کو برے کو دیکھنے کی ناکام کوشش کی۔ صحن میں ہر سمت تاریکی تھی۔ ہوا کے ایک دھیمے سے جھونکے نے احساس دلایا کہ رات ڈھل رہی ہے — ویسے بھی جون جولائی کی راتیں لمبی کہاں ہوتی ہیں۔ سب سو چکے تھے۔ بھائی، رقیہ... بوبا تو پہلے ہی سے سویا ہوا تھا، اور صحن میں گداؤ بھی سو چکا تھا۔

''گداؤ واقعی بہت دلیر ہے،'' میں نے سوچا۔ ''اس علاقے میں رہتے ہوئے بھی وہ پیر نور شریف کے سحر سے آزاد ہے۔ اس نے میری مدد کی، اور آج رات جس دلیری کا مظاہرہ کیا ہے وہ میں کبھی بھول نہ پاؤں گا... یہ بات سچ ہے کہ پیروں نے پسماندہ علاقوں میں اٹھانوے فیصد لوگوں کو اپنے سحر کا اسیر بنا رکھا ہے، لیکن ان ہی علاقوں میں ماسی جیراں کا شوہر حوالدار نذر حسین بھی تو تھا جو پیروں کے فریب سے آگاہ تھا... ان ہی علاقوں کا رہنے والا گداؤ بھی ہے جو پیر کی غلامی کی زنجیریں توڑ چکا ہے.. وجہ چاہے کچھ بھی ہو، وہ آزاد تو ہے... اور آج کے بعد ماسی جیراں، رقیہ اور گلن زی کے لاشعور پر سے پیر کی حکومت ختم ہو جائے گی۔ وہ اپنے شعور کے ساتھ زندگی کے سفر میں آگے بڑھیں گی... سست رفتاری ہی سے سہی، یہ شعور ضرور پھیلے گا...''

ڈھلتی رات میں بھی وقت کے قدم بوجھل تھے۔ میری آنکھوں کی نیند شاید پلکیں جھپکتے ستاروں کے پاس تھی۔

''کیا میں کسی داخلی بے تابی کا شکار ہو چکا ہوں؟'' میں نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ ''وقت نہ جانے کیا ہوا ہوگا۔'' ہوا کے جھونکوں میں تیزی سی نمودار ہو رہی تھی۔ چار پائیوں پر بچھی چادروں کے لٹکے ہوئے حصوں میں پھڑ پھڑاہٹ سی پیدا ہو رہی تھی۔ ہوا میں خنکی سی بھی تھی۔ ہوا کا رخ ہمیشہ سون سکیسر کے پہاڑوں سے جنوب مغرب کے میدانوں کی سمت ہوا کرتا ہے، اس لیے تیز ہوا میں فصل خریف کی خوشبو بہت کم ہوتی ہے، لیکن خنکی اس بات کا احساس دلا رہی تھی کہ رخ تبدیل بھی ہو جاتا تھا اور ہوا کے ہر جھونکے میں مکئی کے نرم، گہرے سبز رنگ کے بھٹوں کی خوشبو، جوار کے پھول نما خوشوں کی مہک، گھوڑوں اور دیگر چوپایوں کے لیے لگائے گئے برسیم اور شتالے[45] کی خوشبو رچی ہوا کرتی تھی۔

45۔ شتالا۔ گھوڑوں کا سبز چارہ، الف الفا (Alfalfa)۔

''مجھے نیند کیوں نہیں آ رہی ہے؟'' میں نے پھر پہلو بدلا۔ ''اب نہ اضطراب ہے، نہ اندیشہ... مجھے نیند کیوں نہیں آ رہی ہے؟'' چند لمحوں بعد دور سے اس چھوٹی سی جنگلی چڑیا کی آواز آئی جو سات سُروں کا گیان رکھتی ہے۔ ''یہ موسیقار چڑیا مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔'' صبح تمام پرندوں سے پہلے بولنے والی اس چڑیا کی سرگم سن کر ہی شاید دوسرے پرندوں کو رات گزر جانے کا احساس ہوتا ہوگا۔''

اچانک رقیہ اٹھی۔ نہ جانے وہ رات بھر سوئی بھی تھی کہ نہیں۔ اس نے پھر بوبے کو یوں اٹھایا جیسے وہ یک برس کا ہو۔ اس بار اسے سیڑھیوں سے اترنا تھا۔ بوبے نے اوں ووں کرتے ہوئے سر رقیہ کے کندھے پر رکھ دیا اور وہ اتنے خاصے بوجھ کو اٹھا کر نیچے صحن میں اتر گئی۔

''وہ کہاں جا رہی ہے؟'' میں گھبرا گیا۔ ''اس وقت اس کا کہیں بھی جانا ٹھیک نہیں۔'' میں اٹھنے ہی والا تھا کہ نیچے برآمدے کے اندر کمرے کی کنڈی کھلنے کی دھیمی سی آواز آئی۔ رقیہ اندر کمرے میں چلی گئی تھی۔ وہ ابھی تک خوفزدہ تھی۔ میری سانس پھیپھڑوں سے یوں نکلی جیسے اسے کسی بندش نے روک لیا تھا...

''رقیہ بہت ڈر گئی ہے۔'' میں نے سوچا۔ ''چھت پر میرے اور بھائی کے موجود ہونے کے باوجود وہ بہت خوفزدہ ہے۔ کمرے میں تو بہت ڈری ہوئی ― بھابھی اور بہنیں بھی گھر پر نہیں ہیں۔ میں اسے کیسے سمجھاؤں کہ اب ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

چھت پر گزرتی ہوئی ہوا میں موسیقار چڑیا کی آواز وقفے وقفے سے ابھر رہی تھی۔ پہلی بار رات کے زوال پذیر لمحوں میں مجھے غنودگی کا احساس ہوا۔ میں نے آنکھیں موند لیں۔ تصور میں پل بھر کے لیے کلوری کا خوبصورت چہرہ نمایاں ہوا، چڑیا کی خوبصورت آواز آئی اور پھر ہر شے دھندلا گئی...

26

''اٹھو، دھوپ نکل آئی ہے!'' بھائی کی آواز پر میں بہت مختصر لیکن بہت گہری نیند سے بیدار ہو۔ آہستہ سے اٹھا۔ آنکھوں میں خوابیدگی سی تھی جس میں چھت پر اور آس پاس پھیلی ہوئی چمکتی

Scanned with CamScanner

ہوئی دھوپ کا احساس پلکیں کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں منہ پر الٹا ہاتھ رکھے سیڑھیوں تک گیا۔ جسم میں سونے کے باوجود تھکن سی تھی۔ تیسرے زینے پر پاؤں رکھتے ہی مجھے اپنے پورے وجود میں ایک خوشگوار کیفیت کا احساس ہوا، جو ایک اٹھی ہوئی موج کی طرح میرے بدن سے بہت ہی لطیف انداز میں ٹکرا رہی تھی۔ گلنازی کا مجھے روکنے کے لیے مجھ سے لپٹنا یاد آیا۔ میرے ہونٹوں پر یقیناً مسکراہٹ بکھر گئی ہوگی۔ میں ٹھہر ٹھہر کر صحن میں اترا۔

صحن میں چارپائی کی پائنتی پر مرا ہوا کلیجی رنگا کوبرا مردہ حالت میں بھی کنڈلی مارے نظر آیا۔ میں نے ہینڈ پمپ پر منہ ہاتھ دھوئے، دانت صاف کیے۔ بیرونی دروازے سے بھابھی اور بہنیں تیزی سے اندر آئیں۔ ان کے ساتھ گداؤ بھی تھا۔ گداؤ نے انھیں راستے میں یقیناً سب کچھ بتا دیا تھا تبھی وہ صحن میں آتے ہی سیدھی چارپائی کی پائنتی کی سمت گئیں۔ بھابھی پر تو جیسے سکتہ طاری تھا۔ گھبرائی ہوئی باجی ریحانہ زیرِ لب تلاوت کرنے لگیں۔ بہن عصمت مجھ سے ناراض تھیں کہ میں نے انھیں اس مہم میں کیوں شامل نہیں کیا۔

"تم کیا سمجھتے ہو؟" بہن عصمت نے کہا، "میں ڈر جاتی، شور مچا دیتی؟" گداؤ نے بہنوں کو ہر بات بتا دی تھی۔ بہن عصمت کی آواز میں غصہ بھی تھا۔ "تم سے زیادہ دلیر ہوں میں۔ ایسے سانپ تو میں اپنی جوتی کے نیچے کچل سکتی ہوں۔" عصمت کے اس جملے پر بھائی مسکرائے۔ گداؤ نے بھی مسکراتے ہوئے کوبرے کی طرف دیکھا۔ بہن عصمت کو یہ بات کہاں معلوم تھی کہ یہ کلیجی رنگا کوبرا اس قدر چالاک اور پھرتیلا ہوتا ہے کہ اکثر سپیرے نظر آنے پر اسے پکڑنے کے بجائے راستہ ہی بدل لیتے ہیں۔ برآمدے کی چق اٹھی۔ رقیہ باہر آئی۔ سیدھی بھابھی کی سمت گئی اور اس نے اپنا سر بھابھی کے کندھے پر رکھ دیا۔

"بی بی جی..." رقیہ نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔ بھابھی کا ہاتھ اس کے سر پر تھا۔ بہن عصمت نے رقیہ کا ہاتھ پکڑا۔

"حوصلہ کر رقیہ،" عصمت نے کہا، "خطرہ تو ٹل گیا۔ ہمارا لیو بچ گیا۔"

"میرے بوبے کو مارنے آئے تھے..." رقیہ نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ برآمدے سے بوبا بھاگتا ہوا باہر آیا اور ماں کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔ "مارنے آئے تھے..." رقیہ نے کوبرے

کی طرف دیکھو۔ جان لیتے آ رہے تھے میرے کوبے کی۔۔ لعنت پڑے ان پر۔ ۔ زندگی میں کسی چیز نے شاید اس کو ۔ ۔ اور وہ تو ۔ ۔ ۔ میرے کوبے کی جان لینا چاہتا تھا۔ ۔ ۔ میرے کوبے کو مروانا چاہتا تھا ۔ ۔ تیرے بچے مریں پیرا!''

میں نے جھٹکے سے رقیہ کی سمت مڑا۔ شاید میری آنکھیں چمک اٹھی ہوں گی۔ یہ چمک فتح کی تھی [illegible] جو [illegible] پیدا ہوتے انسان کے جسم کو شاداب کر دیتی ہے۔ [illegible] میں میری جیت ہو چکی تھی۔ رقیہ کی آنکھ روشن ہو اٹھی تھی۔ ۔ ۔ گداو [illegible] کے لیے [illegible] کی سمت آیا۔ اس نے رقیہ کی طرف دیکھا۔

''آج ناشتہ نہیں [illegible] رقیہ بی؟'' گداو نے مسکراتے ہوئے کہا۔ [illegible] ہو جاتا [illegible] کی کوئی بات نہیں ہے۔ میں [illegible] آتا ہوں۔ ایک پراٹھا میرے لیے بھی پھینک [illegible]

گداو کا یہ انداز مجھے اچھا لگا۔ گداو کی بے تکلفانہ [illegible] نے خوشگوار سا احساس دیا۔ وہ گھر کا [illegible] نہیں، ہم فرد بن چکا تھا۔

[illegible] کو دیکھ رہی تھیں جس [illegible] پیاں [illegible] نظر آ رہی تھیں۔ [illegible] پانچ منٹ پہلے [illegible] کوبرے کے جسم پر جہاں [illegible] لگی تھی، وہاں خون جم [illegible] چکا تھا۔ جو [illegible] کی کھال پر پھیلا محسوس ہو رہا تھا اور چیونٹیاں اس پر [illegible] رینگ رہی تھیں۔ [illegible] کی چیونٹیاں کوبرے کے سر کے آس پاس بھی نظر آ رہی تھیں۔ گداو [illegible] ایک کونے سے چھڑی اٹھا لیا۔ اس نے کوبرے کو یوں اٹھایا [illegible] جسم چھڑی کی ایک سمت اور [illegible] کی سمت لٹک گیا۔ چھڑی کو تھام کر تو اونچی قدم [illegible] گداو کوبرے کو لے کر باہر نکلا۔ میں بھی گداو کے ساتھ تھا۔ گداو کھیتوں کی سمت بڑھا [illegible] پاس [illegible] جب پتھر دار جھاڑیوں میں کوبرے کو پھینک دیا۔ میں تیز قدموں سے [illegible] کی طرف گیا جہاں [illegible] کو گداو کی اینٹ کھا کر [illegible] گرا تھا۔

''گداو'' میں نے تیز [illegible] آواز میں گداو کو بلایا۔ ''یہ دیکھو۔ ۔ ۔ یہ۔ ۔ ۔''

دیوار اور چھت کے درمیان جو گہری نالی سی بنی ہوئی تھی، وہاں ایک پٹاری الٹی پڑی تھی۔

Scanned with CamScanner

قریب ہی پٹاری کا ڈھکن بھی موجود تھا۔ کوبرا اسی پٹاری میں تھا۔ گداؤ نے پٹاری اور ڈھکن اٹھایا۔ میری نظریں دیوار کے پاس مٹی پر ٹھہر گئیں۔ مٹی پر دو تین سیاہ دھبے نظر آرہے تھے۔ جمے ہوئے خون کے دھبے...

گداؤ اور میں صحن میں پہنچے تو گداؤ نے سب کو پٹاری دکھائی۔

"یہ ہے کالی بلا کی پٹاری!" بہن عصمت نے کہا۔

"میرے بچے کو ناگ ڈسے پیرا!" رقیہ کی آواز میں اب غصہ بھی تھا۔

"جلا دے اسے۔" بھابھی نے گداؤ سے کہا۔

"اچھا بی بی۔" گداؤ نے صحن کے ایک کونے میں چند لکڑیوں کے ٹکڑوں کو آگ لگائی اور پٹاری کو ڈھکن سمیت ان پر رکھ دیا۔

27

گداؤ ناگ کو لینے ہسپتال چلا گیا۔ میرے دل میں شدید خواہش تھی کہ جتنی جلدی ہو سکے، میر صاحب کی ڈسپنسری جا کر انہیں کامیابی کی خبر دوں۔ میں نے کمرے میں جا کر جلدی جلدی کپڑے بدلنے شروع کر دیے۔ باہر برآمدے سے آوازیں آرہی تھیں۔

"اگر رقیہ اور بوبا چارپائی پر ہوتے تو..." عصمت نے کہا

"یا میں مر جاتی یا..." رقیہ بوبے کا نام لیتے لیتے رک گئی۔ "میرے بوبے کو مارنے والے مریں دشمن... آگ لگے پیر کے ڈیرے کو... بدمعاش... بچوں کا رکھوالا بنتا ہے... میرے بوبے کو مارے گا؟" رقیہ نے اس انداز میں کہا جیسے پیر نور شریف اس کے سامنے ہو۔

"میرے بوبے کو؟... تیرے بچے مریں پیرا!"

"ہاں نا!" بھابھی نے پوٹھوہار کے مخصوص لہجے میں کہا۔ "شرم نہ آئی اسے؟... ظالم... صرف لوگوں کو ڈرانے کے لیے، یہ ثابت کرنے کے لیے کہ رکھی کالی بلا سے بچی ہے... توبہ توبہ... اتنا بڑا ظلم کرنے لگا تھا، بچے ہی کو قتل کرانا چاہتا تھا۔"

"ایسے لوگوں کو گولی مار دینی چاہیے!" عصمت بہن نے کہا۔

''اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں۔'' باجی ربیعہ نے کہا۔ ''خسارہ ان ہی لوگوں کے لیے ہے۔'' باجی زبانی آیت پڑھی جس میں انھی مرین کا لفظ بھی تھا۔ میں برآمدے سے ہو کر صحن میں جانے والا تھا کہ بھابھی نے روک دیا۔

''ناشتہ نہیں کرو گے؟ تیار ہے۔''

رقیہ ناشتہ کی ٹرے لے آئی۔ رقیہ مجھ سے نظریں ملانے سے ہچکچا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر کھچاؤ سا تھا۔ ناشتے کے بعد میں بازار کی سمت جانے والے میدان میں پہنچا۔

''باجی ربیعہ کو کیا ہو گیا ہے؟'' میں نے سوچا۔ ''وہ اس قدر مذہبی ہو چکی ہیں کہ ان کے ذہن میں بجز مذہبی باتوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا۔'' میدان میں دھوپ کی حدت محسوس ہو رہی تھی۔ ''اس طرح تو ان کے دن فوق سمت جائیں گے... صدیاں گزر گئی ہیں... مذہب کے نام پر کاروبار کرنے والے فریبی لوگوں سے بے لوث کوئی خسارہ نظر نہیں آیا۔ وہ سب تو نفع ہی نفع دیکھ رہے ہیں۔ ان کے کاٹے دھاگے، تعویذ اور نقش کثرت سے بک رہے ہیں۔ شرک کی دکانیں چمکی ہوئی ہیں۔ ان کی تجوریوں میں ہر روز سیدھے سادے دیہاتیوں کا خون قطرہ قطرہ گرتا رہتا ہے۔ ان کی تجوریوں میں بھوکوں کی صدائیں بند ہو رہی ہیں... ہر روز بچوں کے سروں پر سے ماؤں کے آنچل اتر رہے ہیں، انھیں تولا جا رہا ہے، وزن کے برابر سونے اور چاندی سے تجوریوں کو بھرا جا رہا ہے... خسارہ کہاں ہے؟ خسارہ تو سادہ لوح غریب لوگوں کے لیے ہے...''

میرے ذہن میں تلخی سی ابھری۔ بازار کی سمت جانے والی گلی کے کنارے پر چند دیہاتی عورتیں سروں پر ٹوکرے رکھے نظر آئیں۔ میں گلی میں پہنچا۔ دکانیں کھل چکی تھیں لیکن ابھی بازار میں وہ گہما گہمی نہ تھی جو چاشت کو اور پھر شام کو بازار بند ہونے سے پہلے ہوتی ہے۔ میں اگلی میر صاحب کی ڈسپنسری سے دور ہی تھا کہ میرے قدم رک گئے... میر صاحب کی ڈسپنسری میں داخل ہوتے نظر آنے والی بینچ پر ایک ملنگ بیٹھا تھا جس کا چوڑے چہرے اور آنکھوں والا شخص... وہ شاید اندر تھا۔ ملنگ کی نظر مجھ پر پڑی تو اس کے چہرے پر کھنچاؤ سا نمودار ہوا، اس کی بڑی بڑی آنکھیں خوفزدہ سی ہو گئیں۔ اس نے فوراً اندر دیکھنا شروع کر دیا۔ میں ڈسپنسری کے قریب پہنچا۔

اندر میر صاحب کے پہلو والے سٹول پر سانولے رنگ، لمبوترے چہرے اور آگے کی سمت بڑھی ہوئی ٹھوڑی والا ملنگ بیٹھا تھا۔ اس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ پٹی سر سے بائیں کان کی طرف آکر، نیچے جبڑے سے ہوتی ہوئی، دائیں جبڑے سے ملحق ہوئی سر کے بالوں پر بندھی ہوئی تھی۔ بائیں کان سے کچھ نیچے، گردن کی طرف، پٹی کے نیچے ابھار سا تھا جس پر سرخ رنگ نمایاں تھا۔ یہ رنگ خون کا تھا یا آیوڈین کا، مجھے معلوم نہیں...

موٹے ملنگ نے میری طرف کنکھیوں سے دیکھا۔ وہ بہت بے چین سا نظر آ رہا تھا۔

میر صاحب نے میری سمت دیکھا۔ مسکرائے۔ ''ارے برخوردار،'' انھوں نے کہا، ''آج صبح صبح ہی چلے آئے؟''

''صبح کہاں ہے سر؟'' میں نے کہا۔ ''آٹھ بج چکے ہیں۔''

''بیٹھیں۔'' میر صاحب نے مجھے ڈسپنسری کے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ ہم ذرا انھیں پنسلین کا انجکشن لگا دیں۔''

''کیا ہوا ہے انھیں؟'' میں نے ملنگ کی سمت دیکھتے ہوئے یوں پوچھا جیسے مجھے کچھ معلوم نہیں تھا۔ موٹے کالے ملنگ نے میر صاحب کی سمت بے چینی سے دیکھا۔ یوں لگا کہ وہ فوراً ڈسپنسری سے ساتھی سمیت جانا چاہتا ہے۔ میں اس کے قریب سے ہو کر گزرا اور اندر، میر صاحب کی میز کے سامنے والی بنچ پر بیٹھ گیا۔ زخمی ملنگ کے چہرے پر بھی خوف سا تھا۔

''ہی بچ تاں ویسی ڈاکدر صیب؟'' (یہ بچ تو جائے گا ڈاکٹر صاحب؟) موٹے ملنگ نے گھبرائی ہوئی آواز میں دمنی کے علاقے میں بولی جانے والی زبان اور مخصوص لہجے میں کہا۔ لمحے بھر میں میرے تصور میں بھائی کا چہرہ ابھرا۔ میں چونکا۔ ''بہوں رت وگی اے، تاپ بھی چڑھیا کھلا اے، ماں بہوں پھکر اے، ڈیرے وینجا اے،'' (بہت خون بہہ گیا ہے، بخار بھی ہو گیا ہے، مجھے بہت فکر ہے، ڈیرے میں جانا ہے) موٹے ملنگ نے ایک ہی سانس میں کہا۔

مجھے بھائی کی صلاحیت پر حیرت سی ہوئی، انھوں نے سانپ کو دیکھتے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ تو دمنی کے علاقے کا کوبرا ہے۔ میر صاحب زخمی ملنگ کو انجکشن لگا رہے تھے۔ وہ شاید موٹے ملنگ کی بولی سمجھ نہ پائے تھے۔

Scanned with CamScanner

''بس بس،'' میر صاحب نے انجکشن لگاتے ہوئے کہا، ''کچھ نہیں ہوگا، معمولی زخم ہے، ریڑھ کی ہڈی بچ گئی ہے، ورنہ مشکل تھی... بس ذرا خون زیادہ بہہ گیا ہے۔'' میر صاحب ایک روئی کے پھاہے کو ٹیکہ لگانے والی جگہ پر مل رہے تھے۔ ''کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔''

موٹے ملنگ نے بے چینی سے بنچ پر پہلو بدلا۔

''ٹانگے تے ونجنا ایں، ٹھیک ویساں؟'' (تانگے پر جانا ہے، کیا جا سکیں گے؟)

''ہاں ہاں۔'' میر صاحب اس بار اس کی بات سمجھ گئے۔ ''کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ معمولی زخم ہے۔ برسات میں زخم خراب ہونے کا ڈر ہوتا ہے، ابھی تو بارشیں دور ہیں۔ بس ڈیرے میں جا کر ایک دو دن انھیں کوئی کام نہ کرنے دینا، آرام سے لیٹے رہیں گے تو جلدی ٹھیک ہو جائیں گے۔ اور ہاں...'' میر صاحب نے میز کے نیچے شیلف سے ایک شیشے کا مرتبان نکالا، کچھ کیپسول ملنگ کو دیے۔ ''یہ دوا، صبح و شام چار دن پانی کے ساتھ کھلاتے رہیے گا، زخم بھر جائے گا۔''

''ہوا کیا ہے؟'' میں نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

''یہ دونوں...'' میر صاحب نے کہا، ''پرانی حویلی کے کھنڈر میں ٹھہرے تھے۔ وہاں کھنڈر کی ٹوٹی دیواروں کے نیچے پتھروں اور اینٹوں پر پھسل گئے۔ گرنے پر کان کے پیچھے چوٹ آئی ہے۔ ایک انچ لمبا اور ایک سینٹی میٹر گہرا زخم آیا ہے۔ ہم نے چار ٹانکے لگا دیے ہیں۔ ہڈی بچ گئی ہے، بس خون زیادہ بہہ گیا ہے۔''

میری نظر زخمی ملنگ کے بائیں کندھے کی سمت گئی، جہاں اس کا کالا چولا اکڑا اکڑا سا نظر آیا۔

''اوہو'' میں نے کہا، ''کل رات بھی تو بہت اندھیری تھی۔''

موٹے ملنگ نے اپنی بڑی بڑی سرخ ڈوروں والی آنکھوں سے میری طرف دیکھا۔ اس بار اس کی آنکھوں میں خوف کے ساتھ غصہ بھی تھا۔ ''کتنے پیسے ڈاکدر صیب؟'' (کتنے پیسے ڈاکٹر صاحب؟) اس نے اپنے لمبے سیاہ چوغے میں ہاتھ ڈالا... شاید لمبی سی جیب تھی۔

''دو روپے آٹھ آنے،'' میر صاحب نے کہا۔ ''ایک روپیہ ٹیکے کا، ایک روپیہ ٹانکے لگانے اور پٹی کا اور آٹھ آنے دوائی کے۔'' انھوں نے غور سے ملنگ کی طرف دیکھا۔ ''تمھیں ہیں تو صرف ٹیکے اور دوائی کے پیسے دے دیں۔''

''نکیں ڈاکدر صیب، پیسے بہوں...'' (نہیں ڈاکٹر صاحب، پیسے بہت،) موٹے ملنگ نے کہا۔ اس نے میر صاحب کو دو روپے آٹھ آنے دیتے ہوئے ان کی طرف دیکھ کر پھر میری سمت دیکھا۔ ''بہوں مہربانی...'' اس نے پھر میر صاحب کی طرف دیکھا۔ ''بہوں مہربانی ڈاکدر صیب۔'' وہ اٹھا اور زخمی ملنگ کی سمت اپنا دایاں ہاتھ بڑھایا۔ ''اٹھو سائیں جی، ویے...'' (اٹھیے سائیں جی، چلیں...)

زخمی ملنگ موٹے ملنگ کا ہاتھ پکڑ کر اٹھا۔ میں دونوں کے درمیان بنچ پر بیٹھا تھا۔ موٹے ملنگ نے غصے سے میری سمت دیکھا۔ جیسے ہی زخمی ملنگ میرے اور میر صاحب کی میز کے درمیان آیا اور میر صاحب پل بھر کے لیے میری نظروں سے اوجھل ہو گئے، موٹے ملنگ نے میری سمت جھک کر مجھے غصے سے دیکھا۔

''نبڑ گھیساں...'' (نمٹ لیں گے...) اس نے دانتوں میں پسی ہوئی آواز میں کہا۔

''کیا؟'' میر صاحب چونکے۔ انھوں نے سرگوشی کو سن تو لیا تھا، لیکن دھمکی کی زبان ان سے اجنبی تھی۔ ''کیا کہہ رہے ہیں آپ؟''

''کجھ نئیں جی...'' (کچھ نہیں جی...) موٹے ملنگ نے کہا۔ ''میں آہداواں، اپڑ ویساں؟ ٹیم ہو گیا تانگے ناں، بہوں گرمی اے، نکل گیا تاں رہ ویساں...'' (میں کہہ رہا ہوں، کیا پہنچ جائیں گے، وقت ہو گیا ہے تانگے کا، بہت گرمی ہے، نکل گیا تو رہ جائیں گے۔) موٹے ملنگ نے ایک ہی سانس میں پھر لمبی بات کی۔ زخمی ساتھی کا ہاتھ پکڑا۔ وہ کراہا۔ اس کے چہرے پر درد کی کیفیت نمایاں تھی۔ بائیں کان کے نیچے گردن پر سوجن سی نظر آ رہی تھی۔ اچھا ہوا کہ گدڑ کا نشانہ چوک گیا اگر بیسٹ ملنگ کے سر پر لگتی اور کھوپڑی ٹوٹ جاتی تو اس کی موت اس دور افتادہ گاؤں میں یقینی ہوتی۔ ڈسپنسری کی سیڑھیوں سے اترتے ہوئے ملنگوں کی مالاؤں کے بڑے بڑے منکے آپس میں ٹکرائے۔ کلائیوں میں کڑے پہنے، عورتوں والے کنگنوں جیسے، انگلیوں میں سرخ، عنابی، نیلے، پیلے، سبز اور سیاہ پتھروں والی انگوٹھیاں پہنے، موٹے موٹے منکوں اور کوڑیوں والے لمبے لمبے ہار پہنے، پنڈلیوں تک سیاہ چغہ نما چولوں میں ملبوس، لمبے لمبے بالوں والے، خوف ناک خدوخال والے دونوں ملنگ کسی انجانی تاریک قوت کے کارندوں کی طرح، بھیانک عفریتوں کی طرح، تانگوں والے اڈے

کی سمت چلے گئے جہاں سے نو بجے تانگے نے جانا تھا۔ دونوں ملنگوں کے سروں پر کالے پٹکے نہیں تھے۔ موٹے ملنگ کی پشت پر لٹکے ہوئے بڑے تھیلے میں ہرمل دھونی دینے والی کڑاہیاں بھی لگی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس نے زخمی ملنگ کا تھیلا بھی کندھے پر لٹکایا ہوا تھا۔

”آپ ہمیں یہاں چھوڑ جائیں۔“ میر صاحب نے کہا۔ ”اتنا تو ہم جان ہی چکے ہیں کہ آپ کامیاب ہو گئے ہیں۔“ میر صاحب کی آواز سرگوشی جیسی ہو گئی۔ ”یہ گاؤں ہے۔ یہاں کسی گھر میں اگر کوئی وفات ہو جائے تو دس پندرہ منٹوں میں سارے گاؤں کو پتا چل جاتا ہے اور حادثے کی صورت میں تو سب سے پہلے ہمیں ہی پتا چلتا ہے۔ ہمیں اندازہ ہے کہ ماں بچہ خیریت سے ہیں۔ ان بدمعاشوں کو بھی معلوم ہو گیا ہے کہ وہ ناکام ہو چکے ہیں۔۔۔ اب آپ جائیں۔ شام کو بات کریں گے۔“ میر صاحب نے ڈسپنسری کے باہر ایک نوجوان کی سمت دیکھا جو ایک بوڑھی عورت کا بازو پکڑے کھڑا تھا۔ بوڑھی عورت مسلسل کھانس رہی تھی۔

”ہائے اماں جی!“ میر صاحب نے خوشگوار لہجے میں کہا، ”لوگ سردیوں میں کھانستے ہیں، آپ نے گرمیوں ہی میں کھانسنا شروع کر دیا؟“

میں خاموشی سے گھر کی سمت چل دیا۔ بیرونی دروازہ کھولا ہی تھا کہ ٹائیگر گداؤ سے زنجیر چھڑا کر میری سمت بھاگا، دونوں پیر میرے پیٹ پر رکھ دیے۔ اس کی گچھے دار دُم زور زور سے دائیں بائیں ہل رہی تھی۔ دُم کے ساتھ اس کا سر بھی دائیں بائیں جھٹکے کھا رہا تھا۔ پھر اس نے اپنا سر بھی میرے پیٹ سے لگا دیا۔

”یہ چار چشم تو مجھے زندگی بھر نہیں بھولے گا۔“ میں نے ٹائیگر کے سر اور چہرے کو سہلایا۔ ”اتنا خوبصورت جرمن شیفرڈ پھر شاید ہی دیکھنے کو ملے۔“

ٹائیگر نے میرے پیٹ سے سر ہٹایا، میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں شکایت تھی، جیسے پوچھ رہا ہو کہ مجھے رات کو کہاں چھوڑ آئے تھے؟ وہ کل شام سے بھوکا تھا۔ گداؤ نے اس کی زنجیر صحن کے پکے فرش سے کھولی اور اسے ہینڈ پمپ کے پاس، چھپر کے نیچے باندھنے کے لیے لے جا رہا تھا۔ ٹائیگر نے جھٹک کر ایک سمت گداؤ کو کھینچا۔ وہ چارپائی کی سمت بڑھا اور پائینتی کے پاس مٹی کو سونگھنے لگا۔ گداؤ نے میری طرف دیکھا۔ پھر زنجیر کھینچ کر ٹائیگر کو چھپر کے نیچے باندھا اور قریب ہی

اینٹوں کے بنے ہوئے چولھے پر ایک دیگچے میں گوشت ابالنا شروع کر دیا۔ ٹائیگر چھپر کے نیچے بیٹھ گیا۔ پھر اس نے زبان باہر نکال کر زور زور سے سانس لینا شروع کر دی۔ گرمی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ باہر بشیر نعل بند کی دکان سے ٹھک ٹھک ٹھم ٹھم قسم کی آوازیں آ رہی تھیں — دھیمی، دور سے آتی ہوئی آوازوں کی طرح...

28

''اٹھو، کچھ کھا پی لو۔''

بھابھی کی آواز پر میں اٹھا۔ نیند سے بوجھل لمحوں کا احساس ذہن پر طاری تھا۔

''اچھی بھابھی،'' میں نے کہا اور پوری آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ اس شعوری کوشش کے باوجود پلکیں بوجھل تھیں۔

''ساری دوپہر گرمی میں پڑے رہے ہو،'' بھابھی نے کہا۔'' اس سے بہتر تھا کہ نہر کے کنارے کسی درخت کے نیچے جا کر سو جاتے۔''

''نہ بھابھی،'' عصمت نے کہا۔'' ملنگ اب اس کے دشمن ہو چکے ہیں۔ وہ اسے نقصان پہنچا سکتے ہیں۔''

''وہ تو گئے عصمت بہن!'' میں نے جمائی لیتے ہوئے کہا،'' اب وہ کبھی ادھر نہیں آئیں گے۔''

''آئیں!'' برآمدے سے رقیہ کی آواز آئی۔'' آئیں!... بو بے کے مامے چاچے زندہ ہیں۔ آئیں ادھر... ٹانگیں تڑوا کے پرانی حویلی میں پھنکوا دوں گی۔''

''نہیں۔'' میں پلنگ سے اٹھ کر برآمدے میں کھلنے والے دروازے پر آیا۔'' نہیں، جب تک بو با پانچ سال کا نہیں ہو جاتا، کسی سے اس بات کا، اس واقعے کا ذکر بھی نہ کرنا۔''

''کتنے مہینے رہ گئے ہیں؟'' باجی زیبا نے پوچھا۔

''ایک مہینہ بیس دن،'' رقیہ نے کہا۔

باجی زیبا ہمیشہ کی طرح قدرے نروس نظر آئیں۔ وہ برآمدے میں رقیہ کے پاس گئیں۔

''تو فکر نہ کر،'' باجی زیبا نے کہا،'' ذرا فکر نہ کر۔ جس پاک پروردگار نے تیرے بچے کی

Scanned with CamScanner

حفاظت کی ہے... وہی آئندہ بھی کریں گے۔ قرآن میں لکھا ہے...''

باجی زہرا نے آیت پڑھنا شروع کر دی، اور میں صحن میں ہینڈ پمپ کی سمت چلا گیا۔

''باجی زہرا، یہ کیا ہے؟'' میں نے بالٹی سے پانی نکالا۔ ''انھیں اپنی ساری توجہ پڑھائی پر دینا چاہیے۔ بھائی ہر وقت مجھے ڈانٹتے رہتے ہیں کہ میں پڑھائی پر توجہ نہیں دیتا۔ باجی کو کیوں نہیں ڈانٹتے؟'' وہ ہر وقت مذہبی خیالوں میں گھری رہتی ہیں... ان کی ہر سوچ مذہبی نشہ میں کوئی آیت سے چپکی رہتی ہے... یہ رجحان درست نہیں ہے۔ کیا ہوگا باجی کا؟ اسکول میں وہ ہمیشہ شکست سے پیچھے رہتی ہیں... عمر میں دو سال بڑی ہونے کے باوجود وہ شکست سے ساتھ میٹرک کر رہی ہیں۔ انھیں مذہبی خیالات سے فرصت ہی نہیں ملتی۔''

ہاتھ منہ دھوتے ہوئے میرے ذہن پر گرتے ہی خیالات پانی کے گرتے قطروں کی طرح گرتے رہے۔

''کیا مذہب ایک جنون ہے؟''

یہ سوال میرے ذہن میں منجمد ہوتے ہوئے قطروں کی طرح، برف کی سل میں بدلتے قطروں کی طرح... آیت کے قُفل میں بدلتے ہوئے... بوجھ سا بن گیا۔

29

شام کو خشوع سے محتاط ہو کر بھائی، میر صاحب، گدا اور میں رات والے واقعے پر باتیں کر رہے تھے۔ ہر ایک پہلو پر بحث ہوئی۔ ساری بحث اس نقطے پر مرکوز ہوئی کہ پیر نور شریف اب بچے کو مارنے کی دوسری کوشش ہرگز نہیں کرے گا۔

اس بار میں اس کرسی پر بیٹھا تھا جس پر بیٹھنے والے کی پشت تنور کی سمت ہو جاتی تھی۔ مجھے اس بات کا احساس تھا کہ کنواری تنور پر ہی بیٹھی ہے، مجھے دیکھ رہی ہے اور اسے میرا اس طرح اس کی جانب پشت کرنا بہت ہی برا لگ رہا ہوگا۔

''اگر خدانخواستہ بچے کو سانپ ڈس لیتا تو...'' میر صاحب نے آہستہ سے کہا۔

''کیسے ڈس لیتا؟'' گدا نے آہستہ سے کہا۔ ''وہ تو چھت پر تھا۔''

''گداؤ میاں،'' میر صاحب نے کہا،'' ہمیں معلوم ہے... ہم تو یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر ماں اور بچہ دونوں چارپائی پر ہوتے تو دونوں میں سے ایک کی موت تو یقینی تھی... بچہ مرجاتا تو لوگ کہتے کہ کالی بلا نے ناگن بن کر بچے کا خون پی لیا ہے لیکن اگر ماں مرجاتی تو؟''

''تو کیا!'' گداؤ نے کہا،'' لوگ یہی کہتے کہ ماں نے بچے کی حفاظت نہیں کی تھی، لاپروائی کی تھی... بچہ تو پیرے چلوں اور دعاؤں سے بچ گیا ہے، سزا ماں کو ملی ہے۔''

بھائی نے بے چینی سے پہلو بدلا،'' رڈی کولس (ridiculous)'' انھوں نے کہا۔'' میں تو اسے ماس میڈنس (mass madness) کہوں گا۔''

گداؤ نے دور چے بناتے ہوئے بخشو کی طرف دیکھا۔

''ہمیں ابھی یہ بات چھپانی ہوگی،'' گداؤ نے کہا۔'' بچے کی عمر پانچ سال ہونے میں ابھی ایک مہینہ بیس بائیس دن پڑے ہیں... خطرہ صرف قیچی سے ہے۔ وہ ہر دوسرے تیسرے مہینے بوب کی دکان چھوڑ کر بچی بال مونڈنے آجاتا ہے۔''

''اسے روکنا تو مشکل نہیں،'' بھائی نے کہا۔'' کہہ دینا کہ میں نے سیفٹی ریزر سے بال مونڈ دیے ہیں۔ اسے تو اجرت چاہیے، دے دیں گے۔''

کچھ دیر خاموشی رہی۔ مجھے بار بار گلناری کا خیال آرہا تھا۔

''مجھے اس کرسی پر نہیں بیٹھنا چاہیے تھا،'' میں نے سوچا۔'' گلناری کیا سوچتی ہوگی... اور ماسی... اس کی نظر مجھ پر پڑی تو وہ کیا سوچے گی... رات والی بات کے بعد مجھے تھوری کی سمت پشت نہیں کرنا چاہیے تھی۔''

مجھے یاد آیا کہ گداؤ نے اور بخشو نے مجھے بتایا تھا کہ گاؤں کے کسی لڑکے میں جرأت نہیں کہ وہ تھوری کی سمت آئے۔ ماسی نے سختی سے منع کر رکھا ہے۔

''برخوردار،'' میر صاحب کی آواز پر میں چونکا،'' ایک معاملے میں تو پیر آپ کو مات دے گئے۔''

''وہ کیا سر؟'' میں نے کہا۔

''جو طریقہ انھوں نے اختیار کیا،'' میر صاحب نے کہا،'' آپ کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا۔''

Scanned with CamScanner

"واقعی سر،" میں نے کہا۔ "کوبرا چھینکیں گے، یہ تو میں نے سوچا ہی نہ تھا... لیکن میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ طریقہ پیر نور شریف کے ذہن کی پیداوار نہیں ہے۔ یہ طریقہ اس کے آباؤ اجداد میں سے کسی بے حد مکار شخص کی ایجاد ہوگا جو نسل در نسل چلا آ رہا ہے۔ نہ جانے ہوسِ سیم و زر کی خاطر پیروں نے کتنے بچوں کو قتل کیا ہوگا، اور ستم ظریفی یہ ہے کہ وہ کل بھی قاتل ہونے کے باوجود معاشرے میں بہت باعزت تھے اور آج بھی ہیں۔"

"پیروں کے مزار تو جگہ جگہ پر ہیں صاحب،" گداؤ نے کہا۔ "جہاں کالے سبز سرخ پیلے جھنڈے نظر آئیں، سمجھ لیں کسی پیر کا مزار ہے۔ میں نے دیکھا تو نہیں لیکن سنا ہے، مٹھن چن کے بڑے پیر کا مزار حویلی کے اندر ہے۔" گداؤ بخشو کو آتے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ بخشو چائے لایا، پیالیاں میز پر رکھیں، چند لمحے گداؤ کو دیکھتا رہا۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ [illegible] کہہ نہ پایا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی اہم بات کرنا چاہتا تھا لیکن کہے بغیر واپس اپنی کوٹھڑی کی سمت چلا گیا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو گداؤ،" میں نے کہا۔ "جگہ جگہ پیروں کے ڈیرے ہیں، جو دربار کہلاتے ہیں۔ جو مجرمانہ ذہنیت نہیں رکھتے اور پیری کر کے آسان روزگار حاصل کرنا چاہتے ہیں، ان کے دربار اور ڈیرے جلد اجڑ جاتے ہیں۔ صرف مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے پیروں ہی کے دربار آباد رہتے ہیں۔ جلد [illegible] کی شاطر [illegible] جادو سے چڑھ جاتے ہیں... اپنی ساکھ وراثتی بلا کی دہشت کو قائم رکھتے ہیں۔ جس مکار پیر نے ماضی میں سانپوں کے ذریعے بچے مروائے ہوں گے، آج اس کے مزار پر عالی شان [illegible] چادریں چڑھائی جاتی ہیں۔ وہ بدمعاش قاتل آج بزرگ کہلاتا ہوگا۔ جو لوگ اس کے مزار پر دور دراز سے [illegible] مانتے ہوں گے، خوف انھیں جب بھی سہارے کی تلاش میں سرگرداں کرتا ہوگا، وہ اس کے مزار پر ماتھا ٹیک دیتے ہوں گے۔ خود غرضی جب بھی انھیں ان کی [illegible] ہوگی تو وہ پھر سہارے کی تلاش میں پیروں کے درباروں میں سر [illegible] ہوں گے۔ وہ بھی اپنے دشمن کو زیر کرنے کے لیے پیر سے تعویذ لیتے ہوں گے تو کبھی بیٹے [illegible] ہوتے ہوں گے، منتیں مانتے ہوں گے اور پیروں کا گھناؤنا کاروبار جو صدیوں سے چلتا آ رہا ہے، چلتا رہتا ہوگا... چل رہا ہے اور اسے روکنے والا کوئی نہیں ہے۔ مذہب فروشی کی اس سے بدترین مثال کیا ہوگی کہ ایک خونی، قاتل اور بدمعاش کو عزت ملتی ہے، اسے اہل عقیدت کہا جاتا

Scanned with CamScanner

ہے اور اس کے مزار کو بھی سیم و زر سے مضبوط بنایا جاتا ہے۔"

میں شاید کچھ زیادہ ہی اپنے اندر چھپی کڑواہٹ کا اظہار کر گیا۔ بھائی میری طرف غور سے دیکھ رہے تھے۔

"ہم تو یہ بات پہلے ہی کہہ چکے ہیں،" میر صاحب نے کہا، "جب تک ہر پسماندہ علاقے میں تعلیم عام نہیں ہو جاتی، اور تعلیم بھی وہ جو ذہن کو غلام بنانے کے بجائے آزاد کرے، تب تک یہ ظلم کے سلسلے چلتے رہیں گے۔"

مجھے اپنے دل میں پھر کسی خاموش آتش فشاں کی تہہ میں لاوا حرکت کرتا محسوس ہوا۔

"یہی تو وہ مسئلہ ہے،" میں نے کہا، "جسے سوچ کر میں، بقول آپ کے، اپنی عمر سے آگے نکل گیا ہوں۔"

میر صاحب مسکرائے، بھائی نے میری طرف دیکھا۔

"اپنی عمر سے آگے نکل جانا ابنارملٹی (abnormality) ہے،" انھوں نے کہا، "اس کا فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوا کرتا ہے۔ تم بار بار ہمیں، سب گھر والوں کو احساس دلاتے رہتے ہو کہ تم عام ذہنیت نہیں رکھتے۔ والد صاحب کئی بار کہہ چکے ہیں کہ میں اس کا کیا کروں، یہ جتنا ذہین ہے اتنا ہی بے وقوف بھی ہے۔ ایک طرف تو ایسی باتیں کر جاتا ہے کہ سننے والے حیرت زدہ ہو جاتے ہیں، دوسری طرف جب سکول کا رزلٹ آتا ہے تو یہ ایک نالائق طالب علم نظر آتا ہے۔ سوائے اردو دینیات، تاریخ، جغرافیے کے تم کبھی اچھے نمبر لے کر پاس نہیں ہوتے۔ ریاضی میں اگر تینتیس فیصد پاس ہونے کے لیے ضروری ہوتے ہیں تو یہ نمبر صرف تمھیں جیومیٹری دلاتی ہے۔ انگلش تمھیں نہیں آتی۔ مشکل سے پاسنگ مارکس لیتے ہو۔ ایسی ابنارملٹی کس کام کی... کل رات پھر تم نے مجھے احساس دلایا ہے کہ تم غیر معمولی ذہانت اور صلاحیت رکھتے ہو، لیکن جب تمھارا رزلٹ آئے گا تو نہ میں، نہ والد صاحب، ہم میں سے کوئی بھی تمھارے ہیڈ ماسٹر کا سامنا نہیں کر سکے گا... سکول میں جا کر تمھاری غیر معمولی ذہانت اور صلاحیت کہاں مر جاتی ہے؟ اسے سکول کے گیٹ کے باہر کیوں چھوڑ جاتے ہو؟"

بھائی نے کبھی اتنی بڑی بات نہیں کی تھی۔ لمبی باتیں کرنے میں اور مسلسل بولتے رہنے کے لیے تو گھر میں میں مشہور تھا۔

"آپ نے ابنارملٹی میں نفع اور نقصان کی بات کی ہے۔" میں نے کہا۔ "میں نہیں جانتا کہ میں ابنارمل ہوں یا نہیں ہوں۔۔۔ مجھے نفع اور نقصان کا احساس ہی نہیں ہوا کرتا۔ جہاں تک میرا چھوٹا سا تجربہ ہے، میں یہی سمجھتا ہوں کہ خوف اور خودغرضی سے انسانی ذہن گھٹن کا شکار ہو جاتا ہے۔ غلامی کی بھیانک تاریکی اسے جکڑ سکتی ہے۔ خوف ایک عارضی شے ہے، جب تک رہتا ہے اپنے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ذہن پر دباؤ ڈالتا ہے، اور جب خوف کی کیفیت میں خودغرضی کی آمیزش ہو جاتی ہے تو انسانی ذہن میں انتہا پسندی پیدا ہوتی ہے اور اس کیفیت کا اسیر شخص بغیر سوچے سمجھے کچھ بھی کر گزرتا ہے۔ اس کیفیت سے نجات صرف اور صرف اس شعور سے ملتی ہے جو عزتِ نفس سے فروغ پاتا ہے۔ عزتِ نفس نہ ہو تو خوف اور خودغرضی کی آمیزش سے تشکیل پانے والی کیفیت دائمی شکل اختیار کر سکتی ہے۔"

میر صاحب نے پہلو بدلا۔

"برخوردار،" انھوں نے کہا، "ہم اپنے پچھلے تقاضے سے دستبردار ہوئے۔ آپ کا رجحان میڈیکل کی سمت قطعی نہیں ہے۔ آپ میٹرک کے بعد یا تو فلاسفی کو اپنا مستقبل بنایئے یا نفسیات کو۔ ہمارا اندازہ ہے کہ آپ بہت کامیاب رہیں گے۔"

بھائی نے میر صاحب کی طرف دیکھا

"پہلے میٹرک تو کرے،" انھوں نے کہا۔ "مجھے تو فکر لگی رہتی ہے کہ یہ میٹرک بھی نہیں کر سکے گا۔"

"ارے نہیں،" میر صاحب نے کہا۔ "ہمیں یقین ہے کہ یہ کر لیں گے۔۔۔ اور ہاں۔۔۔ وہ جو آپ نے۔۔۔" انھوں نے میری طرف دیکھا، "عزتِ نفس کی بات کی ہے۔۔۔ جب ہم کالج میں تھے تو ایک پروفیسر صاحب نے ایک لیکچر میں کہا تھا کہ کمزور معاشرتی بندھنوں، تاریک مذہبی رویوں میں آزادی کا حصول ہمیشہ بغاوت کہلاتا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ آزادی عزتِ نفس سے حاصل ہوتی ہے تو۔۔۔ عزتِ نفس کے حصول کی کوشش بھی تو بغاوت ہی کہلائے گی۔۔۔ اور آپ کیا نہیں جانتے کہ معاشرے میں اس قسم کی بغاوت کا انجام کیا ہوتا ہے؟ ارے دو چار بھی ایسے نہیں ملیں گے جو یہ بغاوت کر سکیں۔۔۔ ہمیں ہی دیکھ لیں۔۔۔ ہم نے اپنی عزتِ نفس کو ایک طرف رکھ دیا، کیونکہ ہم معاشرتی بندھنوں کے تاریک حصے میں تھے۔۔۔ ہم نے اجتماعی معاشرتی بندھن کو اپنے انفرادی

Scanned with CamScanner

بدھشوں پر ترجیح دی۔ ہم تاریک رویوں کے اسیر تھے۔۔۔ آپ سچ کہتے ہیں۔۔۔ اب ہمیں احساس ہوتا ہے کہ جب ہم نے اپنی زمین چھوڑی، ماں باپ بہن بھائیوں کو چھوڑا، نانی اماں کے آنسوؤں کو مٹی میں گر جانے دیا، اس وقت ہم خوف اور خود غرضی کے اسیر تھے۔ ہم نے وقتی جوش میں کچھ نہ سوچا، عارضی ہیجان میں کچھ نہ سمجھا۔۔۔ غلط فیصلہ کیا اور اب پچھتا رہے ہیں۔ اب تو ہم عزت نفس کے احساس سے بھی نا آشنا ہیں، بغاوت کیا خاک کریں گے۔۔۔"

گفتگو بہت بوجھل سی ہوتی جا رہی تھی، میر صاحب نے اس کا رخ ہی موڑ دیا تھا، لیکن بھائی موضوع کو پھر واپس لے آئے۔ انھوں نے تنور کی سمت دیکھا۔

"میں یہ مانتا ہوں،" بھائی نے میری طرف دیکھا۔ "یہ جو واقعہ پیش آیا ہے میں کل رات تک تمھیں خود کھٹکتا رہا تمھارے قیاس کو افسانوی جنون کہتا رہا۔۔۔ لیکن جو کچھ کل رات ہمارے گھر میں ہوا ہے، کیا اس سے معاشرہ بدل جائے گا؟ ہم تو اس کی تشہیر بھی نہیں کر سکتے۔ کل جو کچھ ہوا ہے، غیر معمولی واقعہ ہونے کے باوجود، وسیع تناظر میں ایک معمولی نوعیت ہی کا واقعہ ہے۔ ایک ماں، ایک ادھیڑ عمر کی عورت، ایک نوجوان لڑکی، تمھاری بھابھی، بہنیں، یہ میر صاحب، میں اور گدا، یقیناً بدل چکے ہیں۔۔۔ ہماری آنکھیں کھل چکی ہیں، ہم اپنی آنکھوں سے ظلم کے ہتھکنڈے کو دیکھ چکے ہیں۔۔۔ لیکن تم کیا سمجھتے ہو کہ اگر ہم یہ واقعہ پورے گاؤں میں، ہر دیہاتی کو بتائیں تو کیا ان میں فوری طور پر شعور آ جائے گا؟ ہرگز نہیں۔۔۔ میر صاحب نے ٹھیک ہی کہا ہے، یہ واقعہ بھی بغاوت ہی کہلائے گا جس کا انجام ہمیشہ برا ہی ہوا کرتا ہے۔"

میں بھائی کی باتوں سے بے چین سا ہو گیا۔

"کیا لوگ اندھے ہیں؟" میں نے کہا۔ "ٹھیک ہے، یہاں پیر نور شریف کے لاکھوں مرید ہیں، لیکن اگر پانچ برس گزر جانے کے بعد بچے کے زندہ ہونے پر، اس واقعے کی تشہیر کی جائے تو کیا لوگوں میں شعور پیدا نہیں ہوگا؟ کیا ان کو حقیقت کی روشنی نظر نہیں آئے گی؟"

"آنکھیں ہوں گی تو شعور بھی ہوگا،" میر صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یہاں پر تو سب اندھے رہتے ہیں۔۔۔ اندھی عقیدتوں نے ان سے بصارت چھین رکھی ہے۔ پیر اگر ایک جملہ بھی کہہ دیں گے کہ اس رات ان کے ملنگ کالی بلا کو ناگن کے روپ میں پہچان کر مارنے کے لیے قصبے میں

آ سکتے تھے، تو آپ ڈھول پیٹ پیٹ کر بھی کہتے رہیں کہ نہیں، پیر بچے کو مروانا چاہتے تھے، تو آپ کی بات کوئی نہیں سنے گا... سب پیر ہی کی بات مانیں گے۔ ان کے ہاتھ چومیں گے، ان کی جوتیاں چومیں گے، قدموں پہ سر رکھیں گے۔ نوزائیدہ بچوں کی مائیں ہاتھ جوڑ جوڑ کر پیر سے کہیں گی کہ ان کے بچوں کو بھی بدروحوں اور کالی بلا سے بچانے کے لیے حفاظت فراہم کی جائے... جو رکھ نہیں رکھواتی تھیں، وہ بھی بالوں کے گچھے رکھوانے لگیں گی۔"

گداؤ ساری باتوں کو سمجھنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔ میر صاحب کی باتوں پر اس کے ذہن میں ہیجان نمودار ہوا۔

"مارا تو میں نے ہے،" گداؤ نے غصے سے کہا۔ "پیر کے باپ نے تو نہیں مار ناگ، اگر وہ کالی بلا تھا تو میں نے مارا ہے... کون جانے ناگ تھا یا ناگن... پر اگر کالی بلا تھی تو ماری تو میں نے ہے۔"

بھائی نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔ گداؤ کے انداز نے ماحول پہ چھائی ہوئی بوجھل کیفیت کو زائل کر دیا۔

"بس گداؤ،" بھائی نے کہا، "اب تو بھی اپنا ڈیرہ جما لے۔ چند کالے سرخ سبز نیلے پیلے جھنڈے لگا، اپنی پیری کا اعلان کر دے۔ ہم گواہی دیں گے کہ کالی بلا کو تو نے مارا ہے۔ بس چند ہی دنوں میں پورے علاقے میں پیر گدا حسین عرف گداؤ پیر کی دھوم مچ جائے گی۔ تیرے بہت سے معتقد ہو جائیں گے۔ مائیں خود ہی اپنے بچے تیرے پاس دھاگہ رکھوانے کے لیے آنا شروع ہو جائیں گی۔"

میر صاحب مسکرا رہے تھے۔

"بس چند مہینوں میں آپ کا بھی کاروبار جم جائے گا،" میں نے کہا، "آپ کا بھی دربار قائم ہو جائے گا۔"

"لعنت بھیجیں جی ایسے کاروبار اور دربار پر،" گداؤ نے کہا، "جس میں بچے مارنے پڑیں..." وہ کہتے کہتے رک گیا۔ بخشو چائے کی پیالیاں اٹھائے آ رہا تھا۔ بخشو قریب آ کر کھڑا ہو گیا اور باری باری سب کی جانب اس انداز سے دیکھ رہا تھا، جیسے کچھ کہنا چاہتا ہو۔

"کیا بات ہے بخشو؟" بھائی نے کہا۔

Scanned with CamScanner

''صاب جی... '' بخشو نے کہا، ''میرا بھی بہت تجربہ ہے۔ ٹائیگر تو بھلا چنگا تھا... یہ گداؤ...'' اس نے غصے سے گداؤ کی طرف دیکھا۔ ''بڑا اسوتڑی بنتا ہے... بیمار کہہ کر چھوٹے صاب کو بھی بہکا دیا... ٹائیگر کو کچھ نہیں ہوا تھا... بے چارہ رات بھر بھوکا رہا۔''

گداؤ نے سٹول پر اچک کر بخشو کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''اوئے بے وقوف!'' گداؤ نے کہا، ''کچھ بیماریاں چھپی ہوتی ہیں، انھیں پہچاننا مشکل ہوتا ہے، اور تو...'' گداؤ نے تھاروبریڈ کے اصطبل کی طرف دیکھا۔ ''تو نے ساری زندگی طویلوں میں گزاری ہے، تجھے کیا پتا کتوں کی بیماریاں کیا ہوتی ہیں!''

''اچھا... آ!'' گداؤ نے لفظ کو کھینچا، ''تو نے ڈاکٹر صاحب سے کیا کہا تھا کہ ٹائیگر کا پیٹ خراب ہے، اور صاب نے بغیر چیک کیے مجھے کہہ دیا کہ اٹھ تیس نمبر دوائی دودھ میں ڈال دو۔ صاب نے تیری زبان کا اعتبار کیا... وڈے سائیں نے! جب جانور کا پیٹ خراب ہوتا ہے تو وہ الٹیاں کرتا ہے اسے جلاب لگ جاتے ہیں۔''

''ٹائیگر کو قبض تھی۔'' گداؤ کے اس جملے پر بھائی، میر صاحب اور میں ہنسی پر قابو نہ رکھ سکے۔ گداؤ بھی مسکرایا۔

''جھوٹ نہ بول گداؤ!'' بخشو نے ہماری ہنسی کی پروا کیے بغیر کہا۔ ''میں صبح ٹائیگر کو کھیتوں میں لے گیا تھا۔ وہ بالکل ٹھیک ہے... تو... تو کل ٹائیگر کے حصے کا گوشت گھر لے گیا ہوگا۔''

''بکواس نہ کر!'' گداؤ نے بھی غصے سے کہا، لیکن نہ جانے کیوں مجھے یوں محسوس ہوا جیسے گداؤ غصے کی اداکاری کر رہا ہے۔ ''میں نے کل شام بھی دودھ میں ٹائیگر کو قبض کی دوائی دے دی تھی۔ صبح تک ٹھیک ہو گیا ہوگا... تو نے ہاضمے کی دوائی دودھ میں نہیں دی ہوگی... دودھ بچا لیا ہوگا اور وہ...''

گداؤ کے کہنے سے پہلے ہی بخشو چیخا۔

''دیکھیں صاب... دیکھا!'' وہ دونوں قدموں پر دائیں بائیں ہل رہا تھا۔ ''چوری آپ کرتا ہے اور الزام مجھ پر لگاتا ہے۔''

''کیا... آ؟'' اب گداؤ نے لفظ کو کھینچا۔ ''کیا تو چوری نہیں کرتا؟ تھاروبریڈ کے راشن میں

Scanned with CamScanner

سے جیسے لوگوں پہ رحم آجاتا ہے؟... اپنی چوری بھول گیا ہے تجھے؟''

''ٹھیک ہے۔'' بخشو اب تجمل کر بولا: ''ٹھیک ہے۔ مٹھی بھر چھوڑے ہی لے لیتا ہوں،
تھوڑے کی کشش ہے۔ تیری طرح تو سے حصے کا گوشت تو نہیں کھاتا۔''

میر صاحب تیزی سے آگے جھکے۔

''ارے... ارے میاں،'' میر صاحب تیزی سے بولے، ''ارے آپ تو سچ سچ لڑنے لگے۔''

جمال گدا اور بخشو کی من ترانی سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ میرا اندازہ درست نکلا
گدا اداکاری کر رہا تھا۔ پلک جھپکنے سے پہلے بخشو نے میر صاحب کی طرف دیکھا تو گدا نے مسکراتے
ہوئے مجھے آنکھ ماری۔

جب ہم واپس گھروں کو جانے لگے تو کرسی سے کھڑے ہوتے ہی میری نظر تنور کی سمت گئی۔
گل نازی میری سمت ہی دیکھ رہی تھی۔ نگاہیں ملتے ہی اس نے چھوٹی سی بچی کی طرح بسورنے والی
صورت بنا کر میری جیب کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ میں پہلی بار مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ مسکراتے
ہوئے میری نظریں نیچی ہو گئیں۔ دوبارہ اس کی سمت دیکھا تو گل نازی کی آنکھیں پل بھر میں خوشی سے
چمکتی نظر آئیں۔ اس نے اپنے بہت ہی خوبصورت مخصوص انداز میں اپنا بایاں رخسار گھٹنے پر رکھ کر سر کو
ترچھا کیا اور میری سمت مسکراتی چمکتی آنکھوں سے دیکھنے لگی۔ تنور میں موجود کوئلوں سے اٹھنے والی
روشنی کی سرخ چمک میں گل نازی کا چہرہ صبح افق سے طلوع ہونے والے سورج کی طرح چمک رہا تھا۔
اس کے ماتھے سے، اس کی خوبصورت، نفیس سی ناک اور اس کے دائیں رخسار پر سرخی بدلی کی طرح پھیل
گئی۔

30

رات چھت پر بیٹھے ہوئے، تکیے پہ سر دبائے، میں گل نازی کے چہرے کو اپنے بہت قریب
دیکھ رہا تھا۔ گل نازی کا تصور اس قدر روشن تھا کہ مجھے تاروں کی ٹمٹماہٹ اس روشنی میں ڈوبتی محسوس
ہوئی۔

''میں نے زندگی میں اس سے زیادہ خوبصورت لڑکی نہیں دیکھی...'' میں نے سوچا، ''وہ جتنی

Scanned with CamScanner

جسم اور چہرے سے دلکش ہے۔ اس سے کہیں زیادہ اس کا دل خوبصورت ہے۔ بھولی بھالی، چاہت میں پگی۔۔۔ میں اس کی کشش سے کیسے بچ پاؤں گا؟"

اس خیال کے ساتھ ہی گلنازی کا تصور مٹ سا گیا۔ آسمان پر تاروں کے درمیان گہری تاریکی سی نظر آئی۔

"میر صاحب ٹھیک ہی کہتے ہیں۔۔۔" میرے خیالات نے رخ بدلا۔ "میں اپنے جذبات و احساسات کے ربط سے اپنی عمر کو پیچھے چھوڑ آیا ہوں۔ بھائی کہتے ہیں کہ یہ بلا کی ہے اور خطرناک ہے۔ لیکن کل رات جو کچھ ہوا۔۔۔ اس سے میں پہلے کہاں آشنا تھا؟ کل رات میں جس کیفیت سے دوچار ہوا تھا، اس کا تجربہ تو میرے پاس نہیں تھا۔۔۔ تو میں اپنی عمر سے آگے کیونکر نکل چکا ہوں؟ ۔۔۔ نہ جانے اب آگے اور کیا ہوگا۔۔۔ میں گلنازی کی سمت کیوں کھنچا چلا جا رہا ہوں؟ ۔۔۔ آج میں اسے دیکھ کر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔۔۔ کیا کرتا، اس کی صورت ایک بہت ہی پیاری، بھولی بچی جیسی جو تھی۔۔۔ پھر بھی، میری مسکراہٹ نے اسے نہ جانے کیا پیغام دیا ہوگا۔"

چانک میرے سامنے ماسی جیراں کا چہرہ ابھرا۔

"تو سچا بھی ہے اور سیانا بھی۔۔۔" مجھے کل رات، ماسی کا کہا ہوا جملہ پھر سنائی دیا۔ ماسی نے مجھے سچا اور عقلمند کہا تھا۔

"سچائی کیا ہے؟" میں نے آنکھیں موند لیں۔ خیالات کل رات کے ہیجان خیز واقعات کی سمت گئے، پھر پلٹے، ان میں دھیما پن سوار ہوا۔ "سچائی کیا ہے؟ یہی نا کہ گلنازی ماسی جیراں کے بھتیجے کی منگیتر ہے۔ اس کی شادی محمد اکبر خان ہی سے ہوگی۔ میں انیس بیس دنوں کے بعد یہاں سے چلا جاؤں گا۔ پھر نہ جانے کبھی ادھر آنا ہوگا کہ نہیں۔ سچائی تو یہ ہے کہ مجھے ابھی میٹرک کرنا ہے، کالج جانا ہے، یونیورسٹی جانا ہے۔ اس میں تو کئی برس لگ جائیں گے۔۔۔ اور پھر منگیتر کی موجودگی میں میرا گلنازی سے کوئی تعلق کیسے بن سکتا ہے؟ سچائی تو یہی ہے کہ ایسا ہونا ناممکن ہے۔۔۔ عقلمندی کیا ہے؟ یہی نا کہ گلنازی کے ساتھ اپنے مستقبل کو جوڑنا غلط ہے۔ ایسا سوچنا بھی حماقت ہے۔ کیا میں بے وقوف ہوں کہ اپنے مستقبل کو اس لڑکی کے ساتھ دیکھنا شروع کر دوں جو گزرتے لمحے کی طرح میرے پیچھے رہ جائے گی؟"

اس خیال کے ساتھ ہی مجھ پر اداسی سی اتری۔ میں نے آنکھیں کھولیں۔ سر کے اوپر دھند کا احساس ہوا۔

"وہ تھی خوبصورت ہے اور مجھے چاہتی بھی ہے۔" سر پر دھند کا احساس کچھ ماند پڑ گیا۔ "ناخواندہ ہے تو کیا ہوا، بھابی بھی تو ناخواندہ ہیں، لیکن بھائی کے ساتھ کتنی اچھی زندگی گزر رہی ہے... چند برسوں ہی کی تو بات ہے... گلناری کیا میرا انتظار نہیں کرے گی؟ دادی جی اس کو منا سکتی ہیں۔ وہ اپنی لاڈلی شہزادی کی ہی خواہش کو رد تو نہیں کر سکے گی۔ اگر وہ مان گئی تو تین چار برسوں بعد میں اور گلناری بیس برس کے ہو جانے پر ایک خوبصورت زندگی کا آغاز کر سکیں گے۔ اگر گلناری اپنے منگیتر کو پسند نہیں کرتی تو اس کے ساتھ زیادتی تو نہیں ہونی چاہیے۔"

سر پر دھند کا نام و نشان نہ رہا۔ تاروں کے درمیانی حصے میں تاریکی بہت گہری ہو گئی۔ میری نگاہیں ادھر ادھر تاروں کے درمیان گہرے اندھیرے پر جم گئیں۔

"کیا یہ میری خود غرضی نہ ہوگی؟" میری نگاہ ایک بہت چمکتے ہوئے ٹمٹماتے ستارے پر جم گئی۔ "محمد اکبر خان گلناری کا گمنام زندہ سہی، بچپن ہی سے گلناری کا منگیتر ہے۔ گلناری اور محمد اکبر خان نے بچپن کے خوبصورت دن اکٹھے گزارے ہوں گے... محمد اکبر خان ان ہی خوبصورت یادوں کے سہارے جی رہا ہوگا۔" میری آنکھوں کے سامنے کچھ دھند سی نمودار ہوئی۔ "وہ ایک فوجی ہے... اپنی عسکری ذمہ داریاں نبھاتے ہوئے وہ گلناری کو یاد کرتا ہوگا۔ اسے ہر بار کا احساس خوبصورت محسوس ہوتا ہوگا... اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی گلناری ہی ہوگی۔ کیا میں اس سے یہ خوشی چھین لوں؟... کیا میں اتنا خود غرض ہوں؟" دھند میں مجھے گلناری کی خوبصورت چمکتی مسکراہٹ والی آنکھیں دکھائی دیں۔ "کیا میں اتنا بزدل ہوں کہ اپنے جیسے کسی دوسرے انسان سے اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی چھین لوں، کیونکہ مجھے اس کا موقع مل گیا ہے؟... نہیں میں ایسا نہیں کر سکتا۔" دھند میں گلناری کے مدھم مدھم خدوخال نمایاں ہوئے۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ سی تھی۔ میں ایسا نہیں کر سکوں گا۔ ایسا کرنا تو تاریک جذبات کے تقاضے کو پورا کرنا ہوگا۔ ان تاریک جذبات کے تقاضے، جو انسان کو انسان نہیں رہنے دیتے... خود غرضی انسانی معاشرے میں دیمک کی طرح پھیل جاتی ہے۔ اسی وجہ سے

Scanned with CamScanner

صدیوں سے انسانی معاشرے میں انسانیت کا چہرہ مسخ کر رکھا ہے۔ اسی زہر نے انسانی وجود کو انسانی نہیں رہنے دیا۔ حیوانی وجود بنا دیا ہے جو صرف اور صرف اپنے جبلی تقاضوں ہی کو پورا کرتا ہے۔'' دھند میں گلنازی کا چہرہ روشن ہو گیا۔ وہ میری سمت دیکھ رہی تھی، مسکرا رہی تھی۔ یہ مسکراہٹ ہر سمت روشنی میں بھی موجود تھی۔ ''کیا میں خود غرضی کے زہر سے اپنے وجود کو جلا لوں؟ کیا میں یہ تیزاب جیسا زہر گلنازی کے خوبصورت چہرے پر چھینک دوں؟ خود غرضی ہوس کا ایک مضبوط، خون آلود ناخنوں والا آہنی ہاتھ ہے۔ کیا میں اپنا ہاتھ اس آہنی ہاتھ میں دے کر اسے تسلیم کر لوں؟... نہیں، ہر گز نہیں۔ میں نے اب تک اپنی زندگی میں اپنا جو مقام دیکھا ہے میں اسے اپنی زندگی ہی سمجھتا ہوں۔ میں زندگی میں ایسا کوئی کام نہیں کر سکتا جو مجھے میرے مقام سے گرا دے۔ میں قوت شر کا کوئی تقاضا پورا نہیں کروں گا، ہر گز نہیں... میں ایسا کر ہی نہیں سکتا... شاید یہی میری عزت نفس ہے۔''

میں چونک سا گیا۔ گلنازی کے بہت روشن تصور میں، سر کے اوپر پھیلی دھند میں، مجھے گلنازی اثبات میں سر ہلاتی محسوس ہوئی اور اس کے ساتھ ہی سارا منظر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ سر پر کھلے آسمان پر تاروں کے جھرمٹ دکھائی دیے... ٹمٹماتے جھرمٹ...

''مجھے گلنازی کو روکنا ہو گا...'' میں نے سوچا۔ ''میں اسے مزید قدم بڑھانے سے خود ہی روک دوں گا۔''

اس سوچ کے ساتھ ہی مجھ پر اداسی سی اتری... میں نے پھر آنکھیں موند لیں اور نہ جانے کب مجھ پر غنودگی، اداسی ہی کی مانند گہری ہو گئی۔

31

اگلی صبح ناشتے کے بعد بھائی نے میری طرف دیکھا۔

''تمھیں گھڑ سواری کا بہت شوق ہے... تمھارے یہاں سے جانے میں بھی زیادہ دن باقی نہیں ہیں...'' انھوں نے اس انداز میں کہا جیسے کوئی واقعہ پیش ہی نہ آیا ہو۔ ''شام کو تھرو بریڈ کو ایکسر سائز کے لیے لے جانا۔''

Scanned with CamScanner

''پر بھائی جان۔۔۔'' عصمت نے کہا: ''میں تو یہ بھی نہیں چاہتی کہ آپ گھر سے باہر جائیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اب وہ منگ اس کے دشمن بن چکے ہیں۔''

''نہیں عصمت!'' میں نے کہا: ''اب وہ ادھر نہیں آئیں گے، اور اگر میں ایک بار خوفزدہ ہو گیا تو بار بار ہوتا رہوں گا۔'' میں نے بھائی کی طرف دیکھا: ''میں آ جاؤں گا۔''

میں نے کہہ تو دیا، لیکن رات کے فیصلے نے میرے سامنے سوال کی دیوار کھڑی کر دی۔ مجھے گلنازی سے دور رہنا ہے، یہ فیصلہ میرے سامنے تھا۔

''ہسپتال جاؤں گا تو گلنازی سے نظریں ملیں گی۔۔ اس کی خوبصورت چمکتی آنکھوں کو میں دیکھے بنا نہیں رہ پاؤں گا۔ وہ پھر مجھے کمزور کر دیں گی۔''

میں تو یہ فیصلہ کیے بیٹھا تھا کہ باقی دنوں میں ہر ممکن کوشش کروں گا کہ گلنازی سے دور رہوں۔۔۔ شام کو ہیپتاں کے صحن میں بھی نہیں جاؤں گا۔ گداؤ نے مجھے بتایا تھا کہ گاؤں کا کوئی لڑکا بھی ماسی جیراں کے تنور کی سمت نہیں جاتا۔۔۔ تو میں کیوں جاؤں؟۔۔۔ اگر گلنازی ہمارے گھر آئی تو میں فوراً گھر سے نکل جایا کروں گا۔ میں اپنے ہر عمل سے گلنازی کو بتا دوں گا کہ وہ جو کچھ سوچ رہی ہے وہ غلط ہے۔ میں اپنے کسی تاثر سے اس پر یہ ظاہر نہ ہونے دوں گا کہ میں اس کے بے مثال حسن سے بہت مرعوب ہو چکا ہوں۔

''وہ یا تو چاشت سے پہلے بہن عصمت سے ملنے کے بہانے آ سکتی ہے یا سہ پہر کو، جب ماسی جیراں شام تک کے لیے تنور بند کر دیتی ہے۔ میں ان اوقات میں گھر سے باہر رہوں گا۔''

ناشتے کے بعد میں گھر سے نکلا۔

''کہاں جاؤں؟'' بیرونی دروازے سے نکلتے ہوئے یہ سوال مجھے جیسے سامنے کھڑا نظر آیا۔

''ٹھک ٹھک ٹھم ٹھک۔۔۔'' بشیر نعل بند کے ہتھوڑے کی آواز نے میری توجہ اپنی طرف کھینچی۔ میں سیدھا اس کی طرف گیا۔ مجھے دکان کے سامنے دیکھ کر وہ چونکا۔

''اوئے تمیں اپنے کتے نوں کھریاں[46] لونیاں واں؟'' (او تو نے اپنے کتے کو نعل لگوانے ہیں؟) بشیر نے مشرقی پنجاب کے مخصوص لہجے میں کہا۔ میں بے اختیار ہنس دیا۔ وہ کسی گھوڑے کی نعل

46۔ پنجابی میں نعلیں کو کھریاں کہا جاتا ہے اور ایک نعل کو کھری۔

بنا رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر لمحہ بھر کے لیے اس کا ہتھوڑا ہوا ہی میں ٹھہر گیا۔ ایک مہینہ پندرہ دن ہو چکے تھے، میں نے کبھی اس سے کوئی بات بھی نہیں کی تھی۔ جھجکتے ہوئے میں اس کی دکان میں اس سے پہلے میں ایک موڑھے پر بیٹھ گیا۔ میری اس بے تکلفی پر وہ فطری طور پر حیرت زدہ تھا۔

"کچھ چاہیے؟" اس نے مشرقی پنجاب کی بولی اور لہجے میں کہا۔ "کیا بات ہے؟ کسی چیز کی ضرورت ہے؟"

"نہیں..." میں نے بھی پنجابی زبان ہی میں جواب دیا۔ "بس، ویسے ہی چلا آیا۔"

"او پائی..." (بھائی) اس نے حیرت سے کہا۔ "آج ادھر کدھر؟"

"سارا شہر اور یاں گھوم چکا ہوں،" میں نے کہا۔ "کوٹ بھوانی داس، دوست محمد کا ... یہاں تک کہ چاچڑاں بھی دیکھ چکا ہوں..." میں بھائی کے ساتھ ان شہروں میں جا چکا تھا، وہاں کوئی قابلِ ذکر بات نہیں ہوئی تھی۔

"سب جگہیں دیکھ چکا ہوں۔ چھٹیاں ختم ہونے میں اب چند دن باقی ہیں... گھر بیٹھے بیٹھے تنگ آ جاتا ہوں۔ سوچا کہ..."

بشیر نے ہتھوڑا ایک سمت رکھ کر ہاتھ دھونکنی پر رکھ دیا۔

"آ گیا خیال بشیرے اوستری دے کا..." بشیر نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "چار قدم پر میری دکان ہے... کبھی توفیق نہ ہوئی بات کرنے کی... اب گھر میں بیٹھا اوازار (بیزار) ہو رہا تھا تو آ گیا بشیرے غریب کے پاس!"

"نہیں بشیر،" میں نے کہا۔ "ایسی بات نہیں۔ جب تم گاتے ہو تو میں بہت غور سے سنتا ہوں۔ تم بہت اچھا گاتے ہو۔"

بشیر نے دھونکنی چلانی شروع کر دی اور لوہے کی ایک موٹی پتری چنگاریاں اڑاتے کوئلوں پر رکھ دی۔

"او پائی، اب کیا گانا وانا..." بشیر نے گہری سانس لی۔ "گانے والے سب پیچھے رہ گئے... اب تو دو وقت کی روٹی کے لیے میرا ہتھوڑا ہی طبلہ بجاتا رہتا ہے۔"

"کہاں کے رہنے والے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"گورداسپور،" بشیر نے آہستہ سے کہا۔

"بیوی بچے کہاں ہیں؟" میرے اس سوال پر بشیر نے سر گھما کر میری طرف دیکھا۔

"یہ کھیڑا میں نے نہیں پالا۔" چالیس پینتالیس برس کے بشیر نے پھر گہری سانس لی۔

"جب ادھر آیا تھا، کنوارا تھا۔ نہ اُودھر ویاہ (بیاہ) ہوا نہ ادھر۔" بشیر نے آگ میں سرخ ہو جانے والی پتری کو چمٹے سے پکڑ کر اٹھایا اور نہائی پر رکھ دیا۔

"رشتے دار تو ہوں گے؟" میں نے پوچھا۔

"ہیں... پر نہ ہونے جوگے..." بشیر نے نعل بنانا شروع کر دیا۔ "کچھ لاہور میں ہیں، کچھ ماہلپور میں ہیں۔ ماموں کی لڑکی سرگودھے میں ہے۔ باقی سب پیچھے رہ گئے، گورداسپور فرید کوٹ اور ملیر کوٹلے میں..."

"تم یہاں جھاوریاں کیسے پہنچ گئے؟" میں نے پوچھا۔

بشیر خاموش سا ہو گیا... پھر میری طرف دیکھا۔

"شام کو آنا..." اس نے کہا۔ "بڑا وقت ہوتا ہے میرے پاس... بڑے لمبے قصے ہیں... یہ ایہہ کام، کھریاں بنانا، بڑا مشکل کام ہے... مجھے آج ہی شاہ پور کے ایک گھوڑے کو کھریاں لگانی ہیں، باتوں کا وقت نہیں ہے میرے پاس... گھوڑوں کے پیروں کی پیمائش کرنا درزی کی پیمائش سے اوکھا (مشکل) کام ہے... کپڑا نہیں ہے استری دا... لوہا ہے... ادھا سوتر بھی ادھر اُدھر ہو گیا تو کھری برباد..."

میں موڑھے سے اٹھا۔

"اچھا، شام کو آ جاؤں گا۔" میں دکان سے نکل کر کھیتوں میں چلا گیا۔

32

شام سے کچھ پہلے میں بھولی کے باڑے پر تھارو بریڈ کو ایکسرسائز کے لیے لے جانے کی خاطر سیستان جانا چاہتا تھا، لیکن رات کو کیا ہوا فیصلہ میرے سامنے سد راہ بن رہا تھا۔

"گلناری تو وہیں ہو گی..." میں نے سوچا۔ "اسے دیکھ کر میں اپنی خواہش پر قابو نہیں پا سکتا

Scanned with CamScanner

کہ بس اسے دیکھتا ہی رہوں۔ میں کمزور پڑ جاتا ہوں، لیکن اگر میں اب گھوڑے کو ورزش کے لیے نہ لے کر گیا تو میر صاحب، بھائی، گداؤ، ماسی جیراں اور شاید گلنازی بھی یہی سوچے گی کہ میں پیر نور شریف اور اس کے ملنگوں سے ڈر گیا ہوں، اس لیے تب گھوڑے کو ایکسر سائز کے لیے نہیں لے جانا چاہتا۔"

اسی خیال کے ساتھ ہی میں گھر سے نکلا، چوڑی گلی سے نکل کر پکی سڑک پر آیا تو تنور کی جانب سے دو، مجھے دو لڑکیاں آتی نظر آئیں۔ ایک کو تو میں نے دور ہی سے پہچان لیا۔ وہ شریفاں کٹی تھی۔ چوڑے منہ اور کھلے دہانے سے اس کے قدرے باہر نکلے ہوئے دو دانت نظر آ رہے تھے۔ دور سے وہ واقعی کٹڑی سی لگتی تھی۔ گاؤں کی لڑکیوں نے خوب چن کر اس کا نام کٹی رکھا ہوا تھا۔ بھینس کی مادہ بچی...

شریفاں کے ساتھ دوسری لڑکی نے بھی سر پر روٹیوں کی چنگیر اٹھا رکھی تھی۔ ہوا کے جھونکوں میں کچھ تیزی سی تھی۔ میرے کپڑے پھڑپھڑا رہے تھے اور سر کے بال اڑ اڑ جاتے تھے... دوسری لڑکی کو بھی میں نے پہچان لیا۔ گندمی رنگ، اٹھے ہوئے سیدھے ماتھے اور اٹھی ہوئی سیدھی ناک والی یہ وہی زبیدہ تھی جس کی آنکھوں میں سرمہ پھیلا رہتا تھا اور وہ تیز تیز، چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے ٹکٹکی باندھ کر دیکھتی رہتی تھی۔ وہ دونوں قریب آ رہی تھیں، دونوں کی نظریں مجھ پر ٹھہری ہوئی تھیں۔ اس سے پہلے کہ میں سڑک کی دائیں جانب سے اور وہ بائیں جانب سے گزر جاتیں، شریفاں کٹی کی اونچی آواز بلند ہوئی۔

"چھڈ نی زبیدو، گلنازی چر دی پھاہدی کھلوتی اے..." (چھوڑو اسے زبیدہ، گلنازی نے کب کا پھانس رکھا ہے...)

میرے پورے بدن کو جھٹکا سا لگا۔ لمحے بھر کے لیے میرے قدم رک گئے۔

گلنازی سے متعلق اس قدر بے ہودہ جملہ سن کر مجھے شدید ناگواری کا احساس ہوا... شریفاں کٹی اپنے بدصورت چہرے اور بدہیئت وجود کی طرح اندرونی طور پر نہایت بدصورت اور بدہیئت محسوس ہوئی...

میں نے قدم آگے بڑھائے۔ مڑ کر ان کی طرف نہ دیکھا جو میرے قریب سے گزر کر میدان

Scanned with CamScanner

کی سمت چل گئی تھیں۔ گاؤں کی سب سے خوبصورت، بھولی بھالی، بچوں جیسی گلنازی سے متعلق گاؤں کی سب سے بدصورت، چالاک اور بدہیئت لڑکی کی زبانی یہ بے ہودہ جملہ میرے ذہن کو کالی ناگن کی طرح ڈس گیا۔

''یہ شریفاں کئی، یہ زہریلی زبان والی، گلنازی کو سارے گاؤں میں رسوا کردے گی۔''

میں چلتے چلتے رک گیا۔ کیا گھوڑے کو سیر کرنے لے جاؤں یا نہ... میں کوئی فیصلہ نہ کر پایا۔ مڑ کر دیکھا تو وہ دونوں میدان کی سمت مڑ چکی تھیں۔ شریفاں کئی کے جملے سے پیدا ہونے والی ناگواری خوف میں بدل رہی تھی۔ گلنازی کے رسوا ہونے کا خوف، جو مجھ پر طاری ہو چکا تھا۔ میں نے خود کو سنبھالا۔

''خوف ان دیکھے کا ہو یا کوئی اور، خوف ہمیشہ پریشانی، گھٹن اور منفی عمل کی طرف کھینچتا ہے۔ میں نے ہمیشہ خوف کو دشمن کا ایک ہتھیار سمجھا ہے۔ مجھے اس سے لڑنا ہوگا... یہ شریفاں کئی، اس گاؤں کی سب سے بدصورت اور بدہیئت لڑکی ہے... کاش اس کا ذہن خوبصورت نہ سہی، قبول صورت ہی ہوتا۔ وہ گلنازی کا بے مثال حسن دیکھ کر یقیناً دل ہی دل میں جلتی ہوگی... اور اس کا ذہن بھی اسی کی طرح بدصورت ہے۔ وہ اور تو کچھ کر نہیں سکتی، گلنازی کو رسوا کرنے، نیچا دکھانے اور دکھ پہنچانے ہی میں اپنا سکون محسوس کرتی ہوگی۔ اس سے کیا ڈرنا؟... گاؤں کا ہر شخص، ہر عورت یہ تو اچھی طرح جانتی ہی ہوگی کہ شریفاں کی زبان سے اس کی جلن بولتی ہے۔ مجھے ڈرنا نہیں چاہیے، لیکن احتیاط لازمی ہے۔ میں آج ہی حفظ ماتقدم اختیار کرلوں گا۔''

میں ہسپتال کی سمت چل دیا۔ تنور کے پاس پہنچ کر میں نے نگاہیں نیچی کرلیں۔ نہ جانے گلنازی وہاں موجود تھی یا نہیں... یقیناً ہوگی... لیکن میرے ذہن میں 'نہ جانے' کے الفاظ مجھے نگاہیں اٹھانے سے مسلسل روک رہے تھے۔ ہسپتال میں بھائی کے ساتھ میر صاحب موجود تھے۔ بخشو نے تھارو بریڈ پر سیاہ زین ڈال رکھی تھی۔ میں جیسے ہی گھوڑے پر سوار ہوا، میر صاحب کھڑے ہوگئے۔

''برخوردار!'' انھوں نے بلند آواز میں کہا۔ ''اس ہاتھی کی نسل کو ہماری نظروں سے دور لے جائیں۔ کم بخت کے نتھنوں سے پھنکار نکلتی ہے۔''

بھائی ہنسے۔ میں نے گھوڑے کو باہر نکالنے کے لیے قدم قدم چلایا۔ تنور کے سامنے آتے ہی بے اختیار میری نظریں گلنازی کو تلاش کرنے لگیں... وہ ماسی کی دکان کی جانب بیٹھی سیدھی میری طرف

Scanned with CamScanner

ہی دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں چمکتی ہوئی مسکراہٹ میں پندار بھی تھا۔

''کیا کروں؟'' میں نے گھوڑے کو نہر کی جانب لے جانے کے بجائے، لاری اڈے سے شادی پور جانے والی سڑک کے کنارے کچی جگہ پر پوئیہ چال میں ڈالا۔ ''کیا کروں؟... نہ چاہتے ہوئے بھی میری نظریں اسی کو تلاش کرتی ہیں۔ آج اس کی خوبصورت آنکھوں کے چمکتے تبسم میں پندار کی آمیزش نے تو میرے فیصلے کو خزاں کے سوکھے پتوں کی طرح اڑا دیا ہے جو تیز ہوا کے جھونکوں سے زمین پر گر کر بھی اپنی بے ننگی سے نا آشنا رہتے ہیں... میں کیا کروں؟ وہ اتنی خوبصورت کیوں ہے؟ کاش میں یہاں نہ آتا۔ چھٹیاں گزارنے کھوڑ چلا جاتا، یا بلکسر ہی میں رہتا، کاش میں کبھی اس بے مثال حسن کو نہ دیکھتا... میں کیا کروں؟... کیا کروں؟...''

ایک کلو میٹر سے بھی کم فاصلے پر میں نے گھوڑے کو روکا اور واپس موڑ لیا۔ تور کے قریب پہنچ کر میں نے انکھیوں سے دیکھا۔ تور میں کسی حتی لکڑی کے شفق رنگ شیشے کا عکس گلنازی کے چہرے پر لہرا رہا تھا۔ ٹاپوں کی آواز پر اس نے تیزی سے منہ موڑ کر میری سمت دیکھا... میرا فیصلہ تند جھونکوں میں اڑ گیا۔ ہم دونوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ سی بکھر گئی۔ دونوں کا رنگ لال ہو گیا۔ بخشو کو گھوڑا دے کر میں بھائی اور میر صاحب کے پاس جا بیٹھا۔

''خاصی خطرناک سواری ہے۔'' میر صاحب نے کہا۔ ''آپ کو اس میں کیا لطف ملتا ہے؟''

''یہ تو میں بھی نہیں جانتا... '' میری نظریں تور کی سمت گئیں۔ گلناری کا رخ روشن تھا، وہ اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ''بس اسے بھی ہابی سمجھ لیں... ایک بار گھوڑے کو اگر سوار کی صلاحیت پر اعتماد ہو جائے تو پھر گھڑ سواری بہت پر لطف ہابی ہے۔''

میر صاحب نے بھائی کی طرف دیکھا۔

''آپ بھی سواری کر لیتے ہیں؟'' انھوں نے کہا۔

''ہاں۔'' بھائی نے جواب دیا۔ ''لیکن قدم قدم یا کبھی کبھار سرپٹ... اس جیسا سوار نہیں ہوں۔''

مجھے گلناری کی آنکھوں میں مسکراتا، چمکتا پندار یاد آیا۔ پھر میری نگاہیں تور کی سمت گئیں تو ماسی جیراں میری سمت دیکھ رہی تھی۔ پل بھر ہی میں مجھ پر طاری خمار سا اتر گیا...

''یہ میں کیا کر رہا ہوں؟'' خیال تند جھونکے کی مانند میرے ذہن سے گزرا۔ ''مجھے کیا ہو جاتا

Scanned with CamScanner

ہے؟ میں کسی ایک فیصلے پر ثابت قدم کیوں نہیں رہ پاتا؟'' خیالات کی تندی کم ہونے لگی۔ ''نہیں نہیں... میں یہ غلط کر رہا ہوں... بہت ہی غلط... گلناری کا خود ہی حوصلہ بڑھا رہا ہوں کہ وہ ایسے رستے پر قدم رکھ دے جس کی منزل ہی نہیں ہے...''

میں نے بھائی کی طرف دیکھا۔

''ایک بات میرے دل میں کھٹک رہی ہے،'' میں نے کہا۔ ''کئی بار آپ سے کہنا چاہی لیکن...''

''کیا؟'' بھائی اور میر صاحب ایک ساتھ بولے۔

''مجھے گداؤ نے بتایا تھا کہ مائی جیراں...'' میں نے قدرے جھجکتے ہوئے کہا، ''مائی جیراں نے گاؤں کے تمام لڑکوں پر سخت پابندی لگا رکھی ہے کہ وہ تنور کی سمت نہ آئیں۔ اسی لیے یہاں بیٹھ کر یوں لگتا ہے جیسے گاؤں میں لڑکے ہیں ہی نہیں... پھر میں جب سے یہاں آیا ہوں، ہر روز تنور کے سامنے بیٹھ جاتا ہوں۔ کیا مائی جیراں اور تنور پر آنے والی لڑکیوں کو یہ بات بری نہ لگتی ہوگی؟''

بھائی مسکرائے۔ انھوں نے تنور کی سمت دیکھ کر میری طرف دیکھا۔

''بہت دیر سے خیال آیا تمھیں،'' انھوں نے کہا۔ ''لیکن میرے خیال میں تمھارے یہاں بیٹھنے پر مائی جیراں کو کوئی اعتراض نہ ہوگا، اس لیے کہ تم اس گاؤں کے نہیں ہو اور دو مہینے کے لیے یہاں آئے ہو۔''

میر صاحب بھی مسکرائے۔

''آپ کے بھائی کی آپ کے بارے میں رائے درست ہے،'' انھوں نے کہا۔ ''ایک وقت بہت ذہین بھی ہیں آپ، اور معاف کیجیے گا... بے وقوف بھی۔ برخوردار، آپ تو رات کے اندھیرے میں مائی کے گھر بھی ہو آئے ہیں اور اب یہاں بیٹھنے سے گھبرا رہے ہیں۔''

بھائی نے میر صاحب کی سمت دیکھا۔

''مائی کو اس کے یہاں بیٹھنے پر اب کیا اعتراض ہوگا،'' انھوں نے کہا۔ ''اس کے یہاں سے جانے میں پندرہ دن ہی تو رہ گئے ہیں۔''

''جو بات ابھی تک نہیں ہوئی، میں چاہتا ہوں کہ اگلے پندرہ دن میں بھی نہ ہو،'' میں نے کہا۔

''میں سمجھا نہیں،'' بھائی نے کہا۔

''ماسی کو میرے یہاں آنے اور بیٹھنے پر نہ تو اعتراض تھا نہ ہوگا،'' میں نے کہا۔''لیکن گاؤں کی لڑکیاں... اگر کسی کے ذہن میں یہ بات آ گئی تو گاؤں میں پھیل سکتی ہے۔''

''بات تو آپ کی ٹھیک ہے،'' میر صاحب نے کہا۔''ابھی تک جو خیریت رہی ہے، غنیمت ہے۔ تنور پر ماسی کی بیٹی گلنازی جیسی لڑکی بھی موجود ہے... '' میر صاحب نے میری طرف دیکھا۔ ''لڑکیاں کچھ بھی کر سکتی ہیں۔''

میر صاحب نے بھائی کو بھی سوچنے پر مجبور کر دیا، لیکن بھائی کی سوچ زیادہ تر مثبت ہی ہوا کرتی تھی۔

''ایسا کچھ نہیں ہوگا،'' انھوں نے کہا۔''گلنازی سے متعلق سارا گاؤں جانتا ہے کہ وہ محمد اکبر خان کی منگیتر ہے۔ کسی کی ہمت نہ ہوگی۔ رہی یہ بات... '' انھوں نے میری طرف دیکھا۔''اگر تم خود یہ بات سمجھتے ہو اور یہاں ہر شام نہیں آنا چاہتے ہو تو اچھی بات ہے... ہم بھی اب گرمی کم ہو جانے پر کرسیاں شیشم کے درخت کے نیچے سے ہٹا کر آفس کے سامنے بچھا لیا کریں گے۔ وہاں سے تنور نظر نہیں آتا۔''

میں نے قدرے گھبرا کر بھائی اور میر صاحب کی طرف دیکھا... صاف ظاہر ہے، وہ دونوں بچے تو نہیں ہیں، انھوں نے بھی گلنازی کے چہرے پر میرے لیے مسکراہٹیں دیکھی ہوں گی، اور ماسی جیراں بھی تو یہ بات جان چکی ہوگی کہ میرے دیکھنے پر گلنازی کی خوبصورت آنکھیں چمکنے کیوں لگتی ہیں۔

''ٹھیک ہے بھائی جان،'' میں نے کہا۔''بخشو سے کہیں کہ کل سے گھوڑا گھر ہی پر لے آیا کرے۔ میں اسے پگڈنڈیوں سے ہو کر نہر کے کنارے لے جایا کروں گا۔''

''اس کی بھی ضرورت نہیں،'' بھائی نے کہا۔''بخشو پہلے بھی ایکسر سائز کرایا کرتا تھا اب بھی کرائے گا۔''

میں بخشو کے چائے لانے سے پہلے اٹھا اور اجازت چاہی۔

''کیوں، کیا ہوا؟'' میر صاحب نے کہا،''کہاں چل دیے؟''

''سر... '' میں نے کہا،''آج سر کچھ بوجھل بوجھل سا ہے، میں گھر جا رہا ہوں۔''

''زیادہ سوچا نہ کریں،'' میر صاحب نے کہا۔''درد تو نہیں ہے؟''

Scanned with CamScanner

''نہیں سر،'' میں نے کہا۔ ''بس تھکن سی ہے۔''

میں ہسپتال سے نکلا۔ میری نظریں پھر جھکی ہوئی تھیں۔ گلنازی نے کیا سوچا ہوگا؟ مختلف قیاس آرائیاں کرتا میں سیدھا بشیر نعل بند کے پاس جا بیٹھا۔ وہ اپنی دکان کے سامنے، سڑک کے پار، میدان میں چارپائی پر نیم دراز تھا۔ چارپائی کے پاس سٹول پہلے ہی سے موجود تھا۔ دھوتی اور بنیان پہنے بشیر تکیے سے ٹیک لگائے حقہ پی رہا تھا۔ چوڑے سانولے چہرے پر سوچ کا تاثر تھا۔ آنکھیں نیم وا تھیں۔ حقے کی نَڑ اس کے منہ میں تھی اور غور سے دیکھنے پر مجھے تکیے کے پیچھے روئی کا گدا بھی نظر آیا۔

''او پائی... '' مجھے دیکھتے ہی بشیر نے بلند آواز میں کہا، ''تیرا ہی انتظار کر رہا ہوں۔''

''کیا حال ہے؟'' میں نے کہا۔

''حال کیا ہونا ہے'' بشیر نے ہاتھ سے حقے کی نَڑ ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہا۔ ''تو نے سوال ہی ایسا پوچھ لیا تھا... سارا دن، سارے واقعات آنکھوں کے سامنے سے گزرتے رہے۔ او نتری دا مقدر بھی بندے کو کہاں سے کہاں لا پھینکتا ہے!'' بشیر نے پھر ہاتھ حقے کی نَڑ کی سمت بڑھایا، منہ کے قریب لا کر غڑ غڑ کرتے ہوئے حقے کا دھواں پھیپھڑوں میں کھینچا، پھر نتھنوں اور منہ سے دھواں چھوڑتے ہوئے میری طرف دیکھا۔

''گورداس پور میں رہتے تھے ہم... '' بشیر نے کہنا شروع کیا۔ ''اپنا گھر تھا، ہم پیشے سے خرادیے ہیں۔ یہ نعل بندی تو مقدر کا کھیل ہے۔ میرا باپ خرادیا تھا۔ ہمارے گھر کے باہر ہماری دکان تھی جس میں خراد کی مشینیں لگی ہوئی تھیں۔''

بشیر نے پھر حقے کا کش لیا۔ ''تو یہ سوچ رہا ہوگا کہ خرادیا ہو کر میں نعل بندی کا کام کیسے سیکھ گیا۔ او ستری دی کھریاں بنانی بھی کون سی آسان ہوتی ہیں! او پائی... گورداسپور میں میرا جگری یار تھا ہرنام (ہرنام سنگھ)۔ ہرنامے کا باپ کھریاں بناتا تھا۔ بس اسی سے سیکھ لی نعل بندی۔ دن بھر میں باپ کے ساتھ خراد کی مشینوں پر کام کرتا تھا، شام سے پہلے میں ہرنامے کے پاس چلا جاتا تھا۔ وہ کھریاں بنانے کا ماہر تھا۔ میں بھی بیٹھ جاتا تھا نہائی کے سامنے۔ بناتے بناتے سیکھ گیا۔'' بشیر نے رک کر لمبا کش لیا۔ دھواں چھوڑتے ہوئے اس نے میری طرف دیکھا۔

"جماندروں (پیدائش ہی سے)، اکیلا ہوں۔ نہ بہن نہ بھائی۔ آٹھ برس کا تھا، ماں مر گئی۔ بس باپ اور میں۔ ساری زندگی گورداسپور میں۔ اٹھارہ برس کا تھا، تو واقعہ کہ باپ بھی مر گیا۔ چھوٹا سا گھر تھا۔ میں نے گھر میں ڈربے بنا کر مرغیاں پالی ہوئی تھیں۔ میرے پاس اصیل مرغے بھی تھے، ناگے[47] بھی... اور رنگ ناس[48] کے تو میرے پاس چھ جوڑے تھے۔ ایک ماما تھا جو ہمارے گھر سے تھوڑی دور ہی رہتا تھا۔ وہ بھی خرادیا تھا۔ مامے کی بیٹی رجو (رضیہ) اکثر میرے گھر آ کر مرغیوں کو دانہ ڈالنے کے بہانے انڈے اٹھا کے لے جاتی تھی۔ مجھ سے دس سال چھوٹی ہے۔" بشیر نے ایک اور کش لیا۔ "ایک دن میں خراد پر کام کر رہا تھا کہ ماما آیا... تھوڑی دیر بیٹھا رہا، پھر میری طرف دیکھ کر آہستہ سے میرے بازو کو پکڑا۔

"دیکھ بشیرے، مامے نے کہا، حالات بہت خراب ہو رہے ہیں، ملک میں تقسیم کا رولا پے گیا ہے (شور مچ گیا ہے)... تو اکیلا ہے۔ مجھے تیری بہت فکر رہتی ہے۔ میری ماں جائی کا بیٹا ہے تو، میں ان حالات میں تجھے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا... چل میرے ساتھ چل، میرے گھر میں رہ۔ فساد کسی وقت بھی ہو سکتا ہے۔ تو میرے پاس آ جا۔ میرا اور کون ہے، رجو ہی نا، تو اور رجو۔" بشیر نے حقے کی نڑی کو ہاتھ سے پرے کیا۔ "میں سمجھا کہ شاید میرے اور رجو کے رشتے کی بات سوچ رہا ہے۔ وہ سولہ سال کی ہو چکی تھی، میں چھبی (چھبیس) کا۔ میں بہت خوش ہوا۔ رجو مجھے بہت اچھی لگتی تھی۔ بس لگا سٹے (سپنے) سجانے۔ خوشی اتنی تھی کہ اس دن میں نے اپنی مرغیوں کو، اپنے مرغوں کو بادام توڑ توڑ کر کھلائے... میں اگلے روز مامے کے گھر گیا۔ مامے نے کہا کہ سارا سامان بھی لے آ۔ بس جا کر مرغیوں کو دانہ پانی دے دیا کر، خراد پہ کام کر لیا کر اور سورج ڈوبنے سے پہلے گھر آ جایا کر۔ مامے نے رولے کی بات ٹھیک ہی کی تھی۔ جلسے جلوس ہو رہے تھے... پھر سکھوں کے اکالی دل والا رولا بھی پے گیا۔ افراتفری سی تھی۔ مامے سے کہا کہ اب تو لاہور جانا ہی پڑے گا... حالات خراب ہیں، فساد تو اب ہو کر ہی رہے گا۔ پھر مامے نے مامی کے سامنے مجھ سے وعدہ کیا کہ لاہور پہنچ کر وہ میری شادی رجو سے کر دے گا۔ میں اپنا گھر، خراد کی دکان اور مرغیاں بیچ دوں۔ اب دیر کرنا ٹھیک نہیں۔ ہو رہے

47۔ مرغوں کی ایک قسم جس کی گردن ننگی ہوتی ہے۔
48۔ مکمل سیاہ، ایسے مرغوں کی جلد بھی سیاہ ہوتی ہے۔

[illegible] خاموش ہو گیا۔ دو چار لمبے کش لینے کے بعد اس نے آسمان کی
طرف [illegible] غلطی ہو گئی مجھ سے... میرے یار
[illegible] مجھے تیرے [illegible] کی نیت ٹھیک
نہیں تھی۔ [illegible] تیرے [illegible] مر [illegible] وہ
[illegible] سب کچھ چھین لے گا — آخو[49] ... تو
[illegible] زبان سے [illegible] تو روح سے دس گیارہ
[illegible] بہت سے مسلمانوں کے خاندان نہیں جا رہے
[illegible][50] جھنڈے [illegible] ٹھیک ہے
[illegible] کا خطرہ ہے... [illegible] تیرے یار، تیرے گھر پر چڑھنے والا جھنڈا لگا دیں
[illegible] دیکھا تو آنکھ نکال کے تلی (ہتھیلی) پر رکھ دیں
[illegible] پیارو یار سب دھوکا ہی
[illegible] زندگی میں
[illegible] اس نے
[illegible] دکان کے جعلی کاغذات تیار کیے تھے۔ اسے علم
[illegible] گھر بھی مل گیا
[illegible] پھر ایک
[illegible] قتل بندی کا
[illegible][51] ہے۔ بہت تھوڑے ہیں یہاں، ہر طرف تانگے نظر آتے ہیں۔
[illegible] قتل بندی [illegible] مجھے ٹھیک لگی۔ ویسے
[illegible] میں نے فورا

49۔ [illegible]
50۔ [illegible]
51۔ [illegible]

ہامی بھر لی۔ مجھے تیار دیکھ کر ماے نے منجھی[52] لگائی۔ بولا کہ دیکھ بشیرے، یہاں سرگودھا شہر میں تو جگہ جگہ نعل بند بیٹھے ہیں… تو یوں کر، کالرے چلا جا۔ وہاں خضر حیات ٹوانے کا پورا رسالہ ہے۔ تجھے نوکری مل جائے گی۔ تنخواہ بھی اچھی خاصی ہوگی… ماے نے مجھے دس روپے کا نوٹ دیا اور کہا، جیسے ہی ملازمت مل جائے، مجھے خبر کر دینا…" بشیر نے پھر دو تین اکٹھے کش لیے، دھواں چھوڑا۔ "میں بہت خوش خوش کالرے پہنچا۔ یوں لگ رہا تھا کہ ملازمت میرے لیے پہلے ہی سے تیار ہے۔ جب خضر حیات ٹوانے کے طویلے تک پہنچا، کسی نے مجھے اندر گھسنے بھی نہ دیا۔ سارا دن باہر ہی بھوکا پیاسا بیٹھا رہا۔ پھر ایک سائیس نے رحم کھا کر میری ملاقات وہاں کے منیجر سے کرا دی۔ وہ میری بات سنتا رہا، سنتا رہا… مجھے یوں لگا کہ نوکری مل جائے گی۔ لیکن کافی دیر میری بک بک سننے کے بعد اس نے مجھے مشورہ دیا کہ میں کوٹ بھائی خان یا کوٹ احمد خان چلا جاؤں۔ نواب صاحب کے گھوڑوں کی حفاظت اور دیکھ بھال ڈاکٹر کرتا ہے۔ میں نے کہا، سرکار، میں سلوتری نہیں، نعل بند ہوں۔ وہ ہنسنے لگا، بولا کہ ملک صاحب کے گھوڑوں کی نعل بندی بھی ڈاکٹر ہی کرتا ہے۔ پھر اس نے ایک گلاس لسی کا منگوایا، مجھے پینے کو دی اور باہر نکال دیا… لے پائی… شام کا وقت، میں اکیلا بندہ، نہ جان نہ پہچان… سوچا کہ واپس سرگودھے چلا جاؤں۔ ایک بس جانے والی تھی… پھر سوچا، کیوں نہ کوٹ بھائی خان اور کوٹ احمد خان میں مقدر آزماؤں۔ تانگے پر بیٹھ کر جھاوریاں پہنچا۔ رات یہاں ہی گزاری، اگلے روز کوٹ بھائی خان پہنچ گیا۔ وہاں ٹیکوں کے گھوڑوں کی دیکھ بھال ایک ریٹائرڈ فوجی کرتا تھا… پتا نہیں زندہ ہے کہ مر گیا ہے، بہت بوڑھا تھا۔" بشیر نے پھر حقے کی نے پکڑ کر لمبا کش لیا اور نتھنوں سے دھواں چھوڑا۔ پھر اس نے چارپائی کے قریب آتے ہوئے ایک کتے کو دیکھ کر چارپائی کے نیچے سے سلیپر اٹھایا۔

"ذرا ذرا او ختری دا…" بشیر کے سلیپر اٹھانے پر کتا بھاگ گیا۔ بشیر بار بار عورتوں والی گالی دے رہا تھا نہ جانے یہ گالی اس کی زبان پر کیسے چڑھ گئی تھی۔ "بڑے کتے ہیں یہاں" بشیر نے دور جاتے کتے کو دیکھا۔ "کھرک مارے (خارش زدہ)… میں کسی دن تیرے بھائی سے کہوں گا کہ سب کو زہر دے کر مار دے… او ختری دے بھونک بھونک کر ساری رات سونے نہیں دیتے۔"

52۔ کشتی کا ایک داؤ جو چاروں شانے چت کر دیتا ہے۔

Scanned with CamScanner

''پھر کیا ہوا تھا؟''، میں نے پوچھا۔

''اوئے ہاں ۔ '' بشیر نے پھر حقّے کی نڑ پرے کرتے ہوئے کہا۔''میں نے فوجی کو بتایا کہ میں بہت اچھی کھریاں بناتا ہوں۔ اس نے کہا کہ نعل تو تانگے والے گھوڑے کو لگتے ہیں۔ ہمارے گھوڑے تو سوری کے ہیں۔ ہمارے گھوڑوں کو لوہے کے نعل نہیں لگتے، ولایتی لگتے ہیں۔ یہ نعل کے ساتھ ولایت سے آتے ہیں۔ ہمارے گھوڑے ہر سال گھوڑوں اور مویشیوں کی نمائش میں لاہور جاتے ہیں، نیزہ بازی میں حصہ لیتے ہیں، ریس میں بھی دوڑتے ہیں . . . ایسے گھوڑوں کے یہ کھریاں؟ مت ماری گئی ہے تیری!'' بشیر نے پھر حقّے کی نڑ پکڑی، دو تین کش لیے۔''او پائی، میں کیا جانوں ولایتی کھریاں کیا بلا ہوتی ہیں۔ نہ میں نے پوچھا، نہ اس نے بتایا . . . میں مار کھائے ہوئے کھوتے کی طرح سڑک پر آ گیا۔ یہی فیصلہ کیا کہ سرگودھے واپس چلا جاؤں۔ سڑک سے گزرتے ایک بندے نے بتایا کہ شاہ پور سے کوئی نہ کوئی تانگہ شام کو بھی آ جاتا ہے۔ جھاوریاں چلے جاؤ، کل صبح سرگودھے والی بس میں بیٹھ جانا۔ بہت پریشان تھا میں۔ شام گہری ہو رہی تھی۔ میں اکیلا سڑک کے کنارے کھڑا شاہ پور سے آنے والے کسی تانگے کا انتظار کر رہا تھا۔ ڈر بھی بہت لگ رہا تھا۔ لیکن ایک تانگہ آ ہی گیا . . . اس میں جگہ ہی نہیں تھی۔ منتیں کرنے کوچوان کے پاس، سواری کے پیروں میں جگہ ملی۔'' بشیر نے بدن چارپائی پر پیچھے کی سمت کھسکایا۔ آرام دہ حالت میں آتے ہی اس نے پھر کش لگایا۔''میں تو واپس سرگودھے جانے کی سوچ رہا تھا، پر ونتری دے مقدر نے بھی موٹا رسا پکڑ رکھا تھا — باندھ دیا میرے گلے میں۔ رات جھاوریاں میں ٹھہرنا تھا۔ وہ جو . . . '' بشیر نے ہسپتال کی سمت جانے والی سڑک کی طرف اشارہ کیا۔'' وہ جو لاری اڈے پر چھوٹا سا ہوٹل ہے — اوئے وہی نذیرے لانگری کا ہوٹل۔''

''ہاں ہاں،'' میں نے کہا۔

''اسی ہوٹل میں مجھے بستر ملا۔ نذیر والنگری ان دنوں زندہ تھا۔ ہوٹل اب بھی اسی کے نام سے چلتا ہے۔ نذیر فوج میں لانگری تھا، سروس پوری ہونے پر اس نے ہوٹل کھولا تھا۔ او ونتری دا اس قدر لذیذ کھانے بناتا تھا کہ اس کے ذائقے . . . '' بشیر نے سر پر انگلی ماری،''یہاں ابھی تک محفوظ ہیں۔ چنگیر میں گرم گرم روٹیاں رکھ کر . . . ان دنوں ہوٹل ہی میں توے پر روٹیاں لگتی تھیں۔ اب تو ماسی جیراں

Scanned with CamScanner

[illegible]

[illegible] پر اور گدا ارقیہ کی چارپائی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

وہ یہ قصہ اس گاؤں کے ہر آدمی کو سنا چکا ہے [illegible]

[illegible] خدا کی مہربانی سے بھوکا مرنے سے بچ گیا ہے۔"

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

Scanned with CamScanner

''کیا کہا تھا اس نے؟'' میں نے بے چینی سے پوچھا۔

''اس نے میری طرف مسکراتے ہوئے دیکھا اور کہا، گدا حسین، شاد میر صاحباں کا بھائی تھا، میں صاحباں کا پارٹ کر رہی ہوں... میں تو یہ بھی نہیں چاہتی کہ کھیل میں ہی سہی تو میرے بھائی کا رول کرے۔ میں تو تجھے اپنی زندگی کا ساتھی مان چکی ہوں۔''

گداؤ کے چہرے پر اداسی، المناک سا تاثر پیدا کرنے لگی۔

''لیکن تم اس کے ساتھ کیوں نہیں گئے تھے؟'' میں نے پوچھا۔

'رواج... کالے رواج...'' گدا حسین نے آہستہ سے کہا۔ ''میرے ماں باپ نے مجھے بچپن ہی میں چاچے کی لڑکی سے منگ دیا تھا۔ میری بڑی بہن چچی کے بھائی کے گھر بیاہی جا چکی تھی۔ جب میں نے بمبئی جانے کی بات کی تو گھر میں کہرام مچ گیا۔ پھر نہ جانے کس بدبخت نے میرے والد کو یہ خبر بھی پہنچا دی کہ میں شانی بائی کے ساتھ بمبئی بھاگ رہا ہوں۔ باپ تو سر پکڑ کر بیٹھ گیا، لیکن میری ماں اور بڑی بہن ہاتھ جوڑ کر میرے سامنے کھڑی ہو گئیں۔ ماں نے کہا کہ پتر، اپنی منگیتر کو چھوڑنا سخت بے عزتی کی بات ہوتی ہے۔ منگیتر کا چھوڑا جانا اس سے بھی بڑی بے عزتی کی بات ہوتی ہے۔ تیرا چاچا یہ برداشت نہیں کرے گا... دونوں گھروں میں سخت دشمنی شروع ہو جائے گی اور اس دشمنی کے اصل کانٹے میری بہن کو چبھیں گے۔ چچی کا بھائی تیری بہن کو دھکے مار کر گھر سے نکال دے گا، اس کی زندگی برباد ہو جائے گی... بہن نے ہاتھ جوڑ کر، رو رو کے کہا کہ بھائی، میں تو برباد ہو ہی جاؤں گی، وہ لوگ مجھ سے میرے بچے بھی چھین لیں گے۔ مر جاؤں گی میں... میری ساری زندگی کا سکھ اب تیرے ہاتھ میں ہے... مارنا ہے تو مجھے گلا گھونٹ کر ابھی مار دے اور چلا جا بمبئی... زندگی دینی ہے تو تھیٹر والی کو بھول جا اور صاب، میں بے بس ہو گیا۔ ماں باپ اور خصوصاً بڑی بہن کی زندگی کی خاطر میں مر گیا۔ شانی بائی کے ساتھ میں نے طے کیا تھا کہ جس دن بمبئی کے لیے روانہ ہوتا ہے، میں سرگودھے سے لاہور جانے والی بس کے اڈے پر پہنچ جاؤں گا... میں نہ جا سکا... سرگودھے کے دو آرٹسٹوں نے بعد میں مجھے بتایا کہ بس پر سوار ہونے سے پہلے شانی بائی بہت روئی تھی اور بس پر چڑھتے وقت اس نے روتے ہوئے کہا تھا کہ گدا حسین، میں تجھے کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' گداؤ کی آواز میں رقت سی نمودار ہوئی۔

Scanned with CamScanner

"تو کیا تمھاری شادی۔۔۔" میں نے کہنا شروع ہی کیا تھا کہ گداؤ نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے روک دیا۔ خاموشی سی چھا گئی۔ مجھے شدت سے احساس ہوا کہ یہ سوال مجھے ہرگز نہیں پوچھنا چاہیے تھا۔ پھر گداؤ نے میری طرف دیکھا۔

"شادی ہوئی تھی صاب۔۔۔" اس نے کہا۔ "ماش کو دولہے والے کپڑے پہنا دیے گئے تھے، سر پر سہرا سجا دیا گیا تھا۔ نکاح ہو گیا۔ مجھے بس ایک ہی بات یاد رہی کہ میں نے بہن کا گھر اجڑنے سے بچا لیا ہے۔"

"گداؤ،" میں نے کہا۔ "ایک اور سوال۔۔۔ اگر تو برا نہ مانے تو۔"

"میں نے کبھی کسی کو کچھ نہیں بتایا صاب،" گداؤ نے کہا۔ "آپ نے اگلوا ہی لیا ہے تو جو باقی بچتا ہے پوچھ لیں۔۔۔ ویسے میرے دل کا بوجھ بھی کچھ کم ہوا ہے۔۔۔ میں نے شانی کو دھوکا نہیں دیا، صاب۔ وہ مجھے معاف کرے یا نہ کرے، یہ اس کا حق ہے۔۔۔ میں نے اسے دھوکا نہیں دیا۔ میں نے بہن کی زندگی بچائی ہے، صاب۔"

"گداؤ،" میں نے کہا۔ "تمھیں پیروں فقیروں اور ملنگوں سے جو نفرت سی ہے، اس کی بھی تو کوئی وجہ ہوگی؟"

گداؤ نے جھٹکے سے منھ پھیر کر میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں بھینچ سی گئیں۔

"مان گیا ہوں صاب،" گداؤ نے کہا۔ "آپ کے ذہن کا پردہ صحیح سین اور درست وقت پر ہی اٹھتا ہے۔ سین میں شانی اور میں ہی ہیں۔۔۔ بہت نفرت ہے مجھے پیروں اور ملنگوں سے۔"

"کیا ہوا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"ہم خوشاب میں سسی پنوں کا کھیل پیش کر رہے تھے۔ میں اس میں ہوت[53] (اونٹ بان) بنا ہوا تھا، اور سسی کا رول شانی ادا کر رہی تھی۔ خوشاب میں ڈیرہ اسمٰعیل خان کے کسی پیر کے مرید رہتے ہیں۔ وہ پیر اپنے ملنگوں کے ساتھ خوشاب کے قریب کسی گاؤں میں اپنے مرید زمیندار کے گھر آیا ہوا تھا۔ وہ بھی تھیٹر دیکھنے کو آ گیا۔ اس تھیٹر میں۔۔۔ میرا مطلب ہے کھیل سسی پنوں میں، شانی کا ایک زبردست ڈانس بھی تھا، جو وہ سہیلیوں کے ساتھ، پنوں کے بھنبھور شہر میں آنے پر کرتی ہے۔ میرا رول

53۔ سسی پنوں کے قصے میں، ہوت نے پنوں کو بے ہوش کر کے سسی کے محل سے اٹھا لیا تھا۔

تو بھوت کا تھا جو بچوں کو بے ہوش کر کے اٹھا کر لے جاتا ہے اور کسی اکیلی رہ جاتی ہے... مجھے کیا پتا تھا کہ میرے کھیل کی کسی کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ کھیل کے بعد ڈائریکٹر کے ساتھ خوشاب کا زمیندار اور ڈیرے کا پیر اسٹیج کے پیچھے آئے۔ زمیندار نے کہا کہ شانی بائی، مبارک ہو، مرشد کو تمھارا ڈانس بہت ہی پسند آیا ہے۔ مرشد کی خواہش ہے کہ تم یہ ڈانس پھر کرو اور اس نے پانچ سو کا نوٹ نکال کر شانی کی طرف بڑھایا۔ مرشد آج رات میرے ڈیرے پر تمھارا ڈانس دیکھنا چاہتے ہیں۔ اپنے ساتھ لڑکیوں کو بھی لے آنا۔ زمیندار نے ایک سو روپیہ اور نکالا۔ یہ لڑکیوں کو دے دینا... وہ بڑے سے پیٹے والے، سانولے رنگ کے موٹے پیر کے ساتھ چل گیا۔ ہمارا ڈائریکٹر بھی ان کے ساتھ تھا۔ شانی بائی حیرت سے پانچ سو کے نوٹ کو دیکھ رہی تھی۔ ہمیں تو تھیٹر میں روزانہ پندرہ سے بیس روپے تک معاوضہ ملتا تھا... میں پریشان تھا۔ شانی نے کہا کہ گدا حسین، تو میرے ساتھ جانا... ویسے تو ڈانس پارٹی والی لڑکیاں ہوں گی میرے ساتھ، لیکن تو ضرور میرے ساتھ چلنا۔

''ابھی ہم نے رات کا کھانا کھایا ہی تھا۔ تھیٹر کا ایک ہی شو ہوتا تھا، جو رات نو بجے ختم ہوجاتا تھا... ہم نے کھانا کھایا ہی تھا کہ زمیندار کی بڑی سی جیپ آگئی۔ جیپ میں ڈانس والی لڑکیاں موجود تھیں۔ میں اور شانی بائی بھی بیٹھ گئے۔ آدھے گھنٹے کے سفر کے بعد ہم زمیندار کے ڈیرے پر پہنچ گئے۔ ڈیرے میں جگہ جگہ گیس جل رہی تھی۔ زمیندار کا ایک کارندہ آیا اور اس نے شانی سے کہا کہ زمیندار جی اسے بلا رہے ہیں۔ میں ساتھ جانے لگا تو مجھے روک دیا گیا... آپ سب ٹھہریں، ابھی آپ کو بھی بلاتے ہیں، ڈیرے کے بڑے کمرے کا انتظام دکھانا ہے بائی جی کو۔ مجھے حیرت ہوئی کہ وہاں ہمارے تھیٹر کا پیٹی والا[54] اور طبلے والا پہلے ہی موجود تھے اور کچھ دیر بعد گانا گانے والی نسیم بھی آگئی۔ اتنے لوگوں کو دیکھ کر مجھے تسلی سی ہوگئی۔ پھر ایک ملنگ نے ہم سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ مرشد بہت پاک صاف ہیں۔ انھیں ڈانس پسند آگیا ہے، کل تھیٹر میں بھی دیکھ سکتے تھے، لیکن کل انھوں نے دریا خان میں مریدوں کے پاس پہنچنا ہے، اس لیے دوبارہ دیکھنے کے لیے تمھیں یہاں بلایا ہے... پھر اس نے پیر کی پرہیزگاری کی بہت سی باتیں کیں۔ اس نے کہا، ہمارے مرشد کے ڈیرے میں جہاں عورتیں رہتی ہیں وہاں تو صحن میں پھرنے والی مرغیوں کے ساتھ کوئی مرغا نہیں رکھ

54۔ پیٹی والا: ہارمونیم بجانے والا۔

جاتا... مجھے اس بات پر ہنسی تو آئی لیکن میں نے خود پر قابو رکھا۔ بہر حال دل کو یقین ہو گیا کہ کوئی گڑبڑ نہیں ہے۔ پیر کو ڈانس اچھا لگا ہے، دوبارہ دیکھنا چاہتا ہے۔'' گداؤ کچھ دیر کے لیے رکا، کھانسا، پھر اس نے میری طرف دیکھا۔ ''صاب، میرے ہوش اڑ گئے تھے جب ڈانس والی لڑکیوں، پیٹی والے اور طبلے والے کو اندر بلایا اور مجھے روک دیا گیا۔ میں نے کہا کہ میں شانی بائی کے ساتھ ہوں، لیکن نہ صرف زمیندار کے کارندے بلکہ پیر کے ملنگ بھی میرے سامنے کھڑے ہو گئے۔ پھر انھوں نے حویلی کا دروازہ بند کرا دیا۔ صاب، وہ مصیبت کی رات مجھے آج بھی یاد ہے۔ میں ساری رات ڈیرے کے باہر کسی زخمی جانور کی طرح ادھر ادھر بھٹکتا رہا۔ صبح چار بجے طبلے والا، پیٹی والا اور لڑکیاں باہر آئیں۔ میں جس سے شانی کے متعلق پوچھتا تھا، وہ خاموش رہتا تھا۔ پیٹی والے نے جیپ میں بیٹھتے ہوئے بس اتنا بتایا کہ ڈانس پروگرام تو رات دو بجے ہی ختم ہو گیا تھا۔ ہم بڑے کمرے میں بیٹھے تھے... وہ شانی بائی کو اندر لے گئے تھے۔ ہم کو پتہ معلوم نہیں وہ کہاں ہے۔ میری حالت ایسی ہو گئی تھی صاب کہ میں رو رو رہا تھا... بیٹھنے ہی والا تھا کہ شانی باہر آئی... وہ بے حال تھی... میرے پاس آئی تو صبح کی روشنی میں مجھے اس کی آنکھوں میں آنسو نظر آئے۔ ہم ایک چھوٹی جیپ میں بیٹھ گئے۔ میں نے شانی بائی کے آنسو اپنی انگلیوں سے پونچھے تھے، لیکن اس سے ایک لفظ بھی نہ کہا، نہ ہی یہ پوچھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا۔ پھر شانی نے کہا، گدا حسین، مجھے معاف کر دے... میں نے کہا، معافی تو تجھے تب مانگنی چاہیے تھی جب تیرا کوئی قصور ہوتا... بس بھول جا... جو کچھ بھی ہوا ہے، بھول جا... میں بھی اس رات کو ہمیشہ کے لیے بھول جاؤں گا۔ تھیٹر میں پہنچ کر جب ہم شانی کے تمبو میں گئے تو شانی نے میرے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور کہا، اب تو میری رب سے صرف اور صرف یہی دعا ہے کہ وہ مجھے کبھی تجھ سے جدا نہ کرے... میرا سب کچھ چھین لے لیکن تجھے ہمیشہ کے لیے مجھے دے دے... یہ دن پیچھا نہیں چھوڑتے صاب... پہلا پیار بڑا ظالم ہوتا ہے صاب، زندگی بھر آگ میں تپی ہوئی سلاخیں روح پر لگاتا رہتا ہے... دل پر داغ پڑ جاتے ہیں، زندگی بھر سلگتے رہتے ہیں اور...''

گداؤ چپ ہوا اور کہنے ہی والا تھا کہ بھابھی اور رقیہ صحن میں آئیں۔

''آج کھانا نہیں کھاتا تم نے؟'' بھابھی نے میری سمت دیکھتے ہوئے کہا۔

Scanned with CamScanner

"گداؤ!" رقیہ نے اونچی آواز میں کہا، "گھر سے نکل آیا ہے؟ گھر نہیں جانا؟ آ زمانے سے جا۔ میں سے تیرا کھانا بھی ٹھنڈا ہو رہا ہے... تیری لیلیٰ مجنوں تو کبھی ختم نہیں ہوتی۔"

پہلی بار رقیہ کے لہجے میں وہی خود اعتمادی محسوس ہوئی جو ہوبو والے واقعے سے پہلے ہوا کرتی تھی۔

"ہر وقت طعنے نہ دیا کر رقیہ بہن! کون سی لیلیٰ، کون سا مجنوں... سب پیچھے چھوڑ آیا ہوں۔" گداؤ کی آواز میں اداسی تھی، اذیت کا چھپا ہوا احساس تھا۔

میں ستون سے لگا، گداؤ فرش سے... کھیتوں کی طرف سے آنے والی ہوا میں خنکی کا دھیما سا احساس بھی تھا۔

33

اگلی صبح میں ناشتے کے بعد کھیتوں میں اور کھیتوں سے ہو کر نہر کے کنارے پہنچ گیا۔ نم آلود کنارے پر اگی گھاس کے تنکے توڑ توڑ کر لہروں کے سپرد کرتا رہا۔ آنکھوں میں نیند کی دھیمی سی کیفیت بھی تھی... رات دیر تک مجھے گداؤ اور شانی کے ساتھ پیش آنے والے واقعات نے سونے نہیں دیا تھا۔

"ایسا کیوں ہے؟" میں نے گھاس کا تنکا نہر کے پانی میں پھینکا۔ "اس معاشرے میں زندگی اس قدر گھٹن کا شکار کیوں ہے؟ بہن کی زندگی بچانے کے لیے گداؤ نے جیتے جی موت قبول کر لی۔ بچپن ہی میں منگنی کیوں کر دی جاتی ہے؟ یہ معاشرے نوجوان لڑکیوں اور لڑکوں سے ان کی پسند کا حق کیوں چھین لیتے ہیں؟ کیا یہ معاشرہ شادی کے بندھن کو صرف جنسی بندھن سمجھتا ہے، جس کا صرف ایک ہی مقصد ہے — افزائشِ نسل؟

"گلنازی کے ساتھ بھی تو یہی ظلم ہو چکا ہے اور اسے شدید روحانی اذیت سے بچانے کے لیے میں صرف یہی کر سکتا ہوں کہ اسے مکمل طور پر یہ احساس دلا دوں کہ میرے دل میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے... لیکن یہ تو جھوٹ ہوگا۔ اسے دیکھتے ہی، اس کی خوبصورت مسکراتی آنکھوں کو دیکھتے ہی میں بے خود سا ہو جاتا ہوں۔ اب تو اسے دیکھ کر میں اپنی مسکراہٹ پر بھی قابو نہیں رکھ پاتا... یہ

Scanned with CamScanner

[illegible] تصور میں [illegible] جس کا [illegible] محسوس [illegible]......

[illegible] ایک [illegible] دن پہلے نوراں نے [illegible] ...." (اوڈ (کنر کے بھائی، منہ [illegible] بھی [illegible] تھی۔ [illegible]

[illegible] خوبصورت [illegible] گلنازی کا [illegible] گلنازی [illegible] آئی۔ میں [illegible]

[illegible] مسکراتے ہوئے سوچا۔ [illegible] [55] [illegible] خوبصورت [illegible] خوبصورت [illegible] بھی [illegible] جذبات کے اظہار میں دلیر ہے اور سچی بھی ہے..." مجھے [illegible] گلنازی [illegible] محسوس ہوا... "نہ چھوڑدی!" اُس کی خوبصورت آواز [illegible] سا ہو گیا۔ پھر میں نے جوتے اتار دیے، نہر کے کنارے [illegible] پانی میں [illegible] پانی [illegible] میری ٹانگوں سے ٹکراتے ہوئے گزرنے لگا۔ پانی میں خنکی تھی۔

[illegible] پانی ٹھنڈا [illegible] میں نے سوچا۔ [illegible]

---

55. [illegible] خوبصورت [illegible]

چھاؤں میں شاید اس کا باعث روانی ہوگی۔" کوئی اور وجہ ذہن میں نہیں تھی۔

پھر میرے خیالات میں تلازم سا نمودار ہوا۔ تو پر نہ جانے کے خیال سے بشیر نعل بند کا خیال جڑ گیا۔

"بشیر نے شاید بہت کچھ بتانا تھا لیکن۔۔۔" میں خیالات کے دھارے میں بہنے لگا۔ "بھوک ہر بات بھلا دیتی ہے۔"

پھر مجھے بوبے کا خیال آیا، رقیہ کی جانب خیال مڑ گیا۔ رقیہ کی دی ہوئی گالیاں، بددعائیں اور دھمکیاں یاد آئیں۔۔۔ پھر مجھ پر غنودگی سی چھا گئی۔ یہ عجیب سی نیند ہے جو بچپن ہی سے میرے ساتھ ہے۔ یہ اکثر مجھ پر طاری ہو جاتی ہے، جس میں نہ میں جاگتا ہوں نہ سوتا ہوں۔ اس کیفیت میں کئی گھنٹے گزر جاتے ہیں اور مکمل بیداری پر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ایک منٹ گزرا ہو۔۔۔ وقت کا میرے لیے اس طرح تھم جانا خود میرے لیے باعث حیرت ہوتا ہے۔

میں مکمل طور پر بیدار ہوا تو دوپہر زوال پذیر ہو رہی تھی۔ میرے کندھوں پر، گردن میں درد سا تھا۔ گھٹنوں سے نیچے ٹانگیں سن سی ہو چکی تھیں۔ میرے لیے گزرنے والا ایک ایک منٹ گھنٹوں پر محیط تھا۔ میں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے گھر پہنچ گیا۔

شام ہوتے ہی میں بشیر نعل بند کے پاس جا بیٹھا۔

"او پائی۔۔۔" بشیر نے کہا۔ "قصہ بہت لمبا ہے۔ سارا دن ساری رات سناتا رہوں تو بھی ختم نہ ہو۔۔۔ کہاں تھا میں؟"

"نذیر وا لنگری کے ہوٹل میں۔" میں نے کہا۔

"ہاں۔" بشیر گدے اور تکیے سے ٹیک لگا کر چارپائی پر بیٹھ گیا۔ حقے کی نڑ اس کے ہاتھ میں تھی۔

"کیا روٹی تھی نذیر لنگری بھی" بشیر نے کہا۔ "پھر نہیں دیکھا ایسا بندہ۔۔۔ کھانا پکانا تو اس پر ختم تھا۔ میری کوئی گھر والی ہوتی تو اوس تری دی کو نذیر و لنگری کی شاگرد بنا دیتا۔"

"پھر کیا تم واپس سرگودھے چلے گئے تھے؟" میں نے پوچھا۔

"او پائی۔۔۔ پہلے سن تو لے!" بشیر نے جھنجھلا کر کہا۔ "بڑا اُتاؤلا ہے تو۔۔۔ لے شروع ہے مجھے

سرگودھے'' (لے چلا ہے مجھے سرگودھے!) اس نے زور کا کش لیا۔ ''میں کہہ رہا تھا کہ نذیرو لانگری میرے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ پردیسی لگتے ہو۔ اس نے کہا، کیا بات ہے، کوئی پریشانی ہے؟ میں نے اسے ساری بات بتا دی۔ وہ سنتا رہا۔ پھر جب میں نے کہا کہ کل صبح میں سرگودھے چلا جاؤں گا تو وہ کچھ سوچ کر بولا، پورے بھاوریاں میں ایک بھی نعل بند نہیں ہے۔ گھوڑے گھوڑیاں، خچر خچریاں، کھوتے کھوتیاں تو بہت ہیں، پر نعل بند سب شاہ پور میں ہیں۔ تو یہاں کام شروع کر دے۔ میں نے کہا، او پائی، جھاڑی لگا کے سبزی نہیں بیچنی مجھے۔۔۔ کھریاں بنانی ہیں۔ سڑک کے کنارے بیٹھ کر تو میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ نذیرو نے یہ بات سن کر میری طرف دیکھا۔ بولا، دیکھ بھائی بشیر — نام تو اس نے میرا پہلے ہی پوچھ لیا تھا۔ کہنے لگا کہ دیکھ، بھاوریاں میں میری ایک دکان ہے — ایک کمرے کی ایک ڈیڑھ مرلے کی۔ زمین بھی میری ہے۔'' بشیر نے دکان کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ دکان نذیرو لانگری کی تھی۔ وہ یہاں اپنے بیٹے کے لیے ہوٹل بنانا چاہتا تھا۔ لیکن بیٹا کاروبار سے بھاگتا تھا، ایئر فورس میں بھرتی ہو کر سرگودھے چلا گیا۔ دکان خالی پڑی تھی۔ نذیرو نے مجھے کہا، دکان بازار سے زیادہ دور نہیں، بس چھوٹا سا میدان ہے درمیان میں، پھر بھی کوئی کرائے پر لینے کے لیے تیار نہیں ہے۔ تو یہ دکان لے لے۔ اگر تیرے پاس پینتالیس روپے ہیں تو میں زمین اور دکان تیرے نام کرا دیتا ہوں۔۔۔ نذیرو لانگری کی بات سن کر مجھ میں بہت حوصلہ پیدا ہوا۔ صبح میں پہلی بس پر سرگودھے پہنچ گیا۔ گھر پہنچا تو ماسے کے پاس چند مہمان بیٹھے ہوئے تھے۔ رجو نے بتایا کہ یہ کپور تھلے کے خرادیے ہیں۔ انھیں بھی سرگودھے میں مکان الاٹ ہوا ہے۔ پیسے والے ہیں، انھوں نے یہاں لوہے کے پائپوں کی دکان کھول لی ہے۔ اچھا خاصا کاروبار جم گیا ہے۔ وہ لوگ ماسے کے دوست بن گئے تھے۔ دو بھائی ہیں، دونوں کپور تھلے سے آئے ہیں۔ چھوٹے بھائی کا ایک ہی بیٹا ہے پنجی چھبی کا (پچیس چھبیس سال کا)۔۔۔ اس وقت میرے دماغ میں بس ایک ہی خیال تھا کہ ماسے سے پینتالیس روپے لے کر جلدی جلدی یہاں آؤں اور دکان خرید لوں۔ ماما مہمانوں سے فارغ ہوا تو میں نے بات کی۔ وہ دیر تک سوچتا رہا، پھر بولا۔۔۔ بہت بڑی رقم مانگی ہے تو نے بشیرے۔۔۔ اچھا، کچھ انتظام کرتا ہوں میں، یہ کہہ کر ماما باہر چلا گیا۔ رجو کا میرے ساتھ برتاؤ کچھ بدلا بدلا سا تھا، لیکن میرے پاس کچھ اور سوچنے کا وقت ہی نہیں تھا۔ شام ہو چلی تھی۔ رات کو ماما آیا اور مجھے چالیس روپے دیے اور کہا، بس

اتنے پیسوں ہی کا انتظام ہو سکا ہے۔ چار روپے میرے پاس موجود تھے۔ میں چالیس روپے لے کر یہاں آ گیا۔ نذیرو لانگری کو بتایا کہ چالیس لے آیا ہوں، باقی پانچ روپے مہینے دو مہینے میں چکا دوں گا۔ نذیرو لانگری نے مجھے دکان کی چابی دی اور کہا کہ پٹواری سے کاغذات مکمل کرا دے گا۔ بڑا ایکا اور ایمان دار تھا نذیرو، چھ دن ہی میں اسے کاغذات مل گئے، میرے نام مالکانہ حقوق کے، دکان میرے نام ہو گئی۔" بشیر نے دو تین لمبے لمبے کش لے کر دھواں ایک سمت چھوڑا۔ "او پائی، دکان کو چلانا تھا میں نے؟ نہ پھونکنی (دھونکنی)، نہ لوہا گری (نہائی)، نہ ہتھ تیشہ،[56] نہ چھینی، نہ ہتھوڑا، نہ [illegible] بنانے کے لیے لوہا۔ بھٹی (انگیٹھی) تو چلو، میں نے خود ہی بنائی تھی، سامان کہاں سے لاتا؟ پھر نذیرو لانگری سے بات کی۔" بشیر نے حقے کے اوپر دھری مٹی کی ٹوپی اٹھائی جس میں تمباکو کے اوپر کوئلے رکھے جاتے ہیں۔ اس نے تکیے کے نیچے سے لوہے کی لمبی سلائی سی نکالی، اور ٹوپی کے اندر راکھ کو [illegible]۔ پھر اس نے سلائی راکھ میں گھسا کر راکھ کو ٹٹولا۔ ایک مدھم سی چنگاری ابھرتی نظر آئی۔ بشیر نے ٹوپی حقے پر رکھ کے زور زور سے تین چار کش لیے اور دھواں نکلنے پر میری طرف دیکھا۔ "او پائی، کمال بندہ تھا نذیرو لانگری بھی، ایسے لوگ، ایسی روحیں اب کہاں! [illegible] اس نے جیب سے دس روپے نکالے اور مجھے دیے۔ بولا کہ کل ہی شاہ پور مجیدے کے پاس چلا جا۔ لاری اڈے کے قریب ہی اس کی دکان ہے۔ مشہور آدمی ہے، کسی سے بھی پوچھ لینا۔ بس وہاں جا کر میرا نام لینا اور کام بتانا۔ وہ تجھے اعظم [illegible] کے پاس لے جائے گا، سب چیزیں مل جائیں گی — تیرا کام چھ سات روپے میں ہو جائے گا۔ کل صبح ہی نکل جا شاہ پور کے لیے۔ سامان لے آ۔ گاہکوں کی فکر نہ کر۔ سب تانگے والے یہیں سے [illegible] پڑھواتے ہیں۔ جس کے گھوڑے کی نعل بھی ٹوٹے گی، تیرے پاس بھیجوں گا۔ یہاں سے شاہ پور تک سڑک کچی ہے، نعل ٹوٹتی ہی رہتی ہیں — تیرا کام چل نکلے گا۔۔۔ کمال کا آدمی تھا نذیرو لانگری، نہ جان نہ پہچان، نہ رشتے داری — وہ [illegible] کا، میں [illegible] کا۔۔۔ اس نے تو میری اس طرح مدد کی [illegible] کا بھی نہ کرے۔ نہ غرض نہ لالچ۔ زمین دے دی، دکان دے دی، [illegible] دے دیے۔۔۔ میں کہتا ہوں کہ اس دنیا میں اگر سب لوگ نذیرو لانگری جیسے ہو جائیں تو [illegible]

56۔ ہتھ تیشہ: [illegible] نعل ہی کی شکل کا ایک چھوٹا سا تیشہ ہوتا ہے، جسے [illegible] سے [illegible] کر ہموار کرتے ہیں۔ [illegible]

[illegible] زور سے [illegible]

[illegible]

"[illegible] مجھ میں" [illegible] تو لینے دے، [illegible] ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ پھر روٹیاں لینے بھی جانا ہے۔

[illegible] شروع کر دیے۔ مجھے کل رات کی یاد آ گئی... وہ تنور پر بیٹھی بار بار [illegible] سمت دیکھ رہی ہوگی... وہ کیا سوچ رہی ہوگی؟

[illegible] چونکا۔ "مجید [illegible] سارے [illegible] روپے میں [illegible] بنانے کے لیے پتہ [illegible] دیں۔ [illegible] (تیلی) بھی [illegible] میں نے [illegible] مجھے شاباش دی۔ وہ بھی [illegible] مشہور [illegible] والے بھی [illegible] (...)... لے پائی، آج اتنی [illegible] میں چلوں روٹیاں لینے۔"

میں بھی [illegible] سے اٹھا۔ گھر کی سمت بڑھا۔

"انسانی ذہن بھی عجیب شے ہے" میں نے سوچا "اپنی محرومی کو ختم کرنے کے لیے اس کا [illegible] مشکل سے گزارا ہوتا ہے۔ وہ اپنی [illegible] محسوس کر رہا تھا۔"

34

اگلی صبح میں پھر نہر کے کنارے بیٹھا تھا۔

[illegible] نہر کے کنارے پر پھیلی ہوئی تھیں۔

"بشیر کی کہانی بھی عجیب ہے..." میرے ذہن میں بشیر کے ماموں کی بیٹی رجو کا خیال سوالیہ نشان بن کر ابھرا تھا۔

"رجو کا کیا بنا ہوگا، کیا ہوا ہوگا؟ بشیر اکیلے زندگی گزار رہا ہے، یقیناً کوئی مجبوری ہوگی۔ برادریوں کی اقدار اور رویے تعصبات کے بوجھ تلے دب کر ہی جیا کرتے ہیں۔"

اگلا خیال نہ جانے تلازمے کی کس جہت پر تھا کہ رقیہ پر آکر تھم گیا۔ مجھے رقیہ کی گالیاں، بددعائیں اور دھمکیاں یاد آگئیں۔ اس دن بھی میں اسی نہر کے کنارے شیشم کے سائے میں بیٹھا ہوا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس روز مجھے پانی کے دھاروں میں روانی کا کوئی احساس نہ تھا۔

"زندگی بہتے پانی کی مانند ہے..." میں نہر میں بہتے دھاروں کو دیکھنے لگا۔ "رواں دواں... کبھی کناروں میں سمٹتی ہے تو کبھی کناروں سے اچھل بھی جاتی ہے، مچل بھی جاتی ہے... کبھی ساکن سی نظر آنے لگتی ہے تو کبھی اس میں بھنور پڑتے دکھائی دیتے ہیں، لیکن یہ کہیں بھی مستقل طور پر ساکن نہیں ہوتی۔ زندگی میں بظاہر سکون کے لمحے بھی وقت کے ساتھ رواں ہی رہتے ہیں... نوسیہ کی زندگی بھی رواں دواں رہے گی... رقیہ بھی روز و شب میں اپنے ہونے کے احساس کے ساتھ، اپنا سب کچھ بیٹے پر قربان کرتے ہوئے، اپنی جوانی کی ساری امنگیں اپنے بیٹے کی خاطر تیاگ کر نہر میں بہتے دھارے کی مانند رواں ہی رہے گی... اس کی زندگی بظاہر ساکن بھی نظر آئے گی اور اس میں بھنور بھی پڑتے رہیں گے... لیکن دھاروں کے نیچے جس طرح پانی میں ناقابل یقین تیزی موجود رہتی ہے، رقیہ کی زندگی بھی، اپنے بیٹے کے ساتھ، وقت کا احساس کیے بغیر بہت تیزی سے گزر جائے گی... روشنی اور سچائی کی راہ پر زندگی کبھی نہیں تھمتی۔ راستے تاریکی میں گم ہو روشنی کی کوشش ضرور کرتے رہتے ہیں۔ تو پھر زندگی کا مقصد کیا ہوا؟ یہی نا کہ تاریکی کی راہ روکی جائے، اس تاریکی کی جو سیاہ پوش ملنگوں کی طرح گاؤں گاؤں جا کر اسپند کے دانوں کا دھواں پھیلاتی ہوئی داخل ہوتی ہے... جو اماوس میں، کالی بلا کو پٹاری میں بند کرتے ہوئے، گلی کے کھیتوں میں رینگتی ہے، جو سیاہ دیوار پر اپنے ہاتھ دھرتی ہے، چیختی ہے اور کالی بلا کی پٹاری کھول کر ایک بچے کی جان لینے کی کوشش کرتی ہے۔ روکنا ہے تو اس تاریکی کو کیوں نہ روکا جائے، ورنہ وہ ایک تاریک زندگی لاکھوں روشن زندگیوں کو نگل جائے گی... تاریکی کے اصول بھی تاریک ہوتے ہیں...

[illegible] روشنی کی [illegible] چھوٹے اندھیروں کو بھی نگل جاتا ہے تاکہ اس کا وجود عظیم ہو جائے [illegible] جو اپنے سامنے [illegible] ہر سانپ کو نگل جاتا ہے... اس [illegible] کی طرح جو اپنے سامنے آنے والی ہر مچھلی کو ہڑپ کر جاتا ہے... روک سکے تو اس اندھیرے [illegible]... کیا میں اسے روک پاؤں گا؟ [illegible] اسے روک پاؤں گا؟ [illegible] کیا میں اپنی جسمانی اور [illegible] زندگی میں [illegible] روشن [illegible] میری زندگی اپنی [illegible] میں [illegible] چمکتی ہوئی روشن صبح [illegible] میری زندگی کی مانند ہے" [illegible] اندھیرے [illegible] ہوں گو کچھ کر روشنی کی شعاعوں کے لیے راستہ بنا پاؤں گا؟"

[illegible] پانی [illegible] ساتھ بہتے چلے گئے۔ [illegible] پانی [illegible] پیچھے [illegible]۔

35

[illegible]

"[illegible]"

[illegible]

[illegible]

"[illegible]"

''وہ تم۔ ۔ ''میں نے کہا،''بتارہے تھے کہ تمھارا کاروبار تو یہاں جم گیا تھا— پر تمھاری رجو سے شادی کیوں نہیں ہو پائی تھی؟''

بشیر نے میری سمت گہری نظروں سے دیکھا۔

''جم تو گیا تھا کاروبار۔۔۔''اس نے کہا۔''گاہکوں کی لین لگ گئی تھی، پر مقدر نے میری ہی لین لگانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ رجو کو بیاہ لاؤں۔ نذیر دلگری نے وعدہ کیا کہ وہ مجھے دس پندرہ روپے کرائے پر بازار کی سمت پکا گھر لے دے گا۔ میں خوش خوش سرگودھے پہنچا۔ میں خوش تھا کہ اب اپنا گھر ہوگا، رجو ہوگی۔۔۔ بال بچے ہوں گے، اور میرے پاس ایک ریڈیو بھی ہوگا۔۔۔ تجھے پتا نہیں، مجھے ریڈیو کا بڑا شوق ہے۔۔۔ پر کیا کروں، یہاں بجلی ہی نہیں ہے، ورنہ اد ھتری دا خرید ہی لیتا۔'' بشیر نے ریڈیو کو گالی دی۔''بیٹری والا ریڈیو لینے لاہور جانا ہی پڑے گا۔۔۔''بشیر نے دوکش لگائے۔

''پھر کیا ہوا؟''میں نے پوچھا۔

''ہونا کیا تھا''بشیر نے کہا۔''بڑی امید لے کر گیا تھا میں سرگودھے۔۔۔ او پائی، میں اپنے پیروں پر کھڑا نہ رہ سکا جب پتا چلا کہ ماسے نے کپور تھلے والے چھوٹے خرادیے کے بیٹے سے رجو کا رشتہ پکا کر دیا ہے۔ میں اتنی زور سے منجی پر بیٹھا کہ چولیں ہل گئیں، وھتری دی۔''

''بہت غصہ آیا ہوگا تجھے!''میں نے پوچھا۔

''صاف ظاہر ہے۔۔۔ میں نے ماسے کو سنائیں کہ یہی کرنا تھا تو مجھے یہاں کیوں لایا تھا؟ پر ماسے جیسا بے شرم اور ڈھیٹ بندہ بھی شاید ہی کوئی ہوگا۔ کہنے لگا کہ میں رجو کا باپ ہوں، اس کی مرضی کے خلاف نہیں جا سکتا۔ وہ تجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی، میں زبردستی نہیں کر سکتا۔۔۔ اب تو اس کا رشتہ پکا ہو گیا ہے، اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ تو اب جا۔۔۔ میں نے کہا کہ کیسے جاؤں؟ میری ساری زندگی تو نے برباد کر دی ہے۔ میرا گوردا سپور والا گھر بیچ دیا، خراد کی دکان بیچ دی، مشینیں بیچ دیں، گھر کا سارا سامان بیچ دیا۔ اب کم از کم وہ پیسے تو مجھے دے دے۔۔۔ تو ماسے نے کہا، اتنے سال میرے گھر میں کھانا کھاتا رہا ہے۔۔۔ میں تجھے صحیح سلامت ادھر لے آیا، گھر میں رکھا، کیا سب کچھ مفت میں مل جاتا ہے؟ پیسے کس چیز کے مانگ رہا ہے؟ چالیس روپے دیے تو دیے ہیں۔ میں نے کہا کہ بیس روپے کی تو میری مرغیاں ہی تھیں، خراد کی مشینیں دو تین سو روپے کی تھیں، گھر تھا، زمین تھی، گھر کا سامان تھا۔۔۔ کیا سب

Scanned with CamScanner

کی قیمت چالیس روپے تھی؟ کتنا کھانا کھا گیا ہوں تیرا؟ یہاں آ کر تیرے ساتھ خراد پر کام کرتا رہا ہوں، کون سی تنخواہ دی ہے تو نے؟ مفت میں کام کرا کے روٹی دال کا طعنہ دے رہا ہے! تو سیدھی طرح میرے پیسے نکال... اس پر ماے نے مجھے آنکھیں دکھائیں۔ بولا، کیا کر لے گا تو؟ عدالت میں جائے گا؟ جا۔ میں نے نہ تیرا مکان بیچا تھا نہ دکان، نہ مشینیں نہ مرغیاں نہ گھر کا سامان... جا ثابت کر... پتر جی، یہ دنیا قانون پر چلتی ہے، قانون کاغذ مانگتا ہے... کیا ہے تیرے پاس رسید کہ میں نے تیرے پیسے لیے ہیں؟ نہیں ہے! بہتر یہی ہے کہ اب یہاں سے دفع ہو جا اور پھر کبھی مجھے اپنی شکل نہ دکھانا... پیسے مانگتا ہے! ماے کی آنکھوں میں مکاری دیکھ کر اور اپنی بے چارگی دیکھ کر میں وہاں سے چلا آیا۔'' بشیر چارپائی پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''ماے کو حرامی کہنا ٹھیک نہیں، پر تھا وہ حرام کی اولاد... دغا کر گیا میرے ساتھ۔''

''کیا مر چکا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں،'' بشیر نے کہا، ''ناؤ کی گٹھری اٹھا کے لگ گیا ہے بنّے (کنارے)...''

''تو نے رجو سے کیوں نہیں پوچھا تھا کہ اس نے شادی سے انکار کیوں کیا تھا؟'' میں نے کہا۔

''کیا پوچھتا!'' بشیر نے کہا۔ ''اس کا برتاؤ تو پہلے ہی بدلا ہوا تھا۔ میرے یار ہرنامے نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ رجو مجھ سے دس سال سے چھوٹی ہے، وہ کیسے مجھ سے بیاہ پر راضی ہو گی؟ پر میری ہی مت ماری گئی تھی۔ میں سوچتا تھا کہ دس سال سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اگر خوراک ٹھیک رہے تو گھوڑا اور مرد کبھی بوڑھے نہیں ہوتے۔ پر ایک بات میں بھول گیا تھا کہ میرے پاس دھن دولت نہیں ہے... اور وہ رجو... اسے حویلی نظر آئی، چلتا لوہے کا کاروبار نظر آیا، دھن دولت نظر آئی... بڑی خوشی سے راضی ہو گئی شادی پر... اب بھی سرگودھے ہی میں ہے۔ آٹھ سال ہو گئے ہیں، میں نے اس کی شکل نہیں دیکھی... میں تو ماے کی وفات پر بھی نہیں گیا تھا۔ خبر مجھے مل گئی تھی... رجو ہی نے بھجوائی تھی... کمینی، خودغرض، بے وفا... پیسہ دیکھ کے گر گئی کنجری!''

بشیر کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ مجھے خودغرضی کا ایک اور پہلو نظر آیا جو اس دنیا کے رہنے والوں کی جبلی ضرورتوں سے جڑا ہوا ہے۔

''بھوک مٹانے کے لیے دو روٹیوں ہی کی ضرورت ہوتی ہے۔'' میں نے سوچا۔ ''لیکن اگر

دسترخوان پر طرح طرح کے پکوان پڑے ہوں تو ان کی سمت کیوں نہ رخ کیا جائے... کیا ضرورت ہے دو سوکھی روٹیاں کھا کر خود کو ترسانے کی..."

بشیر کے ذہن میں تلخی تھی۔ وہ حقے کے کڑوے کش پہ کش لے رہا تھا۔ شاید ذہنی تلخی کو جسمانی کڑواہٹ سے ختم کرنا چاہتا تھا۔

"کل ماسی جیراں ناراض تو نہیں ہوئی تھی؟" میں نے گفتگو کا رخ موڑا۔ "تم دیر سے گئے تھے۔"

"کل نہیں او پائی... " بشیر نے کہا۔ "پرسوں دیر ہو گئی تھی... ماسی ناراض نہیں ہوتی، بڑی ہی اچھی اور نیک عورت ہے۔ کیا کروں، اوختری ڈاتوا ہے میرے پاس، روٹی بھی پکانی آتی ہے، پر کون آٹا گوندھے، کون چولھے پر پھونکیں مارے... پھونکیں بہت زیادہ کو کے کھا جاتی ہے... چل پائی، میں تو چلا تورپہ..."

36

واپس چکوال جانے میں دس دن رہ گئے تھے۔

اگلے روز بھی میرا معمول وہی رہا۔ گلنازی سے دور رہنے ہی میں اپنی اور اس کی بھلائی دیکھ رہا تھا۔ رات کو جب سب چھت پر سونے کے لیے لیٹے اور میں تاروں میں جیومیٹری کی اشکال تلاش کرنے لگا تو بھائی نے تکیے سے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ وہ کچھ پریشان سے تھے۔

"مداؤ نے بتایا ہے کہ تم صبح سے دوپہر تک کھیتوں میں اور نہر کے کنارے گھومتے پھرتے رہتے ہو" بھائی نے کہا۔ "یہ ٹھیک نہیں... تم اس بات کو کیسے بھول سکتے ہو کہ پیر کے جرائم پیشہ ملنگ اب میانہ چن سے تمھاری جان لینے بھی آ سکتے ہیں۔"

بھائی کے اس جملے سے مجھے پہلی بار تمام واقعے سے وابستہ اس پہلو کا احساس ہوا... یہ اندیشہ تو عصمت نے بھی ظاہر کیا تھا، لیکن مجھے اس کی سنجیدگی کا احساس نہیں ہوا تھا۔ میں نے اب بھی اس اندیشے کو جھٹلایا۔

"نہیں بھائی جان،" میں نے کہا، "میرے خیال میں وہ اب اس گاؤں میں جلدی نہیں آئیں گے۔ پیر لوگ بہت عیار ہوتے ہیں۔ پیر نور شریف خود بھی اس اندیشے کا شکار ہو گا کہ کہیں اس کے

Scanned with CamScanner

قریب کی دیوار میں دراڑ نہ پڑ جائے۔ وہ اب کوئی رسک نہیں لے گا۔ خود ہی اس بات کو دبانے کی کوشش کرے گا۔ ۔ اور اب تو برسات بھی شروع ہونے والی ہے۔ بویا اور رقیہ کمرے ہی میں سویا کریں گے۔۔۔ بیٹھک پر دوبارہ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔۔۔ مجھ پر حملہ ہونے کے حق میں کسی صورت بھی بات نہیں ہوگی۔ وہ بہت مکار آدمی ہے۔ وہ بوبے کے پانچ سال پورے ہو جانے تک اب مجھ وریاں سے متعلق نہیں سوچے گا۔ اسے صرف گدا کی طرف سے یہ خوف ہوگا کہ وہ اس واقعے کو جانتا ہے۔ اگر گدا خاموش رہے گا، تشہیر نہیں کرے گا، تو پیر کی میں اپنی بھلائی جانے گا کہ وہ اس واقعے کو کڑوا گھونٹ سمجھ کے پی جائے۔"

چند لمحے خاموشی رہی۔ بھابی نے میری باتوں کا کوئی جواب نہ دیا۔

"رقیہ تو اب بھی کمرے ہی میں سوتی ہے۔" بھابی نے خاموشی کو توڑا۔ "میں نے تو کہا ہے کہ چھت پر آجا، ایک چارپائی اور بچھ سکتی ہے، لیکن وہ نہیں مانتی۔"

"کمرے میں تو بہت گرمی ہوتی ہوگی۔" عصمت نے کہا۔

"پنکھا تو ہوتا ہے اس کے پاس۔" بھابی نے کہا۔ "جب تک جاگتی رہتی ہوگی، بوبے پر جھلاتی رہتی ہوگی۔"

عصمت زیر لب کچھ پڑھ رہی تھیں، یقیناً کوئی آیت ہوگی۔ وہ ہر رات سونے سے پہلے زیر لب آیات پڑھتی رہتی تھیں۔ نہ جانے غنودگی کب سب پر چھا گئی۔

37

اگلی دوپہر میں کاپی پنسل لے کر میر صاحب کے پاس ان کی ڈسپنسری میں گیا۔

"آیئے برخوردار!" انھوں نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔ "ہسپتال میں تو آپ نے آنا چھوڑ دیا ہے۔ دن بھر کہاں غائب رہتے ہیں؟"

میں انھیں یہ بتاتا کہ میرے اور ان کے سامنے نہ بیٹھنے کا وجہ ان کی جھڑکیوں کی وجہ سے نہیں ہے، اصل باعث کچھ اور ہی ہے۔

میں ان کے پہلو میں دھرے سٹول پر بیٹھ گیا۔ ڈسپنسری میں کوئی مریض نہ تھا۔

"نو دن رہ گئے ہیں واپس جانے میں،" میں نے کہا۔ "بس گاؤں کے بیرونی حصوں کو دیکھتا رہتا ہوں۔"

"ارے... اتنی جلدی دن گزر گئے، پتا بھی نہیں چلا!" میر صاحب نے کہا۔ "یوں لگتا ہے کہ آپ لوگ چند دن پہلے ہی جھاوریاں آئے تھے۔"

"وقت کی رفتار وقت کے تصور سے زیادہ تیز ہوتی ہے سر،" میں نے کہا۔

"یہ ابھی آپ نے کیا کہا تھا؟" میر صاحب نے کہا، "آپ گاؤں کے باہر رہتے ہیں؟"

"جی،" میں نے جواب دیا۔ "سر، میں کوئی بچہ تو نہیں ہوں۔"

"لیکن اس طرح اکیلا رہنا، اکیلے گھومنا پھرنا..." میر صاحب نے سنجیدگی سے کہا، "وہ بھی اس حادثے کے بعد... صاحبزادے، ہمیں تو مناسب معلوم نہیں ہوتا۔"

"یہی بات کل بھائی جان نے بھی کہی تھی،" میں نے میر صاحب کے چہرے کی سنجیدگی کا اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔ "ان کا خیال ہے کہ بچے کے بعد اب مجھ پر جان لیوا حملہ ہو سکتا ہے۔"

میر صاحب کچھ دیر بازار کی سمت دیکھتے رہے، پھر انھوں نے میری طرف دیکھا۔

"درست کہتے ہیں آپ کے بھائی،" انھوں نے کہا۔ "ہم بھی یہی کہیں گے... زخمی درندے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔"

"آپ کے خیال میں کیا پیر ایسی حماقت کرے گا؟" میں نے کہا۔

"بظاہر تو نہیں،" میر صاحب نے کہا، "لیکن دل کا حال تو خدا ہی جانتا ہے۔ ہم تو آپ سے یہی کہیں گے کہ محتاط رہیے... احتیاط ہر حال میں ضروری ہے۔"

میں کچھ دیر سوچتا رہا کہ اس صورت حال کے متعلق جس کا تعلق اب میری ذات سے ہے، کیا کہوں...

"آپ کے جانے میں ابھی نو دن باقی ہیں،" میر صاحب نے کہا۔ "اچھی بات ہے... بہتر یہی ہے کہ اب آپ گاؤں کے اندرونی حصوں میں رہیں۔ بارونق جگہوں پر ہی رہا کیجیے۔ گاؤں کے باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ملنگ کے زخمی ہونے پر ان کا شک آپ پر ہی ہوگا۔ وہ یہی سمجھتے ہوں گے کہ غسل خانے پر آپ ہی تھے۔ گداؤ میاں پر تو ان کا شک جا ہی نہیں سکتا، نہ ہی ان کا دھیان

Scanned with CamScanner

آپ کے بھائی کی سمت جائے گا . . . ان کا ہدف آپ ہی ہوں گے برخوردار . . . انھیں یہ بھی تکلیف ہوئی کہ وہ آپ کی وجہ سے ناکام ہوئے ہیں . . . وہ یہ بھی سمجھتے ہوں گے کہ سانپ پھینکنے میں ان سے غلطی ہوئی ہے اور سانپ صحن کے فرش پر گرا ہے جس سے اس کے کسی مہرے کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے وہ بھاگ نہیں سکا اور پکڑا گیا ہے . . . نہیں، میرے خیال میں انھیں تو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ وہ سانپ تمھارے بھائی نے مار دیا ہے . . . بہر حال، انھیں یہ تو یقین ہو گا کہ ملنگ کو اطلاع آپ ہی نے دی تھی۔"

"تو کیا اب وہ مجھ پر حملہ کر سکتے ہیں؟" میں نے کہا۔

"وثوق سے تو ہم یہ بات نہیں کہہ سکتے،" میر صاحب نے کہا۔ "لیکن یہ خارج از امکان بھی نہیں ہے۔"

مجھے زخمی ملنگ کے ساتھ ہونے والی آخری بات یاد آئی . . . آخری جملہ . . .

"میر،" میں نے کہا۔ "وہ . . . مرنے والے ملنگ نے . . . اس دن . . . آپ کو معلوم ہے کیا کہا تھا؟"

"ارے ہاں،" میر صاحب چونکے۔ "کیا کہا تھا انھوں نے؟"

"جانے سے پہلے اس نے سرگوشی کی تھی،" میں نے کہا۔

"ہاں . . . ہم نے سنی تھی لیکن وہ بات ہم سمجھ نہیں پائے تھے،" میر صاحب نے کہا۔

"اس نے کہا تھا 'تیرہ تیسیاں' . . . وحشی کی زبان میں اس کا مطلب ہے [illegible] ہیں گے۔"

میر صاحب ایک دم بہت سنجیدہ ہو گئے۔ خاموشی سے باہر گلی کی طرف دیکھتے رہے، پھر انھوں نے میرے چہرے سے نظریں ہٹا کر سانپ کی طرف دیکھا۔ وہ جو بے چین سے تھے، سنجیدگی اضطراب میں بدل چکی تھی۔ پھر ان کی نگاہیں میرے چہرے پر جم گئیں۔

"یہ تو . . . ملنگ صاحب کا وعدہ ہے،" میر صاحب نے بے چینی سے کہا۔ "وہ آپ کو خبردار کر گئے ہیں کہ وہ انتقام لیں گے۔ بس آج سے آپ کا گھر سے بلا ضرورت زیادہ دیر باہر رہنا بند . . . ہسپتال تو اب آپ آتے نہیں . . . دوپہر کو ہمارے پاس آ جایا کیجیے۔ گاؤں کا یہی حصہ سب سے بارونق ہے۔ کھیتوں اور نہر کی سمت کسی صورت میں بھی نہیں جانا . . . وہ کھلی وارننگ دے کر گئے ہیں آپ . . . آپ نے ہمیں بتایا ہی نہیں۔"

"نہیں تو [illegible] رہتی" میں نے کہا۔ "سارا گاؤں دیکھ چکا ہوں، پرانی حویلی کے کھنڈر نہیں دیکھے، وہ بھی دیکھ لوں۔"

میر صاحب ٹھٹک سے گئے۔

"ہرگز نہیں" انھوں نے کہا۔ "وہاں تو مختلف آسیب ٹھہرتے ہیں۔ اگر آپ کے لیے سب سے زیادہ خطرہ ہے تو وہیں ہے۔ آپ وہاں ہرگز نہیں جائیں گے۔"

38

حویلی، میر صاحب کی تنبیہ کے باوجود میں اگلی صبح پھر کھیتوں میں تھا۔ [illegible] وجود دو تھیں، ایک تو گلناز کی [illegible] کا اندیشہ [illegible] چاہتا تھا [illegible] صاحب میں اور گلناز ایک دوسرے [illegible] ذہن پر خوف کی [illegible] قائم ہو جائے گی۔ یہ بات میں اچھی طرح سے جانتا تھا [illegible] خوف سے مزاحمت اختیار کی جائے تو وہ بھاگ نہیں دیتا۔ خوفزدہ [illegible] اگر پیچھے [illegible] تو خوف بار بار [illegible] کی صورت میں ذہن پر اترتا ہے۔ [illegible] ایک ہی [illegible] کو لپیٹ میں لے لیا کرتا ہے۔ کسی [illegible] بازوؤں میں سے ایک بار وہ بھی اگر کسی شناور کو پکڑ لے تو [illegible] میں اس نے آنکھیں [illegible] بند لیتے ہیں۔ مگر انسان ایک بار خوفزدہ ہو جائے تو خوف ذہن پر اس قدر حاوی ہو جاتا ہے کہ خوفزدہ شخص بے بسی کی انتہا تک جا پہنچتا ہے... وہ اژدہے کی پیٹ میں، اس کے شکنجے سے [illegible] آخری سہارے کی شدید خواہش تو کرتا ہی ہے... وہ [illegible] کے آٹھوں بازوؤں میں جکڑے ہونے کے باوجود، پانی میں آگے پیچھے دائیں بائیں ہاتھ پاؤں تو مارتا ہی ہے... کسی آخری [illegible] آخری سانس میں... کسی خونخوار شیر کے سامنے [illegible] اپنی موت کا یقین [illegible] آخری بار یہ خواہش تو کرتا ہی ہے کہ آسمان سے بجلی گر کر خونخوار شیر کو مار دے۔ یا اس کے خونخوار پنجے پر کوئی ناگ ہی ڈس لے...

"شاید مذاہب کی ابتدا میں یہی کچھ ہوا ہوگا..." میں نے کھیتوں سے نہر کی جانب جاتے

Scanned with CamScanner

ہوئے سوچا۔ ''طاقتور کے سامنے کمزور کو سہارے کی ضرورت محسوس ہوئی ہوگی اور پھر اتفاق ہی سے کبھی کمزور کو تباہ کرنے سے پہلے طاقتور پر آسمانی بجلی گر پڑی ہوگی تو کمزور نے آسمانی بجلی کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے ہوں گے... اسے خدا مان لیا ہوگا اور اس کی پرستش شروع کر دی ہوگی... اسی طرح کسی طاقتور کے ہاتھوں ختم ہو جانے والے کسی کمزور کو ناگ نے، طاقتور کو ڈس کر، بچا لیا ہوگا تو کمزور نے ناگ کے سامنے ماتھا ٹیک دیا ہوگا، ناگ دیوتا مان لیا ہوگا اور پوجا شروع کر دی ہوگی۔ اسی انداز میں اجتماعی احساس نے کمزوروں نے کئی خدا، کئی دیوتا بنا دیے ہوں گے... اسی سے ساحرشاہی کا آغاز ہوا ہوگا اور مذاہب کا بھی...''

میں نہر کے کنارے کے قریب پہنچ گیا جو ڈھلوان سی بنا کر کھیتوں کی سمت اترتا ہے۔

''اس خوف کی ماہیت پر ذرا سا غور کروں تو مجھے اس سے وابستہ خودغرضی کو پہچاننے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی...'' میں نے پھر سوچا۔ ''ذہن میں یہ اعتراض اٹھ سکتا ہے کہ اگر یہ خودغرضی کا اجتماعی روپ تھا تو اسے کئی حصوں میں بٹ جانا چاہیے تھا... اس کی ماہیت پر بھی ذرا سا غور کروں تو بات مکمل ہو جاتی ہے۔ کُل جب جزیات میں تقسیم ہوتا ہے تو کُل کا ہر عنصر جزیات کے عناصر میں مل جاتا ہے اور آج تک ایسا تو کبھی ہوا ہی نہ ہوگا کہ بغیر جزیات کے کُل کی تشکیل ہوئی ہو... اسی کُل سے مذاہب نے جنم لیا ہوگا، جو آج تک بھی ہوس نے دو ستونوں، خوف اور خودغرضی، پر مبنی اپنی شاندار عمارتیں بناتے رہتے ہیں۔ وہ ہوس جو آج بھی ایک کُل کی طرح سب ہر جزو کی ہوس بن چکی ہے...''

میں نہر کے کنارے کنارے آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ اس بار میرا رخ جانب شمال تھا، جدھر پرانی حویلی کے کھنڈرات ہیں۔

''میں کبھی نہیں... میں حفظ ماتقدم کو نہیں مانتا...'' میرے خیال پھر بھائی اور میر صاحب کی شبیہ کی سمت چلے گئے۔ ''میں انسانی ذہن میں اتنی سمجھ بوجھ تو ہوتی ہی ہے کہ وہ خطرے کی نوعیت کو سمجھ سکے۔ تب سمجھے بغیر کسی انجانے شے سے خوفزدہ ہو کر بچاؤ کی تدبیروں میں لگ جانا اور سہارے تلاش کرتا پھرنا کہاں تک درست ہے؟''

میں نہر کے کنارے بیٹھ گیا۔

''جانتا ہوں کہ جو حادثہ ہوا ہے اور جس انداز میں ہوا ہے، وہ ہوس کے نمائندے اب ادھر کا

Scanned with CamScanner

رخ نہیں کریں گے... بھائی کہتے ہیں کہ میری جان کو خطرہ ہے... میر صاحب کہتے ہیں کہ ملنگ مجھے وارننگ دے کر گئے ہیں کہ وہ مجھ سے پیر کی شکست کا انتقام لیں گے... لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ ایسا نہیں کر سکیں گے۔ کم از کم بوب کی عمر کے پانچ برس پورے ہونے تک تو قطعی نہیں، اور میں اس سے پہلے ہی یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

نہر کے دوسرے کنارے پر ایک دیہاتی بیل کی رسی تھامے نظر آیا۔ بیل کے گلے میں بندھی گھنٹی مسلسل ٹن ٹن کیے جا رہی تھی۔ دیہاتی نے میری سمت دیکھا، کچھ دور تک دیکھتا رہا، پھر بیل کی رسی تھامے دور ہوتا چلا گیا۔ "اس دنیا میں سب سے بڑا خوف تو نامعلوم کا ہے... انسان جس بات کو نہیں جانتا وہ اسے زندگی کے کسی لمحے میں بھی خوفزدہ کر سکتی ہے... اماوس کی رات دلیر سے دلیر انسان کو بھی دہلا دیتی ہے۔"

مجھے چکوال کے قریب ایک گاؤں چکوڑہ[57] کا ایک واقعہ یاد آیا۔ گاؤں کے پاس ایک بہت پرانا قبرستان تھا۔ اس قبرستان میں کئی قبریں ٹوٹی ہوئی تھیں جن میں سے ساون کی راتوں میں بارش سے ہڈیوں میں موجود فاسفورس جل اٹھنے سے شعلے سے لپکتے نظر آتے تھے اور لوگ سہم جایا کرتے تھے۔ اسی قبرستان میں ایک ٹوٹی ہوئی قبر میں ہڈیاں، کھوپڑی، لمبے لمبے بال اور لمبے لمبے ناخن نظر آیا کرتے تھے، جو انسانی جسم کے مر جانے کے بعد بھی بڑھتے رہتے ہیں۔ بال مٹی سے اٹے ہوئے خاصے خوفناک لگتے تھے۔ گاؤں کے نوجوانوں نے ایک دن شرط لگائی کہ جو نوجوان اماوس کی رات کو اس قبر کے پاس لوہے کا ستون (کھونٹ) گاڑ کر واپس آ جائے گا اسے پچیس روپے انعام دیا جائے گا اور اسے گاؤں کا سب سے بہادر نوجوان قرار دیا جائے گا۔ شرط میں یہ بھی شامل تھا کہ کوئی نوجوان اپنے ساتھ روشنی لے کر نہیں جائے گا، یہاں تک کہ دیا سلائی بھی نہیں۔ اندازے سے قبر تک پہنچے گا، کھونٹا گاڑے گا اور واپس آ جائے گا۔ ایک مضبوط جسم والا لمبا تڑنگا جوان تیار ہو گیا۔ وہ رات کے وقت کھونٹ اور ہتھوڑا لے کر قبرستان میں چلا گیا۔ پندرہ بیس منٹ کے بعد قبرستان سے بھیانک چیخ کی آواز آئی۔ اماوس کی رات میں قبرستان سے دو کھیت دور کھڑے دیہاتی لرز گئے۔ پھر لالٹینیں جلیں،

57۔ چکوڑہ: یہ گاؤں چکوال سے تلہ گنگ جانے والی سڑک پر چکوال سے پانچ کلومیٹر دور تھا۔ اب اسے شاید جعفرآباد کہا جاتا ہے۔

[illegible] وہ بھیانک چیخ کے ساتھ منہ کے بل اوندھا گر گیا۔ [illegible]

صوفی قسم کے لوگوں کی آلودگی ہے۔ یعنی وہ خود کو باصفا سمجھتے ہیں۔ ان کے سلسلہ طریقت کی بڑی ہوس سے آلودگی رہتی ہے۔ یہ لوگ سلسلہ کا دینی استعمال خوب سمجھتے ہیں اور ان کو اپنی طریقت کی میراث بناتے ہیں۔ مذہب نے جہاں بے شمار راہیں بھلائی کی دکھائی ہیں وہاں بہت سے نئی رویوں کے در بھی کھولے ہیں، اور ان ہی میں ایک در کاروبار کا بھی کھلتا ہے۔ یہ وہ کاروبار ہے جس میں بیوپاری کو نہ تو بار دانہ خریدنا پڑتا ہے، نہ کچھ ہوتا ہے... یہ ایسی دکان ہے جس میں دکاندار کو نہ مال کی ضرورت ہوتی ہے نہ ترازو کی... گاہک خود بخود چلے آتے ہیں۔ بس صرف معاشرے میں اس خوف کو پھیلانا ہے کہ لوگ گناہوں و سہارے کی تلاش میں اس کی دکان کا راستہ دکھا دے۔ پھر اسے گدی نشین کا درجہ مل جاتا ہے۔ پیروں پر چڑھاوے اور خانقاہوں میں نذرانے چڑھنے لگتے ہیں جن کا معاوضہ دم درود کی صورت میں ملتا ہے۔ اسے کالے دھاگوں پر پھونکیں مارنا ہوتی ہیں، منتوں والے بچوں کے سروں پر بال رکھوا کر ان پر چند قطرے گرانا ہوتے ہیں، اور بس... اس کی دکان کی محنت اور مشقت سے خیر ہوتی رہتی ہیں۔ ہاں لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لیے ڈھونگ رچانا پڑتا ہے، چاہے اس کے لیے کسی معصوم بچے کو قتل کیوں نہ کرنا پڑے۔

میرے ذہن میں کئی سوال نمودار ہوئے۔ میں اٹھا اور واپس نہر کی سمت چل دیا۔ کھیتوں کی پگڈنڈی پر چلتے ہوئے میں پھر رک گیا۔ آسمان کی سمت چہرہ اٹھا کر میں نے سورج کی بلندی سے وقت کا تعین کیا۔ چار بجنے کا احساس ہونے پر میں پھر نہر کی سمت مڑ گیا... اس خیال نے ساتھ دیا کہ یہ وقت تو گلنازی کے آنے کا ہے۔ نہر کے کنارے بیٹھ کر میں نے چپل اتارے، پاؤں پانی میں ڈبو دیے۔ ٹھنڈک پانی کا احساس ہمیشہ سکون دیا کرتا ہے۔

قریب ہی ایک گھنے پیڑ پر ایک فاختہ کی کلکاری نے شور مچا دیا۔ شاید اس نے درخت کے اوپر اڑتے ہوئے کسی شکرے، چیل، یا کوے کو دیکھ لیا ہو گا، جس نے اس کے گھونسلے میں موجود انڈوں کو دیکھ لیا ہو گا۔

"گلنازی یاد کرتی ہوں؟" اس خیال نے مجھے اداس کر دیا۔ "کتنے دن سے میں اس سے نہیں ملا... کتنے دنوں سے ملے بغیر جا چکا ہوں... وہ یقیناً بہت اداس ہو گی۔"

مجھے تصور میں گلنازی کا اداس چہرہ نظر آیا جس پر بچوں جیسا بھولپن تھا۔

Scanned with CamScanner

"وہ بہت پریشان [illegible]... "میری" [illegible] پریشانی میں سے [illegible] سوجھتا ہوگا کہ وہ کیا کرے... [illegible] میں کہاں ہوں... میں [illegible] ہوں، بہت ہی [illegible]... [illegible] پریشان [illegible]... میں واقعی بہت [illegible] ہوں... نہ جانے ماں مجھے [illegible] کیوں کہتی ہے۔"

[illegible] میرے ذہن میں [illegible] پریشانی کا باعث [illegible]... [illegible] قرار [illegible]

[illegible]

[illegible] مجھے [illegible]

[illegible] پانی میں جتنور سا پڑتا نظر آیا۔

[illegible] مجھے یاد [illegible] آہستہ آہستہ، غیر محسوس انداز [illegible] وقت تو بڑے بڑے صدمے بھلا دیا کرتا ہے۔" مجھے پنجابی [illegible]

[illegible]
(جن کے بغیر اک پل بھی نہیں گزرتا تھا، ان کی صورت بھی [illegible])

"میں نے تو ابھی تک گلنازی کو یہ احساس بھی نہیں دلایا کہ میرے دل میں اس کے لیے کوئی احساس، کوئی جذبہ موجود ہے۔ ایک دو بار مسکرا دینے سے کیا ہوتا ہے۔۔"

39

سہ پہر کو میں میر صاحب کی ڈسپنسری جانے کے لیے کمرے سے نکلا تو مجھے برآمدے میں نوبا نظر آیا۔ مجھے جانے میں دیر تو ہو ہی چکی تھی۔ نوبے کی گردن پر نظر پڑتے ہی مجھے اس تعویذ کا خیال آیا جو اس کے گلے میں لٹکا رہتا تھا۔ میں نے رقیہ کے غصے کی پروا نہ کرتے ہوئے نوبے کو پیار کرتے ہوئے اس کی گردن کو ٹٹولا۔ رقیہ مجھے کنکھیوں سے دیکھ رہی تھی۔

"جلا دیا ہے چولہے کی آگ میں۔۔۔" رقیہ نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔

میں چونکا۔ ایک انجانی سی سرخوشی کا احساس مجھے دل کی گہرائی سے اٹھتا محسوس ہوا، جیسے میرے اندر روشنی سی پھیل گئی ہو۔۔۔ اسی لمحے باجی زیبا تلاوت کرتی ہوئی کمرے سے نکلیں۔۔۔ سیدھی نوبے کی سمت گئیں اور اس کے سر پر پھونکیں مارنا شروع کر دیں۔

"کچھ نہیں ہو گا" باجی زیبا نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "پاک پروردگار پر بھروسا رکھ، کچھ نہیں ہو گا نوبے کو۔"

"جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا بی بی جی،" رقیہ نے کہا۔ "اب اور کیا ہونا ہے۔ میرے نوبے کو مارنے آئے تھے۔ رب کرے پوٹلی کے کانٹوں پر تڑپ تڑپ کر مریں۔۔۔ آگ سے سواہ (راکھ) ہو جائے پیو کا ڈیرہ۔۔۔ اس کے بچے مریں۔۔۔" رقیہ کے لہجے میں غصہ نمایاں ہوا۔ "نام کا نور شریف اور کرتوت بدمعاشوں کی۔"

"تو فکر نہ کر، ذرا فکر نہ کر۔۔۔" باجی زیبا کی آواز میں خوف تھا۔ "کچھ نہیں ہو گا نوبے کو۔۔۔ اللہ تعالیٰ حفاظت کریں گے نوبے کی۔۔۔ تو فکر نہ کر۔"

میں پریشان سا ہو کر بیرونی دروازے سے نکلا۔

"کیا ہو گیا ہے باجی زیبا کو؟" میں نے بشیر کی دکان کے قریب سے گزرتے ہوئے سوچا۔ "وہ کس قدر خوفزدہ ہیں۔ رقیہ کی باتوں سے تو اس بات کی [illegible] رہی ہے کہ اس نے دل [illegible]

Scanned with CamScanner

[illegible] وہ کام جو چار برس ساڑھے دس مہینے [illegible] ابھی نہیں [illegible] اور یہاں [illegible] پر مجبور [illegible]

[illegible]

پڑا۔ ڈیپریشن زندگی۔ میں [illegible] کا شکار ہو چکا تھا۔

40

[illegible] کھیتوں میں [illegible] باہر [illegible] محسوس ہو رہی تھی... لیکن [illegible] صورت [illegible] تھے۔

[illegible] پاؤں [illegible] بیٹھ گیا۔

[illegible] میں کسی صورت بھی نہیں چاہتا [illegible] گلنازی سے [illegible] آیا تھا [illegible] دوسری [illegible] میں ایک [illegible]

[illegible] مجھے [illegible] عصمت نے ہنسنا شروع

کر دی۔ بھابھی اور غیر متوقع طور پر باجی زیبا بھی مسکرا رہی تھیں۔ مجھے ان کی مسکراہٹ اور عصمت کی ہنسی عجیب سی محسوس ہوئی۔ پھر جب میں کاپی پنسل اٹھا کر میر صاحب کی سمت جانے لگا تو عصمت نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"وہ آئی تھی..." عصمت کی آواز میں شرارت تھی۔ "کیا بات ہے؟... وہ کہہ رہی تھی... پوچھ رہی تھی۔"

میں فوراً سمجھ گیا کہ ناز ہی آئی ہوگی۔ پھر بھی میں نے انجان بن کر پوچھا: "کون؟"

"ناز ہی!" عصمت کی آواز میں شوخی تھی۔ "بہت اداس لگ رہی تھی... تمھارا پوچھ رہی تھی کہ تم کہاں ہو؟... خیر تو ہے؟" عصمت نے قہقہہ لگایا۔

"... گلناری..." میں نے فوراً جواب دینے کی کوشش کی لیکن زبان لڑکھڑا گئی۔ "وہ کل نا گلناری... وہ تو چاہتی ہے میں اس کے ساتھ لکن میچی (آنکھ مچولی) کھیلوں۔"

بھابھی اور بہنیں بے اختیار ہنسنے لگیں۔

"تو کھیلو نا!" بھابھی نے ہنستے ہوئے کہا: "تمھیں کس نے منع کیا ہے؟"

"تم بڑے کب سے ہو گئے ہو؟" باجی زیبا نے کہا۔ وہ خلاف توقع بہت نارمل لگ رہی تھیں۔

میں نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پانے کی بھرپور شعوری کوشش کی۔

"بہت بدلی بدلی سی لگ رہی تھی..." عصمت نے کہا: "اداس اداس سی... باتوں میں پہلے جیسی چہک نہیں تھی۔"

مجھے پہلی بار اپنے سینے میں دل کی دھڑکن تیز محسوس ہوئی۔ چہرہ تپنے لگا۔

"گلناری..." میں نے سوچا۔ "وہ سب کچھ کر کے رہے گی جو میں نہیں چاہتا۔ اب کیا کروں؟"

اچانک مجھے اپنی آنکھوں کے سامنے انگلیاں ہلتی نظر آئیں۔ عصمت میری آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلا رہی تھی۔

"واپس آ جاؤ!" عصمت ہنسے جا رہی تھی۔ "تمھاری چوری تو پکڑی گئی ہے۔ اب کن سوچوں میں گم ہو؟"

Scanned with CamScanner

"میں... میں یہ سوچ رہا تھا کہ انسان بڑا کب ہو جاتا ہے؟" میرا چہرہ یقیناً سرخ ہو چکا ہوگا...

"جب اس کی مونچھیں نکل آتی ہیں..." بھابھی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تو بھی..." میں نے ہونٹوں کے اوپر انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا، "میں تو بڑا ہو گیا۔"

میں تیزی سے برآمدے میں آ گیا۔ بھابھی اور بہنوں کی ہنسی کی آواز مجھے بیرونی دروازے تک سنائی دی۔ مجھ پر عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ پھر میرے ذہن میں سوال سا ابھرا۔

"انسان بڑا کب ہوتا ہے؟" یہ سوال پوری شدت سے وارد ہوا۔ "کتابیں کہتی ہیں کہ جب انسان علم و عمل سے کوئی بڑا کارنامہ انجام دے، وہ دوسروں کے مقابلے میں بڑا ہو جاتا ہے۔ مذہبی کتابیں کہتی ہیں کہ جس کے اعمال سب سے اچھے ہوں، وہ بڑا ہو جاتا ہے۔ تاریخ رزم کہتی ہے کہ ... فتح سے ہمکنار ہو، وہ بڑا ہو جاتا ہے۔ مذہب اس معاملے میں شہید ہو جانے والے کو اعلیٰ کا درجہ دیتا ہے۔ ... حضرات کہتے ہیں کہ شعائر دین و مذہب کی ... بڑائی ہے۔ مذہبی علماء ... کہتے ہیں کہ تقویٰ بڑا بناتا ہے۔ صوفی کہتے ہیں کہ خود کو مٹا دینے سے کوئی بھی شخص دوسروں کے مقابلے میں بڑا ہو جاتا ہے۔ معاشیات کے ماہر کہتے ہیں کہ دولت کی وجہ بھی بڑا بناتی ہے۔ دانشور کہتے ہیں کہ زندگی کے ہر شعبے میں اعلیٰ مقام حاصل کرنے والا بڑا ہے... میں اس دنیا میں شہنشاہ، بادشاہ، راجے مہاراجے، نواب، سردار، صدور، وزرائے اعظم اور اعلیٰ مقامات پر فائز لوگ کیسے بڑے ہو گئے؟"

میری حیرت نے خود مجھے پریشان سا کر دیا، جب میں نے محسوس کیا کہ کاغذ پنسل ہاتھ میں پکڑے میں میر صاحب کی ڈھینڈری کی جانب سے نیچے پگڈنڈی پر پہنچ گیا ہوں۔ مجھے پتا بھی نہ چلا اور میں کھیتوں کے وسط میں پہنچ چکا تھا۔ میں وہیں ایک پگڈنڈی پر کھڑا ہو گیا۔ کپڑوں کے پھڑپھڑانے پر مجھے ہوا کے جھونکوں کا احساس ہوا جو مکئی کی فصل کو جھلا رہے تھے اور ہر سمت فصل کی مہک تیر رہی تھی... پھر مجھے اپنے چاروں جانب چھائی ہوئی دھند کا احساس ہوا۔ میرے سامنے اوپر کی سمت دھند میں روشنی سی پھیل گئی اور اس روشنی میں مجھے کلنازی کا خوبصورت چہرہ، مسکراتی چمکتی آنکھیں نظر آئیں۔ اس کے چہرے کے گرد مسکراہٹ شعاعوں کی طرح نظر آ رہی تھی... اس کے بال ہوا میں بکھر رہے تھے، [illegible] اس کے رخسار پر پھیل کر مسکرا رہی تھی۔

"بات بس اتنی سی ہے۔۔۔" میں مسلسل گلنازی کی سمت دیکھ رہا تھا۔ جواب میرے ذہن میں اتر رہا تھا۔ "جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو حکم دیتا ہے اور وہ شخص حکم کو ماننے سے انکار کر دے تو دونوں کا درجہ ایک سا ہی رہتا ہے۔ اگر دوسرا شخص پہلے شخص کا حکم مان لے تو پہلا شخص دوسرے سے ایک درجے بلند ہو جاتا ہے۔ پھر وہی حکم اگر دوسرا شخص کسی تیسرے شخص کو دے اور تیسرا شخص اس حکم کو مان لے تو دوسرا شخص تیسرے سے ایک درجے اور پہلا شخص تیسرے سے دو درجے بلند ہو جاتا ہے۔ پھر یہ سلسلہ اوپر سے نیچے کی سمت جاری رہتا ہے۔ حکم دینے والے پہلے شخص کا حکم جب ہزارواں شخص مان لیتا ہے تو پہلا شخص ہزارویں شخص سے ایک ہزار درجے بلند ہو جاتا ہے۔۔۔ بس یہی بڑائی اور حکمرانی کی جادوگری ہے۔"

گلنازی چمکتی ہوئی روشن شعاعوں میں اس قدر خوبصورت لگ رہی تھی کہ میں اپنے وجود ہی کو بھول چکا تھا۔

"اگر اس سلسلے کو نیچے سے اوپر کی سمت رواں کر دیا جائے تو ایک ہزار درجے اوپر شخص ایک ہزار درجے نیچے بھی آ سکتا ہے، اور یہ ہوگا بغاوت کا فسوں۔۔۔ اس دنیا میں آج تک یہی ہوتا آیا ہے۔۔۔"

گلنازی کے چہرے کے گرد روشن شعاعیں آہستہ آہستہ ماند پڑنے لگیں اور ان ہی کے ساتھ گلنازی کا انتہائی خوبصورت مسکراتا چہرہ مدھم ہوتا ہوا دھند میں اپنے نقوش کا احساس چھوڑ گیا۔ پھر ایک لمحے ہی میں دھند بھی چھٹ گئی۔ میں کھیتوں کے وسط میں پگڈنڈی پر مبہوت کھڑا تھا۔ کچھ دیر بعد حواس بحال ہونے پر میں واپس مڑا اور میر صاحب کی ڈسپنسری جانے کے لیے میدان میں پہنچا۔

"یہ کیسا تصور ہے۔۔۔" میں نے سوچا۔ "جو مجھے مجھ سے جدا کر دیتا ہے۔۔۔ جسے میں کھلی آنکھوں سے حقیقت کی طرح دیکھتا ہوں۔۔۔ گلنازی کا چہرہ میرے تصور میں بظاہر ساکن کیوں نہیں ہے؟ میری طرح اس کے بال بھی کیوں ہوا میں لہراتے ہیں؟ وہ دھند میں میرے سامنے میرے سر سے کچھ اونچی دکھائی دیتی ہے اور میں اسے چھو بھی نہیں سکتا۔۔۔ رات کو چھت پر لیٹے ہوئے بھی اس کا تصور مجھے حیرت زدہ کر دیتا ہے۔۔۔ یہ مجھے کیا ہو رہا ہے؟ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟"

اچانک میر صاحب کی آواز سنائی دی۔

"ارے برخوردار، کہاں جا رہے ہو؟" میں چونکا۔ کچھ دیر پہلے تو میں میدان میں تھا، اب میں

Scanned with CamScanner

صاحب کی ڈ[illegible]ی سے آگے نکل رہا تھا۔

[illegible] ست [illegible] تیاں کی [illegible]

[illegible] صاحب [illegible] رہتے ہیں آپ؟ اس عمر میں یہ حال [illegible] آپ [illegible]

[illegible] سے نکل رہا ہوں۔

[illegible] پانچ سال ہو گئے [illegible]

[illegible] صاحب کے پہلو میں سٹول پر بیٹھ گیا۔

میر صاحب نے پہلو بدلا، باہر کی سمت دیکھا... [illegible]

[illegible] صاحب نے کہا، "اور جہاں تک ہم [illegible] مکان ہے تو آپ پر جان لیوا حملے کا۔"

[illegible] آپ [illegible] کی طرح [illegible] آپ [illegible] بھی ہوں گے [illegible] یہ بات اچھی طرح [illegible] اور ان میں بچے کی ماں بھی شامل ہے۔ وہ اس [illegible] غصہ ہوگا تو آپ پر... [illegible] تو آپ [illegible] انتقام کا ہدف آپ ہی ہو سکتے [illegible] آپ کے پیچھے لگا دیں... [illegible] آپ کو وہاں بھی محتاط [illegible] پیچھے پڑ گئے [illegible] دیں گے۔"

[illegible] صاحب کے چہرے پر پریشانی [illegible]

Scanned with CamScanner

"نہیں،" میں نے کہا۔ "مجھے احساس ہے کہ میں نے ہندوؤں کی کچھار میں ہاتھ ڈالا ہے۔ میں محتاط رہوں گا۔"

41

تمیز بانو ... نے ... میری پوری کوشش تھی کہ ... سے دور رہ ... اسے احساس ہو ... کہ وہ غلط راستے پر چل نکلی ہے۔

شام کو میں پھر بشیر لعل چند کے پاس جا بیٹھا۔

"بشیر!" میں نے کہا۔ "تم بس ایک ہی فلمی گیت گاتے رہتے ہو: بھائی او ... بھی"

بشیر نے قہقہہ لگایا۔ "او یار، اب کیا کروں! اس نے تو ... جولی ... "

"یہ بات درست ہو" میں نے کہا۔ "تم تو ابھی چالیس پینتالیس کے ہو۔"

"زن (عورت) کا ساتھ نہ ہو تو ... بہت جلدی بڈھا ہو جاتا ہے... ونتری ... [illegible] نہیں ہونے دیتی۔"

"تم ہر وقت جو ... والی گانا گاتے رہتے ہو؟" میں نے کہا، "او ونتری، ... ونتری، او ونتری دسے۔"

"یہ گانا مجھے ریحو نے سکھائی تھی، وہی گایا کرتی تھی یہ گانا۔"

"بشیر..." میں نے کہا۔ "سچ سچ بتا تو نے ریحو کی وجہ سے تو شادی..."

"او نہ یار!" بشیر نے میری بات کاٹ دی۔ "توں ... ہو کر... میں تجھے ... زن ... دوست ... ہے یار ... نے ٹھیک ہی کہا تھا پر میری عقل پر ہی ... (...) پڑ گئی۔ ... میں ... ہوتا تو اپنا گھر ہوتا، ... کا چلتا کاروبار ہوتا، بیوی بچے ہوتے ... مگر ... نے کہا تھا ... سے مسلمان خاندان ... ہیں، تجھے کوئی مسلی (مسلمان عورت) مل ہی جائے گی... او یار، سخت غلطی ہو گئی مجھ سے، پر اب کیا کروں؟ ... میری ... زندگی برباد کر دی۔"

''چل دفع کر اس قصے کو۔'' میں نے کہا۔

''یہ گالی... ''منتری دا''... مجھے رجو ہی نے سکھائی تھی۔ زبان پر چڑھ گئی ہے... یہی چیز تو ہے کہ اب انتری نہیں ہے، او منتری دی۔'' بشیر نے گالی وہی گالی دی۔

''میں پوچھ رہا تھا کہ یہ تجھے بولی [illegible] کیوں نہیں آتا؟'' میں نے کہا۔ ''بس اپنی اُلجھن میں ایک ہی گانا رہتا ہے۔''

''ادھر تو سیپور میں میں اور میرا یار [illegible] بولیاں[58] گایا کرتے تھے۔ ہمارے ساتھ گوبندا (گوبند سنگھ) بھی ہوتا تھا، کرتارا (کرتار سنگھ) بھی، رام چرن بھی ہوتا تھا، اور شمشو جولی بھی۔ ہم وارہ بنا کر [illegible] گایا کرتے تھے۔ باری باری بولیاں گاتے تھے۔''

''کوئی بولی یاد ہے؟'' میں نے کہا۔ ''کہ سب بھول گئے ہو؟''

بشیر تھوڑا سا سوچتا رہا، جیسے یاد کر رہا ہو... پھر اس نے بڑی ہی [illegible] شروع کر دی۔

''منجیت کور دانگ ہیر دی لگھ گئی۔

[illegible] یار دے [illegible] گئے، [illegible] چڑھ گئے

شاوا شاوا

منڈا اوہدی شدلی رنجیت دا —

اکھیں نوں اکھ مار گئی، [illegible] اکھیں نوں اکھ مار گئی

شاوا شاوا

گوری یار دے ہجوگ اج روندی —

[illegible]

شاوا شاوا

(منجیت کور آندھی کی طرح گزر گئی ہے۔ [illegible] ہے کہ [illegible] رانجیت کا بیٹا دیوانہ ہو گیا ہے، اس پر [illegible] آنکھ جو مار گئی ہے... گوری یار کے ہجر میں رو رہی ہے، اس سے [illegible] کی ڈور جو ٹوٹ گئی ہے...)

58۔ [illegible] پنجابی لوک موسیقی کی ایک صنف۔

سڑک پر گداؤ روٹیوں کی چنگیر اٹھائے آ رہا تھا۔

''لے پائی... میں تو چلا تندور پہ'' بشیر سلیپر پہن کر دکان کی سمت بھاگا۔

میں بیرونی دروازے سے گھر کے صحن میں داخل ہوا تو گداؤ ٹائیگر کے پاس کھڑا مسکرا رہا تھا۔ میری طرف دیکھ کر اس کی آنکھوں میں شرارت سی نمودار ہوئی۔ یوں محسوس ہوا جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔

''کیا بات ہے گداؤ؟'' میں نے کہا۔ ٹائیگر نے ہمیشہ کی طرح اگلے پیر اٹھا کر میرے پیٹ پر رکھ دیے۔

''وہ... آج وہ...'' گداؤ نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا۔ ''وہ گلنازی... چنگیر میں تیرہ روٹیاں ڈال کے کہنے لگی، یہ لے روٹیاں۔ میں نے کہا، پندرہ کیوں نہیں؟ تو بولی، ڈاکٹر کا بھائی تو چلا گیا ہے نا۔ میں نے کہا کہ نہیں، وہ تو یہیں ہے۔ تو کہنے لگی، نظر ہی نہیں آتا... بہت اداس سی تھی صاب۔'' گداؤ مجھے انکھیوں سے دیکھ رہا تھا۔

میرا چہرہ پھر سرخ سا ہو گیا۔ ''شرمائیں نہیں صاب... ایسا ہی ہوتا ہے۔''

میں بہت گھبرا گیا۔ عصمت نے تو صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اس نے میری چوری پکڑلی ہے۔ اب گداؤ بھی جان گیا ہے۔

''گلنازی ضرور کوئی گل کھلائے گی۔'' میں نے سوچا۔ ''ماسی کے سامنے بہانے بہانے سے پوچھ رہی ہے...''

''صاب۔'' گداؤ مسکرا رہا تھا۔ ''صرف گلنازی ہی نہیں، ماسی جیراں بھی پوچھ رہی تھی کہ ڈاکٹر کا بھائی کہاں غائب ہو گیا ہے؟''

''ماسی جیراں بھی؟'' مجھے حیرت آمیز سکون محسوس ہوا۔

''ہاں صاب۔'' گداؤ نے کہا۔ ''تندور پر سب لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ماسی نے سب کے سامنے کہا، ڈاکٹر کا بھائی جتنا سوہنا ہے، اتنا ہی سیانا بھی ہے اور سب سے بڑھ کر بڑا بیبا پتر[59] بھی ہے۔''

میں حیرت سے گداؤ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ماسی اس سے پہلے بھی مجھے بیبا پتر کہہ چکی تھی۔

59۔ پنجابی زبان میں بی بی کا مذکر بیبا ہے۔ لغوی معنی اچھے کے ہیں لیکن کلاسیکی شعروادب میں لڑکے کے لیے استعمال کرتے رہے ہیں جو لڑکی کی طرح شرمیلا ہو۔

Scanned with CamScanner

42

رات کو جب ہوا کے جھونکوں میں تیزی نمودار ہوئی۔ کھیتوں کی جانب سے آنے والی ہوا میں نباتات کی مہک کے ساتھ ساتھ خنکی اور نمی کا احساس بھی ہو رہا تھا۔ بارش سے پہلے کی کا احساس۔۔۔ رات بھر تیز، نم آلود خنک ہوا چلتی رہی۔ صبح تک [illegible] بادل [illegible] تیز ہوا کے تیز جھونکوں کے ساتھ بہت کم وقت میں آسمان پر پھیل گئے تھے۔ سب نے [illegible] سمیٹے، چارپائیاں اٹھائیں۔ یہ جیسے سے چارپائیاں اتارنا خاصا مشکل کام تھا۔ [illegible] آسمان پر بادلوں کا سرمئی رنگ سیاہی مائل محسوس ہونے لگا۔ [illegible] روشنی مدھم [illegible] بجلی کی [illegible] چمکتی تیز [illegible] رہی تھیں۔ [illegible] آسمان [illegible] بجلی چمک رہی تھی [illegible] بھی بلند۔ [illegible] چھت سے [illegible]

"یہ موسم [illegible]" بھائی نے کہا۔ "[illegible] آہستہ بدلے گا۔ تپش کم ہو جائے گی۔"

"اور انسی — حبس؟" بھابی نے کہا۔

"وہ تو [illegible]" بھائی نے کہا۔ "تم [illegible] تو [illegible] چلی جاتی۔"

"[illegible] تو [illegible]" بھابی نے کہا۔ "بجلی کے پنکھوں کے نیچے تو [illegible] احساس بھی نہ ہوتا ہوگا۔"

"تم بھی چلی جاؤ۔" بھائی نے کہا۔ "مہینے دو مہینے تک آ جانا، موسم سرد ہو جائے گا۔"

"نہ۔" بھابی نے کہا۔ "پڑھی لکھی نہیں ہوں پر اتنا جانتی ہوں کہ جو بیویاں شوہروں کو [illegible] اپنا آرام ڈھونڈتی ہیں، بے سکون رہتی ہیں۔"

میں نے صحن میں جا کر [illegible] کو ڈھونڈا۔ نہ جانے کہاں چھپا ہوا تھا۔ میں نے [illegible] [illegible]۔۔۔" کہا تو وہ چھپر کے نیچے سے نکل کر میرے پاس آیا۔ [illegible] ساتھ بجلی چمکی [illegible] مجھے اور [illegible] کو بھگو دیا۔ میرے ساتھ [illegible] میں [illegible]

Scanned with CamScanner

جھرجھری لی، بالوں پر گرے قطروں کو اڑایا۔ بوبے نے یہ دیکھ کر تالی بجائی اور زور زور سے ہنسنا شروع کر دیا۔ بہت دنوں کے بعد میں نے رقیہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھی۔

اس نے برآمدے میں رکھے ہوئے مٹی کے گھڑے سے کٹوری کے پیالے میں پانی نکالا اور بوبے کو بائیں ہاتھ سے پکڑ کر دائیں ہاتھ سے اس کا منھ دھویا، جہاں تیتر کے بدن سے اڑنے والے قطرے گرے تھے۔ بھابھی نے ایک چارپائی درمیانی موٹی چق کے سامنے بچھا دی۔ ہوا کے ساتھ بارش کا رخ اگرچہ برآمدے کی سمت نہ تھا، پھر بھی پھوار چارپائی تک آ رہی تھی۔ یہ پھوار بہت ٹھنڈی محسوس ہو رہی تھی۔ چھت پر، صحن میں، ہر سمت بوندوں کا شور اور ہوا کی سائیں سائیں تھی۔ میں بچپن ہی سے بارش میں نہاتا چلا آیا تھا۔ ننگے بدن پر بوندوں کی مار مجھے بچپن ہی سے بہت اچھی لگتی ہے۔ بہت جی چاہا کہ قمیض اتار کر صحن میں چلا جاؤں، لیکن بھابھی، بھیا اور رقیہ کی موجودگی میں مجھ پر فطری جھجک سی طاری ہو گئی۔ مجھے اپنی اس بچگانہ خواہش کو دبانا پڑا۔

ساون کی پہلی بارش کی طرح، یہ بھی طوفانی بارش تھی۔ ایسی بارش کا دورانیہ کم ہوتا ہے۔ ہوا اور بوندوں کا چیختا چنگھاڑتا شور نصف گھنٹے ہی میں مدھم ہوتے ہوتے مٹنے لگتا ہے۔ دھیمی دھیمی پھوار جاری رہتی ہے، پھر وہ بھی ختم ہو جاتی ہے، ہر سمت پھر سے روشنی پھیل جاتی ہے، اکثر دھوپ بھی نکل آتی ہے۔ میں برآمدے سے صحن میں آیا۔ آسمان پر اب سفید سفید بادل پھیلے ہوئے تھے۔ تیز ہوائیں سرمئی بادلوں کو اڑا کر شمال مغربی افق کی سمت لے گئی تھیں۔ کہیں کہیں آسمان کا نیلا اور بہت شفاف رنگ بھی ظاہر ہو چکا تھا۔ صحن بھیگا بھیگا تھا، دیواروں کی اینٹیں دھل کر سرخی مائل ہو چکی تھیں۔ ہوا کے جھونکے اب بھی جنوب مشرق سے شمال مغرب کی سمت سرسراتے ہوئے اڑتے جا رہے تھے۔ میری نظر ہینڈ پمپ سے آگے ٹائیگر کے چھپر کی سمت گئی جو ہوا کے زور سے ٹوٹ کر ایک طرف لٹکا ہوا تھا۔

رقیہ ناشتہ بنا رہی تھی۔

ناشتے کے بعد میں بیرونی دروازے کی سمت جانے ہی لگا تھا کہ بھائی نے بھابھی کی سمت دیکھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ تمھیں بوبے کی عمر کے پانچ برس مکمل ہونے سے پہلے کہیں نہیں جانا چاہیے،" انھوں نے کہا۔ "تمھارے جانے پر رقیہ کو بھی کسی کے گھر جانا ہوگا اور وہاں یہ بات چھپائے نہیں چھپے گی۔"

میں بیرونی دروازے سے باہر نکلا اور کھیتوں کی سمت چل دیا۔ میرے قدم کھیتوں کے درمیان ان پگڈنڈیوں میں سے ایک پر تھے جو سیدھی نہر کی سمت جاتی ہیں۔ بارش کے بعد کھیتوں کی ہریالی بہت نکھری نکھری سی تھی۔ ہوا کے جھونکوں میں خوشبو سی تھی۔ سوندھی مٹی کی خوشبو، نباتات کی خوشبو۔۔۔ دور تک کھیتوں میں گہرا سبز رنگ نظر آ رہا تھا۔ کہیں کہیں مکئی کے خوشوں میں ہلکے سبز رنگ کی [illegible] بھی شامل تھی۔ تنے، بہت چھوٹے چھوٹے، مکئی کے پودوں سے یوں چمٹے ہوئے تھے جیسے بچے اپنی ماں سے چمٹے رہتے ہیں۔ پگڈنڈی کی دونوں جانب کھیتوں میں پانی پھیلا ہوا تھا۔ سبز دھان میں بارش کا پانی دھوپ کی روشنی میں چمک رہا تھا، لیکن میں جانتا تھا کہ ساٹھ منٹ سے بھی کم مدت میں یہ پانی مٹی میں جذب ہو جائے گا۔ پگڈنڈی پر پھسلن تو تھی لیکن اتنی بھی نہیں تھی کہ چلا نہ جا سکے۔ مجھے بس پگڈنڈی پر نظریں جمائے رکھنے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی، کیونکہ اکثر ساون کی پہلی بارش کے بعد کھیتوں سے نالوں اور بلوں میں چھپے سانپ پگڈنڈیوں پر آ جایا کرتے ہیں۔ کچھ دور جانے پر مجھے مینڈکوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ بڑے مینڈک اور مینڈکیاں، پگڈنڈی کی دونوں جانب سبز دھان میں چھپے پانی سے منہ نکالے، مسلسل بول رہی تھیں۔ ان کی آوازوں میں کوئی ہم آہنگی نہیں تھی۔ ان کے گلے ہر آواز پر پھول رہے تھے۔ یہ چھوٹے چھوٹے غبارے ہر آواز پر نظر آنے کے بعد غائب ہو رہے تھے۔ ٹراں ٹراں، ٹرٹر ٹراں، ٹراں۔۔۔ نہر پر پہنچ کر میں نے گدلے پانی میں تیزی محسوس کی۔ میں جانتا تھا کہ یہ نہر دریائے جہلم سے نکلنے والی بڑی نہر ہے، جس مقام پر نکلتی ہے، وہاں شاید بہت پہلے کی بارش ہو چکی تھی۔ پانی کا مٹیالا رنگ کہیں کہیں دھیما سرخ نظر آ رہا تھا۔ تازہ مٹی کا رنگ سرخ سے پانی میں توانائی اور زندگی کا احساس دلا رہا تھا۔ پانی کہیں کہیں بھنور سا بناتے ہوئے لہروں سے دور کناروں پر گلابی نظر آ رہا تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے نہر کے پانی میں گلابی رنگ کے چھینٹے ہوئے بہتے جا رہے ہیں۔ نہر کے اس بہتے پانی میں زندگی، نمو اور روئیدگی فطرت کی انتہائی قوتوں کا سرچشمہ محسوس ہو رہی تھی۔ میں آہستہ آہستہ اس سمت چل دیا جہاں میں گھوڑا باندھ آیا تھا۔ دھوپ نکل آئی تھی، لیکن تمازت کم کم تھی۔

"ابھی بھی بڑی کمی نہیں ہیں۔۔۔" میری سوچ کے دھارے میں بھنور سا نمودار ہوا۔ "وفا، زندگی کے ساتھی سے محبت، اس کے سکھ دکھ میں شرکت یہ سب کچھ کتابیں تو نہیں سکھایا کرتیں..."

Scanned with CamScanner

گلنازی پڑھی لکھی نہیں تو کیا ہوا، وہ باہمی تعلقات کی سوجھ بوجھ تو رکھتی ہو گی... یہ سوجھ بوجھ تو محبت خود ہی سکھا دیا کرتی ہے... ایسا نہ ہوتا تو وہ بوبے کی جان بچانے پر کیسے تیار ہوتی؟ میں اس سے بھاگ تو رہا ہوں... شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ مجھے اندیشہ ہے کہ میرے گھر والے ناخواندہ... میں یہ کیا سوچ رہا ہوں؟... وہ محمد اکبر خان کی منگیتر ہے... یہ بار بار میرے قدم بوجھل کیوں ہو جاتے ہیں؟ اس سے دور بھاگتے ہوئے رک کیوں جاتا ہوں؟ وہ پگڈنڈی کی پھسلن تو نہیں کہ میں پھسل جاؤں گا... لیکن میرے قدموں میں استقامت کیوں نہیں ہے؟ میں بار بار اسی سے متعلق کیوں سوچتا ہوں؟ میں اس سے بھاگ تو جاؤں گا، لیکن کیا یہ ایسے مڑ مڑ کر دیکھنا مجھے زندگی بھر کسی محرومی کا احساس تو نہیں دلاتا رہے گا؟"

میں نے جس درخت کے ساتھ پہلی بار گھوڑا باندھا تھا، وہ سامنے تھا۔ مجھے فوراً اس کا آدھا کھلا بدن تصور میں ابھرتا محسوس ہوا۔ سانولے بدن کے خطوط ابھرے، مجھے بدن میں جھرجھری سی محسوس ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی مجھے اپنا وجود برا برا سا لگنے لگا۔

"یہ میں کیا سوچ رہا ہوں؟... کیا ہو گیا ہے مجھے؟ کیا میں اس قدر گر گیا ہوں کہ اب میرے تصور میں ننگے سانولے بدن کے خطوط ابھرنا شروع ہو گئے ہیں؟... یہ تو ہوس ہے۔ تاریک تہوں سے ابھرتی ہوئی۔ جبلت کا نتیجہ... ہوس..."

اچانک مجھے پھر سے اردگرد دھند سی چھاتی محسوس ہوئی۔ نظریں اوپر اٹھنے پر مجھے گلنازی کا انتہائی خوبصورت چہرہ نظر آیا۔ مسکراتی چمکتی آنکھوں میں گہرائی سی تھی۔ میری نگاہیں ٹھہر سی گئیں۔

"محبت ایک والہانہ جذبہ ہے... ہو جائے تو کوئی مصلحت بھی باقی نہیں رہتی، کوئی اندیشہ باقی نہیں رہتا... محبت کا گھر انسان کا دل ہے، ذہن نہیں... ذہن تو ہوسناکیوں کو فروغ دیتا ہے، ہوسناکیوں کو... یہ محبت نہیں ہوتی، ہوس ہوتی ہے... جہاں ہدف کو دیکھا، نگاہ کا تیر اسی جانب چھوڑ دیا۔ محبت کے جذبے کو عقل کی میزان پر نہیں تولا جا سکتا، دانش کی کسوٹی پر نہیں پرکھا جا سکتا... محبت جسم کی محتاج نہیں ہوا کرتی... مادیت اسے اپنے حصار میں نہیں لے سکتی۔ یہ وہ وجود ہے جو ہر وجود سے بالا ہے۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں نے دو تین بار پلکیں جھپکی ہیں۔ نہ میرے اردگرد دھند تھی.

[illegible]

[illegible]

مجھے آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا محسوس ہوا۔

[illegible] میں اس کے جسم کو لے کر کیا کروں گا؟"

[illegible] چمک چمک جاتی تھی۔

[illegible]

سے حاصل کیا ہے تو میں کیا جواب دوں گا؟ یہ سب کچھ تو میرے ذہن کی اُس دنیا کے اکتساب ہیں جن کی مر صورت خیالی ہے اور جنھیں میرا تصور مجھے اس انداز میں دکھاتا رہتا ہے جیسے میں ایک جزو ہوں جسے کل سے جدا کرنا کسی متصور قوت کے اختیار میں بھی نہیں ہے۔''

مجھے میر صاحب کی بات یاد آئی۔ ''گھٹاؤ نے معاشرتی بندھنوں، تاریک مذہبی رویوں میں عزت نفس کے حصول کی ہر کوشش بغاوت ہی کہلائے گی۔''

میں کتنی دیر خاموش نہر کے بہتے دھاروں کو دیکھتا رہا۔ بارش کے بعد پانی میں بار بار بھنور پڑ رہے تھے اور ہر بھنور کا کنارہ تارومٹی کے رنگ سے گلابی نظر آ رہا تھا۔ مجھے ایک بار پھر آس پاس دھند کا احساس ہوا۔ نہر کے بہتے دھاروں کے اوپر دھند میں شعاعیں سی حلقہ بنا رہی تھیں۔۔۔ گلنازی کی خوبصورت آنکھیں دھند میں نمایاں سی تھیں۔۔۔ پھر اس کا مسکراتا چہرہ میرے سامنے تھا۔

''یہ بغاوت صرف خارجی نہیں ہوتی — یہ بغاوت داخلی ہوا کرتی ہے۔ ہوس وہ مکڑی ہے جو جبلتوں کے تانے بانے سے جال بنتی ہے۔ اس جال میں پھنس کر اس شعور کو حاصل کرنا ہی بہت دشوار ہوتا ہے، کہ آزادی کا در صرف عزت نفس ہی سے کھل سکتا ہے، اور اس جال میں اسیر کسی بھی انسان کے لیے عزت نفس کے حصول کی کوشش خود اپنی ذات سے بغاوت ہوگی۔ یہ داخلی بغاوت خارجی بغاوت سے کہیں زیادہ مشکل ہوتی ہے۔ اس کے لیے جبلتوں سے بنے ہوئے جال کا ایک ایک تار توڑنا پڑتا ہے۔ ہر تار ایک خواہش سے جڑا ہوتا ہے۔ ہر تار توڑنے کے لیے خواہش کی نفی کرنا ہوتی ہے۔ یہ جال بالوں کا گچھا ہے جس کے ایک ایک بال کو کاٹنا خواہشات کی نفی کرنا ہے، اور بلا شبہ ایک جذباتی خودکشی ہے۔''

میرے سامنے مسکراتے، چمکتے اور روشنی پھیلاتے ہوئے گلنازی کے چہرے پر اس کی سیاہ زلف لہرا گئی۔۔۔ پھر وہ اس کے رخسار پر مرتعش سی ہوگئی۔

''اس جذباتی خودکشی کو زندگی میں موت کا تجربہ کہا جاتا ہے۔ لیکن جب یہ موت ہوس کے ہیجان کو ساتھ لے کر مرتی ہے تو شعوری زندگی اپنی صدیوں سے بند آنکھیں، قرنوں سے بند پلکیں کھول کر انسان کو اس زندگی کا راستہ دکھاتی ہے جو جسمانی تو ہوتی ہے، مادی تو ہوتی ہے، لیکن اس میں ہوس کا خمیر نہیں اٹھ سکتا۔۔۔ جس میں انسان کے تلووں پر ہوس کی آلائش نہیں لگتی اور وہ ہر دلدل کو

Scanned with CamScanner

پاس رہتا ہے... یہی وہ دھن ہے جو لافانی ہوتی ہے۔"

ہوا کے جھونکے میں شاید درخت سے ٹوٹا ہوا پتا میرے رخسار سے ٹکرایا۔ میں چونکا۔ دھند چھٹ چکی تھی، لیکن میرے وجود پر چھائی ہوئی اداسی ختم ہو چکی تھی۔ سرمئی بادلوں کی طرح سیاہی مائل دھند کی تہیں دور افق کی جانب جا چکی تھیں۔ میرا وجود بہت سبک سا تھا۔ ہوا کے جھونکوں میں اب صبح والی بھیگی ٹھنڈک نہ رہی تھی۔ اب چاروں طرف اس کا احساس پھیلتا چلا جا رہا تھا۔ دھوپ کی حدت میں نہ جانے کیا تھا کہ سارے بدن پر چیونٹیوں کی رینگن محسوس ہوئی۔ درخت کی چھاؤں میں بھی گھٹن سی محسوس ہوئی۔ میں واپس مڑا۔ نہر کے کنارے چلتے ہوئے میں اس پگڈنڈی تک پہنچا جو سیدھی بستی کے مغرب کی سمت جاتی ہے۔ پگڈنڈی کی دونوں جانب اب بھی پانی چمک رہا تھا، مینڈکوں کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ گھر جانے کو جی نہیں چاہتا تھا... میں شمال کی سمت چل دیا۔ شمالی سمت ہی وہ پرانی حویلی کے کھنڈر تھے جہاں سب ٹھہرا کرتے تھے اور جہاں جانے سے مجھے میر صاحب نے سختی سے منع کیا تھا۔ مداوا نے بتایا تھا کہ ہندو سیٹھ کی پرانی حویلی کے پاس ایک مندر بھی تھا، جسے تقسیم ہند کے وقت مقامی لوگوں نے توڑ پھوڑ دیا تھا، اس امید پر کہ شاید دیواروں کی کسی اینٹ کے پیچھے چھپی ہوئی سونے یا چاندی کی مورتی مل جائے گی یا مندر کے فرش کے نیچے دبا ہوا کوئی خزانہ مل جائے گا۔ مقامی لوگوں کو، مداوا کے بقول، معبد (۔۔۔) کچھ نہیں ملا تھا۔ مالِ غنیمت ایک پیتل کا کلس تھا جو مندر کے اوپر گنبد پر منڈھا ہوا تھا۔ ایک بچے کو مندر کے ایک کونے میں دو شنکھ ملے تھے جو کئی مہینوں تک وہ بچہ گاؤں کی گلیوں میں بجاتا رہا تھا۔

میں نہر کے کنارے چلتے چلتے وہاں پہنچ گیا جہاں سے پرانی حویلی کے کھنڈر نظر آ رہے تھے۔ مجھے میر صاحب کا چہرہ نظر آیا، جیسے وہ تصور میں بھی مجھ سے کہہ رہے ہوں کہ اس سمت نہ جاؤ، لیکن تجسس نے میرے قدم آگے بڑھا دیے۔ دور سے حویلی کے کھنڈر تو نظر آ رہے تھے، مندر کا کوئی وجود نہیں تھا۔ یہ ہندو سیٹھ تارا چند کی حویلی تھی جو اس نے تقسیم سے تقریباً بیس برس پہلے گاؤں کے ایک ... بنوائی تھی۔ ... مشرقی پنجاب میں ... (ہندوستان) چلا گیا۔ ... نے حویلی کو اپنی رہائش گاہ بنا لیا۔ وہ پاکھنڈ شاہ بھی... وہی پاکھنڈ شاہ میں جس ... سے ہندو بچوں کو حرام سمجھ کر ... کرتا تھا۔ ... ہوا کرتا تھا۔ مداوا نے یہ بھی بتایا تھا کہ مقامی لوگوں کے ہاتھ

تقسیم ہند کے وقت اس حویلی سے جو سامان نکلا تھا، اس میں حویلی کا پرانا فرنیچر، پردے، قالین، رسوئی گھر کے برتن، الماریاں اور دوسرا گھریلو سامان تھا۔ پجاری کے متعلق کسی کو علم نہیں کہ [illegible] تھا کہ اسے مار کر اس کی لاش نہر میں پھینک دی گئی تھی۔

یہ احساس کہ میں ڈرپوک نہیں ہوں اور خوفزدہ ہونا اپنی توہین سمجھتا ہوں، مجھے حویلی کی سمت جانے پر اکسا رہا تھا۔ بھائی اور پیر صاحب کی تنبیہ کو نظر انداز کرتے ہوئے، دل ہی دل میں ان سے معافی چاہتے ہوئے، میں اس پگڈنڈی پر اتر گیا جو سیدھی پرانی حویلی کی سمت جاتی ہے۔ جون، جولائی کی جھلسی ہوئی زمین، بہت جلد ہی مون سون کی پہلی بارش کو جذب کر چکی تھی۔ پگڈنڈی پر پھسلن نہیں تھی، صرف نم آلودگی کا احساس تھا۔ ارد گرد کے کھیتوں میں مکئی کے پودے [illegible] اونچے تھے اور ان پر کہیں کہیں نوزائیدہ بھٹے بھی نظر آ رہے تھے۔ ایک مخصوص مہک، [illegible] ہر سمت پھیلی ہوئی تھی، لیکن اس مہک میں خوشگواری کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی [illegible] اپنے ہونے کا احساس دلا رہا تھا۔ ہوا تقریباً بند تھی، لیکن بہت ہی دھیمے [illegible] پتوں کے ارتعاش سے نمایاں ہو رہی تھی۔

میں مندر اور حویلی کے قریب پہنچ گیا۔

مندر ایک گول چبوترے پر بنایا گیا تھا۔ مشرق کی سمت [illegible] زینے بلند ہو کر مندر کے فرش تک اٹھ رہے تھے جو سرخ اینٹوں کا بنا ہوا تھا۔ بارش سے دھلا ہوا مندر کا فرش بہت صاف نظر آ رہا تھا۔ مندر توڑنے والوں نے [illegible] فرش نہیں اکھاڑا تھا۔ چبوترے پر ہر سمت گول کناروں میں ٹوٹی ہوئی دیواروں کے نشانات باقی تھے۔ [illegible] ایک مندر چیوال [illegible] میں کوٹ [illegible] بوز خان کے پاس بھی تھا، جہاں [illegible] باقی تھیں۔ دوسرے مندروں کی طرح چھاوریاں کے مندر کی دیواریں بھی اونچی [illegible] محرابی چھت کا منظر پیش کرتی ہوں گی، جس پر پیتل کا کلس ہو گا۔ پیتل کا کلس [illegible] میں ہو گا... ہو گا بھی کہ نہیں... بک بکا گیا ہو گا۔ میری [illegible] تصور [illegible] مجھے [illegible] شروع کر دیئے جب مندر کی سیڑھیوں پر نوجوان لڑکیاں اور الہڑ ناریاں آرتی کے تھال [illegible] سیندور، جلتا ہوا دیا اور اگر بتیاں سلگائے مندر میں آتی جاتی ہوں گی۔ [illegible]

کی... بوڑھے، ادھیڑ عمر کے مرد، بوڑھی ادھیڑ عمر کی عورتیں، بچے بچیاں سب بہت خوش ہوں گے۔

"وہ کسی کے دشمن نہیں تھے... انھوں نے کبھی یہ سوچا بھی نہ ہوگا کہ ایک آندھی اٹھے گی اور ان کے آشیانوں کو تنکوں کی طرح بکھیر دے گی۔"

یہی کچھ اس مندر کے ساتھ بھی ہوا ہوگا۔ وہاں بھی زندگی کے تھپیڑے تنکوں کو بے رحمی سے اڑا کر نہ جانے کہاں لے گئے ہوں گے۔ وہ سب انسان تھے جو تنکوں کی طرح بکھر گئے۔

ان میں کوئی بھرت تھا تو کوئی بھیر تھا، کوئی پیر تھا تو کوئی بشیر، کوئی لاشی تھی تو کوئی چندر مکھی، کوئی رضیہ تھی تو کوئی کلثوم... سب تنکوں کی طرح بکھر گئے ہوں گے۔ جب آندھی کا زور ٹوٹا ہوگا، جب گرد کی چادر، دیواروں میں شگاف نمایاں ہوئے ہوں گے اور مٹی سے آنکھوں میں آنسو کیچڑ بن کر خود ہی اتر گئے ہوں گے تو صورت حال بحال ہونے پر سب اپنے اپنے حاصل کو زیاں کی طرح دیکھ رہے ہوں گے۔ اور وہ اور کر بھی کیا سکتے تھے اب تو انھیں تنکوں میں آشیانوں کو دیکھنا تھا... سو دیکھتے رہے..."

میں مندر کے چبوترے پر بیٹھ گیا۔ بارش سے بھیگی ہوئی زمین چاروں جانب گرم ہو چکی تھی۔ دھوپ سے گرم ہونے والی اس زمین سے اٹھنے والا احساس گرم سانسوں کی مانند تھا۔ مٹی سے فضا کی سمت اٹھنے والی نادیدہ ہواؤں میں گرمی کا احساس بڑھتا جا رہا تھا۔ یہ گرم ہوا مندر کے چبوترے سے بھی اٹھتی محسوس ہو رہی تھی۔ میں تھوڑی دیر وہیں بیٹھا رہا، پھر اٹھ کر حویلی کے کھنڈر کی سمت چل دیا۔ حویلی کا رقبہ کم نہیں تھا۔ شہر سے نظر آنے والا دو چار کمروں والا احاطہ قریب جانے پر خاصا بڑا نظر آیا۔ مندر سے بیس پچیس قدم دور، شمال مشرق کی سمت، حویلی کا ٹوٹی پھوٹی دیواروں والا احاطہ تھا جس کا بیرونی دروازہ یقیناً بہت مضبوط اور بڑا ہوگا۔ اب نہ دروازہ تھا نہ چوکھٹ، بس نشانات ہی رہ گئے تھے۔ احاطے میں جگہ جگہ ٹوٹی ہوئی اینٹوں اور مٹی کے ڈھیر سے نمایاں تھے۔ اینٹیں لے جانے والے ٹوٹی ہوئی اینٹوں کو احاطے ہی میں چھوڑ گئے ہوں گے، جو اب مٹی کے چھوٹے چھوٹے ڈھیروں تلے دبی ہوئی تھیں۔ سامنے والا احاطہ بڑا نہیں تھا۔ جگہ جگہ جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں جو جون جولائی کی تپش میں مٹیالے پتوں کے ساتھ نم آلودہ مٹی کے ڈھیر ہی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس احاطے کے پیچھے پھر ٹوٹی ہوئی چار دیواری کے نشانات تھے جن کے پیچھے رہائشی

Scanned with CamScanner

کرے ہوں گے۔ اس سامنے والے احاطے میں پجاری بچوں کو سردیوں میں چمکتی دھوپ میں بیٹھ کر پاٹھ پڑھایا کرتا ہوگا۔ اسی احاطے میں ایک سمت ہوم کنڈ[60] کے نشانات بھی نظر آئے، جہاں ہون کی آگ میں گھی ڈالا جاتا ہوگا۔

احاطے سے آگے چار دیواری کے نشانات سے گزرنے پر مجھے برآمدے سے پہلے چوکور صحن سا نظر آیا۔ اس صحن میں بھی جگہ جگہ سوکھی گھاس، مٹی کے ڈھیر اور جھاڑیاں نظر آئیں۔ برآمدے کے نشانات واضح تھے۔ میں صحن سے گزرا، برآمدے سے گزرا اور ٹوٹے ہوئے کمروں تک پہنچا تو مجھے طرزِ تعمیر کا انوکھا انداز نظر آیا۔ کمروں کے درمیان پھر ایک چھوٹا سا چوکور صحن تھا جس کے درمیان اینٹوں ہی کا چوکور چبوترا تھا۔ یہ چبوترا اندر سے خالی تھا شاید یہاں تلسی کا پودا لگایا گیا ہوگا۔ چاروں جانب مٹی کے ڈھیر تھے ٹوٹی ہوئی اینٹیں موسموں کے تھپیڑے کھا کر سیاہ ہو چکی تھیں۔ ان کے درمیان آک کے بہت سے پودے نظر آئے۔ پتے جھلسے جھلسے سے تھے لیکن کچھ پتوں پر مون سون کی پہلی بارش نے معصوم سی طراوت کو بکھیر دیا تھا۔ اس صحن کے ایک کونے میں بس ایک کمرہ ابھی تک محفوظ تھا۔ شکستہ دیواروں اور بوسیدہ چھت والے اس کمرے میں داخل ہوتے ہی مجھے احساس ہوا کہ کمرہ عورتوں کا پوجا گھر ہوگا۔ ایک سمت مورتی کے استھاپن[61] کے لیے اونچی جگہ بنائی گئی تھی۔ یہ اونچی جگہ مستطیل تھی... میں نے چکوال کی میونسپل لائبریری کی ایک کتاب میں اس قسم کی تصاویر دیکھی ہوئی تھیں۔ اونچی جگہ تقریباً تین فٹ چوڑی اور دو فٹ لمبی تھی۔ پیچھے دیے جلانے کے لیے طاق تھے۔ دونوں جانب مصری دار ستون تھے۔ یہاں شاید اگربتیاں جلائی جاتی ہوں گی۔ ہر جگہ شکستگی نمایاں تھی۔ ایک کونے پر نظر پڑتے ہی میں چونک گیا۔

وہاں تین اینٹوں کا بنا ہوا چولھا نظر آیا۔

چولھے کے قریب ایک دو گندے برتن پڑے تھے۔ برتنوں کے پاس مٹی کا گھڑا تھا جس میں پانی موجود تھا۔ چولھے میں جلی ہوئی لکڑیوں کے درمیان بجھا ہوا کوئلہ اور راکھ موجود تھی۔ یوں محسوس ہوا کہ

60۔ ہوم کنڈ: ہون کی انگیٹھی، آگ رکھنے کا چوکور حوض۔

61۔ استھاپن: مورتی کا نصب کیا جانا۔

یہاں آگ جلے زیادہ دن نہیں ہوئے... کمرے کی دوسری سمت خشک گھاس اس طرح پڑی تھی جیسے سونے کے لیے بستر بنائے گئے ہوں۔ کمرے سے صحن میں کھلنے والے دروازے پر میں ٹھٹک گیا۔

دروازے میں، نیچے فرش پر، دو تین سیاہ دھبے موجود تھے — جمے ہوئے خون کے دھبے...

میں تھوڑی دیر ہی حویلی کے کھنڈر میں ٹھہرا۔ وہاں کچھ اور دیکھنے کو تھا ہی نہیں۔ واپس مندر کے چبوترے پر آ گیا۔ دھوپ میں حدت بڑھ جانے سے نم آلود زمین سے جیسے بھاپ سی اٹھنے لگی تھی، جو نظر تو نہیں آ رہی تھی لیکن اس کا احساس شدید امس سے نمایاں تھا۔

پگڈنڈی پر چلتے چلتے میں پھر نہر کے کنارے پہنچ گیا۔ نہر کے کنارے پر اونچے شیشم کے گھنے درختوں میں خنکی کا احساس ہوا لیکن بند ہوا کی وجہ سے بدن پر پسینے کے قطرے ناگوار محسوس ہو رہے تھے؛ خصوصاً جب بغلوں سے یہ قطرے پسلیوں پر پھسلتے تو بہت ناگواری کیفیت پیدا ہوتی تھی۔ میں آہستہ آہستہ درختوں کی چھاؤں میں چلتے ہوئے اس پگڈنڈی تک پہنچ گیا جو سیدھی بھالی کے گھر کی سمت جاتی تھی۔ نہر کے کنارے سے پگڈنڈی پر اترتے ہوئے میں نے پھر سورج کی بلندی سے وقت کا اندازہ لگایا اور بھالی کے گھر کی سمت چل دیا۔

بھالی کے گھر کا بیرونی دروازہ عموماً کھلا رہتا تھا۔ میری حیرت نے مجھے تھوڑا سا پریشان بھی کیا جب میں نے دروازے کو اندر سے بند پایا۔

"شاید رقیہ نے بند کر دیا ہوگا۔" میں نے اس خیال کے ساتھ ہی دروازے پر دستک دی۔ چند لمحوں بعد، اندر سے کسی قسم کی حرکت کا احساس نہ ہونے پر، میں نے دروازہ پھر کھٹکھٹایا۔ نہ تو کوئی دروازے کے پاس آیا نہ ہی کوئی جواب آیا۔

"دروازہ کھولیں..." میں نے بلند آواز میں کہا۔ "میں ہوں۔"

مجھے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ کوئی دروازے کی سمت آ رہا تھا۔ پھر دروازے کی چٹخنی گری، ایک پٹ کھل گیا۔

یہ منتہا کا نظارہ تھا... وہ کھڑی تھی اس کے پہلو میں بوڑھا کھڑا تھا۔

اس کی آنکھوں میں مسکراہٹ تھی، چمک تھی، جو پھیل کر اس کے چہرے کے ساتھ ساتھ

سارے وجود پر محسوس ہوئی۔ ہمیشہ کی طرح اس کے لمبے بالوں سے پیشانی کے قریب چند بکھرے بکھرے بالوں والی زلف اس کے رخسار پر قوس بنا کر اس کے ہونٹوں کو چھو رہی تھی۔ اس کے دبلے بدن پر اس کا کرتا کمر کے قریب پھنسا پھنسا سا تھا۔ پہلی بار میری نگاہوں میں گلناری کے جسم کے سارے خطوط ابھرے۔ وہ بے حد خوبصورت نظر آ رہی تھی... پلک جھپکنے کے سے لمحے میں میں نے اسے نئی نظروں سے دیکھا۔ نہ جانے میری نگاہوں میں کیا تھا کہ اس کی آنکھوں میں چمکنے والی مسکراہٹ ہونٹوں پر پھیل اٹھی، اس کا گلابی چہرہ سرخی مائل ہو گیا۔

"میں نے آپ کو نہیں بلایا..." گلناری نے پہلی بار مجھے سرگودھا کی زبان میں "تساں نوں" (آپ کو) کہہ کر بلایا۔ اس نے سر کو دائیں جانب خوبصورت سی جنبش دی۔ "خود آئے ہیں نا؟"

برآمدے کی درمیانی چق اب بھی اٹھی ہوئی تھی۔ میں برآمدے کی سمت بڑھا۔ برآمدہ خالی تھا۔ کمروں میں بھی کوئی نہ تھا۔ میں نے مڑ کر گلناری کو دیکھا۔

"کہاں گئے سب؟" میں نے بھی سرگودھا ہی کی زبان میں آہستہ سے پوچھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی میرے چہرے پر مسکراہٹ بکھر چکی تھی۔ گلناری نے چمکتی ہوئی نظروں سے میری آنکھوں میں دیکھا، پھر وہ بوبے کی طرف دیکھنے لگی۔

"بیبیاں تو ڈاکٹر جی کے گھر گئی ہوئی ہیں..." گلناری نے بھی اپنی خوبصورت آواز میں میری طرح آہستہ لہجے میں کہا۔ "ماسی رقیہ انہیں لینے گئی ہے... مجھے بلا لیا تھا ماسی نے، بوبے کو باہر نہیں لے جا سکتی نا، اسی لیے..." وہ لمحہ بھر کو رکی "میں نے دروازے کو اندر سے کنڈی لگا دی تھی..."

میرے وجود میں نہ جانے کہاں سے جرأت سی آ گئی۔ میں نے گلناری کی سمت مسکراتے ہوئے دیکھا۔

"تم نے تو نہیں بلایا... لیکن..." میری آواز تھوڑی سی لرزی۔ "میرا تو دل ہی چاہتا ہے کہ..." میں کہنا چاہتا تھا۔ میرا دل یہی چاہتا ہے کہ تم مجھے بلاؤ، میرا ہاتھ پکڑ کر باتیں کرو، اتنی باتیں کہ ہمیں وقت کا اندازہ ہی نہ رہے، وقت ہمارے لیے ختم ہو جائے... لیکن میں کچھ نہ کہہ سکا۔

گلنازی مسلسل مسکرائی چلی جا رہی تھی۔ آنکھوں سے میری سمت دیکھ رہی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ وہ مجھ سے پوچھے کہ میں کون ہوں... لیکن وہ چپ تھی۔ لیکن اس نے خود نہ پوچھا۔ اس خاموشی سے میری طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس نے ... میرے بارے آگاہ ہوئی ہو گی۔

"آپ کیا چاہتے ہیں..." گلنازی کی آواز بہت اچھی ہوئی۔ اس نے عجیب طرح سے مجھے دیکھنا شروع کر دیا۔ میں بوکھلا سا گیا۔

"وہ... وہ... میں تو آپ کی آواز سننے آیا تھا۔ میں تو ابھی چند روز یہاں رہنا چاہتا تھا... چھٹیاں ہی ختم ہوئی ہیں... وہ تین دن بعد جانا ہے۔"

گلنازی نے میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں شرارت ہوئی پلک بھر میں سمٹ کے ... میں بدلی، پھر اس نے بوسے کا ... سے میرے چہرے کی سمت ... آنکھیں بند ... کے جھولے سے ... سے ... اپنی انگلی ناخوب ... مجھے ... تھا۔ ... کا حصہ ... نہیں ... تھا۔ ... زندہ ... سب کی ... سے ... ہوئی ... کے آخری ... پر ... مجھے ... طرف بیٹھے دیکھ۔ گلنازی کی آنکھوں میں مسکراہٹ چمکی۔ اس نے بالوں میں ... سے میری طرف دیکھا اور ... کا منہ دھاتے ہوئے گنگنانا شروع کر دیا۔

"کوئی کھلے دے بازار آئے
او دا چھنڈی ... جیہڑے نال ... پیار آئے"
(بازار میں کچھ جوتوں کے جوڑے ہیں
وہی چھوڑ جو ... مجھے بہت زیادہ محبت ہوئی ہے...)

میرے ... سے اوپر اٹھا۔ مجھے گلنازی کی آواز ہمیشہ بہت خوبصورت محسوس ہوتی رہی تھی۔ ... میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اس قدر ... بھی ہوگی... یوں محسوس ہوا جیسے ساون کے بادل ... اور ... کی پھوار پڑنا شروع ہوئی ہے۔

"اوں ہوں اوں ہوں ہوں ہوں اوں ہوں..." گلنازی نے دھن اٹھائی۔ یوں محسوس ہوا جیسے کسی سارنگی سے بہت ہی شدید اور میٹھے ... کی پھوار کے ساتھ ہوا میں اڑ رہے ہیں۔

"[illegible] ونی بجھے ناں دھوں ماہیا
[illegible] مجرم توں ماہیا..."
(ریل گاڑی کے انجن سے دھواں اٹھ رہا ہے
جب [illegible] مجرم تو ہی ہے...)

میرے تصور میں [illegible] دیوار پر [illegible] ہوا میں اڑنے لگی اور اس کا چہرہ حیا سے سرخ ہو گیا۔ [illegible] منہ پر چھینٹا مارا، پھر انکھیوں سے میری طرف دیکھا۔ [illegible] آنکھوں میں شوخی بھی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سارے بدن میں قوت [illegible] تھرتھرا رہے تھے...

"کوئی سرد ہوائیں چلیاں
[illegible] تیرے پیچھے میں رل آں"[62]
([illegible] تیری طرح بدنام ہو کر تو دیکھ جیسے تیرے لیے میں ہو رہی ہوں...)

گلناری کی خوبصورت [illegible] آنکھوں میں شوخی سی نمودار ہوئی۔ اس نے بیریوں کی سمت دیکھا [illegible] وہ ان ہی دو بیریوں کی سمت دیکھ رہی تھی [illegible] مجھے دبوچ لیا تھا، اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا تھا... نہ جانے کیوں [illegible] میرے بائیں رخسار پر چلا گیا۔ [illegible] ساتھ ہی مجھے خوبصورت [illegible] میں نے تیزی سے گلناری کی سمت دیکھا۔ وہ ہینڈ پمپ کے پاس سیدھی کھڑی میری

62۔ [illegible] پنجابی شاعروں نے [illegible] کے مفہوم ہی میں استعمال کرتے ہیں [illegible]

تنی شوخیاں لے مان کیوں، کئی رل گیاں عزت والیاں [illegible]
([illegible])

[illegible]

کا پسینہ اپنی اوڑھنی سے پونچھ رہی تھی۔

[illegible]

میں قطعی طور پر بھول چکا تھا کہ میں نے [illegible]

[illegible]

[illegible] میں نے پہلے دروازہ بند رکھا... کھلا کیوں ہے؟"

[illegible] میں آتے ہی سیدھی میری سمت آئیں۔

[illegible]

میری نگاہیں پوری شدت سے پلٹ کر میری سمت آئیں۔

''یہ میں نے کیا کیا'' مجھے اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا۔ رقیہ کی آواز سن کر میں سیڑھیوں سے اٹھ کر تقریباً بھاگ کر برآمدے میں گیا تھا اور میز کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا تھا... گلنازی کا سیدھا سادہ دیہاتی ذہن اتنی بات تو پوری طرح جان گیا تھا کہ میرے دل میں اس کے لیے کوئی ایسا جذبہ موجود ہے جسے میں چھپانا چاہتا ہوں۔ گلنازی کے چہرے پر ایسی مسکراہٹ خوشی سے تمتمارہی تھی جیسے وہ ابھی قہقہہ لگانے لگے گی۔ وہ سیدھی بیرونی دروازے کی سمت گئی۔ باہر جانے سے پہلے اس نے مڑ کر میری طرف دیکھا۔ اس کا گلابی رنگ سرخ ہو چکا تھا۔ اس کی آنکھوں میں فتح کا خمار سا تھا... وہ جیت گئی تھی... میں ہار گیا تھا...

کچھ دیر بعد میں بھی دروازے سے باہر نکلا۔ میر صاحب کی سمت جانے کو جی نہ چاہا۔ میں کھیتوں سے ہو کر نہر کے کنارے پہنچ گیا۔ مجھ پر ابھی تک گھبراہٹ طاری تھی۔

''یہ میں نے کیا کیا'' پریشانی میں خیال ایک ہی سمت پانی کے دھارے کی طرح بہہ رہے تھے۔ ''مجھ سے شدید غلطی ہوگئی۔ مجھے بھاگ کر برآمدے میں نہیں جانا چاہیے تھا۔ اب تو گلنازی کو یقین ہو گیا ہوگا کہ میرے دل میں اس کے لیے وہ جگہ موجود ہے جو چھپائے جانے والے جذبے کا گھر ہوتی ہے... میں نے جو کچھ سوچا، جو فیصلے کیے، وہ تو نہر کے پانی میں بہتے ہوئے تنکوں کی طرح بے بس ہو چکے ہیں، انھیں تو اب دھارا جس سمت لے جائے گا، بہہ نکلیں گے۔''

اچانک میری نظر نہر کے دھارے میں دو تنکوں پر پڑی جو ایک دوسرے سے جڑ کر بہہ رہے تھے۔ مجھے ایک بار پھر بے بسی اور دھند کا احساس ہوا۔ نگاہیں اٹھانے پر میرے سامنے گلنازی کا مسکراتا چہرہ موجود تھا۔

''انھیں کسی لہر نے جوڑ دیا ہوگا...'' میں گلنازی کی مسکراتی چمکتی آنکھوں کو دیکھے جا رہا تھا۔ ''لیکن وہ ہمیشہ تو جڑے نہیں رہیں گے... کوئی نہ کوئی دھارا، کوئی نہ کوئی تھپیڑا، انھیں پھر جدا کر دے گا۔ پھر یہ الگ الگ بہتے ہوئے دور ہوتے چلے جائیں گے... یہ زندگی بھی بہتے ہوئے پانی کے دھارے کی مانند ہے۔ تم سب تنکوں کی مانند ہو... سب بہے جا رہے ہو... کوئی لہر ایسی بھی آتی ہے جو الگ الگ بہتے ہوئے تنکوں کو جوڑ دیتی ہے۔ وہ کچھ دور تک آپس میں پیوست ہو کر بہتے

Scanned with CamScanner

رہتے ہیں۔ پھر کوئی دوسری لہر انہیں چہرے تک لے آتی ہے... تو پھر... جو تنگی سے واسطہ حیات کو دائمی کیوں سمجھا جائے؟"

یہ سلسلے سے بھی ہم دور ہے ہیں۔ مجھے یہ دکھ جو تنہا محسوس ہو... نہ دھند تھی نہ گلنازی کا خوبصورت چہرہ... میرے کے غار سے میں ایک صحرا تھا۔ میں نے غبار کے غار سے چلنا شروع کر دیا۔

"گلنازی اب مجھے تم سے ملنے کی کوشش کرے گی..." میں نے سوچا۔ "وہ چاہے گی کہ اس سے میرے من میں جس پوشیدہ جذبے... یہ جذبہ دو میرے ہاتھوں تک بھی آئے، اور وہ اس جذبے سے شہر کو پانی کی وجہ سمجھے ہو، ہاتھوں کو جوڑ دیا کرتی ہے۔ وہ مجھ سے بے دوست ہو جائے گی۔"

مجھ پر گھبراہٹ طاری ہوگئی۔

"میری اور گلنازی کی بات بہت سے ہاتھوں ہی کا تسلسل ہوگا۔ مجھے جانا ہے... میں چلا جاؤں گا تو میں ان صعوبت... اسی ہوس... یہ عارضی ہے۔ اسے تو ختم ہو جانا ہے..."

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں ... مجرموں کی طرح خود اپنے سامنے کھڑا ہوں... میری ان نگاہوں کی طرح جو گلنازی کے سامنے پست رہیں، جھکتی چلی جاتی ہیں... مجھے اپنے مجرم ہونے کا احساس ہوا۔

"یہ میں گلنازی سے تنہائی میں ہوں"

ان ... کے ساتھ ہی مجھے یوں لگا جیسے ... میرے سامنے پریوں کی طرح پھیل رہی ہے۔

"نہیں... نہیں" میرے خیالات کی فضا میں بجلی کوندی۔ "مجھے کسی صورت بھی اس سے تنہائی میں نہیں ملنا چاہیے۔ میں اس کے سامنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہوں۔ سب کچھ بھول جاتا ہوں... تنہائی میں تو ہم جذبات سے ... ایک سمت کو فراق ہوتا ہے تو دوسری جانب حسیاتی زندگی کا ... دائمی فراق میں زندگی بھر محرومی کی آتش میں جلے گا ... حسیاتی زندگی کا ... شعوری موت ہوں ... تسکین نفس و رخشاں کیا کرتی ہے۔ وہ موت صرف شعوری نہیں ... ہوتا ہے ... جو جسمانی زندگی کی قیود سے بالاتر ہوتا ہے۔ حسیاتی زندگی کی ... حیات تو بہت مختصر اور فانی ہوگی، میں اسے دائمی کیونکر سمجھ لوں؟ نہیں۔ مجھے فنا نہیں، زندگی چاہیے... وہ زندگی جو دوام حاصل ہو... میں تا ... نہیں کر سکتا۔

گلنازی میرے بدن کی ساتھی تو بن جائے گی، لیکن وہ میرے بدن سے بلند میرے اس وجود کی ساتھی کبھی نہ بن پائے گی جس کا عرصۂ حیات دائمی ہے۔۔۔ نہیں، مجھے اس سے ملنا نہیں چاہیے۔۔۔ میں بار بار کیوں بھول جاتا ہوں کہ وہ کسی اور سے منسوب ہو چکی ہے؟ مجھے چاہیے کہ میں اسے یہ احساس دلاؤں کہ میرے دل میں ایسا کوئی جذبہ نہیں جسے چھپایا جانا ضروری ہو۔۔۔ میں تو بس اس خیال سے کہ مجھے گلنازی کے سامنے سیڑھیوں پر بیٹھے دیکھ کر بھابھی جنتیں اور رقیہ کیا سوچے گی، بھاگ کر برآمدے میں چلا گیا تھا۔۔۔ وہ تو میں۔۔۔ جھوٹ کیوں بولوں، میں ڈر گیا تھا۔۔۔ لیکن کس سے؟ کیا گھر والوں سے یا اپنے آپ سے؟''

خوف کا یہ تجربہ میرے لیے نیا تھا۔ یہ دو دھاری تلوار کی مانند تھا، ایک ہی ماہیت کے دو رخ لیے ہوئے، یہ خارجی بھی تھا داخلی بھی۔۔۔ ماسی جیراں نے مجھے بیاڑ کا کہا ہے۔ اگر رقیہ مجھے گلنازی کے قریب بیٹھا دیکھ لیتی تو وہ کیا سوچتی؟ یہ ڈر خارجی بھی تھا داخلی بھی۔۔۔ لیکن میں اسے مکمل عزت نفس کا احساس بھی نہیں کہہ سکتا تھا، کیونکہ عزت نفس کا مکمل احساس تو خوف سے بہت بلند ہوتا ہے۔

''مجھے ابھی اپنے اندر، خود سے بغاوت کرنا ہے۔۔۔ میں مکمل عزت نفس چاہتا ہوں۔ ابھی مجھے خود سے لڑنا ہوگا، اپنی جبلتوں سے نبرد آزما ہونا ہوگا۔ ابھی بالوں کا گچھا میرے سامنے ہے۔۔۔ ابھی مجھے اس کا ایک ایک بال کاٹنا ہوگا تاکہ میں ہوس سے مکمل نجات پا سکوں''

میں نہر کے کنارے کھیتوں میں اترا۔ پگڈنڈی پر آہستہ آہستہ چلنے لگا۔

''میں اب گلنازی سے نہیں چھپوں گا۔ واپسی میں صرف کل کا دن رہ گیا ہے۔ میں آج شام ہسپتال جاؤں گا۔ تنور کے سامنے بیٹھوں گا۔ اپنی ہر حرکت سے گلنازی پر یہ ظاہر کروں گا کہ میرے دل میں ایسا کچھ نہیں ہے جسے میں چھپانا چاہتا ہوں۔ میں یہی ظاہر کروں گا کہ میں اس کی کسی بات، کسی ادا سے متاثر نہیں ہوں۔'' نہ جانے کیوں، میں نے مڑ کر نہر کی سمت دیکھا۔۔۔

نہر کے دوسرے کنارے پر گھنے شیشم کے درخت کی شاخ سے ایک فاختہ اڑی اور فضا میں بلند ہوتی ہوئی مشرقی سمت میں غائب ہو گئی۔ میں پھر پگڈنڈی پر آہستہ آہستہ چلنے لگا۔

''کیا یہ خود میرے ساتھ میرا اپنا ظلم نہ ہوگا؟'' خیالات نے جیسے گردش اختیار کرتے ہوئے پلٹا سا کھایا۔ ''یہ ظلم جو میں گلنازی کے ساتھ کرنے جا رہا ہوں۔ اگر میں اسے پہلی نظر ہی میں اچھا لگا تھا

تو اس میں اس کا کیا قصور ہے؟ دنیا میں ہر جینے والے کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے ذوقِ جمال کے مطابق کسی کو بھی پسند کرے... محبت پر کس کا زور چلتا ہے... یہ تو بے اختیار سا ایک سچا جذبہ ہے۔ یہ جذبہ جرم تو نہیں کہ جس سے خود اس میں یہ گمان ہو کہ اسے سزا دی جائے اور اس سے محروم کر دیا جائے۔ اگر کسی کو مجھ سے محبت ہو گئی ہے تو یہ اس کا جرم تو نہیں کہ اسے اس کی سزا ملے۔ میں اسے کس جرم کی سزا دینا چاہتی ہوں اور میں ہوتی کون ہوں اسے سزا دینے والی؟ اگر میں اسے اچھی لگتی ہوں تو یہی اس کا معیارِ جمال ہوگا۔"

چھت سے چند چڑیاں اڑیں۔ تھوڑی دیر فضا میں بلند ہوئیں۔ پھر ادھر سے صحن میں اترتے ہوئے وہ بکھر سی گئیں۔

"میں سب سمجھتی ہوں ... [illegible] پہلی نظر ہی میں وہ مجھے بھی بہت اچھی لگی تھی، صاف ستھری سی، بہت خوبصورت... مجھے حیرت ہوئی تھی کہ دیہاتی ماحول میں رہ کر بھی وہ دیہاتی لڑکیوں کی طرح نہیں ہے۔ وہ بہت نازک سی تھی، بھولی بھالی، دیہاتی لڑکیوں سے قطعی مختلف... اب ان سب واقعات کے بعد، جب اسے یقین سا ہو چلا ہے کہ میں کسی سے پیار کرنے لگا ہوں، یہ فیصلہ اس کے لیے ناقابلِ برداشت نہ ہوگا؟"

"[illegible] دو چڑیاں چہچہاتی ہوئی نظر آئیں۔ [illegible] مکئی کا پودا نیچے کی سمت جھک گیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک چڑیا نے چونچ مار کر چڑیا اڑا دی... مکئی کا پودا ابھر کر پھر اوپر کی سمت اٹھا۔

"رفاقت وہ وعدہ جو ہمیشہ ساتھ رہنے کا بھی ہوا کرتا ہے... اسے دائمی وعدۂ حیات سمجھنا درست نہیں ہوگا۔"

مجھے پھر اپنے آس پاس دھند کا احساس ہوا۔ میں ٹھہر گیا۔ نظریں خود بخود اوپر اٹھیں... اس کے گلنار لبوں کی مسکراتی چمکتی آنکھوں میں سے روشنی سی نکل رہی تھی۔

"محبت کا سچا جذبہ جرم نہیں ہے... یہ جذبہ اپنے اظہار پر آسودگی کی راہ بھی تلاش کرتا ہے۔ [illegible] عارضی ہو تو جذبہ بھی باطل ہو جاتا ہے۔ اگر اسے دوامی راہ چاہیے تو یہ دیکھنا بھی لازم ہو جاتا ہے کہ اس راہ کو کوئی دوسرا راستہ کاٹ تو نہیں رہا۔ کٹ جانے والی راہ بھی دوام سے محروم ہو

جاتی ہے۔ اگر جذبہ ہی باطل ہو جائے تو خود سزا بن جاتا ہے۔ اگر راہ کٹ جائے تو سامنے گہراؤ کے سوا کچھ نہیں رہتا...''

میں چونکا۔ میں پگڈنڈی پر تنہا کھڑا تھا — نہ دھند رہی نہ گلنازی کا چہرہ...

''شاید میں آسودگی کی راہ تلاش کر رہا ہوں... جذبہ تو میرا باطل ہے، سزا تو مجھے ملنی چاہیے۔ گلنازی تو دوام کے رستے پر چلتی آ رہی تھی۔ اس کا رستہ تو میں کاٹ رہا ہوں۔ وہ دوسرا رستہ تو میں ہوں۔ وہ بچپن ہی سے ایک شخص سے منسوب ہے اس نے کبھی کسی اور کے متعلق سوچا بھی نہ ہوگا۔ میں یہاں نہ آتا تو وہ کبھی کسی کے متعلق نہ سوچتی، شادی ہونے کے بعد محمد اکبر خاں کے ساتھ چلی جاتی... اس کی راہ تو دائمی رفاقت کی راہ تھی۔ اس کی راہ کو تو میں کاٹ رہا ہوں... میں عارضی رستے پر... اپنے باطل جذبے کے ساتھ... نہیں نہیں... گلنازی سے دور ہونا اس کے لیے کوئی سزا نہ ہوگی... سزا تو مجھے ملنی چاہیے... گلنازی کی راہ تو میں مسدود کر رہا ہوں... میرا فیصلہ درست ہے۔ میں خود ہی اس سے دور ہو جاؤں گا۔ آج شام ہی میں اسے احساس دلا دوں گا کہ آج جو کچھ بھی ہوا ہے، غلط ہے — درست نہیں ہے۔ میرا اور اس کا کوئی تعلق ممکن ہی نہیں...''

میں ایک بار پھر پگڈنڈی پر چلنے لگا... خیالات کا بہاؤ اب بھی جاری تھا۔

''گر میں گلنازی سے تنہائی میں ملوں...'' میرے دل پر اداسی اتری۔'' تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ میں اسے اپنی چاہت کا یقین دلا دوں گا اور یہ بھی جتا دوں گا کہ میں اسے حاصل کرنا چاہتا ہوں... وہ تو اس بات کے لیے پہلے ہی سے خود سپردگی کا جذبہ اپنے دل میں رکھتی ہے۔ ایسا کرنا میری حماقت ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ بے رخی دکھا کر میں اسے دکھ پہنچاؤں گا، لیکن یہ دکھ عارضی ہوگا۔ یہ دکھ اس دکھ سے بہت کم ہوگا جو بات بڑھ جانے پر، چاہت کے راستے پر ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر چلنے کے بعد جدا ہو جانے پر ہوگا۔ ہم تو نہر کے پانی میں چپٹ کر بہنے والے دو تنکوں جیسے ہو جائیں گے، اور جب کوئی تھپیڑا، کوئی لہر ہمیں جدا کر دے گی تو پانی کی ہر بوند ہمارے لیے زہر بن جائے گی۔ ہمارا ساتھ دائمی تو ہو ہی نہیں سکتا۔ بڑے دکھ سے یہ چھوٹا دکھ کہیں بہتر ہوگا... یہ دکھ تو تنور سے اڑتی ہوئی اس چنگاری کی طرح ہوگا جو ہاتھ کو تھوڑا سا جلا دیتی ہے... وہ دکھ تو لاوے کا سمندر ہوگا جسے ہم دو اطراف سے پار کرنے کی کوشش کریں گے، کیونکہ نجات کا اور کوئی راستہ ہی نہ رہے گا۔

ہمیں یہ زندگی کے سمندر میں اترنا ہوگا... جو شاید ہم کبھی پار نہ کر پائیں گے... تب تک میں بچوں گا نہ گلنازی..."

اس کے ساتھ ہی ایک خیال سے میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"میں سستی نوین کلاس کا طالب علم... میرا وجود ہے ہی کیا؟ نہر میں بہنے والے پانی کے سب سے چھوٹے قطرے سے بھی چھوٹا... میں نے ابھی زندگی میں دیکھا ہی کیا ہے؟ چھوٹی سی میونسپل لائبریری میں تیس چالیس کتابیں پڑھ رکھی ہیں۔ ان کی خاطر تو نہیں سکتا کہ جسمانی زندگی کے تجربات کے متعلق سوچتا رہوں۔ یہ تجربات تو میرے پاس نہیں ہی نہیں... یہ تجربات تصوراتی تو ہو ہی نہیں سکتے۔ ان کا تعلق تو انسانی جسم سے ہے، اور حقیقت سے ہے... انسانی جسم میں موجود کیمیات سے جو خواہشوں اور جذبوں سے تشکیل پاتی ہوں گی۔ مجھے تو بس اتنی سی بات کہہ لینا ہے ہوگی کہ چھوٹی وقت بڑے وقت سے کمتر ہوتا ہے... میں اب گلنازی کو یہ احساس بھی نہ ہونے دوں گا کہ میرے دل میں اس کے لیے کوئی ایسا جذبہ موجود ہے جسے جواب کی ضرورت ہو... دن بھی تو ایک ہی رہ گیا ہے... پرسوں صبح تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا..."

43

شام کے وقت میں ہسپتال کی سمت جا رہا تھا۔ تھوڑے سے پچاس قدم پہلے مجھے نوراں نظر آئی۔ وہ میری ہی سمت چلی آ رہی تھی۔ میرے قریب آ کر اس نے مڑ کر نہر کی سمت دیکھا۔ سڑک پر آگے پیچھے کوئی نہ تھا۔ وہ میرے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

"تھوڑے ٹیم نہر دی سیر تے نہ جاسو؟" (تھوڑی دیر کو سیر کرنے نہر پر نہیں جائیں گے کیا؟) نوراں چپ چاپ مجھے دیکھ رہی تھی۔

"نہیں!" میں نے آہستہ سے کہا۔

"کیوں؟ ... کی ہویا؟" (کیا ہوا) ساتوں نوراں میری آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

"پرسوں صبح میں یہاں سے چلا جاؤں گا... اور..." میں نے کہا: "کیا مجھے گلنازی نے بلایا ہے؟"

نوراں خاموش ہوگئی۔ وہ مسلسل پلکیں جھپکائے بغیر میری آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

''گلنازی میں بلاواں تے ای جاسو؟... گلنازی ناں گنڈا ای بنے راہسو؟'' (گلنازی کے بلانے پر ہی جائیں گے کیا؟ گلنازی کا گنڈ ہی بنے رہیں گے؟)

نوراں کی آنکھوں میں بدمستی نظر آئی۔ میں پریشان سا ہوگیا... اگلے ہی لمحے نوراں بڑی دلیری سے آگے بڑھی۔ اس نے ایک مڑ کر تنور کی سمت دیکھا... اس کی آنکھوں میں بدمستی گہری سی ہوگئی۔ وہ اور آگے بڑھی، اتنی کہ میرے اور اس کے بدن میں ایک بالشت کا فاصلہ رہ گیا... میں گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹا۔

''مڑ آسونا؟'' (واپس آئیں گے نا؟) نوراں کا لہجہ دھیما سا ہوگیا۔

''پتا نہیں۔'' میں نے کہا۔

نوراں نے فوراً قدم اٹھایا۔

''ناتاں پئی...'' (آنا تو پڑے گا...) وہ میری بائیں جانب سے اس طرح گزری کہ اس کا دایاں کندھا میرے بائیں کندھے سے ٹکرایا۔ صاف ظاہر تھا کہ یہ حرکت اس نے دانستہ کی تھی۔

''یہ گلنازی کی سہیلی ہے؟'' میں نے کڑواہٹ سے سوچا۔ مجھ پر گھبراہٹ بھی طاری تھی اپنی خفت پر قابو پاتے ہوئے میں ہسپتال پہنچا۔ بھائی اور میر صاحب وہاں موجود تھے۔ میں تنور کے سامنے والی دری پر بیٹھ گیا۔ تنور پر گلنازی نہیں تھی۔ کچھ لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ ان میں سرمہ زدہ آنکھوں والی زبیدہ اور شریفاں کی بھی موجود تھی۔ زبیدہ مجھے ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہی تھی۔ میں نے تنور کی سمت دیکھنا چھوڑ دیا۔

''آپ کی یہ چھٹیاں تو ایڈونچر ہی میں گزر گئیں۔'' میر صاحب نے کہا۔

''اس کا مزہ ہی ایڈونچر ہوتا ہے۔'' بھائی بولے۔ ''کوئی نہ کوئی مسئلہ بنا ہی رہتا ہے۔''

میر صاحب نے میری طرف غور سے دیکھا۔

''آپ کی فطرت میں سکون نہیں ہے۔'' انھوں نے کہا۔ ''مسائل ہمیشہ بے چین لوگوں ہی کو درپیش رہتے ہیں۔ ہمیں دیکھیے، کیسی آرام کی زندگی گزار رہے ہیں۔''

''وہ آپ نے...'' میں نے کہا۔ ''غالب کا شعر تو سنا ہی ہوگا کہ:

''وہ زندہ ہم کہ ہوئے روشناسِ خلق اے خضر
نہ تم کہ چور بنے عمرِ جاوداں کے لیے''

میر صاحب مسکرائے۔ ''تو کیا آپ عمرِ جاوداں نہیں چاہتے؟'' انھوں نے کہا۔

''ہم اور کم از کم خضر کے ساتھ تو نہیں،'' میں نے کہا اور بھائی نے میری طرف دیکھا۔

''چاہنے سے کیا ہوتا ہے؟ پڑھتے لکھتے تو ہو نہیں... آوارہ گردی کرتے رہتے ہو یا لائبریری میں بیٹھ کر وہ کتابیں پڑھتے رہتے ہو جو تمھاری کورس کی کتابوں میں کوئی مدد نہیں کر سکتیں...'' انھوں نے میر صاحب کی سمت دیکھا۔ ''ایک دن روسی ناول نگار چیخوف کی اور دہاں بیتاریا اٹھا لایا تھا۔ ہم نے اچھی طرح سے اس کی طبیعت صاف کی تھی۔''

سڑک پر پھر نوراں نظر آئی۔ وہ تنور پر جانے کے بجائے ماسی جیراں کے گھر کے بیرونی دروازے کی سمت گئی، مڑ کر میری سمت دیکھا اور اندر چلی گئی۔

''آپ کے بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں،'' میر صاحب نے کہا۔ ''ایسی کتابیں پڑھنے کی ابھی آپ کی عمر نہیں ہے۔''

گلناز گھر کے بیرونی دروازے پر نظر آئی۔ اس کے پیچھے نوراں بھی تھی۔ نوراں نے جانے گلناز سے کیا کہا تھا، اس کے خوبصورت چہرے پر پریشانی سی تھی۔ پریشانی سے اس کے چہرے پر بھولپن بھی نکھر گیا تھا۔ نوراں کی آنکھوں میں مجھے عیارانہ سی چمک نظر آئی۔ وہ مکار آنکھوں سے پلکیں جھپکائے بغیر میری سمت دیکھ رہی تھی۔ گلناز تنور پر جا بیٹھی۔ مجھے حیرت محسوس ہوئی اس کی میری سمت پشت رہی تھی۔ اس کا چہرہ میری نظروں سے اوجھل تھا... اب میں پریشان سا ہو گیا۔

''کیا سوچ رہے ہیں؟'' میر صاحب نے کہا۔ ''آپ کے سکول میں بھی تو لائبریری ہوگی۔ وہاں مطالعہ کیا کیجیے۔''

''اسے آوارہ گردی سے فرصت ملے تب یہ پڑھائی کی سمت توجہ بھی دے،'' بھائی نے کہا۔

''آپ کا انگریزی زبان کا علم بہت محدود سا ہے۔ آپ کو اردو ترجمہ پر ہی انحصار کرنا ہوگا،'' میر صاحب نے کہا۔ ''انگریزی زبان میں استعداد بڑھائیں اور انگلش لٹریچر کا مطالعہ کریں۔''

میں بار بار تنور کی سمت دیکھ رہا تھا۔ پریشانی بڑھ رہی تھی۔

Scanned with CamScanner

"نہ جانے کیوں..." میں نے بے دلی سے میر صاحب کی بات کا جواب دینا شروع کیا۔ "میں نہیں جانتا کہ ایسا کیوں ہے... میرا دل ہی نہیں چاہتا انگریزی زبان سیکھنے کو... والد صاحب بھی مجھے ڈانٹتے رہتے ہیں کہ میں انگریزی کے مضمون میں بہت کمزور ہوں... پتا نہیں کیوں، میں جرمن زبان سیکھنا چاہتا ہوں، لیکن وہ یہاں سکھائی ہی نہیں جاتی... اردو ہی سیکھ رہا ہوں۔"

"اردو..." میر صاحب نے کہا۔ "سیکھ رہے ہیں؟ برخوردار آپ کو تو اردو کے کلاسیکی شاعروں اور ادیبوں نے اپنی محفل میں جگہ دے رکھی ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ ابھی سیکھ رہے ہیں۔"

بھائی نے پہلے میر صاحب اور پھر میری طرف دیکھا۔

"پانچویں جماعت میں اس نے آزاد کی آبِ حیات پڑھ لی تھی،" انھوں نے کہا، "لیکن ایک زبان سیکھنا اور اس پر عبور حاصل کرنا تو عقلمندی نہیں ہے۔"

"زبان تو اظہار کا ذریعہ ہے،" میں نے کہا۔ "کیا میں اردو زبان میں اپنے خیالات، احساس و جذبات کا اظہار نہیں کر پاؤں گا؟"

"ہم نے یہ تو نہیں کہا،" میر صاحب نے کہا۔ "ہم تو یہ کہہ رہے ہیں کہ عالمی ادب کا مطالعہ کرنے کے لیے آپ کو انگریزی زبان سیکھنا ہی ہوگی۔"

گفتگو بہت پھیکی اور بیزار قسم کی محسوس ہو رہی تھی۔ میں بار بار نوری کی سمت دیکھ رہا تھا۔ ماں جی کے دائیں ہاتھ نوراں بیٹھی تھی۔ وہ اب بھی پلکیں جھپکائے بغیر مجھے دیکھے جا رہی تھی۔ مجھے الجھن سی محسوس ہونے لگی تھی۔ ماں جی کے بائیں ہاتھ سرمہ زدہ زبیدہ بیٹھی تھی۔ وہ بھی ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی، جیسے کوئی جنگلی بلی کسی شکار کو دیکھ رہی ہو۔ میرا دل چاہا، میں اٹھ کر بھاگ جاؤں۔ گلنازی نے مجھ سے چہرہ چھپایا ہوا تھا۔

"کیا ہو گیا؟" میں نے پریشانی میں سوچا۔ "گلنازی سے نوراں نے کیا کہا ہے؟ اس نے مجھ سے منھ کیوں موڑ لیا ہے؟... وہ میری طرف پشت کر کے کیوں بیٹھ گئی ہے؟ اس نے مجھ سے چہرہ کیوں چھپایا ہے؟ وہ میری طرف دیکھتی کیوں نہیں؟"

میرے سینے میں ٹیس سی اٹھی۔ نہ جانے بھائی اور میر صاحب کیا باتیں کر رہے تھے۔ بخشو چائے لایا، پھر نہ جانے کب پیالیاں اٹھا کر بھی لے گیا۔ مجھے چائے پینے کا بھی احساس نہ ہوا... میں

بہت سے جس سوچ چکا تھا۔ دل میں بار بار ٹیسیں سی اٹھ رہی تھیں۔

زندگی میں پہلی بار میں نے ہر جھجک کو ایک طرف جھٹکتے ہوئے تنور پر جانے کا فیصلہ کیا۔ ایسی جرأت میں نے پہلے کبھی نہ کی تھی۔

گداؤ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔

"گداؤ... میں نے بھائی کی طرف دیکھا۔ "پتا نہیں کہاں ہے... روٹیاں میں لے جاتا ہوں۔"

بڑے صاحب نے غور سے میری طرف دیکھا، لیکن مجھ پر بے چینی کی ایسی کیفیت طاری تھی کہ مجھے اپنا سارا وجود ایک تاریک سے اندیشے میں گھرا محسوس ہو رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے میں نے اپنی کوئی بہت ہی پیاری شے کہیں کھو دی ہے۔ میں نہ رکنے کے سے انداز میں اٹھا، سیدھا تنور کی سمت گیا۔ ایک بڑی چنگیر سے بھر جانے والی تھی، کھڑی ہوئی۔ تمام لڑکیاں میری طرف ہی دیکھ رہی تھیں۔ میں گلنازی کے قریب پہنچ گیا۔ گلنازی کے ساتھ ہی شریفاں کی بھی بیٹھی ہوئی تھی۔

"مامی..." میں نے کہا، "گداؤ پتا نہیں کہاں چلا گیا ہے۔ روٹیاں مجھے دے دے۔"

مامی نے میری طرف دیکھا، مسکرائی۔

"ٹھہر پتر، میں دو تین روٹیاں نکال لوں۔" مامی تنور پر جھک گئی۔

"میں لے جاتی ہوں۔" گلنازی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ وہ سیدھی کھڑی ہو گئی۔ اس کا چہرہ میرے سامنے تھا۔

پل بھر میں گلنازی کی آنکھوں میں چمکتی ہوئی مسکراہٹ نمایاں ہوئی، پھر اس کے سارے چہرے پر پھیل گئی۔

"تو کہاں جائے گی اس وقت؟" تنور والی نے سرگودھا کی زبان اور لہجے میں کہا، "وہ لے جائے گا... بیٹھ جا گلنازی۔"

گلنازی نے تنور والی کی بات ان سنی کر دی۔ وہ اپنے انتہائی خوبصورت انداز میں سر کو ذرا سا ترچھا کرتے ہوئے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس کی زلف بائیں رخسار پر لہرا گئی۔ مجھے اپنے پورے بدن میں سرخوشی کا احساس ہوا، ایک لہر کی طرح سر سے پاؤں تک... یقیناً میری آنکھوں میں بھی مسکراہٹ چمکی ہوگی۔ گلنازی کی آنکھیں خمار آلود ہو گئیں۔

Scanned with CamScanner

"یہ لے!" ماسی کی آواز پر میں اور گلنازی دونوں چونکے۔ "دے دے اسے۔" ماسی نے چنگیر گلنازی کی سمت اٹھائی۔ "چھوٹی بی بی سے کل مل لینا۔"

گلنازی نے ماسی کی طرف جھک کر چنگیر پکڑی۔ مجھے پکڑاتے ہوئے گلنازی کا ہاتھ میرے ہاتھ پر آ گیا۔

"گھٹ کے پھڑ لے..." (زور سے پکڑ لے!) شریفاں کٹی کی اڑنگتی ہوئی آواز آئی۔ وہ دانت پیسنے کے سے انداز میں گلنازی کو دیکھ رہی تھی۔ واقعی یوں لگ رہا تھا جیسے تنور کے پاس کٹنی بیٹھی ہو۔

ماسی نے چونک کر شریفاں کٹی کو دیکھا۔

"کیا کہا تو نے؟" ماسی نے سخت لہجے میں کہا۔

"ڈاکٹر نیں بھرا آں پئی کہنی آں، گھٹ کے پھڑ لے، روٹیاں ڈھے جان گیاں۔" (ڈاکٹر کے بھائی کو کہہ رہی ہوں، زور سے پکڑ لے۔ روٹیاں گر جائیں گی۔)

"وہ بچہ تو نہیں ہے۔" ماسی نے تنور میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "لے جائے گا۔"

گلنازی کا ہاتھ میرے ہاتھ پر تھا۔ جی نہیں چاہتا تھا کہ ہاتھ کھینچوں لیکن میں نے چنگیر پکڑی۔ میرے مڑنے سے پہلے گلنازی مڑی اور سیدھی اپنے گھر کے بیرونی دروازے تک گئی اور پٹ کھول کر اندر چلی گئی۔

"گلنازی یقیناً تنور پر بیٹھی لڑکیوں اور ماسی سے اپنی خمار آلود آنکھیں چھپانا چاہتی ہے..." میں نے سوچا۔ میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ سی تھی۔ مڑ کر میں کچی سڑک پر چنگیر اٹھائے چلا جا رہا تھا کہ اچانک ہی گھر کے سامنے چوڑی گلی سے گدو سڑک پر آ گیا۔ مجھے چنگیر پکڑے دیکھ کر وہ مسکرایا۔ قریب آ کر میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"صاب..." اس کی آواز میں شوخی سی تھی۔ "آپ؟... میں لینے جا ہی رہا تھا، آپ لے آئے۔"

"وہ... وہ، تم..." مجھ پر گھبراہٹ سی تھی۔ "تم ہسپتال نہیں آئے تو..."

"آپ کو دیکھا کا بہانہ مل گیا!" گدو کی آنکھوں میں بھی شرارت سی تھی۔ "یہی ہوتا ہے

صاحب... ادھر بھی یہی حال ہے... کبھی میں بھی شانی سے ملنے کے، اسے دیکھنے کے بہانے ڈھونڈتا رہتا تھا۔"

میری حالت کسی ایسے ملزم کی سی ہو چکی تھی جو رنگے ہاتھوں پکڑا جائے۔ گداؤ سب کچھ جانتا تھا۔

"یہ سب گلناری کی بے چینی نے کیا ہے..." میں نے سوچا۔ "نہ بہانے بہانے سے میرے متعلق پوچھتی نہ کسی کو پتا چلتا... اب تو گداؤ جانتا ہے کہ گلناری اور میں ایک دوسرے کے لیے بے چین رہتے ہیں۔"

گداؤ مسکراتے ہوئے مجھ سے روٹیوں کی چنگیر لے لی اور بھائی کے گھر کی طرف مڑا۔ میں بھی آہستہ قدموں سے کچی سڑک پر گھبرایا ہوا چل رہا تھا۔

44

اگلی صبح میں گھر سے نکلا اور بشیر فضل کے پاس جا بیٹھا۔ میں نے اسے بتایا کہ کل صبح ہماری روانگی ہے۔ بشیر نے بھنویں اچکاتے ہوئے میری طرف دیکھا۔

"چکوال کتنا بڑا شہر ہے؟" اس نے پوچھا۔

"زیادہ بڑا نہیں۔" میں نے اس کے سوال پر حیرت محسوس کی۔ "تحصیل ہے... لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟ کیا یہاں سے آتے جاتے ہو؟"

"یار،" بشیر نے کہا۔ "پوری بات سن لیا کر، پھر جواب دیا کر۔ پہلے ہی پھوتیاں مارنا شروع کر دیتا ہے۔"

"تم نے سوال ہی ایسا پوچھا ہے،" میں نے کہا۔

"یار، مجھے یہ بتا،" بشیر نے کہا۔ "وہاں بڑی مارکیٹیں ہیں؟"

"نہیں، زیادہ بڑی تو نہیں ہیں،" میں نے کہا۔

"پھر تو مشکل ہے،" بشیر نے کہا۔ "سیلوں والا ریڈیو لینے لگتا ہے لاہور ہی جانا پڑے گا۔"

میں نے گہری سانس لی۔ اب سمجھ میں آیا کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔

"پوچھوں گا،" میں نے کہا۔ "وہاں ایک دکان ہے ریڈیو کی۔"

Scanned with CamScanner

''او پائی!'' بشیر نے خوش ہو کر کہا، ''او تیرا بھلا ہو! میرا یہ کام کر دے۔ اگر مل جائے تو اگلی بار لیتے آنا، پورے پیسے دوں گا۔''

بشیر کی دکان سے اٹھ کر میں کھیتوں کی سمت چلا گیا۔ اس بار میں خالی الذہن تھا۔ کوئی ایسی سوچ میرے ساتھ نہ تھی جو نہر کے دھاروں کی طرح مجھے بہالے جاتی... بس ایک مدھم سا احساس تھا جو میرے ساتھ ساتھ چل رہا تھا، کہ میرے یہاں سے چلے جانے کے بعد گلنازی کا کیا ہوگا؟

''وہ کیا کرے گی؟'' میں نے خیالات کو ہوا کے اس جھونکے کی طرح محسوس کیا جو حبس میں اچانک ہی اپنا احساس دلا دے۔ ''گلنازی کن کیفیات سے گزرے گی؟ اس کے شب و روز کیسے ہوں گے؟ وہ بہت اداس ہو جائے گی۔ ہر شام وہ ہسپتال کے صحن میں مجھے تلاش کرے گی...''

میرے خیالات کی ساکن سطح پر ان سوالات سے تموج نمودار ہو چکا تھا۔ ''میں کیا کروں گا؟ میری کیفیت کیا ہوں گی؟ میں آج کچھ دیر کے لیے گلنازی کا چہرہ نہ دیکھ سکا تھا تو مجھ پر بے چینی آندھی سی بن کر گری تھی... میں گلنازی کو دیکھے بغیر... میں کیا کروں گا؟'' خیالات کے بہاؤ نے جیسے اپنے سامنے کوئی چٹان حائل دیکھی اور رخ بدلا۔ ''شاید ہم پہلے ہی کی طرح مصروف ہو جائیں گے۔ میں یہاں سے جا کر اپنے روزمرہ کے کاموں میں مصروف ہو جاؤں گا۔ وہی سکول، چکوال کے بازار، کوٹ طرفے، بازخاں سے باہر نکلے کھیت، رہٹ، شکستہ مندر، کھیل کا میدان، میونسپل لائبریری... یہاں گلنازی بھی مصروف ہو جائے گی۔ شاید میں جلد ہی اسے بھول جاؤں گا... وقت کے ساتھ ساتھ گزرتے لمحوں کی طرح وہ بھی مجھ سے دور ہوتی چلی جائے گی... اسی طرح میری یاد بھی تنور سے اٹھتے دھوئیں کی طرح کچھ دیر ہوا میں رہنے کے بعد تحلیل ہو جائے گی... گلنازی مجھے بھول جائے گی۔ یہ سب کچھ جذباتی طوفان سا ہے۔ نہ وہ اپنے آپ پر قابو رکھ سکتی ہے نہ میں... ایک دوسرے سے دور ہو جائیں گے تو سب کچھ خود ہی معدوم ہو جائے گا۔''

اس قسم کے خیالات ہمیشہ پہلے بیزاری اور پھر بے حسی کو لاتے ہیں۔ سہ پہر تک میں گھر سے باہر رہا... خالی الذہن... کوئی احساس تک باقی نہ تھا، سوائے اس کے کہ میں بے حس ہوں۔ اس حالت میں گھر واپس آیا تو بھابی بھی ناراض ہو گئیں کہ میں دوپہر کھانے پر کیوں نہیں آیا۔

''تمہاری لکھن مٹی آئی تھی،'' بھابی نے کہا۔ ''یہی کہتی رہی کہ آپ لوگ نہ جاؤ''

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو،" عصمت نے کہا۔ "اگر میں نے یہاں ہی رہنا ہوتا تو گل زری میری بہترین سہیلی ہوتی۔"

"وہ سر پر دوپٹہ نہیں رکھتی،" ماں نے بیزاری سے کہا۔ "نماز نہیں پڑھتی... پتا نہیں اسے آتی بھی ہے کہ نہیں... اس نے قرآن پاک بھی نہیں پڑھا ہوگا... ڈھول سے اور ناچنے گانے کا شوق ہے... ایسی لڑکیاں ٹھیک نہیں ہوتیں۔ میں نہیں چاہتی کہ تم ایسی لڑکیوں کو سہیلیاں بناؤ۔"

ماں ریحانہ عصمت کی طرف غصے سے دیکھ رہی تھیں۔ ماں کی ایسی باتوں سے عصمت چڑ گئی۔

"ضروری نہیں،" عصمت نے کہا، "کہ سر پر دوپٹہ لینے والی، پانچوں وقت نماز پڑھنے والی، ہر وقت تلاوت کرنے والی لڑکی کردار کی بھی اچھی ہو۔"

ماں ریحانہ کچھ کہنے ہی والی تھیں... انھوں نے عصمت کی بات کا اثر لیا تھا، آواز بلند ہوئی۔ عصمت بھی غصے میں آ چکی تھی۔ ایک تلخ بحث شروع ہونے کو تھی۔ یہ منظر ہمارے گھر کے معمولات میں شامل تھے۔ اس سے پہلے کہ بحث زور پکڑتا، بھائی نے ڈانٹ کر دونوں کو چپ کرا دیا۔

شام کو ابا نے آکر بتایا "ٹرک کا انتظام ہو گیا ہے۔ کل صبح چھ بجے ٹرک ہمیں شہر لے جانے کے لیے آ جائے گا۔"

45

"یہ بھی اور دنوں کی طرح بیت ہی جائے گا..." میں نے چھت پر لیٹے ہوئے رات کے اندھیرے میں دھیرے دھیرے بڑھتی ہوئی بے چینی میں سوچا۔ چاند کے طلوع ہونے میں بہت دیر تھی۔ ستاروں سے جگمگ ہر سمت نظر آ رہے تھے۔ اسی لیے تو کبھی بار بار گلناری کو الٹی سیدھی باتیں مجھے چھیڑتی ہیں۔ آنکھ مچولی تو وقت نے ہمارے ساتھ کھیلی ہے... کیا ہی عجیب تھی یہ جان پہچان بھی۔ میں اور گلناری ایک دوسرے کے لیے بے چین رہنے لگے ہیں... گاؤں کی وہ لڑکیاں جو تنور پر آتی ہیں، وہ بھی سب سمجھ چکی ہوں گی۔ اسی لیے تو جب کبھی چھیڑتی ہیں۔ شریفاں بی بی تو بول پڑی تھی، دو دن سے پڑے لڑکے ادھر گلناری کا ہاتھ میرے ہاتھ پر تھا۔ اچھی بات ہے... بہتر ہے کہ کل میں یہاں سے چلا جاؤں گا... گلناری رسوائی سے تو بچ جائے گی۔"

میں ستاروں کے جھرمٹ میں سب سے چھوٹے ستارے کو تلاش کرنے لگا۔ ستارہ جتنا چھوٹا ہو، زمین سے اس کا فاصلہ اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے...

"یہ معاشرتی رویے کس قدر منافق ہیں۔ محبت انسانی فطرت کا ودیعت کردہ جذبہ ہے لیکن محبت کی ضد، نفرت، ہمیشہ تخریبی قوت بن جاتی ہے۔ شاید میری گلنازی کے لیے نفرت اس بدصورت چہرے اور مذہبیت کی طرح میرے دل میں موجود ہو۔ اس کی نفرت کا باعث گلنازی کا بے انتہا حسن ہے... شاید نفرت سے زیادہ اپنا احساس محرومی اور اس سے بھی شدید احساس محرومی سے پیدا ہونے والی جلن کو میں سمجھ نہیں سکتا... شاید یہی چیز ہمیشہ سے انسانی معاشروں میں ہوتا آیا ہے۔ یہ تخریب ہمیشہ تضاد سے پیدا ہوتی ہے اور انسانی تاریخ میں رہنے والوں نے آج تک اس تضاد کو ختم کرنے کا کوئی طریقہ دریافت نہیں کیا۔"

مجھے ایک بار پھر اپنی ہار اور ہونے والی شکست کا احساس ہوا اور میرے سامنے پھر سے گلنازی کا خوبصورت چہرہ نظر آیا۔

وہی مسکراتی، چمکتی آنکھیں، چہرے پر ملاحت کی چمک، ہوا کے جھونکوں سے اڑتی ہوئی زلف...

"ایسا نہیں کہ انسان نے کبھی اس تضاد کو ختم کرنے کی کوشش نہ کی ہو۔ صدیوں پہلے آریاؤں نے اس تضاد کو ختم کرنے کے لیے کچھ اصول بنائے تھے جو وقت کی آندھی میں تنکوں کی مانند اڑ چکے ہیں۔ تضاد کے بہت سے پہلو ہیں۔ زندگی کے ہر گوشے میں تضاد کے لیے غیر مرئی تکوین بن جایا کرتی ہے۔ زندگی کے اس بڑے تضاد یا باہمی رقابت کو ختم کرنے کے لیے آریاؤں نے کچھ اصول بنائے تھے۔ انھوں نے اس معاملے میں مکمل اختیار فرد کو سونپ دیا تھا۔ ہر لڑکی کو یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ اپنے لیے اپنی زندگی کا ساتھی چنے... ہر لڑکے کو یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ اپنے لیے اپنی زندگی کی ساتھی چنے... اگر ایک لڑکی کو دو نوجوان حاصل کرنا چاہتے ہوں اور دونوں اس کے لیے جنگ کرنے پر تیار ہوں تو اس تخریب کو روکنے میں لڑکی کا اختیار ڈھال بن جاتا تھا۔ لڑکی کے ہاتھ میں ورمالا (شوہر کے لیے پھولوں کا ہار) دے دیا جاتا تھا کہ وہ جسے چاہتی ہے اس کے گلے میں ڈال دے۔ جب وہ اپنے محبوب کے گلے میں ہار ڈال دیتی تھی تو کشت و خون کرنے کا جذبہ خود بخود سرد پڑ جاتا تھا اور دوسرا

نوجوان سر لپیٹ کر چلا جاتا تھا، کیونکہ اسے یہ شعور دیا جاتا تھا کہ جبر میں نہ تو سکون ہے نہ خوشی۔ پھر یہ اصول معاشرے میں عملی شکل اختیار کر گئے۔ باپ بیٹی کے جوان ہونے پر اس سے شادی کے خواہش مند نوجوانوں کو اپنے گھر میں بلاتا تھا اور ورمالا لڑکی کے ہاتھ میں دے کر یہ حق سونپ دیتا تھا کہ وہ جسے چاہے اپنے لیے پسند کرے۔ جب وہ کسی نوجوان کے گلے میں ورمالا ڈال دیتی تھی تو دوسرے نوجوان خوش ہونے والے کو مبارک باد دیتے تھے، دعوت میں حصہ لیتے تھے اور چلے جاتے تھے۔ رفتہ رفتہ اس کی ایک اور صورت نکالی گئی جسے سوئمبر کہا جاتا تھا۔ وہ کسی راجکماری سے بیاہ کے خواہشمند راجکماروں کو بلاتے تھے اور کوئی امتحان بھی رکھ دیتے تھے۔ جو راجکمار آزمائش میں کامیاب ہوجاتا تھا، راجکماری اس کے گلے میں ورمالا ڈال دیتی تھی۔ یہیں وہ مقام ہے جہاں بزرگ آریاؤں کے بنائے ہوئے اصولوں میں دراڑ پڑ گئی تھی، کیونکہ اکثر ایسا بھی ہوجاتا تھا کہ کوئی بدصورت راجکمار آزمائش میں کامیاب ہوجاتا تھا اور راجکماری نہ چاہتے ہوئے بھی سوئمبر کے جبر کا شکار ہوجاتی تھی، کیونکہ اسے بادل نخواستہ جیتنے والے بدصورت، بدہیئت نوجوان کے گلے میں ورمالا ڈالنی ہوتی تھی۔ پھر وقت کے ساتھ ساتھ وہ جبر، جسے ختم کرنے کی کوشش کی گئی تھی، دوبارہ کئی صورتوں میں معاشروں میں جڑ پکڑ گیا اور آریاؤں کے اصول مٹتے مٹتے مٹ گئے... یہ جبر خودغرضی میں بے پناہ قوت ہوتی ہے، اسے ختم کرنا بہت ہی دشوار ہوتا ہے، کیونکہ اس کے پیچھے ہوس کا ہاتھ ہوتا ہے جو اختیار کے ہاتھ کو بے بس کے ہاتھ میں نہیں دیکھ سکتا...''

گلنازی کے چہرے پر روشنی پھیل چکی تھی اور پھر وہ انہی شعاعوں میں تحلیل ہوگئی... دھند ختم ہوگئی اور میں ٹمٹماتے ستاروں کو دیکھ رہا تھا۔

''گلنازی... '' میں تصور ہی میں ہم کلام ہوا۔ ''یہ کیا کر رہی ہو؟... مجھے بھی تو بتاؤ، میں کیا کروں؟''

میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ نیم بیداری تھی یا غنودگی... مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں کسی خوبصورت وادی میں کھڑا ہوں۔ میرے سامنے نیم دائرہ بنائے بہت سی لڑکیاں کھڑی ہیں۔ سب کے ہاتھوں میں پھولوں کی مالائیں ہیں۔ سب مسکرا رہی ہیں۔ ان کے وسط میں گلنازی کھڑی ہے اس کے ہاتھ میں مالا نہیں ہے۔ وہ بہت اداس سی لگ رہی ہے... میں نے گھبرا کر آنکھیں کھول لیں۔

Scanned with CamScanner

غنودگی سے آنکھیں بوجھل تھیں۔ ستارے دھندلاتے ہوئے نظر آئے۔ آنکھیں پھر بند ہوگئیں۔ قدم لڑکیاں نیم دائرہ بنائے، ایک ایک قدم آگے بڑھیں۔ گلنازی جہاں کھڑی تھی وہیں کھڑی رہی۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے لڑکیوں کو روکا۔

''ٹھہرو... میں اتنی مالاؤں کا بوجھ نہیں سہار سکوں گا... اور اگر تمھیں اختیار ہے کہ اپنی پسند کا انتخاب کرو تو یہ اختیار میرا بھی ہے۔'' مجھے یوں محسوس ہوا جیسے یک مالا میرے ہاتھ میں بھی ہے۔'' مجھے بھی یہ اختیار دو کہ تم میں سے میں جسے چاہتا ہوں اس کے گلے میں مالا پہنا دوں۔''

لڑکیوں نے ہاتھ نیچے کر لیے۔ مجھے اختیار دیا کہ میں اپنی پسند کا اظہار کر سکوں۔ میں سیدھا گلنازی کی سمت گیا۔ میں نے گلنازی کے گلے میں مالا پہنانے کے لیے ہاتھ اٹھائے تو گلنازی نے میرے ہاتھوں کو روک دیا۔

''نہیں...'' گلنازی نے کہا: ''میں یہ مالا قبول نہیں کر سکتی... میں کسی کی منگیتر ہوں۔''

''لیکن تم اسے نہیں چاہتیں...'' میں نے کہا: ''تمھیں تو مجھ سے محبت ہے۔''

''ہاں ہے!'' گلنازی نے کہا: ''لیکن اگر تم نے یہ مالا میرے گلے میں پہنا دی تو یہاں سے کوسوں دور، ایک چھوٹے سے گاؤں میں، میں جن لوگوں میں رہ رہی ہوں... وہ مجھے اور تمھیں... ہم دونوں کا وجود اس زمین پر نہیں رہنے دیں گے... ختم کر دیں گے۔''

''میں مرنے سے نہیں ڈرتا۔'' میں نے کہا۔

''لیکن میں ڈرتی ہوں... اپنے لیے نہیں، تمھارے لیے۔ اور کیا تم میرے لیے اپنی خواہش کو موت کے حوالے نہیں کر سکتے؟ یہ تمھارے ہاتھوں میں مالا نہیں، بالوں کا گچھا ہے۔''

''گلنازی...'' میری پلکیں بھیگ سی گئیں اور مالا میرے ہاتھ سے چھوٹ کر گلنازی کے قدموں میں گر گئی۔ سب کچھ معدوم ہو گیا۔

46

صبح جب میں بیدار ہوا، میری آنکھوں میں نمی تھی۔

میرے دل پر تاریک مایوسی نے گھیرا تنگ کر رکھا تھا۔ صبح کی بہت مدھم روشنی، دور سے آتی

Scanned with CamScanner

ہوئی موسیقار چڑیا کی آواز، آسمان پر سیاہی مائل نیلی روشنی، سفید بادلوں کے ملگجی ٹکڑے، ہوا میں خنک سی مہک، چھت، منڈیر، سیڑھیاں۔ سب کچھ بے حقیقت معلوم ہوا۔

میں بے دلی سے اٹھا۔ سیڑھیوں سے اترتے ہوئے میں اس سیڑھی پر ٹھہر گیا جہاں گلنازی نے مجھے زندگی کے اس غیر معمولی احساس سے آگاہی دی تھی جس سے میں نا آشنا تھا۔ طبیعت کچھ اور بوجھل سی ہوگئی۔ میں نیچے صحن میں اترا۔ ہینڈ پمپ کی طرف گیا۔ ٹائیگر بیرونی دیوار کی سمت سے بھاگتا سا آیا اور ہمیشہ کی طرح اگلے پیر میرے پیٹ پر رکھ کر مجھ سے لپٹ سا گیا۔

"مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے جسم کا ہر عضو بوجھ سا بن گیا ہے۔

کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

گداؤ بیرونی دروازہ کھول کر اندر آیا۔

"تانگہ آ گیا ہے صاب" گداؤ برآمدے میں گیا۔ سامان برآمدے ہی میں تھا۔۔۔ سامان کیا تھا، تین بیگ تھے۔ میں باہر نکلا۔ بشیر لعل بند تانگے کے پاس کھڑا تھا۔

"بس چار دن دی یاری سی ؟" (بس چار دن کی یاری تھی؟) اس نے مشرقی پنجاب کی زبان اور مخصوص لہجے میں کہا۔

"چھٹیاں ختم ہوگئی ہیں بشیر" میں نے کہا۔ "جانا ہی پڑے گا، سکول کا معاملہ ہے"

"ہاں پائی، ایسے مسائل تو زندگی کے ساتھ رہتے ہی ہیں" بشیر نے کہا۔ "دوبارہ کب آؤ گے؟"

"اگر بھائی کی ٹرانسفر نہ ہوئی تو دسمبر میں آؤں گا" میں نے کہا۔

"او پائی، او نے نہیں ہوتی ٹرنس پھر۔۔۔" بشیر نے تانگے کی طرف دیکھا۔ "میری چیز یاد ہے نا؟"

"ریڈیو۔۔۔" میں نے کہا۔ "پتا کروں گا۔"

بشیر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"بس ایک بار او تری واسیلوں والا ریڈیو مل جائے۔۔" بشیر نے کہا۔ "زندگی سوکھی (آسان) ہو جائے گی۔"

میری طبیعت اس قدر بوجھل ہو چکی تھی کہ مجھے کسی سے بات کرنا بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''اچھا بشیر، میں چلوں۔'' میں نے گھر کے بیرونی دروازے کی سمت دیکھا۔ میں اندر جا کر ایک بار پھر بیگ چیک کرنا چاہتا تھا کہ کوئی چیز رہ تو نہیں گئی۔ رقیہ ناشتہ بھی بنا چکی تھی۔

''ایداں کِداں جان دواں ۔ ۔'' (ایسے کیسے جانے دوں) بشیر نے کہا۔ ''ایک منٹ ٹھہر۔''

وہ تیزی سے دکان کے اندر گیا۔ ایک منٹ سے بھی کم عرصے میں واپس آیا۔ اس کے ہاتھ میں شیشے کا چھوٹا سا گلاس تھا جس میں سے بھاپ اٹھنے کا معمولی سا تاثر بھی تھا۔ بشیر چائے لایا تھا۔

چائے پی کر میں گھر میں گیا۔ بھابی، بہنیں اور رقیہ صحن میں موجود تھیں۔ صحن میں روشنی کم تھی۔ ہوا میں خنکی اور نمی کا احساس موجود تھا۔ میں سیدھا ٹائیگر کی طرف گیا۔ گداؤ اسے باندھ چکا تھا۔ ٹائیگر کو بھی شاید اس بات کی خبر ہو چکی تھی کہ ہم جا رہے ہیں۔ وہ آہستہ سے بھونکا۔ ۔ ۔ میں نے اسے سہلایا، تھپتھپایا۔ وہ دو تین بار آہستہ سے بھونکا جیسے پوچھ رہا ہو: کہاں چلے ہو؟ برآمدے میں بیٹھ کر ہم نے جلدی جلدی ناشتہ کیا۔

رقیہ نے بڑے روایتی انداز میں بہنوں کو رخصت کیا۔ گلے لگا کے، آنسو بہا کے۔ ۔ ۔ مجھے دیکھ کر اس نے آنکھیں جھکا لیں۔ میں نے خود ہی ہمت کی، اس کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔

''جب تک بوبا پانچ سال کا نہیں ہو جاتا، اسے باہر نہ جانے دینا۔'' میں نے برآمدے میں سوئے ہوئے بوبے کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ بات چھپی رہنی چاہیے۔ ۔ ۔ خاموشی میں ہی بھلائی ہے۔ اور یہی خاموشی پیر نور شریف کو بے بس کر دے گی، وہ کچھ نہیں کر سکے گا۔''

میں ایک ہی سانس میں سارے جملے کہہ گیا۔ رقیہ نے پھر بھی میری طرف نہ دیکھا۔ میں پلٹا۔

''جی۔ ۔ ۔'' میرے پیچھے رقیہ کی دھیمی سی آواز ابھری۔

''سامان رکھ دیا ہے۔'' گداؤ نے کہا۔ ''تانگہ تیار ہے۔ جلدی چلیں، شاہ پور سے بس وقت پر ہی نکلتی ہے۔''

بھابی نے ہمیں رخصت کیا۔ بھائی اور گداؤ ہمارے ساتھ تانگے پر بیٹھ گئے۔ لاری اڈے سے آگے ہمیں خود ہی جانا تھا۔

گداؤ نے تانگے والے کو تاکید کی کہ ہم جب تک چکوال والی بس پر نہ بیٹھ جائیں، وہ شاہ پور کے اڈے پر ہمارے ساتھ ہی رہے۔

Scanned with CamScanner

تانگہ تنور کے پاس پہنچا۔ ماسی کے گھر پر تالا لگا ہوا تھا۔

میں تو صبح ہی سے مایوس تھا، اداس تھا... تالا دیکھ کر یوں لگا جیسے میری آنکھوں میں پلکوں کو کسی نے آہنی چھید دار دھاگے سے سی دیا ہے۔ تانگہ لاری اڈے پر پہنچا تو یکایک میری آنکھوں کے سلاسل ٹوٹ گئے۔ لاری اڈے پر ماسی جیراں اور گلنازی موجود تھیں۔ قریب ہی میر صاحب بھی کھڑے تھے۔

بی بی، گداؤ، بہنیں اور میں تانگے سے اترے۔ میں نے کنکھیوں سے گلنازی کی سمت دیکھا۔ کوئی اور جگہ ہوتی تو شاید ہم دونوں کھلکھلا کر ہنس دیتے، کیونکہ وہ بھی مجھے کنکھیوں ہی سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر اداس سی مسکراہٹ تھی۔ یہی مسکراہٹ اس کی آنکھوں میں بھی تھی۔ عصمت ماسی جیراں اور گلنازی کی طرف اور میں میر صاحب کی سمت بڑھا۔

"سر، آپ؟" میں نے کہا۔

"ہم نے سوچا، چلیں صبح کی سیر کرنے کا موقع مل گیا ہے، سیر ہی سہی..." میر صاحب نے کہا: "آپ کو رخصت بھی تو کرنا تھا۔ اب ہم شاہ پور تک تو جا نہ پائیں گے۔"

"سر، آپ کا یہاں آنا ہی ہمارے لیے بہت خوشی کا باعث ہے۔" میں نے پھر کنکھیوں سے گلنازی کو دیکھا۔ وہ عصمت سے باتیں کر رہی تھی۔ میر صاحب عصمت بہن کی طرف بڑھے، سر پر ہاتھ پھیرا، پھر باجی زیبا کے سر پر ہاتھ پھیرا، پھر بھائی کی سمت مڑے۔

ماسی جیراں نے بھی بہنوں کے سروں پر باری باری ہاتھ پھیرا۔ مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے سر ہلایا جیسے شاباشی دے رہی ہو۔

گلنازی آگے بڑھی اور عصمت سے لپٹ گئی۔

"ایک ہی دکھ ہے مجھے..." گلنازی نے اپنی خوبصورت آواز میں کہا۔ "آپ جیسی سہیلی ملی اور اتنے تھوڑے دنوں کے لیے۔"

"سہیلی بہ رہی ہو تو..." عصمت نے کہا۔ "تو پھر کم یا زیادہ دنوں کی کیا بات ہے؟ ہم تو اب زندگی بھر سہیلیاں ہی رہیں گی۔ پاس رہیں یا دور رہیں، ایک دوسرے کو یاد تو کرتی رہیں گی۔"

گلنازی کے چہرے پر اداسی گہری سی ہو گئی۔

''آپ پھر آئیں گی نا چھوٹی بی بی؟'' گلنازی نے کہا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے انکھیوں سے میری طرف دیکھا۔

''اگر بھائی جان اسی ہسپتال میں ہوئے تو سردیوں کی چھٹیوں میں ضرور آؤں گی،'' عصمت نے کہا۔ باجی زیبا تانگے میں بیٹھ چکی تھیں۔ نہ انھوں نے گلنازی کی طرف دیکھا، نہ گلنازی نے انھیں کوئی اہمیت دی۔

اچانک ہی گلنازی بڑی دلیری سے میرے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے چہرے پہ معصوم سی مسکراہٹ تھی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے مایوسی نے میری ساری کیفیات کو نگل لیا ہے۔۔۔ میرے سب احساسات مٹ گئے ہیں۔۔۔ مجھ پر بے حسی سی طاری ہے جس کا تاثر میری خالی خالی آنکھوں میں یقیناً ہوگا۔۔۔ مجھے پھر، پتا بھی نہ چلا، میرا بایاں ہاتھ میرے بائیں رخسار پر جا ٹھہرا۔

اس کے ساتھ ہی گلنازی کا گلابی چہرہ سرخ سا ہو گیا۔ اس کے ہونٹ ذرا سے کانپے، پھر اس پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

''ناگ سے لڑنا سیکھ لے۔۔۔'' گلنازی نے سر کو ایک سمت دلکش سی جنبش دیتے ہوئے کہا، ''پھر نہیں روکوں گی۔''

مائی خیراں اور گداؤ نے ہنسنا شروع کر دیا۔ میر صاحب کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ تھی۔ نہ جانے کیا ہوا، میرے سارے بدن میں ایک لہر سی دوڑی۔۔۔ یوں لگا جیسے مسکراہٹ میرے پورے بدن پر پھیل گئی ہے۔ میری اس کیفیت کو میری آنکھوں میں دیکھ کر گلنازی کی آنکھیں پھر خمار آلود ہو گئیں۔ مجھے بھی اپنی آنکھوں میں گلنازی کی خمار آلودگی کے لیے آئینے سے محسوس ہوئے۔ پھر گلنازی کی آنکھوں کی خمار آلودگی پر کہرا سا نمودار ہوا اور اس کی پلکوں پر شبنم سی نظر آئی۔ میرا دل چاہا کہ دونوں ہاتھوں سے گلنازی کا چہرہ پکڑ کر اس کی پلکوں سے شبنم کو، اس کے گلِ نودمیدہ کی طرح رخساروں پر نہ اترنے دوں۔۔۔ کیا کرتا۔۔۔ مجھے خود اپنی پلکیں تھرتھراتی محسوس ہو رہی تھیں۔

''چلیں صاب!'' گداؤ کی آواز پر میں اور گلنازی دونوں چونکے۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ میں نے میر صاحب سے ہاتھ ملایا۔ انھوں نے مجھے کندھوں سے کھینچ کر گلے سے لگایا۔ گداؤ بھی مجھ سے گلے ملا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں کسی خواب آلود کیفیت میں ہوں۔ میری نظریں گلنازی سے ہٹ

Scanned with CamScanner

نہیں رہی تھیں۔ وہ بھی مسلسل مجھے دیکھ رہی تھی۔ بچھڑنے کا غم مجھے اور گلنازی کو بری طرح اپنا احساس دلا رہا تھا۔ گلداؤ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے تانگے پر بٹھایا۔ بہنیں پچھلی نشست پر تھیں، میں اور کوچوان اگلی نشست پر تھے۔ میں نے نشست پر تقریباً مڑ کر پیچھے دیکھا۔

گلنازی مسلسل مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر غم کا گہرا سایہ سا تھا۔ ماسی جیراں نے اس کا ایک ہاتھ پکڑا ہوا تھا اور اسے پیچھے کی سمت کھینچ رہی تھی۔ گلنازی کی نگاہیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ اب اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی نہ چمک...

ماسی اسے بار بار پیچھے کھینچ رہی تھی۔ گلنازی کا بازو پیچھے کی طرف کھنچا ہوا تھا اور کندھا نیچے کو جھکا ہوا تھا، لیکن وہ پاؤں جمائے کھڑی تھی۔ وہ مجھے اور میں اسے دیکھے جا رہا تھا۔ لمحہ لمحہ ہم دور ہو رہے تھے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں گھوڑے سے، تانگے سے، چرچراتے پہیوں سے، گھوڑے کی ٹاپوں سے، کوچوان سے، بہنوں سے قریب ہو کر بھی ان کے قریب نہیں ہوں... میں کہیں اور ہوں، جہاں مجھے دور جاتی ہوئی گلنازی کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ پھر ایک موڑ پر سب منظر نگاہوں سے چھپ گئے۔

گلنازی اب صرف میرے تصور میں تھی...

گھوڑے کے آہنی نعل تارکول کی چھوٹی سی سڑک پر ٹھبر ٹھبر کر رہے تھے۔ سورج کی کرنیں درختوں کی اونچی شاخوں پر روشنی سی بکھیر رہی تھیں۔ ہوا میں خنکی تھی۔ تانگے کی رفتار سے جو جھونکے چہروں سے ٹکرا رہے تھے، ان میں درختوں اور کھیتوں میں کھڑی فصلوں کی خوشبو بھی رچی ہوئی تھی۔ سورج نکلنے سے پہلے درختوں پر شور مچانے والے پرندے اب دانے دنکے کی تلاش میں شاخوں سے اڑ چکے تھے۔ کسی کسی درخت پر کوّے بیٹھے نظر آ جاتے تھے۔ پھر ایک درخت کی بلند نازک سی شاخ پر ایک گلہری اپنے اگلے پنجے اٹھائے چڑ چڑ کرتی نظر آئی۔ میرا دل پھر چاہا کہ پیچھے مڑ کر دیکھوں... گلنازی پیچھے رہ گئی تھی... میرے سینے میں ٹیس سی پیدا ہوئی۔ سب واقعات یاد آ رہے تھے۔ مجھے اپنی بے حسی یاد آئی... ایک بار پھر مجھے اپنے احساسات اور جذبات مرتے محسوس ہوئے۔ بے حسی چٹان کی طرح میرے دل پر پھیل گئی...

میں نے کیا کیا؟ کیوں کیا؟ کیا گلنازی جیسی نازک اور انتہائی خوبصورت لڑکی کے ساتھ

Scanned with CamScanner

مجھے وہ سب کچھ کرنا چاہیے تھا جو میں نے کیا تھا؟'' بے حسی کی چٹان میں دراڑ سی محسوس ہوئی۔ ''وہ مجھ سے محبت کرتی ہے، مجھے چاہتی ہے... میں اس کا انکار کروں... سچائی چھپا نہیں سکوں گا میں خود سے تو نہیں... گلنازی مجھے اپنے وجود کے خالی حصے میں گھر کرتی محسوس ہوتی ہے...'' بے حسی کی چٹان سرکنے لگی، پھر جیسے تڑخ گئی۔ بھاری پتھروں کے ساتھ کئی چھوٹے سنگریزے مجھے اپنے وجود پر گرتے محسوس ہوئے۔ ندامت کے بھاری پتھر... تمناؤں کے سنگریزے...'' یہ میں نے کیا کیا؟'' مجھے سینے میں چبھن کا احساس ہوا۔ ''یہ میں نے کیوں کیا؟ میں نے گلنازی کی محبت کا کتنی سنگدلی سے انکار کیا۔ ایک بار بھی زبان سے یہ نہ کہہ پایا کہ گلنازی، مجھے اگر زندگی میں تمہارا ساتھ مل جائے تو میری زندگی کا ایک ایک دن صدیوں پر محیط ہو جائے گا... میں یہ بھی نہ کہہ سکا... میں نے بار بار اس کا دل دکھایا ہے... میں بہت برا ہوں، بہت ہی برا!''

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں دوڑ رہا ہوں گاؤں کے کھیتوں کی سمت، لیکن شروع ہو چکا جہاں خریف کی فصلیں اپنے شباب کے نقطہ عروج پر پہنچ کر زوال پذیر ہو رہی تھیں۔ سڑک کے کنارے ایک دیہاتی عورت بھیڑ بکریاں لیے سڑک کے کنارے کنارے چلی جا رہی تھی۔ اس نے چھینٹ کا کرتا اور کالا لاچا پہن رکھا تھا۔ اس نے لاچے میں دائیں جانب کمر کے قریب گرہ دے کر کمر کا پلا اُڑس رکھا تھا۔ وہ ترچھی سی ہو کر، ہاتھ میں پتلی سی چھڑی پکڑے، بڑے باوقار انداز میں چلی جا رہی تھی۔ تانگہ اس کے قریب سے گزرا۔ مجھ میں اتنی ہمت بھی نہ تھی کہ اس کی بھیڑ بکریوں کی سمت ہی دیکھتا۔ پھر اچانک ہی مجھے سڑک کی دونوں جانب مالٹوں، سنگتروں اور شہتوتوں کے درخت نظر آنے لگے جو آتے ہوئے اندھیرے کی وجہ سے نظروں سے روپوش رہے تھے۔

''میں ڈرپوک ہوں...'' میں نے سوچا۔ ''اپنے اظہار کے معاملے میں بہت ہی ڈرپوک... گلنازی کے سامنے کھڑے ہو کر اظہار محبت کرنے کی مجھ میں ہمت ہی نہ تھی، اور یہ بہانہ تراشتا رہا کہ ایسا ہونا ممکن نہیں... کہاں وہ، کہاں میں، چار دن کی دوستی سے عمر بھر کا روگ لگا لینا کہاں کی عقلمندی ہے... وہ کسی کی منگیتر ہے، کسی کی امانت ہے... اس کا منگیتر اس کے خواب دیکھتا ہوگا۔ میں... کیا میں اتنا گرا ہوا ہوں کہ کسی انسان سے اس کے خواب بھی چھین لوں؟... یہ سب بہانے ہی تو تھے اظہار محبت کے لیے ہمت نہ ہونے کے بہانے!''

مجھے افسوس سا ہوا کہ میں گلنازی سے تنہائی میں کیوں نہیں ملا۔ مجھے اس سے بہت سی باتیں کرنا چاہیے تھیں۔ کاش میں اس سے کہیں بھی، کھیتوں میں، نہر کے کنارے... کہیں بھی اکیلے میں مل لیتا۔ میں اس سے کہتا، گلنازی، میں..."

یک خیال کے آتے ہی میں ٹھٹک گیا۔ یوں لگا جیسے میرے خیالات کو بگھیں، کوچوان، گھوڑا، درخت، پرندے، کھیت، فصلیں، سب سن رہے ہیں... مجھے حقارت سے دیکھ رہے ہیں...

"میں کس قدر خود غرض ہو گیا ہوں..." میں نے سوچا "یہ خیالات تو خود غرضی ہی کسی انسان کے دل و دماغ میں پیدا کر سکتی ہے۔" میں نے حالات و واقعات کی تلخی کو شدت سے محسوس کیا۔ "گلنازی ماسی جیراں کے بھائی کی مانگی ہوئی ہے۔ وہ ماسی جیراں کے بھتیجے محمد اکبر خان کی منگیتر ہے۔ میرے جھوریاں جانے سے پہلے اس نے ضرور اپنے منگیتر ہی کے متعلق سوچا ہوگا۔ مگر وہ مجھے چاہنے لگی ہے تو اس سے حقائق تو نہیں تبدیل ہو جائیں گے... یہ کوئی قدیم آریائی دور تو ہے نہیں کہ وہ ورمالا میرے گلے میں ڈال دے گی تو سب اس کے فیصلے کو بخوشی تسلیم کر لیں گے... یہاں تو اغراض کا شدید تصادم ہوگا جس کے نتیجے میں میرے ساتھ گلنازی کو بھی ختم کر دیا جائے گا۔" مجھے کندھوں پر کپکپاہٹ محسوس ہوئی۔ "نہیں... نہیں... گلنازی کو کچھ نہیں ہونا چاہیے... میں نے جو کیا ہے وہی درست ہے۔ میرا فیصلہ درست ہے، کیونکہ اسی میں گلنازی کی سلامتی ہے اور اس کے رشتہ کی خاطر اس کا سکون ہی... نہیں، میں ڈرپوک نہیں ہوں... کوئی ڈرپوک تو ایسا فیصلہ کر ہی نہیں سکتا وہ تو اپنی جبلتوں کا اسیر ہوتا ہے... جبلتیں اس پر حکمرانی کرتی ہیں اور وہ سہمے ہوئے شخص کی طرح قوت شر کا ہر تقاضا پورا کرتا ہے... کمزور شخصیت اور کمزور دل والا شخص تو ایسا فیصلہ کر ہی نہیں سکتا جو میں نے کیا ہے... مجھے گلنازی سے دور رہنا ہی اس کی سلامتی اور بھلائی محسوس ہوا، سو میں دور رہا... میں ڈرپوک نہیں ہوں..."

گھوڑے کی رفتار قدرے سست تھی، اسے شاید کوچوان نے بھی محسوس کر لیا تھا۔

"چل رے چل... چل رے... ٹک ٹک ہا آ..." کوچوان نے گھوڑے کے بدن پر چابک گھمائی اور گھوڑے کی رفتار میں تیزی سی آ گئی۔

جیسے جیسے تانگہ [illegible] کی طرف بڑھ رہا تھا، مجھے اپنا دل ڈوبتا محسوس ہونے لگا۔ ہر سمت اداسی

Scanned with CamScanner

سی پھیل گئی۔۔۔ ہر شے پر اداسی محیط تھی۔ افق تا افق پھیلی اس اداسی میں مجھے اپنا وجود بہت تنہا محسوس ہوا۔ تنہائی کا وسیع احساس مجھے خود سے جدا کر رہا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ میں اپنے بدن میں نہیں ہوں، کہیں اور ہوں، کسی ایسی جگہ پر جہاں خود میرا وجود افق تا افق ایک گہری اداسی کی طرح پھیلا ہوا ہے۔ مجھے ہر سمت سناٹا سا محسوس ہو رہا تھا۔۔۔ پھر سناٹے میں بہت ہی دھیمی سرگوشی جیسی بہت ہی خوبصورت آواز سنائی دی۔

"شہجھذ دی۔۔۔"

سناٹے میں سنسناہٹ سی نمودار ہوئی۔ مجھے اپنا وجود، افق تا افق پھیلا ہوا وجود، سمٹتا محسوس ہوا میرے ساتھ اداسی بھی سمٹی اور مجھے ایک بار پھر گھوڑے کے سموں کی ٹکر ٹکر سنائی دینے لگی۔۔۔ پھر مجھے اپنے پورے بدن میں گدگدا سا احساس ہوا۔۔۔ میرے ہونٹوں پر یقیناً مسکراہٹ پھیل گئی ہوگی۔۔۔ تنہائی کا طویل و عریض احساس مسکراہٹ میں سمٹتا محسوس ہوا۔

"چاچڑاں آ گیا ہے۔" کوچوان نے کہا۔ "بس آگے شاہ پور ہے۔"

"کیا؟" میں نے کہا۔ "کوٹ احمد خان، کوٹ بھائی خان گزر گئے ہیں؟"

"کب کے صاب!" کوچوان نے سرگودھا کی بولی اور لہجے میں کہا۔ "کیا سو گئے تھے؟"

"نہیں!" میں نے کہا۔ "پتا ہی نہیں چلا۔" میں نے درختوں کے تنوں کے درمیان سے نظر آتے ہوئے، پیچھے کی سمت بھاگتے کھیتوں کو دیکھنا شروع کر دیا جن کی مہک بھی پیچھے کی سمت اڑتی جا رہی تھی۔

"گلنازی کیا کر رہی ہوگی؟" میں نے سوچا۔ "شاید سو گئی ہوگی۔۔۔ نہیں۔۔۔ گاؤں کی لڑکیاں صبح اٹھ کر پھر نہیں سویا کرتی ہیں۔۔۔ وہ جاگ رہی ہوگی۔۔۔ بہت اداس ہوگی۔۔۔ شاید روتی بھی ہوگی۔۔۔"

مجھے اپنی آنکھوں میں نمی کا احساس ہوا۔ درختوں کے تنوں کے درمیان ابھرنے والے کھیتوں کے مناظر دھندلے سے محسوس ہوئے۔

"اب کیا کروں؟" میرے دل پر پھر گہری اداسی اتری۔ "کہاں جاؤں؟۔۔۔ واپس بھی نہیں جا سکتا کہ جا کے گلنازی کے آنسو پونچھ سکوں۔۔۔ اب کیا کروں؟۔۔۔ کیا کروں میں؟"

47

شاہ پور میں ہمیں کچھ دیر بس کا انتظار کرنا پڑا۔

بہنیں اور میں — ہم تانگے میں بیٹھے رہے۔ بہن عصمت نے میری اداسی کو محسوس کر لیا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھا، مسکرائی۔

"سردیوں کی چھٹیوں میں پھر آئیں گے۔" عصمت نے کہا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں زبردستی مسکرایا ہوں۔

سرگودھا سے چکوال جانے والی بس پر زیادہ سواریاں خوشاب کی تھیں۔ شاہ پور میں اتر گئیں۔ بس میں بہت کم سواریاں رہ گئیں۔ نشستیں خالی پڑی تھیں۔ ڈرائیور کے پیچھے والی سیٹ پر عصمت اور بہن زیبا بیٹھ گئیں میں ان کے پیچھے والی سیٹ پر کھڑکی کے پاس بیٹھ گیا۔ بس کے سفر میں مجھے کھڑکی والی سیٹ پر بیٹھنا بہت اچھا لگتا ہے۔ باہر کے منظر وقت کا احساس ہی نہیں رہنے دیتے۔

بس چلی، پھر وہی سڑک کے کنارے شیشم کے لمبے لمبے درخت، درختوں کے پیچھے کھیت، کھیتوں میں کام کرتے ہوئے دیہاتی، ان کی عورتیں... پھر وہی کٹھہ کالرہ کا پہاڑی راستہ... چڑھائی پہ چڑھتے ہوئے بس کی رفتار کم ہو گئی۔ سڑک کی ایک جانب پہاڑ کی سلیٹی دیواریں اور دوسری جانب گہری کھائیاں نظر آ رہی تھیں۔ سڑک کے موڑ، تابیا موڑ، انتہائی خطرناک ہیں لیکن ڈرائیور کو جیسے سڑک کے ہر موڑ، ہر زاویے کا اس قدر گہرا تجربہ تھا کہ وہ کھلی سڑک کی طرح بڑے سکون سے ہر موڑ پر یوں اسٹیرنگ گھماتا تھا جیسے اس کے بازو انسانی نہیں، مشینی ہیں۔ بس ایک ہی رفتار میں موڑ پہ موڑ کاٹتی، چڑھائیاں چڑھتی رہی اور پھر میدانی علاقہ آ گیا۔ یہ میدانی سلسلہ سرگودھا کے میدانی علاقے سے سینکڑوں فٹ بلند ہے اور بہت اجاڑ ہے۔ جہاں کھیت نظر آتے ہیں وہاں خریف کی سرسبز فصلوں کے بجائے چھوٹے پودوں والی فصلیں تھیں جو پک کر تیار ہو چکی تھیں۔ کئی کھیتوں میں مردوں اور عورتوں کے ہاتھوں میں درانتیاں نظر آئیں۔ کھیتوں کے کناروں پر جھاڑیوں کے سلسلے دور تک جاتے محسوس ہو رہے تھے۔ ان ہی جھاڑیوں میں پوہلی بھی نظر آ رہی تھی جس کے پودے پیلے

ہو چکے تھے۔ یہ پوٹلی خزاں اور موسم سرما میں زردی مائل خیالی ہو جاتی ہے اور اگلے برس موسم بہار کے بعد آنے والے آندھیوں کے موسم میں زناٹے دار ہواؤں کے جھونکوں میں اڑتی ہوئی نہ جانے کہاں چلی جاتی ہے۔

پھر وہی قصبے گزرے... جابہ، چینجی، کھچیاں... اور ٹھہرتی چلتی بس تلہ گنگ پہنچ گئی۔

تلہ گنگ میں بس تقریباً بیس پچیس منٹ ٹھہرتی تھی۔ دوپہر ڈھلنے والی تھی۔ چاشت کب دوپہر میں بدلی تھی، مجھے پتا بھی نہ چلا۔ میں اپنے، باجی زیبا اور بہن عصمت کے لیے ہوٹل سے چائے لایا۔ بھابھی نے صبح صبح پراٹھے اور انڈے بنوا کر باجی زیبا کو دے دیے تھے۔ باجی نے مجھے پراٹھے پر آملیٹ رکھ کر دیا۔ پہلی بار احساس ہوا کہ مجھے واقعی بھوک نہیں ہے۔ میں نے چوتھائی پراٹھا کھایا اور باجی کو واپس کر دیا۔

''کیوں... چھوڑ کیوں دیا ہے؟'' باجی زیبا نے کہا۔

''پتا نہیں باجی،'' میں نے کہا۔ ''پیٹ بھرا بھرا سا لگ رہا ہے، بھوک ہی نہیں ہے۔''

مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اداسی اب ایک ایسی بے نام کیفیت میں بدل رہی تھی جسے شاید دنیا کی کسی زبان کے الفاظ بھی بیان نہیں کر سکیں گے... میں خاموش تھا۔ مجھ پر سناٹا سا چھایا ہوا تھا۔ سہ پہر کے احساس میں چمکتی دھوپ اور تمازت کے احساس کی آمیزش تھی کیفیت نام سے بے نیاز تھی۔

بس تلہ گنگ سے چلی۔ قصبے گزرتے رہے۔ برساتی نالوں کے چھوٹے چھوٹے پلوں سے گزر کر جب بس بھکاری کلاں پہنچی تو احساس ہوا کہ بلکسر اب صرف دو میل دور ہے۔ بھائی نے پانچ چھ دن پہلے ہی والد صاحب کو خط لکھ کر بتا دیا تھا کہ ہم کس روز آ رہے ہیں۔ وہ کمپنی کی وین کے ساتھ بلکسر کے اڈے پر موجود تھے۔ ہمیں ایک دو دن بلکسر میں رہ کر والدہ صاحبہ اور بڑی آپا کے ساتھ چکوال چلے جانا تھا۔

48

شام سے کچھ پہلے شام کی لالی کو بادلوں نے ڈھانپ لیا۔ رات سی ہو گئی۔ ہوا میں تیزی تھی۔

Scanned with CamScanner

ہم سب ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ دور افق کی جانب آسمان پر بجلی کے لپکے کو کھڑکی سے دیکھا جا سکتا تھا۔

''تم جب سے آئے ہو،'' امی نے میری طرف دیکھ کر کہا، ''اداس اداس سے ہو۔'' انھوں نے باجی زیبا اور عصمت کی طرف دیکھا۔ ''وہاں سب ٹھیک تو رہا ہے؟''

باجی زیبا نے والد صاحب اور امی کو نوبے کی رکھ کاٹنے اور پھر پیر کے بھیجے ہوئے ملنگوں سے مقابلے کی ساری بات بتا دی۔ امی نے ہاتھ اپنے ہونٹوں پر رکھ لیا۔

''تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آؤ گے؟'' والد صاحب نے درشتی سے کہا۔ ''مجھے لگتا ہے تم کوئی بہت بڑی مصیبت کھڑی کرو گے ہم سب کے لیے...'' انھوں نے غصے سے چائے کی پیالی پرچ میں زور سے رکھی۔ ''جانتے ہو کن لوگوں سے دشمنی مول لے رہے ہو؟ وہ پورے معاشرے پر چھائے ہوئے ہیں۔ انتہائی باعزت ہیں۔ ملک کے سربراہان ان کے گھٹنوں کو ہاتھ لگاتے ہیں، ان کے ہاتھ چومتے ہیں۔ پہلے بھی تم نے یہاں پیر قدرت شاہ کی بے عزتی کر کے اپنی اور ہماری زندگیاں داؤ پر لگائی تھیں، اب وہاں... کیا نام ہے پیر کا...''

''پیر نور شریف۔'' باجی زیبا نے کہا۔

''اب اس سے دشمنی مول لے آئے ہو۔ وہاں تمھارا بھائی ہے، بھابھی ہے، ان کے لیے مصیبت بنا آئے ہو۔'' والد صاحب کا غصہ بڑھ رہا تھا۔ ''میں تمھیں کہاں کہاں بچاؤں گا؟'' ان کی آواز بلند ہو گئی۔ ''کہاں کہاں تمھاری حفاظت کروں گا؟''

''آپ... آپ...'' امی نے تیزی سے کہا۔ ''آپ خود پر قابو رکھیں... آج ہی تو آیا ہے...''

''میں کچھ نہیں جانتا!'' والد صاحب نے انتہائی غصے میں اٹھتے ہوئے کہا، ''بتا رہا ہوں میں تمھیں... میں تمھیں یہ بات ابھی سے بتا دیتا ہوں... یہ نہیں بچے گا... مارا جائے گا... بہت جلد مارا جائے گا۔''

''خیر مانگیں!'' امی تڑپ اٹھیں۔ ''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟''

والد صاحب غصے میں باہر چلے گئے — شاید اپنے کمرے میں۔ پرچ میں پڑی ان کی پیالی

Scanned with CamScanner

میں آدھی چائے باقی تھی۔ امی، باجی زیبا اور عصمت میری سمت دیکھ رہی تھیں۔ پھر عصمت نے باجی زیبا کی طرف دیکھا۔

"کیا ضرورت تھی اباجی کو یہ سب باتیں بتانے کی؟" عصمت نے تیز لہجے میں باجی زیبا سے کہا۔ باجی زیبا کے ہونٹ دو تین بار ہلے جیسے کچھ کہنا چاہتی ہیں، لیکن خاموش رہیں۔ میں اٹھا اور باورچی خانے سے ملحق دروازے سے بنگلے کے پچھواڑے نکل آیا۔ بادل اتنے گہرے تھے کہ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ہوا کے جھونکے اپنی مخصوص آوازوں کے ساتھ شمال سے جنوب کی سمت اڑے جا رہے تھے۔ میں بنگلے کا چکر کاٹ کر سامنے والی پکی سڑک پر آ گیا۔ آسمان پر رہ رہ کر بجلی چمک رہی تھی۔ ہر چمک کے بعد مجھے گرج کا انتظار تھا۔ پکی سڑک پر آ کر میں ٹھہر گیا۔ سامنے وہ کھیت تھے جہاں میں، ورنا اور بچپن میں چنے اکھاڑ لیا کرتے تھے اور پھر بنگلے کے پچھواڑے جا کر، انہیں بھون کر کھایا کرتے تھے۔۔۔ بائیں ہاتھ سو قدم پر پکی سڑک چوراہے میں بدل جاتی ہے۔ دائیں ہاتھ شمال کی جانب سڑک پیر کوثر شاہ کی ڈھوک کے قریب سے گزر کر، ٹلوں کی ایک قطار کی سمت چلی جاتی ہے۔ ڈھوک سے ٹلوں تک جھاڑیوں کا سلسلہ تھا جس میں کمپنی کے ناکارہ پائپ پڑے ہوئے تھے۔ اس سلسلے کو پمپ جھاڑ کہا جاتا تھا۔ ٹلوں سے آگے سڑک کمپنی کے ایک ممبر کنویں کی طرف چلی جاتی تھی۔ جنوب کی سمت کمپنی کا پاور ہاؤس تھا جس کے آگے کمپنی کے دفاتر تھے۔ مغرب کی جانب چھوٹے ملازمین اور کارکنوں کے سب سے وارٹروں کی دس بارہ قطاریں بنی ہوئی تھیں۔ بنگلہ کالونی کا سب سے آباد حصہ تھا۔ ابھی کوارٹروں کے پیچھے ویرانہ غالب تھا۔

میں پکی سڑک پر بڑھتا رہا۔ بجلی کبھی کم کبھی زیادہ چمکتی تھی اور گرج بھی کبھی ایسی اور کبھی تڑک جیسی سنائی دیتی تھی۔

"کس بات کا برا مانوں؟" ابا صاحب کی باتیں میرے ذہن میں چمک اور گرج کا احساس دلا رہی تھیں۔ "اب تو عادی ہو چکا ہوں۔ بچپن سے لے کر اب تک ہر بار مجھے ہی ڈانٹا جاتا ہے۔ گالیاں، بددعائیں، دھمکیاں، کوسنے۔۔۔ اس کے سوا مجھے ملا ہی کیا ہے؟ میں اس میں جھوٹ کو سچ کیسے کہہ لوں، کیسے مان لوں؟ ظلم کو کیسے جائز قرار دوں؟ میری مجبوری کو دیکھ کر، سمجھ کر، پہچان کر، کیسے اس کی سمت انگلی نہ اٹھاؤں؟"

Scanned with CamScanner

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے شمال کی جانب سے آنے والے ہوا کے تیز جھونکے مجھے جنوب کی سمت دھکیل رہے ہیں۔ میرے کپڑے پھڑ پھڑا رہے تھے، بال اڑ رہے تھے، میرے کندھے بار بار آگے کو جھٹکے سے کھا رہے تھے۔

''مر جاؤں گا'' والد صاحب کا جملہ میرے ذہن میں کسی مرغولے کی طرح چکر کاٹ گیا۔

''بہت جلد مر جاؤں گا... پھر کیا ہوا؟... اس دنیا میں جو بھی پیدا ہوتا ہے، ایک نہ ایک دن اسے مرنا ہی ہے۔ اگر میری موت ظلم و جبر کے خلاف بغاوت کے باعث ہوتی ہے تو ہو جائے — میں اپنی یہ بغاوت جاری رکھوں گا۔ میں سیدھے سادے دیہاتیوں کو لوٹنے والے درندوں کے خلاف رہوں گا... ہوس کے ان عفریتوں کے گھناؤنے کاروباری مخالفت اور مذمت کرتا رہوں گا۔ ان کی اصلیت جان کر میں بغاوت کیوں نہ کروں؟ مرید ان کے گھٹنوں کو ہاتھ لگاتے ہیں تو لگائیں، ہاتھ چومتے ہیں تو چومیں — میں اپنی بساط کے مطابق ان کے چہروں سے نقاب کھینچتا رہوں گا اتارتا رہوں گا... یہ اندھی عقیدتوں کو اپنا ذریعہ بنا کر، ہوس کے تانے بانے سے جال بنا کر، انسانیت کو پھانسنے والے قوتِ شر کے نمائندے، یہ خوف اور خود غرضی کے عفریت، جن کی پٹاریوں میں زہر اگلنے والے، پھنکارنے والے ناگ رہتے ہیں، جن کے سیاہ لبادوں میں کالی بلائیں چھپی رہتی ہیں، جنھوں نے انسانی معاشروں کو تاریک دلدلوں میں بدل رکھا ہے، جہاں وہ جونکوں کی طرح اپنے ہم جنسوں کا خون چوستے رہتے ہیں — میں ان کے خلاف بغاوت کیوں نہ کروں؟ مرنا تو ایک روز جانا ہی ہے... تو ان عفریتوں سے لڑ کر کیوں نہ مرا جائے؟''

فلک پر شاید یہ مون سون کے پہلے بادل تھے۔ پہلے ہوا کے تیز جھونکوں میں پھوار سی اڑتی محسوس ہوئی، پھر بڑی بڑی بوندیں گرنا شروع ہو گئیں۔ پھر اچانک ہی ان میں بوچھاڑ سی آئی اور میں چند لمحوں ہی میں بھیگ گیا۔ مجھے جھاوریاں کی پہلی بارش یاد آئی۔ تیز بارش میں جی چاہا کہ لان سے گزر کر برآمدے میں چلا جاؤں لیکن بدن میں تپش سی تھی جو سرمست نم تاریکی میں تیز بوندوں کی بوچھاڑ میں، تیز جھونکوں کے تھپیڑوں میں، دھیمی دھیمی خنکی کے احساس میں بدل رہی تھی۔ میں وہیں سڑک پر ہی بھیگتا رہا۔

یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرا بدن ایک گیلی لکڑی ہے جسے گلنازی نے تنور میں پھینک دیا

ہے... اپنے ہاتھوں سے دہکتے انگاروں پر گرا دیا ہے، اور پھر خود ہی اپنا ہاتھ جلتے ہوئے تنور سے نکال کر اپنے پہلو میں رکھ دیا ہے۔ میرے ایک سرے پر آگ اور دوسرے سرے پر قطرے سے آنسو وار ہو رہے ہیں۔ سینے سے ٹیس اٹھی... تیز بارش میں بھی میری پلکیں میرے آنسوؤں سے بھیگ گئیں۔

"نہ جانے مجھے کب تک سلگنا ہوگا..." میں نے سوچا۔ "اگر گلنازی میرے سامنے محمد اکبر خان کے گلے میں ورمالا ڈال دے تو میں پرسکون ہو جاؤں گا، یقیناً اس طرح گلنازی کے لیے میری محبت خود غرضی سے بلند ہو کر احترام میں بدل جائے گی... لیکن وہاں تو تضاد کی تاریکی منہ کھولے نظر آ رہی ہے مجھے نگلنے کے لیے... یہ تضاد قطرہ قطرہ گر رہا ہے، کسی بچے کے سر پر رکھے گئے بالوں کے گچھے کی طرح... رہٹ کے قطروں کی طرح۔ یکسانیت کی روشنی کے سامنے تضاد کی یہ تاریکی، یہ بڑھتا ہوا سایہ جو مجھ پر، میرے وجود پر محیط ہونا چاہتا ہے، شاید ازل سے موجود ہے... گلنازی حسن و جمال کی مثال ہے۔ بدنمائی اور بدصورتی سانپ کی طرح اس کی سمت بڑھ رہی ہے — معاشرتی بدصورتی، سماجی بدنمائی... اس کے دل میں چاہت ہے، اسے مجھ سے محبت ہے۔ اس کے ہاتھ میں ورمالا ہوتی تو وہ میرے گلے ہی میں ڈالتی لیکن تاریک معاشرتی رویوں کے بندھن، جن میں ادھر میں جکڑا ہوا ہوں، ادھر وہ... تضاد کی کالی بلا دھنی کے موذی کوبرے کی طرح پھن پھیلائے کھڑی ہے..."

بوندوں کی تیز بوچھاڑ شمال سے جنوب کی سمت تھی۔ میں شمال کی جانب چہرہ کرتا تھا تو بوندیں میرے چہرے پر حملہ سا کر کے مارنے لگتی تھیں، آنکھیں بند ہو جاتی تھیں... جنوب کی سمت رخ کرتا تھا تو پشت پر بوندیں چھوٹی چھوٹی کنکریوں کی طرح لگنے لگتی تھیں۔ بوندوں اور ہوا کے شور میں گلنازی کی خوبصورت آواز سنائی دی۔

"ناگ سے لڑنا سیکھ لے... پھر نہیں روکوں گی۔"

میں نے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی آنکھوں پر پھیری۔

"مجھے لڑنا ہوگا..." میں نے سوچا۔ "مجھے اب اس سے لڑنا ہی ہوگا... اب تو مجھے روکنے والی گلنازی بھی نہیں ہے... میرے شعور کی روشنی مجھے اس کا زہر آلود پھن دکھا چکی ہے... مجھے

Scanned with CamScanner

اب اس سے لڑنا ہی ہوگا... گلنازی، میں ہوس کے زہریلے ناگ سے لڑوں گا... اس پھنکارتے ناگ سے لڑوں گا جو اپنے منھ میں روز زہر لیے ہوئے ہے۔ میں اس اژدہا سے لڑوں گا جس نے خوف اور خود غرضی کے زہر سے انسانی شعور ہی کو سلا رکھا ہے... گلنازی، میں تمھارے لیے اپنی ہر خواہش کو موت کے حوالے کر دوں گا... چاہے ہزار بار دل میرے ہاتھوں سے چھوٹ کر تمھارے قدموں میں کیوں نہ جا گرے..."

کسی دکھ کے شدید ترین احساس کے بجائے میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ سی پھیل گئی۔ گلنازی مجھے اپنے بہت قریب محسوس ہوئی۔ بوندوں کی خنکی بدن پر بڑھتی جا رہی تھی۔ زور سے بجلی چمکی۔ نیم تاریکی میں پل بھر کے لیے ہر شے نمایاں ہو کر پھر نظروں سے اوجھل ہوئی۔ دوسرے ہی لمحے گرجتی ہوئی آواز بوندوں اور ہوا کے شور کو چیرتی ہوئی گزر گئی... ایک بار پھر بوندوں کا شور تیز ہواؤں میں مدغم ہونا شروع ہو گیا۔

49

تین دن بعد ہم چکوال چلے گئے۔

وہی معمولات لوٹ آئے۔ سکول، سکول سے واپسی، اور پھر چکوال کی تنگ و تاریک گلیوں سے گزر کر چھپڑ بازار تک جانا، پھر بازار کے سامنے تاروں کی چھوٹی سی سڑک پر دائیں جانب مڑ کر میونسپل لائبریری میں شام تک بیٹھے رہنا... کبھی چکوال سے کلر کہار جانے والی جھون روڈ پر چلتے ہوئے سڑک کے کنارے اونچے شیشم کے درختوں پر پرندوں کے گھونسلے گنتے رہنا۔

تین برس پہلے مجھے ان درختوں پر موجود سب گھونسلوں سے متعلق مکمل معلومات تھیں کہ کون سا پرندہ کس گھونسلے میں رہتا ہے، کتنے گھونسلوں میں انڈے موجود ہیں، کتنوں میں بچے نکل آئے ہیں۔ میں بندر کی طرح ہر درخت پر چڑھ جایا کرتا تھا۔

"اب میری مونچھیں نکل آئی ہیں... کیوں نکل آئی ہیں؟ میں گلنازی کے ساتھ کھل کر کیوں نہیں کھیل سکتا؟"

کبھی کبھی سکول سے واپسی پر راستے میں واقع ایک قبرستان میں پیپل کے گھنے درخت کے

نیچے بیٹھ کر سوچتا رہتا تھا کہ جب انسان مرنے لگتا ہے تو اس کی کیا کیفیت ہوتی ہوگی... جو لوگ کوما میں یا بے ہوشی کی حالت میں مر جاتے ہیں، انھیں تو کچھ پتا ہی نہیں چلتا ہوگا... میں کیسے مروں گا؟ مرتے وقت میرے قلب و ذہن کی کیا کیفیت ہوگی؟

کبھی شام کے وقت کوٹ طرے باز خان کے قریب ہی کھیتوں میں موجود رہٹ پر چلا جاتا تھا۔ جھاوریاں اور چکوال کے رہٹ ایک دوسرے سے بہت ملتے جلتے تھے — دونوں کھیتوں کے درمیان تھے، دونوں پر سرخ اینٹوں کی گول منڈیریں بنی ہوئی تھیں — فرق صرف اتنا تھا کہ جھاوریاں میں ایک اور چکوال میں دو بیل رہٹ چلاتے تھے۔ مسلسل گھومتے رہنے والے ان بیلوں کی آنکھوں پر بڑے بڑے کھوپرے[63] چڑھے رہتے تھے اور وہ اندھے ہو کر چکر کاٹتے رہتے تھے۔ نہ جانے کیا محسوس کرتے ہوں گے۔ رہٹ کے چھوٹے چھوٹے بوکے[64] پانی کھینچ کر آڈ[65] پر گراتے تھے اور آڈ سے پانی ایک چھوٹے سے گہرے حوض میں آبشار بن کر گرا کرتا تھا۔ میں آڈ کی اسی آبشار کے نیچے بیٹھ کر نہایا کرتا تھا۔

کبھی میں رہٹ سے آگے، کھیتوں کے پار، ایک شکستہ مندر میں چلا جایا کرتا تھا۔ جھاوریاں کی طرح، وہاں کی پرانی حویلی کے مندر کی طرح، اس مندر کے آس پاس بھی کھنڈر ہی باقی تھے، لیکن جھاوریاں کی طرح چکوال کے ٹوٹے ہوئے مندر کے پاس کوئی حویلی نہ تھی۔ مندر کے سامنے ایک بڑا سا تالاب تھا۔ اس مستطیل تالاب میں پانی کی جگہ اب جھاڑ جھنکاڑ نظر آتا تھا۔ اس جھاڑ جھنکاڑ میں ایک بڑی سی پتھر کی مورتی کے دو حصے نظر آتے تھے۔ مورتی کا نصف دھڑ ایک سمت اور نصف دھڑ دوسری جانب نظر آتا تھا۔ کئی بار جی چاہا کہ مورتی کو اٹھا کر گھر لے جاؤں لیکن اس کے دونوں حصے اتنے بھاری تھے کہ ایک کو بھی جنبش دینا میری جسمانی طاقت سے ممکن نہیں تھا۔ مندر موجود تھا، گول چبوترے کی سمت جانے والی سیڑھیاں بھی موجود تھیں، لیکن کلس غائب تھا۔ مندر کی اندرونی چھت پر ابابیلوں نے اتنے گھونسلے بنائے ہوئے تھے کہ چھت سے چپکے ہوئے ان سیاہی مائل گھونسلوں کو گننا

63۔ آدھے آدھے ناریل کے کھوکھلے ہوئے حصے۔

64۔ پانی اٹھا کر لانے والے مٹی یا ٹین کے ڈبے۔

65۔ لکڑی یا ٹین کی چوڑی نالی جس میں ڈبے پانی گراتے ہیں۔

مشکل تھا۔ اندرونی فرش پر ابابیلوں کی بیٹوں سے ایک اور فرش بن چکا تھا اور مندر کے اندر اس قدر تعفن تھا کہ سانس لینا بھی دشوار محسوس ہوتا تھا۔

معمولات تو سب پہلے جیسے ہی تھے لیکن نہ جانے مجھے یہ ہوتا جا رہا تھا۔ میں پہلے جیسا شگفتہ طبیعت نہیں رہا تھا۔ عصمت مجھے کئی بار احساس دلا چکی تھی کہ میں بہت سنجیدہ سا ہو گیا ہوں — نہ پہلے کی طرح باتیں کرتا ہوں، نہ ہی ہر وقت گنگناتا ہوں۔ مجھے کیا ہو گیا ہے؟ ایک بات تو میں نے بھی محسوس کی تھی — میری بھوک مرتی جا رہی ہے۔ ہر وقت پیٹ بھرا بھرا سا لگتا تھا، کبھی کبھی پیٹ میں تپش سی محسوس ہوتی تھی۔ منہ میں لعاب دہن کی بے ذائقی کا احساس رہنے لگا تھا جس میں پھیکا پن تھا۔

"بھوک کا احساس شکم میں نہیں، ذہن میں ہوتا ہے۔" میں سوچتا رہتا تھا۔ "مجھے تو منہ اور ذہن کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ بس پھیکا پن ہی محسوس ہوتا رہتا ہے... کیا گلہری کی بھی بھوک مر گئی ہوگی؟"

میری خاموشی کو میرے سکول کے دوستوں نے بھی محسوس کیا۔

"یار، سچ سچ بتا،" ایک دوست نے پوچھا، "تجھے ہو کیا گیا ہے؟"

50

ایک ہفتے بعد بھائی کا خط آیا۔ خط میں سب خیریت سے بعد تحریر تھا کہ سب اندیشے اب ختم ہو گئے ہیں، پیر نور شریف کے بدمعاش ملنگ دوبارہ گاؤں میں نہیں آئے... میرے لیے میرے ابا کا پیغام خط میں موجود تھا کہ میں انگلش لیٹر کو بہتر بناؤں، کاپی پہ لکھوں اور کچھ زبانی یاد کروں۔ گلہری کی کوئی خبر نہ تھی — ہوتی بھی کیسے؟

مجھ پر چھائی ہوئی اداسی روز بروز گہری ہوتی جا رہی تھی۔ سکول میں دوستوں نے بہت پوچھا لیکن میں خاموش رہا... وہ سب میری خاموشی سے پریشان بھی تھے۔

"اوے یار،" ایک دوست نے میرے چہرے کی سمت غور سے دیکھ کر کہا، "کیا ہو گیا ہے تجھے؟ تیرے تو لب ہلنے کو ترس گئے ہیں۔ تیرے گال کدھر گئے؟... ہم ہنسنے کے لیے بے چین ہیں اور تو... لگتا ہے اپنا سب کچھ کسی کو دے آیا ہے۔ کون ہے وہ؟ کہاں رہتی ہے؟"

Scanned with CamScanner

میں پھر بھی خاموش رہا۔ وہ پوچھ پوچھ کر تنگ آ گئے۔ پھر انھوں نے میری سمت توجہ دینا ہی چھوڑ دی۔ میں بہت تنہا ہو گیا۔ اب میں نے میونسپل لائبریری جانا بھی چھوڑ دیا۔ میرا زیادہ تر وقت کلرکہار جانے والی بھون روڈ پر آوارہ گردی کرنے میں، کھیتوں میں رہٹ کی منڈیر پر اور شکستہ مندر کے تالاب میں اترنے والی ٹوٹی ہوئی سیڑھیوں پر گزرنے لگا تھا۔ مندر کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر میں شکستہ مورتی کے دو ٹکڑوں کو دیکھتا رہتا تھا۔

"یہ بھی کسی فنکار سنگ تراش کا شاہکار تھی، جس نے مہینوں اسے تراش کر مورتی کا روپ دیا ہوگا۔ تیشے کی ہر ضرب پر اسے دیوتا کے قرب کا احساس ہوتا ہوگا۔ وہ سوچتا رہتا ہوگا کہ وہ جس کی مورتی بنا رہا ہے، وہ اسی طرح کا نظر آتا ہوگا جس طرح وہ پتھر کو تراش رہا ہے۔ اب مورتی کی صورت سے بھی پتا نہیں چلتا تھا کہ مہا دیوی تھی کہ وشنو کی؛ نہ مورتی کے گلے میں ناگ نظر آتا تھا نہ ہی مورتی کے سر پر مور مکٹ (مور پنکھ والا تاج)۔ توڑنے والوں نے طیش سے تپتے چہروں اور غیظ و غضب سے ابلتی ہوئی سرخ آنکھوں کے ساتھ، بڑے بڑے ہتھوڑوں کی ایک دو ضربوں سے مورتی کے دو ٹکڑے کر دیے تھے۔ شاید مورتی تراشنے والے کے بدن کو بھی دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا گیا ہوگا... ایسا کرنے پر مورتی توڑنے والوں کو کیا اور کس قسم کا سکون ملا ہوگا؟ شاید میں اس حیوانی کیفیت سے کبھی آشنا نہ ہو پاؤں گا جو مورتیوں کو توڑنے، مندروں اور مسجدوں کو گرانے، گرجا گھروں اور گوردواروں کو منہدم کرنے والوں پر طاری ہوتی ہوگی... بائبل، گیتا، قرآن اور گرنتھ کو آگ میں جلانے والوں کے تعصب کی شدت کیسی ہوتی ہوگی؟ کون سے حیوانی جذبوں کو آسودہ کرتی ہوگی؟ لیکن میں یہ کیسے بھول جاؤں کہ یہ سب کچھ انھیں ان کے مذہب ہی سکھاتے ہیں... کوئی لاکھ کہے کہ مذہب یہ نہیں سکھاتا۔ سب عناد کی اساس پر مذاہب ہی تو موجود ہیں۔ حیوانیت کا اظہار کرنے والے مسلمان تھے، عیسائی تھے، ہندو تھے، یہودی تھے یا پارسی تھے، سکھ تھے یا کسی ازم کے ماننے والے، اشتراکی تھے یا کوئی اور۔ انسان ہرگز نہ تھے..."

میری اداسی تاریک سی ہو جاتی تھی اور مجھے مندر اندھیرے میں ڈوبا ہوا نظر آتا تھا۔ "انھوں نے انسانیت کو تاریک گہراؤ کی سمت دھکیل دیا۔ سیاسی مفادات، معاشی مفادات، معاشرتی مفادات ہوس سے تشکیل پانے والے تمام مفادات، انھیں انتہا پسند بناتے رہے اور انھیں سمجھنے یا روکنے والا

Scanned with CamScanner

کوئی نہ تھا۔ اگر کوئی تھا بھی تو اس کی آواز طوفانی رات میں جھینگر کی آواز کی مانند تھی، جسے طوفان کا شور بہت حقیر سمجھتا ہے۔ ان کی یہ شدت پسندی ان کے تاریک مذہبی رویوں کی سکھائی ہوئی ہوگی۔ وہ یہ شدت پسندی بچپن ہی میں حاصل کر لیتے ہیں کیونکہ زندگی کا پہلا درس اسی شدت پسندی پر مشتمل ہوتا ہے، اور وقت کے ساتھ ساتھ ان کے عقائد ان کی شدت پسندی کو بالغ کر دیتے ہیں۔ وہ ہوس کے اسیر ہو جاتے ہیں۔ خوف، خودغرضی اور ہوس اپنے ان تانوں بانوں سے بنے جال میں انھیں مکڑی کی طرح پھانس لیتی ہے... کیوں نہ پھانسے؟ یہ جال تو ان کے نابالغ اذہان پر پھینک دیا جاتا ہے۔"

تالاب کے جھاڑ جھنکاڑ میں، مکڑیوں کے بہت سے جالے نظر آ رہے تھے۔ نئے پرانے، نیالے سفید جالے، جن پر مکڑیاں، اندریوں (جبلتوں) کی طرح حیوانی انداز میں نشیب و فراز دکھاتی ہوئی چلتی رہتی ہیں اور ان کے چلنے سے جالوں میں ارتعاش سا نمایاں رہتا ہے۔ شاید ہمیشہ رہتا ہوگا...

"وہ بچہ جسے بچپن میں ہی یہ بتایا جائے کہ اگر وہ کوئی برا کام کرے گا تو اسے آگ میں جلایا جائے گا اور اگر وہ اچھا کام کرے گا تو اسے دودھ اور شہد والے باغوں میں جگہ ملے گی، تو وہ نہ صرف یہ کہ خوفزدہ ہو جاتا ہے بلکہ اس کے ذہن میں شدید قسم کا لالچ بھی نمودار ہو جاتا ہے — یہی لالچ اسے خودغرضی کی راہ دکھاتا ہے۔ اس کا نابالغ خوف جب بالغ ہو جاتا ہے تو اس پر یہ بات پوری طرح حاوی ہو چکی ہوتی ہے کہ خوف سے بہت کام لیے جا سکتے ہیں۔ یہ احساس اس کی شخصیت میں ظلم و تشدد کے رجحانات پیدا کرتا ہے... اسے یقین ہو جاتا ہے کہ وہ دوسروں کو خوفزدہ کر کے مطلوبہ نتائج حاصل کر سکتا ہے۔ خوف اسے ایک ہتھیار کی طرح محسوس ہونے لگتا ہے جس کے ذریعے وہ اپنے جبلی تقاضوں کو بھی پورا کرنے لگتا ہے۔ اس کے قلب و ذہن میں رحم مر جاتا ہے۔ وہ دوسروں کو دہشت زدہ کر کے ذہنی تسکین کا سامان پیدا کرنے لگتا ہے۔ اگر اتفاق سے حالات و واقعات اسے فطرت خیر سے آشنا کر دیں تو اس کی ساری زندگی اندرونی کشمکش ہی میں گزر جاتی ہے... خوف کو ذریعۂ آسودگی سمجھنے والا شخص جو بچپن ہی سے لالچ کا شکار ہو چکا ہوتا ہے، خودغرضی اس کی شخصیت کا اہم جزو بن جاتی ہے۔ وہ بچپن ہی سے ہر اچھا کام کسی صلے کی خاطر کرتا نظر آ رہا ہوتا ہے۔ یہی اس کی تربیت میں تھا کہ اسے ہر کام ثواب کی خاطر کرنا ہے — ثواب، جس کا مفہوم ہی بدلہ یا اجرت ہے۔ وہ ثواب ہی کو زندگی

Scanned with CamScanner

کا مقصد سمجھنے لگتا ہے، اور پھر یہ مقصد اس کی ذات تک محدود ہو جاتا ہے اور وہ شدید قسم کی خود غرضی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کے ارد گرد خود غرضی کی فصیل کھڑی ہو جاتی ہے اور زندگی بھر اس فصیل سے باہر نہیں نکل پاتا۔ اور وہ قوت شر جس نے اسے مکڑی کی طرح پھانس رکھا ہوتا ہے، دوام حاصل کرنے کی کوشش میں مصروف رہتی ہے۔۔۔ یہ سلسلہ صدیوں سے جاری ہے۔۔۔''

51

میری بھوک مکمل طور پر ختم ہو چکی تھی۔

اب میں کھانا کھاتا تھا تو صرف اس لیے کہ بدن میں توانائی رہے۔ بھوک کے ساتھ کھانا کیا ہوتا ہے، میں بھولتا جا رہا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ میری خوراک دن بدن کم ہوتی جا رہی تھی۔ میرا جسم دبلا ہوتا جا رہا تھا۔ اپنے دبلے پن کا احساس مجھے آئینے کے سامنے ہونا شروع ہو چکا تھا۔ میرے رخساروں کی ہڈیاں نمایاں ہونا شروع ہو چکی تھیں۔۔۔ امی بہت پریشان تھیں۔ انھیں یہ فکر پریشان کر رہی تھی کہ مجھے کوئی بیماری چمٹ گئی ہے؛ میں جگر یا معدے کی کسی بیماری میں مبتلا ہو چکا ہوں۔ وہ ایک ہفتے کے روز مجھے بلکسر لے گئیں۔ وہاں کمپنی کی ایک لیڈی ڈاکٹر رضیہ نے میرا چیک اپ کیا۔ میرا خون نمونے کے لیے نکالا اور کہا کہ بظاہر تو کوئی بیماری نظر نہیں آتی، بہرحال میں خون کا نمونہ راولپنڈی بھجوا دیتی ہوں۔ رپورٹ آنے پر ہی کچھ بتا سکوں گی۔ اگلے ہفتے والد صاحب چکوال آئے اور نھوں نے کہا کہ ڈاکٹر رضیہ کہتی ہیں کہ آپ کے بیٹے کو کوئی بیماری نہیں ہے۔ دراصل یہ عمر بدن کے بڑھنے کی ہے اور اس عمر میں بچے لڑکے کمزور ہو جاتے ہیں، پھر ٹھیک بھی ہو جاتے ہیں۔۔۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔

چکوال میں میرے دن بہت برے انداز میں گزر رہے تھے۔ میں ہر وقت گلنازی کے خیالوں میں گم سم سا رہنے لگا تھا۔ بار بار کتنے ہی اندیشے سر اٹھاتے تھے اور میرے ذہن کو ڈس جاتے تھے۔ گلنازی ٹھیک تو ہوگی؟ وہ کہیں بیمار نہ پڑ گئی ہو۔۔۔ تنور میں لکڑیاں ڈالتے ہوئے کہیں اس کا ہاتھ نہ جل گیا ہو۔۔۔ اسے کوئی چوٹ تو نہیں لگی۔۔۔ اندیشے میرے دل پر تاریک سایوں کی طرح اترتے تھے اور میں بے سکون سا ہو کر، دیوانہ وار سڑکوں پر، کھیتوں میں پھرتا رہتا۔ عصمت مجھے دیکھ دیکھ کر پریشان سی رہنے لگی تھی۔ اکتوبر کے آخری ایام تھے جب بھائی کا وہ خط آیا جس کا میں بے تابی

Scanned with CamScanner

سے انتظار کر رہا تھا۔ عصمت نے خط پڑھنا شروع کیا۔

''ایک بڑی خبر یہ ہے،'' عصمت بولی، ''محبوب (نوب) کی عمر پانچ سال ہوگئی ہے۔''

عصمت کے چہرے پر خوشی کے تاثرات ابھرے۔ ''سب کچھ خیریت سے ہوا، بس ایک مسئلہ گاؤں کے حجام ثیبے نائی نے کھڑا کر دیا تھا۔ وہ اپنا تھیلا اٹھا کر بچے کی لٹ کاٹنے آ گیا تھا۔ گدادو نے کہا کہ قینچی نکال کر جب وہ بچے کی رکھ کٹوانے لگی تب تو وہ بپھر گیا۔ تب اکڑ کر رکھ کھلوانے کا دن آج کا ہے، تم نے تمہیں اس کے پہلے رکھ بھی کھلوادی ہے؟'' گدادو نے کہا کہ تو بوڑھا ہو چکا ہے، پانچ سال پرانی بات تمہیں یاد رہ گئی ہے۔ بچے کی ماں سے زیادہ بچے کی عمر کون جانتا ہے' لیکن وہ اڑ گیا کہ میرا حساب غلط نہیں ہو سکتا۔ رکھ تمہیں دن پہلے اتر گئی ہے۔ گدادو نے مجھے آہستہ سے بتایا کہ قبیلے نائی کو صرف اپنی نیگ[66] کی فکر ہے۔ وہ رکھ کاٹنے کے دس روپے لیتا ہے تو میں نے ثیبے کو دس روپے دے دیے۔ وہ بہت خوش ہوا اور کہنے لگا، بی گدادو، میں بوڑھا ہو گیا ہوں، شاید میرا حساب ہی غلط تھا۔ چلو میں نے نہ سہی، میرے بیٹے کی بھائی مدد نے رکھ اتار دی ہو گی۔ مجھے میری نیگ مل گئی۔ پانچ سال خدمت کی ہے تیری۔ دو دن پہلے ہوں بعد یہ سب کی رکھ چھوڑ رکھی تھی، اتار دی ہوں رکھ کا ایک بال بھی نہیں کاٹا۔ پھر وہ بچے کو اٹھا کر دعا دیتا ہوا چلا گیا۔ رقیہ کی چند رشتے دار خواتین بھی آئی تھیں۔ مبارک کے ساتھ تحائف بھی دے گئی ہیں۔ گاؤں میں کسی کو خبر نہیں ہوئی کہ خدا داد بھائی جیسے پہلے ہی رکھ کاٹ چکا تھا۔ وہ سے پوچھا بھی۔ وہ اس بات پر میں اس کا قائل ہو گیا ہوں کہ یہ لوگ سب کے سب فراڈیے ہیں۔ ہماری توقع کے مطابق پیر نور شاہ جی کی طرف سے کوئی رد عمل سامنے نہیں آیا۔ وہ ڈر کر خود ہی اس واقعے کو دبا دینا چاہتا ہے۔ تمہاری بھابھی میرے پاس بیٹھی ہیں۔ کہہ رہی ہیں کہ میں خط میں ان کی طرف سے بھی پیار لکھ دوں۔ کہہ رہی ہیں کہ عصمت کی سہیلی اور حامد کی ممانی کی گلناری ہر دوسرے تیسرے دن آتی ہے۔ آپ سب کی خیریت پوچھتی ہے اور ہر بار یہی کہتی ہے کہ آپ لوگ کب چھاوریاں آئیں گے۔ نہ جانے اسے کیا ہو گیا ہے۔ بہت دبلی اور کمزور...''

عصمت نے میری طرف دیکھا۔ میں عصمت کی نظروں کا مقابلہ نہ کر پایا اور نیچے دیکھنے لگا۔

بہت دبلی اور کمزور ہو گئی ہے۔ ماسی جیراں کہتی ہے کہ وہ ہر وقت کچھ سوچتی رہتی ہے۔ وقت

66۔ نیگ: خوشی کے موقع پر دیے جانے والے روپے یا تحائف۔

Scanned with CamScanner

پر کھانا نہیں کھاتی۔ آپ لوگوں کی تو دسمبر ہی میں چھٹیاں ہوں گی۔ خالد کیسا ہے؟ اب یہاں موسم تبدیل ہو چکا ہے۔ ہم سب کمروں میں سوتے ہیں، اکثر رات کو کھیس سے بدن ڈھانپنا پڑتا ہے۔ آپ لوگ جب آئیں گے تو یہاں پھر موسم سخت ہو گا۔ بہت سردی ہو گی۔ لیکن سخت گرمی کے مقابلے پر سخت سردی کا موسم زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ رقیہ بہت خوش ہے۔ آپ سب کو سلام کہہ رہی ہے۔

یہ تھا تمھاری بھابھی کا پیغام۔ میں اب خط بند کرتا ہوں۔ دسمبر میں آپ سب ضرور آنا۔

تمھارا بھائی"

عصمت نے میری طرف دیکھا۔ اس کی نگاہیں میرے چہرے پر ابھر آنے والی ہڈیوں پر تھیں۔

''کبھی آئینے میں غور سے اپنی شکل دیکھی ہے؟'' عصمت نے کہا '' لیکن تمھیں آئینہ دیکھنے کا خیال ہی کب آتا ہو گا؟''

میرا جی چاہتا تھا کہ عصمت کے سامنے سچ بول کر کہوں کہ وہ مجھے آئینہ ہی تو دکھ رہی ہے... ہر وقت وہی تو دیکھتا رہتا ہوں...

52

''اب اس میں شک کی گنجائش نہیں ہے کہ عصمت اچھی طرح جان چکی ہے کہ میں اور گلناری اس راہ پر چل نکلے ہیں جس پر دکھ زیادہ اور سکھ بہت کم ہوتے ہیں۔''

یہی سوچتے ہوئے میں گھر سے نکلا، کھیتوں کا رخ کیا۔ مجھے اپنی جسمانی حالت کا اندازہ تھا جو دن بدن ابتر ہوتی جا رہی تھی۔ میں اس زوال پذیری کو روک بھی نہیں سکتا تھا... اب تو چکوال کی گوری، لمبوترے چہروں والی لڑکیاں سکول سے واپس آتے ہوئے ڈھلوان نما سڑک پر مجھے دیکھ لیتی تھیں تو ان کی نگاہوں میں حیرت نمودار ہوتی تھی۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھنے لگتی تھیں۔ ان کے چہرے پر سوالیہ نشانات بن جاتے تھے، وہ ابروؤں کو اوپر کی سمت جنبش دے کر ایک دوسرے سے جیسے پوچھنے لگتی تھیں کہ وہ گلابی رنگ والا، چمکتی مسکراتی آنکھوں والا، ہوا کے دھیمے جھونکے کی طرح چلنے والا لڑکا کہاں گیا؟

Scanned with CamScanner

میں کسی کو کیا بتاتا کہ میں اسے بھاوریاں کے ایک تنور پر چھوڑ آیا ہوں...

میں کھیتوں سے ہوتا ہوا رہٹ پر پہنچ گیا۔ رہٹ پر سرخ اینٹوں کی گول منڈیر اکثر مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا کرتی تھی۔ میں بیٹھ گیا۔ ذہن میں بس ایک ہی سوال تھا کہ جو بیتھ مجھ پر اور گلنازی پر بیت رہی ہے... اس کا انجام کیا ہوگا؟ بیٹھے بیٹھے مجھے پھر اپنے اردگرد اسی دھند کا احساس ہوا جو بھاوریاں میں مجھے گلناز کا چہرہ دکھایا کرتی تھی۔ میں ایک جھٹکے سے اوپر اٹھا۔ میری نگاہوں کے سامنے گلناز کا خوبصورت چہرہ دھند میں چمک رہا تھا۔ آنکھوں میں وہی چنچل مسکراہٹ تھی جسے دیکھ کر میں خود کو بھول جایا کرتا تھا۔

"محبت میں اگر دو پودے ہوں، دونوں قریب قریب اُگے ہوئے ہوں، تو بھی وہ آپس میں مل نہیں پاتے۔ کسی جانور سے بچاؤ اس لئے ... وہ ایک دوسرے پر گر تو سکتے ہیں، مل نہیں سکتے... پھر جب ان کا وقت پورا ہو جاتا ہے تو وہ کٹ جاتے ہیں۔ ان کے خوشوں سے جو دانے نکلتے ہیں، وہ دھیان سے بچھا دیے جاتے ہیں۔ پھر انہیں ڈھیروں کی شکل دے دی جاتی ہے لیکن وہ آپس میں پھر بھی نہیں مل پاتے۔ ہر دانہ الگ الگ رہتا ہے۔ وہ آپس میں تب ملتے ہیں جب ان کو چکی میں پیس دیا جاتا ہے۔ ان کی انفرادی حیثیت ایک دانے کی صورت میں ختم ہو جانے پر وہ آٹے کی صورت میں ایک جیسی حاصل کر لیتے ہیں۔ جو گندھ جاتے ہیں تو پیڑا بن جاتی ہے۔ تنور میں پک جائے تو روٹی بن جاتی ہے۔ تنور میں گر جائے تو جل کر خاک ہو جاتی ہے... یہ بات سمجھ کیوں نہیں لیتے کہ ہم محبت میں اُگے ہوئے دو پودے ہیں... یہ کیوں نہیں جان لیتے کہ ہم دو خوشوں سے نکلے ہوئے دانے ہیں۔ جب تک چکی میں پس نہ جائیں گے، مل نہ پائیں گے۔"

میں نے چاروں طرف دیکھا۔ دھند تھی، نہ گلناز کا خوبصورت چہرہ اور چنچل مسکراتی آنکھیں... میں تنہا سرخ اینٹوں کی منڈیر پر بیٹھا تھا۔ رہٹ پر میرے سوا کوئی اور نہ تھا۔

"مجھے دکھوں کی چکی میں پسنا ہی ہے،" میں نے سوچا۔ "تو مجھے اپنے کچلے جانے کا خوف نہیں ہے لیکن کیا میں ایک بھولی بھالی نازک سی لڑکی کو چکی کے حوالے کر دوں؟ کیا میں اس قدر خود غرض ہو سکتا ہوں کہ اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے اسے چکی کے حوالے کر دوں؟ نہیں، میں اتنا خود غرض ہرگز نہیں ہوں۔ اگر میں نے اسے حاصل کرنے کی کوشش کی تو... میں تو ظلم وتشدد کی چکی میں

پگلا ہی جاؤں گا، گلنازی بھی نہ بچے گی... نہیں، جو فیصلہ میں نے جھاوریاں میں کیا تھا، وہی درست ہے... مجھ سے غلطی ہو چکی ہے... میں نے گلنازی کو یہ بتا دیا ہے کہ میرے دل میں اس کے لیے وہ جذبہ موجود ہے جو بہت انفرادی ہوا کرتا ہے۔ کاش رخصت کے لمحوں میں میں گلنازی کو اپنی چاہت کا یقین نہ دلاتا۔ کاش میرے چہرے پر گلنازی کا چہرہ منعکس نہ ہوتا، کاش میری آنکھیں گلنازی کی آنکھوں کی مانند خمار آلود نہ ہوتیں۔ ایسا نہ ہوتا تو آج بھائی کے خط میں میرے دل میں پیوست ہو جانے والا یہ ناوک اپنی خلش سے مجھے یہ خبر تو نہ دیتا کہ میری گڑیا اپنے گڈے کی طرح بہت دبلی اور کمزور ہو چکی ہے۔"

میری پلکیں نم آلود ہو کر بوجھل سی ہو گئیں... کیا کروں، میں کیا کروں؟ بے بسی کا احساس میرے دل میں پیوست ناوک کے زخم پر تیزاب چھڑک رہا تھا...

وقت کا کچھ پتا ہی نہ چلا۔ پھر رہٹ کے مالک ملیار اور بیلوں کی جوڑی کے آنے پر میں اٹھا اور واپس گھر کی سمت چل دیا... بار بار ایک ہی خیال آ رہا تھا: عصمت سب کچھ جانتی ہے۔

53

نومبر کا آخری ہفتہ آتے آتے میرے تمام کپڑے ڈھیلے ہو چکے تھے۔

آئینے کے سامنے جاتے ہوئے مجھے گھبراہٹ سی ہونے لگی تھی۔ چہرے پر رخساروں کی ہڈیاں نمایاں ہوئی تھیں۔ رخسار قدرے پچکے ہوئے لگتے تھے۔ آنکھیں بھی کچھ اندر کی سمت دھنس گئی تھیں۔ سمجھ ہی میں نہیں آتا تھا کہ میرے جسم کو کیا ہوتا جا رہا ہے... بس میں اتنا ہی جانتا تھا کہ میرے سینے میں تپش سی رہنے لگی تھی۔ مجھے بھوک بالکل نہیں لگتی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے معدہ بھرا بھرا سا ہے اور پیٹ میں بھی تپش کا احساس ہوتا رہتا تھا۔ گلنازی کا خیال رات میرے ساتھ سوتا اور صبح میرے ساتھ بیدار ہونے لگا تھا۔ کبھی کبھی سینے میں ہوک سی اٹھتی تھی تو میں گھر سے بھاگ کر کھیتوں میں چلا جاتا تھا۔ کبھی کلر کہار والی سڑک پر بے مقصد پھرتا رہتا تھا کبھی مندر کی سیڑھیوں پر، شکستہ سیڑھیوں پر، گھنٹوں بیٹھا رہتا تھا۔

نومبر کے آخری ایام میں گلنازی کے لیے میری بے چینی بہت بڑھ گئی۔ میں ساری ساری

Scanned with CamScanner

رات بستر پر کروٹیں لینے لگا تھا — میری نیند بھی ختم ہوتی جا رہی تھی۔ خود کو لاکھ سمجھانے کے باوجود مجھے اپنی بے چینی کی ڈور گلناز ی سے بندھی محسوس ہوتی تھی۔

ایک سہ پہر میں مندر کی شکستہ سیڑھیوں پر بے حد اداس اور مایوس سا ہو کر بیٹھا تھا۔ میرے اندر جبلتوں کی جنگ جاری تھی — شدید ترین جنگ۔ میں اسے جبلتوں اور شعور کی جنگ بھی کہہ سکتا تھا... یہ جبلت فرار اور جبلت حصول کی جنگ تھی، یہ شعور ہوس کی تقاضائے ہوس سے جنگ تھی۔ جو کچھ بھی تھی، میرے سکون کو تاراج کر رہی تھی، میرے قرار کو گریز پا کر رہی تھی... ہزار بار سوچا کہ گلنازی اور میری محبت کا رشتہ سراب اور صحرا کا رشتہ ہے۔ دشت میں سراب تو رہے گا، لیکن اسے کبھی سیراب نہیں کر پائے گا۔ گلنازی اور میں اس چھوٹی سی عمر میں جو چاہتے ہیں وہ لاحاصل کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جب میرا اور گلنازی کا ہمیشہ کا ساتھ ممکن ہی نہیں تو اس طرح اپنا قرار کھو دینا کہاں کی عقلمندی ہے؟

''محبت عقل کے تابع نہیں ہوا کرتی۔'' یہ ایک جملہ میرے سب خیالات کو ان قطروں کی طرح گھاس کی پتیوں پر پالے میں تبدیل کر دیتا تھا جو نومبر کے ان آخری ایام میں صبح سویرے سکول جاتے ہوئے ہر سمت سبزی مائل سفیدی میں بکھرنے لگے تھے۔ میں پھر خود کو سمجھاتا۔

''میں اور گلنازی ہم عمر ہی سہی، ہمیں معاشرہ اور قانون ابھی بالغ قرار نہیں دے گا۔ مجھے ابھی تعلیم مکمل کرنا ہے، کالج جانا ہے، یونیورسٹی میں جانا ہے، پانچ چھ برس لگ جائیں گے۔ گلنازی جو میری طرح پندرہ اور سولہ برس کے درمیان میں ہے، کیا اکیس بائیس برس کی ہونے تک انتظار کر سکے گی؟ کرنا بھی چاہے گی تو کیا ماسی جیراں کے خاندان والے اسے کرنے دیں گے؟''

میں خود کو سمجھاتا رہتا تھا کہ گلنازی کے متعلق سوچنا چھوڑ دوں، لیکن ہر بار میری کوشش رائیگاں جاتی تھی۔

''کیا خبر وہ مجھے بھول چکی ہو۔'' میں نے پھر خود فریبی سے کام لیا۔ ''دیہاتی لڑکی ہے، لاابالی طبیعت ہے... وقتی جذباتی کشش سے میری جانب کھنچ گئی ہوگی، ہیجان انگیز کیفیت میں مجھے چاہنے لگی ہوگی۔ اب میں اس کے سامنے نہیں ہوں تو سب کچھ مدھم پڑ گیا ہوگا۔ اب نہ اس کی کوئی جذباتی کیفیت ہوگی نہ ہیجان ہوگا... میں کیوں احمقوں کی طرح اسی کے متعلق سوچتا رہتا ہوں؟''

اپنے آپ کو سمجھانے کی یہ کوشش بھی خود بخود مٹنے لگی تھی

Scanned with CamScanner

''جھوٹ مت بولو!'' میں خود سے کہتا تھا۔ ''وہ تم سے محبت کرتی ہے، وہ تمھیں کیسے بھول سکتی ہے؟ وہ ہر دوسرے تیسرے دن بھابھی سے ہمارا حال پوچھتی ہے۔۔۔ وہ میرا حال پوچھتی ہے۔۔۔ میرا حال۔۔۔ اسے کون بتائے کہ میں اسی کا آئینہ ہوں۔۔۔'' میں نے ایک تاریک سی مایوسی کو تہہ بہ تہہ دل پر اترتے محسوس کیا۔

''اسے بھی بھوک نہیں لگتی ہو گی۔ میری طرح اس کا معدہ بھی بھرا بھرا رہتا ہو گا، اس کے شکم میں بھی آتش سی ہو گی۔ اس کی چھاتی میں بھی آگ سی بھڑکتی ہو گی، جیسے میرے سینے میں بھڑکتی ہے۔ میں تو بھاگ کر ان کھیتوں میں آ جاتا ہوں، مندر میں آ بیٹھتا ہوں۔۔۔ وہ کہاں جاتی ہو گی؟ تنور کے پاس بیٹھے بیٹھے یہی سوچتی ہو گی کہ تنور کے اندر شعلوں میں تپش زیادہ ہے یا اس کی چھاتی میں۔۔۔''

میں مایوسی کی شدت میں خود کو اس قدر بے بس محسوس کر رہا تھا کہ میری پلکیں بھیگ گئیں۔ پھر مجھ پر غنودگی سی چھا گئی۔ مجھ پر وہی کیفیت طاری ہو گئی جو نہ خواب ہوتی ہے نہ بیداری۔

اچانک مجھے کہیں دور سے سسکیوں کی آواز سنائی دی۔ پھر یہ آواز میرے بہت قریب آ گئی۔ ایک بازو میری گردن کے گرد حائل ہو گیا۔ مجھے اپنی گود میں جسم کا احساس ہوا، میرے سینے سے کسی کا رخسار لگا۔۔۔ مجھے لمس کا بھرپور احساس ہوا۔ دھیمی سی سسکی مجھے اپنے سینے کے قریب سنائی دی۔۔۔ میں نے غنودگی میں آنکھیں کھولیں۔ گلنازی۔۔۔ میں نے چونک کر پوری آنکھیں کھولیں۔۔۔ وہ کہیں بھی تو نہ تھی۔۔۔ میں تنہا تھا۔ جی چاہا کہ پھوٹ پھوٹ کر رو دوں۔ میرے سینے میں پھر چنگاریاں سی اڑیں۔۔۔ یوں لگا جیسے دور، بہت دور گلنازی رو رہی ہے، سسکیاں لے رہی ہے۔۔۔ میں تڑپ اٹھا۔ ٹوٹتے ہوئے مندر کی ہر اینٹ کی مانند مجھے اپنے وجود کے سارے عناصر ٹوٹتے ہوئے محسوس ہوئے۔ اس شکستگی سے میری پلکوں پر آئے ہوئے آنسو میرے رخساروں پر ابھر آنے والی ہڈیوں پر لڑھک گئے اور پھر چپکے ہوئے رخساروں میں اتر گئے۔ میرے ذہن پر بادل سے چھا چکے تھے اور یوں لگتا تھا کہ میرے آنسو باہر کم اور اندر دل کی جانب زیادہ بہہ رہے ہیں۔۔۔ پھر یہ بوندا باندی ختم ہو گئی۔

''میں دیوانہ ہو جاؤں گا۔۔۔'' میں نے سوچا۔ ''میں اپنے ہوش و حواس کھو رہا ہوں۔۔۔ مجھے سنبھل جانا چاہیے۔۔۔ اپنے آپ کو سنبھالنا چاہیے۔ لیکن کروں بھی تو کیا؟ گلنازی نے پہلی بار مجھے میرے وجود کا سچا احساس دلایا ہے۔ بچپن گزر گیا، لڑکپن بھی تقریباً گزر چکا ہے۔۔۔ اب تو میں

نوجوانی کی کیفیتوں سے آشنا ہو رہا ہوں۔ نوجوانی کے اس تیز دھارے میں خود کو تنکے کی طرح محسوس کر رہا ہوں۔ بچپن میں بملا کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ پھر میری دوستی ایک چرواہی اکرو (کرماں بی بی) سے ہو گئی۔ وہ بھی بملا جتنی ہی تھی۔ اتوار کے روز میں صبح سے شام تک اکرو چرواہی کے ساتھ پہاڑیوں میں اس کے ریوڑ چرایا کرتا تھا، جنگلی بیر توڑا کرتا تھا۔ وہ مجھے اپنے گاؤں احمد ال کی بہت سی باتیں بتایا کرتی تھی۔ شام کو میں جب واپس بنگلے میں آتا تھا تو امی کی ڈانٹ میرے استقبال کے لیے دروازے پر موجود ہوتی تھی۔ بملا کو جب میری اس دوستی کی خبر ہوئی تو وہ مجھ سے روٹھ گئی۔ مجھے پہلی بار احساس ہوا تھا کہ دوستی کھلونے کی طرح ہوتی ہے جو کوئی لڑکی کسی دوسری لڑکی کو نہیں دینا چاہتی۔

جب ایک دو اتوار میں اکرو کے ساتھ نہ گیا تو وہ بنگلے کے سامنے سڑک کے پار چٹانوں پر آ کر بیٹھ جاتی تھی۔ ایک اتوار کو میں رہ نہ سکا۔ اکرو کے پاس جانے کے لیے گیٹ کھول ہی رہا تھا کہ پیچھے سے دوڑتی ہوئی بملا آئی اور میرا بازو پکڑ کر کھینچتی ہوئی واپس بنگلے میں لے گئی۔ پھر میں نے کبھی اکرو کو چٹانوں پر نہیں دیکھا تھا۔۔۔ بلکسر میں نارو اور میں آوارہ گردی کے ساتھی تھے۔ بلکسر ہی میں مجھے ایک دن ایک خوبصورت لڑکی نظر آئی — گول چہرے والی، گوری، بہت سیاہ آنکھوں والی۔ ایک دو بار میں نے اسے اور اس نے مجھے دیکھا۔ اس سے پہلے کہ میں اس کے پاس جاتا، وہ خود میرے پاس آ گئی۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ کمپنی کے بڑھئی کی بیٹی ہے اور اس کا نام زینب ہے۔ بہت جلد زینب سے میری گہری دوستی ہو گئی۔ ہم گھنٹوں اکیلے بیٹھے نہ جانے کیا کیا کھیلتے رہتے تھے۔ ایک ٹوٹے ہوئے کھنڈر نما گھر میں بہت گہری سبز گھاس پر ہم لیٹ جایا کرتے تھے۔ بہت باتیں کیا کرتے تھے۔ وقت کا پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔ جب نارو نے زینب سے جھگڑ کر ہاتھا پائی کی، اس کے بال کھینچے تو مجھے پہلی بار رقابت سے آشنائی ہوئی — باہمی رقابت سے۔ زینب جہاں بھی مجھے اکیلا دیکھتی تھی، دوڑ کر آ جایا کرتی تھی۔ نارو اسے گالیاں دیا کرتی تھی۔ لیکن کبھی بھی میرے دل و دماغ میں ایسے جذبات پیدا نہ ہوئے تھے جن سے مجھے گلنازی نے آگہی دی ہے۔ ٹھیک ہے، وہ بچپن تھا، لیکن جہاں دریاں جانے سے پہلے کسی لڑکی کو دیکھ کر میرے دل میں یہ کبھی خواہش پیدا نہیں ہوئی تھی کہ میں اسے دوبارہ دیکھوں اور دیکھتا ہی رہوں — شاید اس لیے کہ گلنازی جیسی خوبصورت لڑکی میں نے کبھی دیکھی ہی نہ تھی۔ جن کیفیت سے میں اب گزر رہا تھا، یہ نوجوانی کے احساسات و جذبات گلنازی سے وابستہ تھے۔ مجھے

Scanned with CamScanner

اپنے بدن پر گلنازی کا لمس بے حد خوبصورت اور خوشگوار محسوس ہوتا تھا۔ وہ گدگدا سا احساس جس سے میں گلنازی کے بازوؤں میں جکڑے جانے پر آشنا ہوا تھا، مجھے زندگی کی طرح محسوس ہوتا تھا۔ گلنازی کے رخسار کا لمس میں اپنے رخسار پہ ہر رات سونے سے پہلے محسوس کرتا تھا اور اس کے ہونٹوں کے کنارے سے، اپنے ہونٹوں کے لگ جانے کا احساس مجھے بے خود کر دیتا تھا...

مندر کے تالاب کی سیڑھیوں پر اکیلا بیٹھا میں اپنی یادوں میں محو ہو کر مسکرا رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے میرے ذہن پر جو بادل چھائے تھے، جو بارش میری آنکھوں سے میرے دل پہ ہوئی تھی، وہ بادل چھٹ جانے پر، وہ بارش رک جانے پر، ایک دلکش سا منظر ابھر رہا تھا کہ مجھے پھر یوں محسوس ہوا کہ گلنازی رو رہی ہے... سرمئی بادل سیاہی مائل ہو کر پھر چھا گئے اور میں ایک بار پھر مایوسی کی تہہ در تہہ چادروں میں، سیاہ چادروں کے نیچے دبتا چلا گیا... مایوسی کے یہ پردے سیاہ سایوں کی طرح تھے...

54

وہ کپکپاتی صبح بھی آ گئی۔

ہم کوٹ طرے باز خان سے چکوال کے بس اڈے پر پہنچے۔ ملہ گنگ جانے والی بس میں بلکسر کے ٹکٹ خرید کر بیٹھے۔ اس بار بھی امی اور آپا کا ارادہ بلکسر ہی میں رہنے کا تھا۔ میرا اور بہنوں کا ارادہ ایک رات بلکسر میں گزار کر اگلی صبح بھادریاں جانے کا تھا۔ بھائی کو سارا پروگرام ہم نے ایک ہفتہ پہلے ہی لکھ دیا تھا۔ ان کا جواب بھی موصول ہو چکا تھا۔ انھوں نے خط میں لکھا تھا کہ چونکہ ہم بدھ کے روز شاہ پور پہنچیں گے، وہ ہمیں لینے نہیں آ پائیں گے۔ گداؤ تانگے کے ساتھ شاہ پور میں موجود ہوگا۔

امی، بڑی آپا، باجی، ریا اور عصمت بلکسر جانے والی بس میں بیٹھی تھیں۔ میں باہر تھا۔ روانگی میں دس منٹ باقی تھے۔

بسوں کے اڈے کے سامنے ایک ہوٹل کے ساتھ والا پلاٹ خالی تھا۔ میری نظریں اس پلاٹ پہ رک گئیں۔ ہوٹل کی عقبی دیوار کے پاس ایک ملنگ کھڑا تھا۔ وہ میری طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ مجھے اپنی سمت متوجہ پا کر وہ تیزی سے ہوٹل کے پیچھے چلا گیا۔

Scanned with CamScanner

"ابو صاحب ٹھیک کہتے تھے..." میرے ذہن سے خیال تیزی سے گزرا۔ "ملنگ میرا پیچھا کر رہے ہیں... لیکن میں کیا سوچ جا رہا ہوں، جب چکوال شہر اور مضافاتی سڑکوں پر گھومتا رہا ہوں، کھیتوں میں... بسٹ پر، مندر میں اکیلا بیٹھا رہا ہوں... وہاں کوئی ملنگ مجھ پر حملہ آور کیوں نہیں ہوا؟"

میں گلی تیزی سے خالی احاطے میں پہنچا۔ ہوٹل کے عقب میں کھیت تھا اور کھیت کے آگے مکانوں کے درمیان ایک تنگ سی گلی تھی۔ ملنگ نے مڑ کر میری سمت دیکھا اور تنگ سی گلی میں گھس گیا۔ میرے کمزور بدن میں سنسنی سی نمودار ہوئی۔

"یہ مر جائے گا... بہت جلد مارا جائے گا" والد صاحب کا جملہ ذہن میں گونج اٹھا۔

"ابھی تو میں..." بہت جلد میں نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پایا۔ "مجھے مارنے کے لیے ٹھیک ہے، مارنے... اگر میں خطرے میں ہوتا تو وہ شہر کے ان علاقوں سے خلاف عادت ہی نکلتا۔"

میں واپس بس کے پاس آیا۔ روانگی میں تین چار منٹ ہی باقی تھے۔ میں بس میں سوار ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے ملنگ کا چہرہ تصور میں ابھرتا محسوس ہوا۔ گلی میں جانے سے پہلے اس نے مڑ کر مجھے دیکھا تھا۔ اس کا چہرہ... ذہن میں ایک کرن سی ابھری... ایک یاد... میں نے جس ملنگ کو دیکھا تھا اس کا چہرہ میرے لیے اجنبی نہ تھا۔ اسے میں پہلے بھی بلکسر میں پیر قدرت شاہ کی ڈھوک کی سمت آتا جاتا کئی بار دیکھ چکا تھا۔ اس نے سر سے پر بوری کی اٹھا رکھی ہوتی تھی۔ پھر مجھے اچھی طرح سب کچھ یاد آ گیا۔ وہ ملنگ ایک بار سائیکل پر بوری لادے گزر رہا تھا کہ ایک پتھر سے ٹائر ٹکرانے پر بوری گر گئی اور بھنگ کے سبز پتے باہر بکھر گئے۔ وہ ڈھوک میں بھنگ سپلائی کیا کرتا تھا، شاید اب بھی کرتا ہو۔ کلر کہار میں شاید ہیں سے بھنگ آتی ہے اور کلر کہار سے بلکسر کا راستہ چکوال ہی سے ہو کر گزرتا ہے۔

"تو یہ پیر قدرت شاہ کا ملنگ تھا" میں نے سوچا۔ "ابھی تک پیر کی بے عزتی کو نہیں بھولا، تبھی مجھے گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔"

مجھے اطمینان سا ہوا کہ پیر نور شریف کے ملنگ میرے پیچھے چکوال تک نہیں آئے۔ مجھے اپنی فکر نہیں، امی، آپا اور بہنوں کی تھی۔ وہ کرائے کے گھر میں میرے ساتھ رہتی تھیں۔

Scanned with CamScanner

55

بلکسر میں ایک رات ٹھہر کر اگلی صبح ہم بلکسر کے لاری اڈے پر پہنچ گئے۔

والد صاحب اور کمپنی کی ویَن کے ڈرائیور ہمارے ساتھ تھے۔ چھائی ہوئی سردی، صبح کی بڑھتی ہوئی روشنی... بہنیں ویَن ہی میں بیٹھی رہیں۔ میں باہر نکلا۔ ہوا اس قدر خنک تھی کہ جسم میں کپکپاہٹ کا احساس ہوا۔

"شاید میں بہت کمزور ہو چکا ہوں۔" میں نے سوچا۔ "والد صاحب بھی میرے لیے کچھ کچھ پریشان لگتے ہیں۔"

اس احساس کے باوجود کہ میں جسمانی طور پر بہت لاغر ہو چکا ہوں، ایک انجانی سی مسرت بھی مجھے اردگرد ہر شے پر نظر آ رہی تھی، جیسے ہر شے میں زندگی ہے اور وہ خوشی کا اظہار کر رہی ہے... گلنازی سے ملنے، اسے ایک نظر دیکھنے کا احساس گلنازی ہی کی طرح خوبصورت تھا۔

لاری اڈے کے چھوٹے سے ہوٹل میں آگ جل رہی تھی جس پر چائے کی بڑی سی کیتلی دھری تھی۔ کیتلی سے مسلسل بھاپ اٹھ رہی تھی۔ ساتھ ایک لمبا ترنگا ہوٹل والا ایک اور دیگچے میں دودھ ابال رہا تھا۔ اندر لکڑی کی بنچوں پر کچھ مسافر بیٹھے چھوٹے چھوٹے گلاسوں میں چائے پی رہے تھے۔ کچھ چلم کے کش لگا رہے تھے۔ بڑے بڑے پٹکے باندھے، گرم لوئیوں، کھسوں اور کھیسوں سے ڈھانپے، وہ مسلسل باتیں کر رہے تھے۔ ہوٹل میں بھاپ اور دھوئیں کی آمیزش سے ماحول کوزی محسوس ہو رہا تھا۔

کچھ دیر بعد چکوال سے سرگودھا جانے والی بس آ گئی۔ بس میں شاید چکوال سے چڑھنے والے مسافر بیٹھے تھے۔ ہمارے ساتھ صرف ایک مسافر بس پر سوار ہوا۔ سواریاں بس میں کم ہی تھیں۔ اس بار بھی ہمیں آگے کی طرف نشستیں مل گئیں۔ والد صاحب ڈرائیور کے ساتھ واپس چلے گئے۔ میں نے بس کے ڈرائیور کی طرف دیکھا، اس کے بال سفید تھے۔ بس چلی۔ بلکسر کے قریب ہی بھاریاں کے قصبے سے دو مسافر بس میں بیٹھے۔ دونوں بہت پریشان لگ رہے تھے۔ ایک بہت غصے میں بھی تھا۔

"حرامیاں... میں نہ چھوڑساں..." (حرامیوں کو میں نہیں چھوڑوں گا...) اس نے سیٹ پر بیٹھتے ہی اتنی زور سے کہا کہ ساری بس میں اس کی آواز سنائی دی ہوگی۔ وہ ہم سے دو نشست پیچھے بیٹھا ہوا

Scanned with CamScanner

تھا۔ ''اونہاں میندی عزت تے ہتھ پایا اے، میں اونہاں دے ہتھ نئیں چھوڑ ساں۔۔'' (انھوں نے میری عزت پر ہاتھ ڈالا ہے، میں ان کے ہاتھ کاٹ دوں گا۔۔۔) وہ پھر اونچی آواز میں بولا۔

''او ۔۔ ی بھیڑا جھلا نہ تھی، اسی اپڑ پئے آں علاقہ تک۔۔۔'' (او الٰہی بخش، پاگل نہ بن، ابھی ہم پہنچے نہیں علاقہ تک۔۔) وہ اسے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ اس کی آواز قدرے دھیمی تھی۔

''۔۔ ۔۔ی، '' (۔۔ بن جائے گا) پہنچنے پر اونچی آواز میں کہا۔ اسے بس کے مسافروں کی ۔۔ ۔۔ تھی۔

''۔۔ شریف[67] اچ ملک نور خان[68] نال ملاقات تھی ۔۔ی۔ توں فکر نہ کر۔ ماں احمد خان دسیا ہے، پنچنی تے ۔۔ ہو ۔۔ اں۔۔۔'' (کمن شریف میں ملک نور خان سے ملاقات ہو جائے گی تو فکر نہ کر۔ مجھے احمد خان نے بتایا تھا، وہ پنچنی پر ۔۔ ہو ۔۔ ہیں۔) پھر دیہاتی تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گیا۔

''اصل حرامی سلطان اے۔۔۔'' (اصل حرامی سلطان ہے) وہ پھر غصے سے چیخا۔ ''اصل حرامی اوہ ہے۔۔۔ بہوں گندا خوں اے۔ بھرا اسند جٹش، اساں تے میں نہ چھوڑ ساں، آپ چھوڑ ساں۔۔'' (اصل حرامی وہ ہے۔ اسے تو میں نہیں چھوڑوں گا، کاٹ ڈالوں گا۔۔۔)

''ٹھیک پیا آہدا ایں۔۔۔'' (ٹھیک کہہ رہے ہو) وہ ۔۔ ۔۔ سے کہا۔ ''بہوں حرامی جاگت ہے۔ ماسے نی بھی بھیں ہوئی اے۔۔۔'' (بہت حرامی ۔۔ ہے۔ ۔۔ ماں کی بیٹی بہن ہوتی ہے۔) وہ چھوڑ ۔۔ ۔۔ ہے رہا۔ ''پر کیا کریئے'' (پر کیا کریں) اس کی آواز میں بھی غصہ ابھرا اور اونچی ہو گئی۔

''۔۔ ۔۔ ۔۔ی بھینڑ ساں نال خصم اے۔۔۔'' (آدمی پیدائش ہی سے بہن کا خصم ہے۔)

ڈرائیور نے ۔۔ ۔۔ ان کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر ناگواری تھی۔ ان دیہاتیوں کی ۔۔ والی سیٹ پر بیٹھے ایک دیہاتی نے ان سے کوئی بات کی۔ وہ خاموش ہو گئے۔ ایک دو بار ۔۔ ۔۔ میں انھوں نے ۔۔ بات کی جو سمجھ میں نہ آئی۔ وہ کافی دیر تک خاموش ہی رہے۔

یہ بھی ۔۔ی ۔۔ ۔۔ کا قصہ ہوگا! میں نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے سوچا۔ ''کیا شہر وہ لڑکی

67. ۔۔ شریف ۔۔ ۔۔ سے میانوالی جانے والی سڑک پر ایک قصبے کا نام ہے۔
68. ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ قوم کے سربراہ تھے، قصبہ کمن شریف کے رہنے والے تھے۔

Scanned with CamScanner

اپنے پھوپھی زاد سے پیار کرتی ہو۔"

میری سوچ کا رخ بدلا۔ "کیا خبر وہ چھپ چھپ کر ملتے ہوں گے... پتا چل جانے پر برادری میں شور مچ گیا ہوگا۔ لڑکی کے باپ کا غصہ بتا رہا ہے کہ اس پر غیرت کا تاریک ترین سایہ اتر چکا ہے۔ دونوں گھرانوں میں یقیناً تصادم ہوا ہوگا جس کے نتیجے میں اب لڑکی کا باپ علاقے کی بااثر شخصیت کے پاس مدد لینے، اپنے بھائی کے ساتھ جا رہا ہے... کیا خبر لڑکی اغوا ہو چکی ہو جسے بازیاب کرانے کے لیے وہ مٹھن شریف جا رہا ہے۔"

بس حلہ گنگ پانچ منٹ کے لیے رکی۔ وہ دونوں دیہاتی لاری اڈے پر کھڑی میانوالی جانے والی بس میں سوار ہو گئے۔ بس دوبارہ چلی، میانوالی روڈ پر کچھ دور جا کر سرگودھا کی طرف جانے والی سڑک پر مڑ گئی۔

"آدمی ابتدا ہی سے بہن کا خصم ہے..." دیہاتی کا جملہ بار بار میرے ذہن میں گردش کر رہا تھا۔ مشرق وسطیٰ سے جو مذاہب نکلے ہیں، ان میں آدم اور حوا کا قصہ موجود ہے۔ ہابیل اور قابیل (قرآن کے ہابیل اور قابیل) دونوں بھائیوں کے درمیان رقابت کا یہ قصہ حسد اور بغض سے متعلق ہے جو ہوس کے نم سے آدم کے خمیر میں موجود ہے۔ مذاہب کے اس قصے سے صاف ظاہر ہے کہ تشکیل آدم میں ہوس کا نم شامل کیا گیا ہے۔ قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تھا، لیکن کسی مذہبی کتاب میں یہ تحریر نہیں ہے کہ قابیل کی شادی کس سے ہوئی تھی جس سے آدم کی نسل چلی تھی۔ اب یا تو وہ اپنی ماں کے پاس گیا ہوگا یا آدم اور حوا کی کسی بیٹی، اپنی بہن کے پاس... ماں سے بیاہ تو آدم کی وجہ سے ممکن نہ رہا ہوگا، قابیل نے اپنی بہن ہی کو بیاہا ہوگا، کیونکہ اس زمین پر اور کوئی جوڑا تو موجود نہ تھا جس کی اولاد سے قابیل کی شادی ہوتی۔ دیہاتی نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ آدمی پیدائش ہی سے بہن کا خصم ہے... میں نے یہ بھی پڑھا ہے کہ قدیم زمانے میں شاہی خاندانوں میں بھائیوں کی شادیاں بہنوں سے ہوا کرتی تھیں۔ اس کا ثبوت رومن ایمپائر میں ملتا ہے۔ میونسپل کمیٹی کی لائبریری میں ایک کتاب قدیم تواریخ سے متعلق بھی تھی جس میں تحریر تھا کہ رومن شہزادے روم کی شہزادیوں، اپنی سگی بہنوں سے ہی شادیاں رچاتے تھے۔ بہرحال، مجھے ان روایات سے کیا! میں تو مذاہب کے قصوں کو مانتا ہی نہیں ہوں۔ میرے نزدیک تو دنیا کے ہر حصے میں انسانی زندگی ارتقا ہی کا مظہر ہے ورنہ انسانوں میں اتنے

Scanned with CamScanner

رنگ، گورے کالے، پیلے، سرخ اور چہروں کی اتنی بناوٹیں، آنکھیں، ناک، جبڑے ــ یہ کسی ایک آدم کی اولاد سے تو ممکن نہیں ہو سکتے۔ قطبین میں پائے جانے والے اسکیمو اور صحرا سے کالاہاری افریقہ کے بونے ایک آدم کی اولاد کیسے ہو سکتے ہیں؟ کولمبس نے انتہائی دشواریوں کے بعد بحر اوقیانوس عبور کرتے ہوئے جب امریکہ کے ساحل پر ریڈ انڈین دیکھے ہوں گے تو اس نے ایک بار تو ضرور سوچا ہوگا کہ یہ کس آدم کی اولاد ہیں؟ کچھ مذہبی اسکالر یہ استدلال دیتے ہیں کہ طوفان نوح نے زمین کو بانٹ دیا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ طوفان اس قدر شدید تھا کہ پوری زمین اس کی لپیٹ میں آ گئی تھی۔ مشرق تھا کہ مغرب، شمال تھا کہ جنوب، اس کرۂ ارض پر پانی ہی پانی تھا جس پر ایک کشتی تیر رہی تھی۔ پھر پانی اترا تو پانی اور خشکی کے اس بٹوارے میں جو لوگ جدا ہو گئے ہوں گے، وہ بڑے اور چھوٹے جزیروں میں بس گئے ہوں گے... لیکن اس استدلال کی تو مذاہب خود نفی کر دیتے ہیں کہ صرف وہی لوگ بچ پائے تھے جو کشتی پر موجود تھے اور کشتی ایک ہی جگہ چٹانوں پر ٹھہری تھی۔"

بس چنگی کے گاؤں میں داخل ہو رہی تھی۔ یہ بس قدرے سست رفتار تھی۔ چاشت دوپہر میں بدل رہی تھی اور بس ابھی چنگی کے گاؤں ہی میں پہنچی تھی۔ انجن کی ریں ریں کرتا چلا جا رہا تھا۔ کھڑکیوں کے شیشوں پر ہاتھ رکھنے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ باہر ہوا کس قدر ٹھنڈی ہے۔ علاقہ بہت اجاڑ نظر آ رہا تھا۔

"اگر بکھاری کے قصبے میں..." میرے خیالات کی کڑیاں پھر دیہاتیوں سے جا جڑیں۔ "اگر وہاں لڑکے اور لڑکی کا معاملہ ختم نہ ہوا، باہمی صلح نہ ہوئی، تو خوفناک تصادم ہوگا۔ تضاد اپنا بھیانک روپ دکھائے گا، خونی روپ۔ ایک دو دیہاتی قتل ہو جائیں گے۔ کئی لاشیں گریں گی۔ یہ سلسلہ جاری رہے گا... وہ قوت شر جس نے یہ تضاد تشکیل دیا ہے، کشت و خون سے تقویت حاصل کرتی رہے گی۔ جب تک عالم انسانیت میں ہابیل اور قابیل کی روایت موجود ہے، یہ خونیں سلسلہ چلتا رہے گا..."

مجھے نہ نیند نہ بیداری والی کیفیت میں کہی ہوئی گلناری کی بات یاد آئی۔ "گلنازی نے اسی لیے مجھے روکا تھا کہ میں مالا اس کے گلے میں نہ ڈالوں، کیونکہ وہ اس تضاد سے آشنا تھی۔" لیکن وہ تو ایک تصور تھا، میں اسے بھی حقیقت مان بیٹھا ہوں۔ سڑک کے کنارے اونی چادروں اور کمبلوں میں لپٹے کچھ دیہاتی نظر آئے جو پیدل ہی چلے جا رہے تھے۔ ایک دو بار سڑک کے کنارے بھیڑ بکریاں بھی نظر آئیں۔

''اگر ماسی جیراں کے خاندان والوں کو پتا چل گیا کہ گلنازی محمد اکبر خان سے نہیں، مجھ سے محبت کرتی ہے تو انجام کیا ہوگا؟''

مجھ پر مایوسی سی اتری لیکن تحفظ کا احساس بھی ہوا کہ میں نے ابھی تک ایسی کوئی حرکت نہیں کی جس سے میرے اور گلنازی کے لیے کوئی خطرہ پیدا ہو۔ ''ماسی جیراں تو مجھے بیبا پتر کہتی ہے...''

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ سی آئی۔ ''پھر میں نے بھی تو یہ فیصلہ کیا تھا کہ میں گلنازی کی لاحاصل خواہش میں اس کا ساتھ نہیں دوں گا، میں خواہش کی کالی بلا سے گلنازی کو بچاؤں گا... پھر میں کسی تضاد سے خوفزدہ کیوں ہوں؟''

بس سڑک پر ہی رک گئی۔ کوئی قصبہ کوئی گاؤں قریب نہ تھا۔ ایک دیہاتی مرد اور ایک عورت بس میں سوار ہوئے۔ عورت نے چھوٹا سا بچہ بھی اٹھا رکھا تھا۔ نہ جانے کب سے پیدل چل رہی ہوگی۔ بس پھر رواں ہوئی۔

''اس طرح تو ہم شام کو اندھیرا ہو جانے پر جھاوریاں پہنچیں گے۔'' میں نے سوچا۔ ''یہ بس تو نہایت سست رفتار ہے۔''

اس کے ساتھ ہی مجھے اپنے دل میں اس عجلت کا احساس ہوا جو بے چینی سے پیدا ہوتی ہے۔ میں فوراً جھاوریاں پہنچنا چاہتا تھا۔ چند منٹ پہلے والے خیال سرا ہوا میں اڑ چکے تھے۔ میں گلنازی کے لیے بے چین تھا... ''وہ کیسی ہوگی؟'' میں نے دور افق کو دیکھا۔ ''کیا میری طرح وہ بھی بہت دبلی ہوگئی ہوگی... دبلی ہو کر تو وہ اور بھی خوبصورت لگتی ہوگی۔ کیا اس کے رخساروں کی ہڈیاں بھی نمایاں ہوگئی ہوں گی؟ کیا اس کی آنکھیں بھی اندر کی سمت تھوڑی سی دھنس چکی ہوں گی؟ کیا اس کی گلابی رنگت بھی کہیں کھوگئی ہوگی؟ کیا میری طرح اس کی آنکھوں کی چمکتی مسکراہٹ بجھ گئی ہوگی؟ یہ محبت اور یہ فراق بھی کیا شے ہے — سب کچھ چھین لیتا ہے...''

بس کی رفتار میں کوئی فرق نمایاں نہ ہوا۔ دوپہر کا بھرپور احساس ہو رہا تھا اور ابھی کھچیاں کا قصبہ ہی آیا تھا۔

''میں گلنازی سے ملوں گا تو... کیا کہوں گا؟'' میں نے کھڑکی کے باہر تاحد نظر اجاڑ بیابان کو دیکھتے ہوئے، مسکراتے ہوئے سوچا۔

''نہیں... جب ہم ملیں گے تو سب سے پہلے تو ایک دوسرے کو دیکھ کر خوب ہنسیں گے۔ دونوں ہی ہڈیوں کے ڈھانچے بنے ہوں گے... دیر تک ہنسیں گے... منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکلے گا اور ہم ایک دوسرے کو بتا دیں گے کہ ہم ایک دوسرے کو کتنا چاہتے ہیں... اسی کو عشق کہا جاتا ہے... جو حال گلنازی کا ہوگا وہی میرا ہوگا۔''

مجھے پشتو زبان کے کسی کلاسیکی شاعر کا ایک شعر یاد آیا جس کا ترجمہ کچھ یوں ہے: ''آؤ، سینے سے سینہ ملا کر سو جاتے ہیں، صبح اٹھ کر دیکھیں گے کہ کس کے سینے پر داغ ہے۔'' یعنی کون آتشِ ہجر میں زیادہ جلا ہے یا جلی ہے... اس بار تو میں تھوڑا سا بے شرم ہو جاؤں گا۔ میں گلنازی کو سینے سے لگا لوں گا۔ جب وہ کہے گی، چھوڑو، مجھے چھوڑو تو میں کہوں گا، نہیں چھوڑوں گا (نہیں چھوڑتا)... اس بار میں یہ نہیں چاہوں گا کہ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر کہیں لے جائے — میں اس کا ہاتھ پکڑ کر نہر کے کنارے پر لے جاؤں گا۔ ہم نہر کے کنارے پر بیٹھ جائیں گے۔ دھوپ ہمارے جسموں کو تمازت کا احساس دلائے گی۔ ہم دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہیں گے۔ میں اسے خود پر گزرے ہجر کے ایک ایک لمحے کی روداد سناؤں گا... وہ مجھے اپنی برہا کی باتیں بتائے گی۔ ہم ہاتھ میں ہاتھ ڈالے، کھیتوں کی پگڈنڈیوں پر فطرت کے بچوں کی طرح دوڑیں گے... لُک مِٹی کھیلیں گے اور میں گھر جا کر باجی زیب سے کہوں گا، مونچھیں نکل آئی ہیں تو کیا ہو؟ مجھے بڑا ہونا پسند ہی نہیں ہے۔ پھر جب کھیتوں سے رہٹ کا، لک اور بیل، دونوں چلے جائیں گے تو ہم رہٹ کی سرخ اینٹوں والی منڈیر پر بیٹھ جائیں گے۔ گلنازی مجھے چھیڑے گی... کیا کہے گی؟... وہ، وہ یہ کہے گی کہ میں تو محمد اکبر خان کی منگیتر ہوں۔ وہ آئے گا، مجھے لے جائے گا — تم کیا کرو گے؟ میں کہوں گا کہ میں تمہارے منگیتر کو بے حد قیمتی تحفہ دوں گا۔ گلنازی پوچھے گی، کون سا تحفہ؟ میں کہوں گا، میرا تحفہ میری آنکھیں ہوں گی... گلنازی لمبی انگلیوں والے اپنے نازک ہاتھوں سے مجھے مارے گی اور پھر میری آغوش میں گر جائے گی... اس کا رخسار میری چھاتی سے لگ جائے گا، اس کا بازو میری گردن میں حمائل ہوگا... ہوا کے جھونکے بار بار اس کی زلف کو، اس کے چہرے پر بکھیریں گے اور میں بار بار انھیں اٹھاؤں گا... پھر میں چونک اٹھوں گا۔ گلنازی... میں چونک کر کہوں گا۔ ہم کھیتوں کے درمیان رہٹ پر ہیں۔ کسی نے دیکھ لیا تو... گلنازی اپنی آنکھیں بند کرے گی... آہستہ سے کہے گی، آنے دو، جو بھی آتا ہے، دیکھنے دو

جو بھی دیکھتا ہے۔۔۔ پورا گاؤں آ کر دیکھ لے کہ میں نے تم سے پیار کیا ہے — سچا پیار۔۔۔ یہ چھاتی۔۔۔ یہ چھاتی میری ہے۔۔۔ اس پر سر رکھ کر سونے کا حق مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ زیادہ سے زیادہ کیا کریں گے؟ مار دیں گے نہیں؟ مار دیں ایک دوسرے کے بغیر ہم ویسے بھی کون سے زندہ رہ کر جییں گے۔۔۔"

میں چونکا۔ دور کسی قصبے کے خطوط ابھر رہے تھے شاید جاب کے۔

بس کی سست رفتاری کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا تھا کہ سہ پہر ہو چکی تھی اور ابھی ہم کٹھ کالرہ کے پہاڑوں تک بھی نہیں پہنچے تھے۔ میں نے ڈرائیور کی سمت دیکھا۔ پھر میں نے باہر دیکھنا شروع کر دیا۔

اس قدر اجاڑ بیابان تھا کہ جہاں تک نظر جاتی تھی، سرمائی چمکتی دھوپ اور چھوٹے چھوٹے پیڑوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ افق سے افق تک سناٹا سا چھایا ہوا ہے۔ میری نظر پھر ڈرائیور کی سمت گئی سفید بال بکھرے ہوئے تھے۔

کٹھ کالرہ کے پہاڑوں سے پہلے دور دور تک سبز کھیت نظر آئے جن میں چھوٹی چھوٹی ڈھوکیں بھی پھیلی ہوئی ہیں۔ ان کھیتوں میں بارانی گندم کے چھوٹے چھوٹے پودوں میں کثرت سے سرسوں کے پیلے پھول بھی کھلے ہوئے تھے۔ سڑک ان کھیتوں کے درمیان سے گزر رہی تھی۔ کھڑکیاں بند تھیں، ورنہ بس ان پھولوں کی خوشبو سے مہک جاتی۔ میں نے تھوڑی سی کھڑکی کھولی۔ ہوا کے پہلے سرد جھونکے میں سرسوں کے پھولوں کی خوشگوار مہک محسوس ہوئی۔ میں نے گنگنانا شروع کر دیا ایک چھوٹی سی نظم میری زبان پر موسیقی میں ڈھل رہی تھی:

گلناری کو جا کر دوں گا یہ سرسوں کے پھول
وہ دیوانی کیا جانے گی ان پھولوں کا مول
اس کے لیے سب پھول برابر، نرگس ہو یا گلاب
اس کے لیے تو ڈنٹھل اچھے جن سے پکاتی ساگ
دیوانہ تھا میں بھی کتنا، ہو گئی تجھ سے بھول
گلناری کو جا کر دوں گا یہ سرسوں کے پھول

Scanned with CamScanner

میں دنیا سے، دنیا کی ہر شے سے بے نیاز سا ہو چلا تھا... بے خودی کی اس کیفیت کو میں نے اس سے پہلے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ یقیناً میری آنکھوں میں خمار ہوگا، وہی خمار جو میں گلناری کی آنکھوں میں دیکھ چکا تھا۔ بس آگے بڑھتی رہی اور کشمہ کالرہ سے پرے آ گئے۔

کشمہ کالرہ کی ایک خطرناک ڈھلوان پر بس نے موڑ کاٹا تو سامنے بھیڑ بکریوں کا ریوڑ آ گیا۔ ڈرائیور نے زور سے بریک لگائی۔ سب مسافروں نے آگے کی سمت جھٹکا کھایا۔ میرے دونوں ہاتھ اگلی سیٹ پر جا لگے، میرا سر سیٹ سے ٹکرانے سے بچ گیا۔ جنوں کی سیٹ سے آگے خالی جگہ تھی اور اس سے آگے ڈرائیور کی سیٹ تھی۔ وہ بھی گرتی گرتی سنبھلیں۔ بس کی رفتار تیز نہیں تھی، کسی مسافر کو کوئی چوٹ نہ آئی لیکن بس سے تارکول کی سڑک پر گھسٹتے ہوئے پیچھے اور بس ترچھی ہو کر سڑک کے کنارے کنکریٹ کی بنی ہوئی چوڑی اور ڈھائی فٹ اونچی حفاظتی دیوار سے جا لگی... کئی مسافروں نے کلمہ پڑھنا شروع کر دیا۔ باقی زیادہ نے آہستہ آواز میں تلاوت شروع کر دی۔ بس کی باہر کی سمت کھلنے والا ایک ہی دروازہ کنکریٹ کی دیوار سے لگا ہوا تھا۔ کوئی مسافر نیچے نہیں اتر سکتا تھا۔ اترنے کا راستہ بس کی چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں تھیں، جن سے کوئی بچہ ہی آسانی گزر سکتا تھا۔ صرف ڈرائیور کے پاس والا دروازہ ہی تھا جو دوسری جانب تھا۔ بس بہت پھنس گئی تھی۔ ڈرائیور چرواہے پر برس پڑا اسے گالیاں دیں۔ سڑک کی ایک سمت سلیٹی رنگ کے پہاڑ کی دیوار تھی، دوسری جانب کنکریٹ کی حفاظتی دیوار سے نیچے گہری کھائی تھی۔ ریوڑ والے کو راستے سے ہٹانا بھی آسان نہ تھا۔ کھلی جگہ ایک دو موڑ کاٹنے کے بعد ہی آتی تھی۔ ڈرائیور نے گالیاں دیتے ہوئے، غصے بھری آواز میں چرواہے سے کہا کہ وہ جتنی جلدی ہو سکے، دو موڑ آگے کھلی جگہ پر ریوڑ لے جائے۔ اگرچہ اس سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر رہتی تھی، کئی کئی گھنٹوں بعد کوئی بس، ٹرک یا کار گزرتی تھی، لیکن خطرہ موجود تھا کہ اگر بلندی سے کوئی کار، ٹرک یا بس آتی تو سیدھی ہماری بس کے پہلو سے ٹکراتی۔ کنڈکٹر نہایت دشواری سے ڈرائیور سیٹ کے ساتھ والے دروازے سے نیچے اترا تاکہ بلندی سے آنے والی کسی بس، ٹرک یا کار کو روک سکے۔ دس منٹ گزرے، دوسرے موڑ سے پہلے چرواہا ریوڑ سمیت نظروں سے اوجھل ہو گیا، پندرہ منٹ پر وہ ہمیں دوسرے موڑ پر نظر آیا جس کے آگے کھلی جگہ تھی۔ ڈرائیور نے بس کی بریکیں کھولیں۔ یوں لگا کہ بس کے زور سے کنکریٹ کی حفاظتی دیوار ٹوٹ جائے

Scanned with CamScanner

گئی۔ لیکن ڈرائیور نے فوراً ہی بس کو ریورس کیا۔ بس کو زیادہ پیچھے لے جانا بھی خطرناک تھا، لیکن ڈرائیور کا کوئی پرانا تجربہ کام آیا۔ ایک دو بار آگے پیچھے ہونے کے بعد بس سڑک پر سیدھی ہو گئی۔ کشادہ سڑک کے کنارے چرواہا ریوڑ کے ساتھ موجود تھا۔ ڈرائیور نے کھڑکی سے سر باہر نکال کر چرواہے کو پھر گالیاں دیں۔ وہ خاموشی سے، کوئی ردعمل دکھائے بغیر، اپنے ریوڑ کی سمت دیکھتا رہا۔ بس حادثے سے بچ گئی۔

موڑ پر موڑ کاٹنے کے بعد بس ایک سیدھی ڈھلوان پر پہنچی جس سے آگے کوئی موڑ نہیں، ہر سمت ہریالی کا سمندر نظر آیا۔ دور دور تک کھیتوں میں گندم کے پودے بہت اونچے ہو چکے تھے اور ان کی قطاروں کے درمیان سرسوں کے زرد زرد پودوں پر پھول بھی سورج کی ترچھی کرنوں میں چمک رہے تھے۔ سہ پہر شام میں مدغم ہو رہی تھی۔ میں نے تھوڑی سی کھڑکی کھولی۔ ہوا میں خنکی کم اور نباتات کی خوشبو زیادہ تھی۔ ایک مدت سے پنجاب میں [illegible] نظر آتیں۔ کچھ رنگ تو نظر آئے، لیکن گزرتی بس میں [illegible] نہیں دیکھیں۔ گندم کے پودے کمر کمر اونچے تھے۔

شاہ پور کے اڈے پر گداؤ موجود تھا۔ اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا اور مسکرائے بغیر خاموشی سے میرے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت سی نمودار ہوئی اور پھر اس کے چہرے پر [illegible] طاری ہوئی۔ خلاف توقع وہ مجھ سے بے دلی سے ملا۔

"کیا بات ہے گداؤ؟" میں نے کہا "اداس سے لگ رہے ہو۔"

"وہ... نہیں... بس نے..." گداؤ کا لہجہ اکھڑا اکھڑا سا تھا۔ "بس نے بہت دیر کر دی ہے۔ جب تک یہاں پہنچتے پہنچتے اندھیرا چھا جائے گا اور ہوا میں بہت ٹھنڈ ہے۔"

گداؤ نے اپنی طرف سے بات سنبھالنے کی کوشش کی لیکن مجھے بار بار یہی محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی بات ایسی ضرور ہے جس سے گداؤ دکھی ہے۔ شاید اس کا کوئی نجی معاملہ ہو... کہیں پیر نور شریف نے اسے پریشان تو نہیں کیا؟ وہ وقوعے کا گواہ ہے۔ گداؤ نے سامان تانگے پر رکھا۔ پچھلی نشست پر بچوں کے ساتھ تیس پینتیس برس کی دیہاتی عورت بھی بیٹھ گئی۔ اس نے اپنے بدن کو گرم شال سے ڈھانپ رکھا تھا۔ شمالی پنجاب کی نوے فی صد عورتوں کی طرح وہ بہت دلیر اور بے باک لگتی تھی۔ میں، گداؤ اور کوچوان آگے بیٹھ گئے۔ تانگہ جھوریاں کی طرف رواں ہوا۔ گداؤ نے ٹھیک ہی

Scanned with CamScanner

تھا۔ وہ بہت سرد تھی اور تانگے کی رفتار سے جو جھونکے چہرے اور ہاتھوں سے ٹکراتے ہوئے پھیل رہے تھے، جسم کو کپکپا دینے کے لیے کافی تھے۔ میں نے جیب سے اونی ٹوپی نکالی اور پہن لی۔

آج کداؤ بہت خاموش تھا۔ مجھے اس کی خاموشی سے پریشانی محسوس ہو رہی تھی لیکن یہ سوچ کر کہ شاید اس کی کوئی گھریلو پریشانی ہوگی، میں خاموش رہا۔ لیکن بچوں کا خیال آنے پر میں رہ نہ سکا۔

"کیا بات ہے، آج تم کچھ خاموش ہو کداؤ؟" میں نے سرگوشی کی تاکہ کوچوان نہ سنے۔ "تمہیں کسی قسم کی پریشانی تو نہیں ہے؟"

"نہیں صاحب،" کداؤ نے اونچی آواز میں کہا "ایسی کوئی بات نہیں۔"

پھر ہم خاموش ہو گئے۔ مجھے شام ہو جانے کا احساس ہمیشہ ان آوازوں سے ہوا کرتا تھا جو دن کے ختم ہونے کا اعلان کرتی تھیں۔ درختوں میں پرندوں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں، لیکن گھوڑے کے سموں کی آواز [illegible] خالی [illegible] رہی تھی۔ شام ڈھل چکی تھی اور رات میں بدل رہی تھی۔ کداؤ کی خاموشی سے میں گھبرا رہا تھا۔

"کیا [illegible] خیریت سے ہیں؟" میں نے آہستہ سے پوچھا۔

"جی ہاں [illegible] صاحب،" کداؤ نے کہا "بچے ٹھیک ہیں۔"

پھر ہم خاموش ہو گئے۔ مجھے یقین سا ہو گیا کہ کداؤ اپنے کسی معاملے سے پریشان ہے اور اس وقت [illegible] پوچھنا مناسب نہیں ہوگا۔ کوچوان کبھی کبھی گھوڑے کو ایک ہی چال میں رکھنے کے لیے [illegible] آواز [illegible] تھا۔ گھوڑا ایک ہی چال میں دوڑ رہا تھا۔ پیچھے بیٹھی ہوئی عورت خاموش تھی، [illegible] خاموش تھیں۔ خاموشی بوجھل سی ہوتی جا رہی تھی، [illegible] کی طرح جو گھنے درختوں کے نیچے [illegible] تھی۔ پھر مجھے ایک خیال نے پریشان کرنا شروع کر دیا۔ جھاوریاں میں کوئی واقعہ ہو [illegible] کداؤ جیسا باتونی شخص اس طرح خاموش نہ رہتا۔

"جھاوریاں میں سب خیریت تو ہے؟" میں نے سرگوشی سی کی۔

"خیریت ہی ہے صاحب،" کداؤ نے آہستہ سے جواب دیا اور پھر خاموش ہو گیا۔ رات [illegible] بہت پھیل چکا تھا۔ [illegible] کداؤ [illegible] رہے تھے۔ ہاتھ [illegible] تھے جنہیں میں نے [illegible] جیبوں میں ڈالا ہوا تھا۔

دیہاتی عورت نے بہنوں سے کوئی بات کی۔ عصمت نے جواب دیا۔ پھر عصمت نے پوچھا کہ وہ کہاں کی ہے؟ تو اس نے بتایا کہ جھاوریاں ہی کی ہے اور اپنی بہن کے گھر خوشاب گئی تھی۔ بہنوں نے گرم شالوں سے سروں کو ڈھانپ رکھا تھا۔ مجھے سردی کا احساس ناک اور کانوں پر زیادہ محسوس ہو رہا تھا۔ تانگے کی رفتار بھی خاصی تیز تھی۔ کوٹ احمد خان آ چکا تھا

"بس نے پچھلا سارا وقت ہی دیر کر دی۔" کوچوان نے گداؤ کی سمت دیکھا۔

"ہاں... " گداؤ اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔ نہ جانے اسے کیا ہو گیا تھا۔ میرا جی چاہا کہ گداؤ کو بتا دوں کہ کٹھہ کا لرہ کی پہاڑی ڈھلوان پر ہم ممکنہ حادثے سے بچ کر آئے ہیں، لیکن اس کے چہرے پر غم کا تاثر گہرا سا ہو گیا تھا۔ مجھ میں اس سے بات کرنے کی ہمت ہی نہ رہی۔

"گلنا زی تو اب تنور پر نہیں ہو گی،" میں نے سوچا۔ "اس وقت تو مائی تنور بند کر دیتی ہے۔ شام کو جھاوریاں میں بھی پہاڑی سمت سے آنے والی ہوائیں بہت خنکی ہوتی ہوں گی۔ تنور کے چھپر کے اندر تو ہوا گرم ہوتی ہو گی... وہ بہت کمزور ہو چکی ہو گی... بھابھی نے خط میں یہی لکھوایا تھا... کہیں اسے سردی نہ لگ جائے..." سڑک کے کناروں پر لمبے لمبے درختوں کا احساس اب ان کے نیچے ہاؤں جیسے اندھیرے سے ہو رہا تھا۔ "گلنا زی کو یہ تو پتا چل ہی چکا ہو گا کہ میں جھاوریاں آ رہا ہوں۔" میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی۔ "وہ بے چینی سے میرا انتظار کر رہی ہو گی... کیا واقعی ہم ایک دوسرے کو دیکھ کر پہچان نہیں سکیں گے؟ وہ بھی ڈھانچہ، میں بھی ڈھانچہ... ہم اپنی غیر معمولی محبت کا اور کیا ثبوت دے سکتے ہیں..."

اماوس کی رات تو نہ تھی لیکن سڑک پر تانگہ کوچوان کے تجربے ہی سے دوڑ رہا تھا یا شاید گھوڑے کے تجربے کے ساتھ۔ تانگے پر چکوال کے تانگوں کی طرح روشنی دینے والی لالٹینیں نہیں لگی ہوئی تھیں۔ گھوڑا سڑک پر اس طرح دوڑ رہا تھا جیسے اسے ہر موڑ کا مکمل علم ہو۔ اسے سڑک کا ہر رخ، ہر موڑ اس طرح یاد تھا جیسے پرائمری سکول میں بچوں کو پہاڑے یاد ہوتے ہیں۔

"آج رات گئے تو گلنا زی ملنے نہیں آ سکے گی،" میں نے سوچا۔ "چار مہینے ہو گئے ہیں گلنا زی کو دیکھے ہوئے، اور اب چار لمحے بھی گزارنے دشوار محسوس ہو رہے ہیں... آج نہیں تو کل صبح تو وہ ضرور آئے گی، عصمت سے ملنے کے بہانے... سب کے سامنے ہمیں اپنے جذبات پر بہت قابو رکھنا

وہ... میں جانتا ہوں اس سے تنہائی میں ضرور ملوں گا۔ پچھلی بار میں نے اسے بہت دکھ دیا تھا...
نہیں، میں جانتا ہوں...... وہ بھی خوش ہوگی... نہیں، یہ خوشی...

بہاروں کی آمد بہت زور پکڑتی اور مجھے پھر ان خیالات نے گھیر لیا جن سے میں گریز چاہتا تھا۔ یہ خیالات میری خوشی کو راکھ کی طرح بکھیرتے رہتے تھے۔ اسے عارضی بھی نہیں رہنے دیتے تھے، معدوم سا کر دیتے تھے، ان سیاہ بادلوں کی طرح جو سورج کی روشنی کو ڈھانپ لیتے ہیں، ڈھانپ لیا کرتے ہیں۔

"کیا میں اپنی اس عارضی خوشی و رنگینی کا نام لے سکتا ہوں؟" یہ سفاک سوال میرے ذہن میں کانٹے کی طرح داخل ہو جاتا اور تبھی مجھے آنسو کی وہ بات یاد آتی جو وہ پچھلی بولی تھی۔ "میں نے زندگی میں پہلی بار کسی سے ایسی بے چینی محسوس کی ہے۔ پہلی بار کسی کے لیے اتنا تڑپا ہوں... یہ اظہار کسی سے کوئی تعلق ممکن ہو یا نہ ہو... اس نے مجھے تو خوبصورتی کے ان جذبات سے آشنائی تو دے ہی دی ہے جو میرے اندر سوئے ہوئے تھے ورنہ شاید مجھے ان سے آشنائی کا پہلے کبھی موقع ملا تھا... اس نے مجھے وہ خوشی دی جس سے میں نا آشنا تھا۔ محبت پانے کی خوشی، جو شاید اس دنیا کی تمام مسرتوں سے بڑھ کر ہے..."

میرے خیالات میں لفظ ممکن کی شدت جس شدت کو بامعنی کر رہی تھی، مجھے وہ بھی عارضی محسوس ہو رہا تھا۔ کیا مجھے خوش ہونے کا بھی حق نہیں؟ کیا میں کسی کے چاہے جانے کے احساس سے ملنے والی خوشی سے بھی محروم کر دوں؟ کیا میں اس سے یہ حق بھی چھین لوں؟ میں نے پہلے بھی اسے بہت ستایا تھا۔ کیا میں اتنا بے رحم ہوں کہ اسے پھر دکھوں کے بھنور میں اکیلے تنکے کی طرح چھوڑ دوں؟ وہ دل کی گہرائیوں سے میری منتظر ہوگی۔ مجھے اب یہاں جتنے دن بھی رہنا ہے، میں اسے خوشی سے سرشار کر دوں گا۔ میں اپنی محبت کا ممکن اور خوبصورت اظہار کروں گا... میں اس سے اس کی محبت سے کئی گنا محبت کروں گا... مجھے یہی خوف ہے نا کہ ہم بہک کر حقیقی زندگی میں قدم نہ رکھ دیں؟ میں اتنا کمزور بھی نہیں ہوں کہ خود کو اور اسے روک نہ سکوں۔ ہاں، اس بار میں کسی کی پروا کیے بغیر اسے نہر پر، جھیل میں، ہر جگہ لے جاؤں گا۔ میں اسے کہوں گا کہ میں نے اسے بہت یاد کیا ہے، اس کے بغیر میں اداس رہا ہوں، بہت تڑپا ہوں... میری بھوک مر گئی ہے، مجھے نیند نہیں آتی... میرے دوست مجھ سے پوچھتے رہتے ہیں، مجھے کیا ہو گیا ہے۔ میں تو انہیں کچھ بتا بھی نہیں پایا... وہ بھی مجھے اپنے پر بیتی ساعتوں کے متعلق بتائے گی کہ اس نے چار مہینے کیسے گزارے ہیں۔ وہ مجھ سے بہت

Scanned with CamScanner

ناراض ہو گی کہ میں اس سے اتنی گہری محبت کے باوجود اس سے بھاگتا کیوں رہا ہوں۔۔۔اس کے اس سوال کا میں کیا جواب دوں گا؟ میں تو وہ جواب دینا ہی نہیں چاہتا جو کڑوے بیج کی طرح، میرے دل میں خلش سی بن جاتا ہے۔"

مجھے پتا بھی نہ چلا اور جہاوریاں آ گیا۔ دیہاتی عورت لاری اڈے پر اتر گئی۔ بہت اندھیرا تھا۔ رات کے وقت اکیلی وہ کہاں جائے گی؟ نہ میں نے پوچھا نہ اس نے بتایا۔ شمالی پنجاب کی عورتیں مردوں سے زیادہ بے باک اور دلیر ہیں، یہ بات میں بچپن سے جانتا ہوں۔ تانگہ گھر کی سمت مڑا۔ میرا اندازہ درست تھا، گھروں میں ہر سمت لالٹینیں بجھ چکی تھیں، پھر بھی گلنازی کے گھر کے سامنے سے گزرتے ہوئے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اینٹوں کی بیرونی دیوار سے گزر کر، صحن سے گزر کر، برآمدے سے گزر کر، اندرونی کمرے کی دیوار سے گزر کر، میری نظر لحاف میں دبکی ہوئی گلناری تک پہنچ گئی ہے۔۔۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے گلنازی بھی مجھے تانگے میں بیٹھا دیکھ رہی ہے اور اس کے سامنے میری آنکھیں یوں چمک چمک جاتی ہیں جو کسی سے ملنے کی امید پر اپنا احساس جگنو کی طرح دلایا کرتی ہیں۔

"اس نے اس وقت سڑک سے تانگے کے گزرنے کی آواز تو سن لی ہو گی۔" میں مسکرایا۔

تانگہ گھر کے سامنے رکا۔ تانگہ رکتے ہی بشیر نعل بند کی دکان کا دروازہ کھلا۔ وہ بھاگ کر تانگے کے پاس آیا۔ اس نے کمبل اوڑھ رکھا تھا۔ "او پائی، او تیری خیر ہو!" بشیر نعل بند مجھ سے گلے ملا۔ "بڑا انتظار کرایا ہے تو نے۔ لیایا (لایا) ہے میری چیز؟"

"بشیر۔۔۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "تجھے لاہور جانا ہی پڑے گا۔ سیلوں والا ریڈیو چکوال میں بھی نہیں ملا۔" چکوال میں بھی ٹرانزسٹر ریڈیو نہیں ملا تھا۔

"اوئے فیر کی ہویا! نئیں سی کا تے نہ سہی (پھر کیا ہوا، نہیں تھا تو نہ سہی)، چلا جاؤں گا لاہور، لے آؤں گا او چتری دے کو۔"

کچھ دیر بعد ہم گھر کے کمرے میں بیٹھے تھے۔ کمرے میں کوئلوں والی انگیٹھی دہک رہی تھی۔ رقیہ اور بوبا کہیں نظر نہ آئے۔ "بھابھی،" میں نے پوچھا۔ "بوبا اور رقیہ کہاں ہیں؟"

"وہ آج شام ہی اپنے بھائی کے گھر گئی ہے۔" بھابھی نے میری طرف غور سے دیکھا۔ "کل صبح

Scanned with CamScanner

آ جائیں گے دونوں۔ یوہا بہت شرارتی ہو گیا ہے۔ امی نے ضد کی تھی کہ ماموں کے گھر جاتا ہے۔"

بھابی خاموش سی ہو کر، دیر تک میرے چہرے کی طرف دیکھتی رہیں۔۔۔ ساتھ ساتھ وہ بہنوں سے باتیں بھی کر رہی تھیں۔

پھر کھانا دسترخوان پر لگا دیا گیا۔ کھانا کھلانے کا فرض گداؤ ادا کر رہا تھا۔ بھابی بار بار میری طرف دیکھ رہی تھیں۔ بھائی بھی بار بار میری طرف دیکھ رہے تھے، لیکن خاموش تھے میں جانتا تھا کہ وہ میرے چہرے پر نظر آنے والی ہڈیوں کی سمت دیکھ رہے ہیں۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے؟" بھابی رہ نہ سکیں۔ "یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟ تمہارے چہرے پر تو ہڈیاں دکھائی دے رہی ہیں رنگ بھی پھیکا پڑ گیا ہے۔"

"اسے بھوک نہیں لگتی،" عصمت نے کہا۔ "بہت کم کھانا کھاتا ہے۔"

"کیوں؟" بھابی پریشان سی تھیں۔

"امی اسے بلکسر لے گئی تھیں۔ وہاں لیڈی ڈاکٹر رضیہ نے اسے چیک کیا تھا۔ خون کا چیک اپ راولپنڈی سے ہوا تھا۔ ڈاکٹر رضیہ کہہ رہی تھیں کہ اسے کوئی بیماری نہیں ہے اس عمر میں لڑکے اکثر دبلے ہو جاتے ہیں۔"

بھابی یہ سن کر بھی میری طرف مسلسل دیکھتی جا رہی تھیں۔ میں گھبرا گیا۔

دوسرے کمرے میں بستر بچھے تھے۔ میں ہاتھ منہ دھو کر، دانت صاف کر کے، لحاف اوڑھ کر لیٹ گیا۔ تمام خیالات کچھ دیر بعد ہی خواب آلود سے ہو گئے۔ میری نیم وا آنکھیں کمرے کے اندھیرے میں چھت کو دیکھنے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں۔

"گلنازی کیا کر رہی ہوگی؟" میں نے دھیمی دھیمی غنودگی میں خود سے سوال کیا۔ "کیا اسے بھی چار مہینے نیند نہیں آئی ہوگی؟ کیا وہ بھی میری طرح ٹھیک سے نہیں سو سکی ہوگی؟۔۔۔ اسے معلوم تو ہو گیا ہوگا کہ میں آ گیا ہوں۔ معلوم کیوں نہ ہوگا؟ اس نے اتنی رات گئے تانگے کے گزرنے کی آواز تو ضرور سنی ہوگی۔۔۔ کیا وہ بھی میری طرح بے چین ہوگی؟"

غنودگی بڑھتی گئی اور پھر مجھے جسم میں تھکن کا احساس ہوا اور پھر مجھ پر نیند نے اپنا لحاف بھی ڈال دیا۔

56

عصمت کی آواز نے مجھے جگایا۔

''اٹھو، ناشتہ کر لو۔'' وہ ایک دو بار آوازیں دے کر چلی گئی۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں گلنازی کے ساتھ کھیتوں کے درمیان رہٹ پر بیٹھا ہوں۔ سرمائی دھوپ میں رہٹ کی سرخ اینٹوں والی منڈیر، پگڈنڈیاں، کھیتوں میں گندم کے پودے اور ان کے خوشے بھی چمک رہے ہیں۔ ہر سمت وہ رنگین ڈریگن فلائیز اُڑ رہی ہیں جنھیں میں بچپن میں ہیلی کاپٹر کہا کرتا تھا۔ گلنازی کا چہرہ گلابی سے سرخ سا ہوتا جا رہا ہے۔ وہ میرے پہلو میں بیٹھی مجھے اپنی بے حد خوبصورت آنکھوں کی لمبی لمبی پلکوں سے بار بار دیکھتی ہے، اور پھر نظریں جھکا رہی ہے۔ اس کی آنکھوں میں وہی شرمائی ہوئی چمک ہے جسے دیکھ کر میں بے خود سا ہو جایا کرتا تھا۔

''گلنازی!'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''جی!'' بے حد خوبصورت اور رسیلی آواز کے ساتھ گلنازی نے میری طرف دیکھا۔

''تم اتنا اچھا گاتی ہو، مجھے ماہیا سناؤ!'' میں نے کہا اور گلنازی نے دھیما سا قہقہہ لگایا۔

''میں کیوں سناؤں؟'' اس کی آنکھوں میں مسکراہٹ چمکی۔ ''اب تمھاری باری ہے۔''

''میں نے کل آتے ہوئے بس میں ایک نظم کہی تھی'' میں نے کہا۔ ''گیت سمجھ لو۔ وہی سنا دیتا ہوں۔''

میں نے گلنازی کو سرسوں کے پھولوں والی نظم گا کر سنانی شروع کی، جب میں ان مصرعوں پر پہنچا کہ:

اس کے لیے سب پھول برابر نرگس ہو یا گلاب
اس کے لیے تو ڈنٹھل اچھے جن سے پکاتی ساگ

تو گلنازی نے مجھے اپنی لمبی لمبی انگلیوں والے خوبصورت ہاتھوں سے مارنا شروع کر دیا۔

''تم کیا سمجھتے ہو؟'' گلنازی نے کہا۔ ''مجھے پھولوں کی پہچان نہیں ہے؟ پہچان نہ ہوتی تو تم سے پیار ہی کیوں کرتی۔''

Scanned with CamScanner

گلنازی میرے قریب ہو گئی۔ اس کا کندھا میرے کندھے سے جڑ گیا۔

''پھول تو مرجھا جایا کرتے ہیں گلنازی!'' میں نے کہا۔

''میرا پھول کبھی نہیں مرجھائے گا'' گلنازی نے کہا۔ ''یہ میرے دل میں مہک رہا ہے۔''

''فرض کرو کہ پھول کسی وجہ سے مرجھا جائے گا تو کیا کرو گی؟'' میں نے پوچھا۔

گلنازی نے میری طرف چہرہ گھما کر دیکھا۔ تھوڑی دیر کے لیے اس کے چہرے پر اداسی کی چھائی۔ روشن دھوپ میں ہوا کے جھونکے خنک تھے۔

''میں اپنے آنسوؤں سے دل پر اتنی بارش کروں گی کہ پھول پھر کھل اٹھے گا۔'' گلنازی نے سر ترچھا کرتے ہوئے میرے کندھے پر رکھ دیا۔ اس کی زلف ماتھے سے پھسل کر گری اور رخسار پر خم کھا گئی۔

''آنسو خشک بھی تو ہو جاتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''آنکھیں پتھرا بھی تو جاتی ہیں۔''

گلنازی نے میرے کندھے سے سر اٹھایا، ترچھی سی ہو کر اس طرح بیٹھ گئی کہ اس کا چہرہ میرے سامنے تھا۔

''اگر ایسا وقت آ گیا۔'' گلنازی نے اداس آواز میں کہا ''اگر میرا پھول مرجھانے لگا۔۔۔ تو پھول کے مرجھانے سے پہلے۔۔۔ میں مر جاؤں گی۔''

میں نے دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے گلنازی کے بائیں رخسار پر ہلکی سی چپت لگائی۔ گلنازی مسکرائی اور میرے ہاتھ کو پکڑ کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ اس کی آنکھیں نم آلود تھیں۔

''ناشتہ کرنا ہے کہ نہیں؟'' عصمت کی آواز پر میں چونکا۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ مجھے اپنے دائیں ہاتھ پر ہونٹوں کا لمس محسوس ہو رہا تھا۔

57

ناشتے کے بعد میں گھر سے نکلا، یہ سوچ کر کہ چاشت کے وقت ہی گلنازی آئے گی، اس وقت مجھے گھر پر ہی رہنا چاہیے۔ اس سے پہلے میں میر صاحب سے کیوں نہ مل آؤں۔ وہ صبح ساڑھے سات بجے ہی ڈسپنسری کھول دیتے ہیں۔ میں پکی سڑک پر پہنچا ہی تھا کہ بشیر نعل بند میرے سامنے آ گیا۔

''اوئے تیں کی حال بنالیا وا؟'' (او تو نے کیا حال بنا لیا ہے؟) اس نے میرے چہرے کی

Scanned with CamScanner

طرف غور سے دیکھا۔

"وہ بشیر ..." میں نے بات ٹالنے کی کوشش کی۔ "میں بیمار ہو گیا تھا۔"

"کیا ہوا تھا؟" بشیر نے پھر میری آنکھوں کی سمت دیکھا۔

"ہر شام کو بخار ہو جاتا تھا۔" میں نے پھر جھوٹ بولا۔ "اترتا ہی نہیں تھا۔"

"یہ تو آنتوں کی بیماری ہے۔" بشیر نے فوراً فیصلہ دیا۔ "ایک بار رجو کو بھی ٹائی فائی ہو گیا تھا۔" مجھے ہنسی سی آئی لیکن میں نے اس پر قابو پا لیا۔ "بڑی خطرناک بیماری ہے۔ شکر ہے تیرے ہاتھ پاؤں سلامت ہیں۔"

"آج کل بہت اچھی دوائیاں مل جاتی ہیں۔" میں نے کہا۔ "یعنی مرض کا بھی علاج ہو جاتا ہے۔"

"ہاں جی، دنیا اور بھی بہت آگے نکل گئی ہے۔ پر تم سویرے سویرے کدھر جا رہا ہے؟"

"وہ میر صاحب ..." میں نے کہا۔ "ان سے ملنے جا رہا ہوں۔"

"جا شاباش" (شاباش) بشیر نے کہا۔ "بڑوں کو سلام کرنا اچھا ہوتا ہے۔ بڑے بھلے مانس ہیں ڈاکٹر جی۔ تو کوئی دوائی بھی پوچھ لینا ہڈو (ہڈیوں والا) بن گیا ہے۔"

ہوا کے جھونکوں میں خنکی تھی۔ سورج طلوع تو ہو چکا تھا لیکن آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ صبح کا مکمل تاثر بادلوں نے زائل کر دیا تھا۔ میں میدان سے گزر کر پرائمری سکول کے گیٹ کے سامنے سے گزرا، بازار والی گلی میں داخل ہوا۔ کم روشنی کے باوجود بازار مکمل طور پر کھل چکا تھا۔ میر صاحب ڈسپنسری میں آ کے بیٹھے تھے۔ انھوں نے سیاہ شیروانی پہن رکھی تھی، سر پر پھندنے والی ترکی ٹوپی تھی... وہ ذرا اسٹرم اور سکول ماسٹر زیادہ لگ رہے تھے۔

"ارے آپ" مجھے دیکھتے ہی وہ اٹھے۔ "بہت انتظار ..." انھوں نے میرے چہرے کی طرف غور سے دیکھا۔ "آپ کے بھیا نے بتایا تھا کہ آپ سردیوں کی چھٹیوں میں آ رہے ہیں۔"

میں ڈسپنسری میں داخل ہوا اور میر صاحب کی سامنے والی بنچ پر بیٹھ گیا۔ میر صاحب کے چہرے پر تشویش سی ابھر آئی۔

مجھے اس پر کوئی حیرت نہ ہوئی۔ جو بھی مجھے دیکھتا تھا اسے میرے چہرے کی ہڈیاں پریشان سا کر دیتی تھیں۔

Scanned with CamScanner

"صاحبزادے!" میر صاحب نے کہا۔ "کیا ہوا؟ آپ تو خاصے لاغر ہو چکے ہیں۔ رنگ بھی پھیکا پڑ گیا ہے۔ کیا ہوا؟ بیمار ہو گئے تھے؟"

"نہیں سر!" میں نے کہا۔ "بیمار تو نہیں ہوا... مجھے بھوک نہیں لگتی، کچھ کھانے کو جی نہیں چاہتا۔"

"ہے لو!" میر صاحب نے فوراً کہا۔ "صاحبزادے، آپ کے خون میں آئرن کی کمی ہے۔ آپ فکر نہ کریں... ایک روز میں ہم کو دوا دوائیاں لکھ دیں گے۔ آپ کے لیے آئرن سیرپ لے آئیں گے۔ بھوک بھی چمک اٹھے گی اور دنوں میں یہ..." انھوں نے پھر میرے چہرے کی طرف دیکھا۔ "یہ ہڈیاں بھی غائب ہو جائیں گی۔"

میر صاحب کچھ دیر خاموش رہے۔ انھوں نے پیڈ اور ڈائری پر کچھ لکھا، شاید آئرن سیرپ ہی لکھا ہوگا... پھر وہ یک لخت چونک سے گئے۔ انھوں نے میری آنکھوں میں دیکھا۔

"کیا کہا آپ نے؟" ان کی نگاہیں گہری سی ہو گئیں۔ "بھوک نہیں لگتی؟"

"جی سر!" میں نے آہستہ سے کہا۔

میر صاحب کے چہرے پر اچانک اداسی سی چھا گئی۔ وہ مسلسل میری سمت دیکھ رہے تھے۔

"بھوک نہیں لگتی..." میر صاحب نے اس طرح کہا، جیسے خود سے بات کر رہے ہوں۔ پھر انھوں نے میری طرف دیکھا۔ "لیکن وہ تو..."

میر صاحب کچھ کہتے کہتے رک گئے۔ پھر انھوں نے سامنے میز پر پڑے سٹیتھوسکوپ کو انگلیوں سے چھیڑنا شروع کر دیا۔

"آپ کچھ کہنے لگے تھے!" میں نے پوچھا۔

"نہیں... وہ..." میر صاحب نے جواب دیا۔ "میں ایک اعصاب مضبوط کرنے کی دوا لکھنے لگا تھا لیکن آپ کو شاید اس عمر میں اعصاب مضبوط کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

ایک دیہاتی ڈسپنسری کی سیڑھیوں پر قدم رکھ چکا تھا۔

"ارے حاجی میاں!" میر صاحب نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ "کھانسی کو آرام آیا کہ نہیں؟"

"سر، میں جاؤں؟" میں نے کہا۔

"ہاں ہاں!" میر صاحب نے کہا۔ "شام کو ہسپتال میں ملیں گے۔"

Scanned with CamScanner

میں میر صاحب کی ڈسپنسری سے نکلا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ میر صاحب کچھ کہنے لگے تھے، کہہ نہیں پائے۔ ''میری بھوک۔۔۔ میر صاحب میری طرف اتنے غور سے کیوں دیکھ رہے تھے؟ کیا گلنازی بہت لاغر ہو چکی ہے؟'' مجھے ایک بار پھر اداسی اپنے وجود پر محیط محسوس ہوئی۔ ''میں گلنازی سے کہوں گا کہ گر دس دنوں میں وہ دوبارہ پہلے جیسی نہ ہوئی تو میں اس سے روٹھ جاؤں گا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے سوچا۔ ''اور اگر یہی بات اس نے مجھ سے کہی تو؟''

میں میدان میں پرائمری سکول کے سامنے تھا کہ مجھے میدان کی دوسری طرف دو لڑکیاں نظر آئیں۔ میں ٹھٹکا۔ وہ پکی سڑک سے میدان میں داخل ہوئیں — وہ زبیدہ اور شریفاں کُنی تھیں۔

''یہ صبح صبح تنور کی طرف سے کیوں آ رہی ہیں؟'' میں نے سوچا۔ ''ماسی جیراں نے ابھی تنور میں لکڑیاں بھی نہیں ڈالی ہوں گی، اور ان کے ہاتھوں میں چنگیریں بھی نہیں ہیں۔''

وہ سیدھی میری طرف ہی آ رہی تھیں۔ یوں لگا جیسے انھیں پہلے سے علم تھا کہ میں جھادریاں آ گیا ہوں اور صبح صبح میر صاحب کی طرف گیا ہوں۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' میں نے سوچا۔ ''یہ محض ایک اتفاق ہے۔۔۔ بہر حال، مجھے کیا!''

میں نے پرائمری سکول کی دیوار کی سمت کھسکنا شروع کر دیا، وہ بھی میری سمت ہی آئیں۔ بشیر نعل بندی دکان کے سامنے آ کر وہ پرائمری سکول کی دیوار کے پاس اس انداز سے آئیں کہ اب میرے لیے ان سے بچنا مشکل تھا۔ اچانک ہی انھوں نے زور زور سے ہنسنا شروع کر دیا۔ ہنسی سے بے قابو ہو کر وہ آگے کی سمت جھک جھک جاتی تھیں۔

وہ بہت خوش تھیں۔۔۔ میں پریشان سا ہو گیا۔ میرے بائیں ہاتھ سکول کی دیوار تھی، وہ دائیں جانب سے ہنستی ہوئی آ رہی تھیں۔ جب وہ میرے اتنا قریب آ گئیں کہ ان کی آواز مجھ تک پہنچ جائے، زبیدہ نے اپنی سرمہ زدہ آنکھوں سے ہنستے ہوئے میری سمت دیکھا۔

''ہائی شریفاں، گلنازی تے ایتھایوں اے، تنورے تے کون اے؟'' (ارے ری شریفاں، گلنازی تو یہاں ہے، تنور پہ کون ہے؟'' دونوں نے قہقہہ لگایا، وہ میرے اور قریب آ گئیں۔ دونوں نے ہنستے ہوئے ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔

''ہائے نی بیداں! ہیا چر۔۔۔'' شریفاں نے اڑنگتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''شودے نی ہرنی

چیتے پھدتی... ''(ہائے ری زبیدہ، اچھا بیٹا! بے چارے کی ہرنی تو چیتے نے پکڑ لی ہے۔)

مجھے یوں لگا جیسے کسی قوت نے مجھے یوں روکا ہے جیسے میں کسی دیوار سے ٹکرا گیا ہوں۔

''ہرنی تھیں شریفاں، بلبل... شکرے چاٹی... '' (ہرنی تھیں شریفاں، بلبل، شکرے نے اٹھالی ہے!)

وہ ہنستی ہوئی میرے قریب سے گزر گئیں۔ گزرتے ہوئے دونوں نے میری سمت عیارانہ انداز سے دیکھا... زہریلے تیر میرے دل میں پیوست ہو چکے تھے۔

' گلنازی... '' مجھ پر سکتہ سا طاری ہو گیا۔ میداں میں صبح کی دھوپ سیاہ سی ہو گئی۔ یوں لگا جیسے کسی نے میرا گلا دبا دیا ہے اور میں بول نہیں سکتا... '' کیا ہوا گلنازی کو؟'' اندیشہ کسی آندھی میں اڑتی خاردار جھاڑی کی طرح تھا جس نے اپنے غیر مرئی کانٹوں سے میری روح کو چھلنی کر دیا تھا۔ میں دو چار قدم آگے کی سمت بھاگا۔ میرا ارادہ تنور کی سمت جانے کا تھا لیکن میں رک گیا— تنور پر اس وقت کوئی نہ ہوگا۔ رقیہ بوبے کے ساتھ بھائی کے گھر کیوں گئی ہوئی ہے؟ سب بار بار میری سمت کیوں دیکھتے ہیں؟ گداؤ کل سے اداس سا، غمزدہ سا کیوں ہے؟ میر صاحب پریشان کیوں تھے؟'' کیا ہوا میری گلنازی کو؟'' تنور پر کسی کے نہ ہونے کے احساس نے میرے قدم تو روک دیے، لیکن دل کو نہ روک سکا۔ میں پھر بھاگا۔ میرے دل میں شدید خواہش تھی کہ دوڑ کر ماسی جیر اں کے گھر جاؤں... اس وقت... میں پھر رک گیا، میرا دل ڈوب رہا تھا۔ چیتا ہرنی پکڑ کر لے گیا... بلبل شکرے نے اٹھالی... میری چیخ میرے حلق میں پھنس گئی۔ پل بھر ہی میں تاریک اندیشوں نے میرے دماغ کو ماؤف کر دیا۔ بس ایک خیال ہی دل میں رہ گیا بھابھی... مجھے یوں لگا جیسے ہر سمت اندھیرا ہے یا میری بینائی ختم ہو گئی ہے۔ میری چیخ پھر حلق میں اٹک گئی۔ میں گھر کی طرف یوں بھاگ رہا تھا جیسے کوئی اندھیرے میں بھاگ رہا ہو۔ میں نے سڑک پار کی، بیرونی دروازے تک اندازے سے گیا، زور سے پٹ کھولا— بینائی کچھ کچھ بحال ہوئی۔ بھابی اور بہنیں کمرے ہی میں تھیں— مجھے اس طرح وحشت زدہ دیکھ کر وہ گھبرا گئیں۔

''کیا ہوا؟'' عصمت نے گھبرا کر پوچھا: '' اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟ کیا ہوا؟''

''وہ... '' میرے الفاظ میرے گلے میں گھٹ سے رہے تھے۔'' وہ میں... '' میں نے

Scanned with CamScanner

خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ ''وہ... میں میر صاحب سے مل کر آ رہا تھا...'' میں نے اپنی سانس سینے میں رکی ہوئی محسوس کی۔ ''دو لڑکیاں... کی...''

''کون کی؟ دو لڑکیاں...'' بھابھی نے پریشان سی ہو کر کہا۔

''وہ بھابھی...'' میں نے بمشکل کہا۔ ''دو لڑکیاں باتیں کر رہی تھیں... گلنازی...؟''

بھابھی اور بہنوں کے چہروں کے رنگ بدل سے گئے۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔

''میں ٹھیک کہتی تھی نا!'' عصمت نے کہا اور بھابھی نے میری طرف دیکھا۔ ان کے چہرے پر المناک سی کیفیت نمایاں ہوئی۔ ''تمھاری گلنازی کی شادی ہو گئی ہے۔'' بھابھی نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''کیا؟'' مجھے یوں لگا جیسے سارا کمرہ اماوس کی رات کی مانند تاریک ہو گیا ہے... ہر سمت سناٹا چھا گیا ہے۔ بھابھی کیا کہہ رہی تھیں، بہنیں کیا کہہ رہی تھیں، مجھے کچھ بھی سنائی نہیں دے رہا تھا، سماعت ہی ختم ہو چکی تھی۔ پھر میرے سینے سے ٹیس سی اٹھی، یوں لگا جیسے کسی نے میری چھاتی میں خنجر گھونپ دیا ہو۔

''آئی تھی ناں میں...'' عصمت کی آواز کہیں دور سے آئی۔

''نکاح ہوا ہے...'' بھابھی کی آواز بھی کہیں دور سے آتی محسوس ہوئی۔

''کس سے ہوا ہے نکاح؟'' باجی زیبا کی آواز بھی نزدیک نہ تھی۔

''ماسی جیراں کے بھتیجے محمد اکبر خان سے۔'' بھابھی کی آواز کچھ صاف سنائی دی۔ ''نکاح ہوا ہے، رخصتی دو سال بعد ہو گی۔''

''وہ تو گلنازی کا...'' باجی زیبا کی آواز بھی قریب آتی محسوس ہوئی

''ہاں۔'' بھابھی نے باجی کی بات کاٹ دی۔ ''منگیتر تھی اس کی۔ چھٹی پر آیا تھا، ماسی جیراں اور اس کے بھائی نے مل کر نکاح کر دیا۔ میں شریک ہوئی تھی رسم میں۔''

''پھر بھی بھابھی...'' عصمت نے کہا۔ ''اتنی جلدی... کیا پرابلم تھی ماسی جیراں کو؟''

''یہ دیہاتی لوگ۔'' بھابھی نے کہا۔ ''ایسی حرکتیں کرتے ہی رہتے ہیں، لڑکی لڑکے کو باندھنے کے لیے...''

''کیا ان لوگوں کو اپنی بیٹیوں پر اعتبار نہیں ہوتا؟'' باجی زیبا نے کہا۔ ''دراصل یہ لوگ دین

Scanned with CamScanner

سے دور ہو گئے ہیں۔ نہ دوپٹہ... نماز... کلمہ... تعلیم... قرآن... تربیت..."

پتا نہیں، باجی زینب کیا کہہ رہی تھیں۔ مجھے کوئی لفظ سنائی دیتا تھا، کوئی نہیں... بھائی بھی کمرے میں آ گئے۔ میں تھوڑا سا برآمدے میں آ گیا۔ پھر نادانستہ طور پر میں نے خود کو سیڑھیوں پر... اس سیڑھی پر بیٹھا پایا جہاں گلنازی نے مجھے پیچھے سے آ کر بازوؤں میں جکڑ لیا تھا۔ سرد ہوا کے جھونکے میرے چہرے کو مس کرتے ہوئے گزر رہے تھے۔ مجھے پشت پر سرد مہری محسوس ہوئی... جھرجھری سی آئی۔

"یہ کیا ہو گیا؟" سناٹے میں مجھے اپنی ہی آواز سنائی دی، ویسی ہی آواز... افق پر کچھ سفید بادل برفانی چوٹیوں کی طرح نظر آ رہے تھے۔ "میں نے یہ تو نہ چاہا تھا۔" تاریک سائے میرے آس پاس تہہ در تہہ اتر رہے تھے... "میری اور گلنازی کی چاہت ماسی جیرس نے گلنازی کو دیکھ دیکھ کر جان لی ہوگی... لیکن وہ تو پہلے ہی سے جانتی تھی۔ پھر کیا ہوا؟ گلنازی کی کیا حالت ہوئی ہوگی... میری خاطر... اس پر کیا گزری ہوگی..." مجھے اپنی آنکھیں پتھرائی ہوئی محسوس ہوئیں۔

"صاب جی..." مجھے پتا بھی نہ چلا، گداؤ میرے سامنے سیڑھی پر موجود تھا۔ چہرے کی مانند اس کی آواز میں بھی غم تھا۔

میں نے گداؤ کی سمت دیکھا۔ میری سنگ آلود آنکھیں خالی خالی سی تھیں۔ مجھ میں کوئی احساس، کوئی کیفیت باقی نہ تھی... میں خود کو ایک تاریک خلا میں محسوس کر رہا تھا۔ گداؤ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کی آنکھیں نم آلود تھیں۔ وہ مجھے کھینچ کر برآمدے تک لایا۔

"خود کو سنبھالیں صاب،" گداؤ نے کہا۔ "اب ہو بھی کیا سکتا ہے۔"

گداؤ نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔ میں کمرے میں داخل ہوا۔

"ناشتے میں انڈا بھی ہے، اچار بھی،" بھابھی نے کہا۔ "پراٹھے کے ساتھ کیا لو گے؟"

"چائے،" میں نے آہستہ سے کہا۔

"میں نے کہا ہے نا،" عصمت نے کہا۔ "اس کی بھوک مر چکی ہے۔"

"وہ لڑکے کی مرتقی ہوگی؟" باجی زینب نے پوچھا اور عصمت نے ان کی طرف ناگواری سے دیکھا۔

"بیس اکیس برس کا ہوگا،" بھابھی نے کہا۔ "گلنازی سے چار پانچ سال بڑا۔"

"یہ تو کوئی زیادہ فرق نہیں ہے،" باجی زیبا نے کہا۔

"آج کل کسی ملٹری اکیڈمی میں ہے،" بھابھی نے کہا۔ "میٹرک پاس ہے فرسٹ ڈویژن میں۔"

"یہ زیادتی ہے،" عصمت نے کہا۔ "سولہ برس کی عمر سے بھی پہلے نکاح کے بندھن میں باندھ دینا... سراسر زیادتی ہے۔"

"کیسا ہے گلنازی کا دولھا؟" باجی زیبا نے کہا اور عصمت نے پھر ان کی طرف ناگواری سے دیکھ کر میری سمت دیکھا۔

"اچھا ہے،" بھابھی نے کہا۔ "سانولے رنگ کا، خوبصورت بھی نہیں اور بدصورت بھی نہیں... اچھے قد کاٹھ والا ہے۔ چوڑے کندھے، لمبا قد۔ شکل ہی سے فوجی لگتا ہے۔"

کمرے میں کوموں کی انگیٹھی میں کوئلے دہک رہے تھے۔ کوئلوں کے جلنے کی مخصوص بو میں چائے کی مہک شامل ہو رہی تھی۔ بھائی ابھی تک خاموش بیٹھے تھے۔ انھوں نے چائے کی پیالی میز پر رکھتے ہوئے باجی زیبا کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک ٹھاک سیانا لگتا ہے،" انھوں نے کہا۔ "میٹرک پاس ہے، فرسٹ ڈویژن میں۔ اچھی گفتگو کر لیتا ہے۔ ملٹری اکیڈمی میں ہے۔ محنتی اور ذہین ہے۔ سیکنڈ لیفٹیننٹ ہو کر نکلے گا، پھر آگے ساری عمر پڑی ہے۔ میجر جنرل تک نہ بھی پہنچا تو بھی بریگیڈیئر کے رینک تک تو ضرور جائے گا۔ خاصا شریف لگتا ہے۔"

"گلنازی کی تو قسمت کھل گئی،" باجی زیبا نے پھر کہا، اور عصمت نے اس بار ان کی طرف غصے سے دیکھا۔

"قسمت تو کھل گئی ہے لیکن..." بھابھی نے کہا، "ایک بات مجھے چبھ رہی ہے... گلنازی اس شادی پر خوش نہیں تھی۔" بھابھی کی اس بات پر میرا سر جھٹکے سے اوپر اٹھا۔ عصمت نے میری طرف دیکھا۔

"تجھے تو قیاس آرائیاں کرنے کی عادت ہو گئی ہے،" بھائی نے بھابھی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "نکاح پر اور رخصتی پر لڑکیاں رویا ہی کرتی ہیں، اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ خوش نہیں ہیں۔"

بھابھی کچھ دیر بھائی کی جانب دیکھتی رہیں۔

"رونا رونا بھی ایک سا نہیں ہوتا،" انھوں نے کہا اور میری طرف دیکھا۔ "دکھ کے رونے کو

Scanned with CamScanner

میں خوب سمجھتی ہوں۔'' بھابھی نے پھر بھائی کی طرف دیکھا۔ ''آپ نے وہ سب کچھ نہیں دیکھا جو میں نے دیکھا ہے۔''

''کیا ہوا تھا بھابھی؟'' عصمت نے کہا۔

''تو سنائیں اپنی قیاس آرائیوں کے قصے'' بھائی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''میں تو چلا۔''

''دوسرے کمرے سے چھتری لیتے جائیں'' بھابھی نے کہا۔ ''بادل چھا رہے ہیں۔''

بھابھی کچھ دیر خاموش رہیں، جیسے سوچ رہی ہوں کہ وہ جو کچھ کہنے والی ہیں، کہیں یا نہ کہیں۔

''بہت روئی تھی گلنازی،'' انھوں نے کہہ ہی دیا۔ ''پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔''

''کب روئی تھی، کہاں؟'' باجی زیبا نے کہا۔

''پچھلے مہینے کے آخر میں'' بھابھی نے کہا۔ ''نومبر کے آخری دنوں میں۔''

میرے تصور میں، چھوال میں، مندر کی سیڑھیوں پر خواب آلود کیفیت ابھر آئی جب میں نے اپنی گود میں گلنازی کو محسوس کیا تھا، اس کا رخسار میری چھاتی پر تھا اور میں نے سسکی کی آواز سنی تھی... مجھ پر پھر سے خزاں کی کیفیت چھا گئی۔

''بہت روئی تھی گلنازی'' بھابھی نے پھر کہا۔ ''آنکھیں سوج گئی تھیں۔''

اتنے میں کسی کونے سے ترخنے کی آواز آئی۔ میری سماعت تو موجود تھی لیکن یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے حویلی نہیں رہی۔

''وہاں اس کی سہیلی اس کے ساتھ تھی'' بھابھی نے کہا۔ ''وہی اسے سنبھال رہی تھی۔ میں نکاح سے ایک دن پہلے مائی جیراں کے گھر گئی تھی تو گلنازی مجھ سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔'' بھابھی نے پھر میری طرف دیکھا۔ ''نکاح والے دن تو اس کا برا حال تھا۔ سب پوچھتے تھے کہ کیا بات ہے؟ لیکن وہ... بس روئے جا رہی تھی۔ پھر اس نے سب کے سامنے کہہ دیا کہ وہ شادی نہیں کرنا چاہتی۔''

''کیا؟'' عصمت نے چونک کر کہا اور میری طرف دیکھا۔

''ہاں صاف صاف کہہ دیا... اس پر ساری برادری والے پریشان ہو گئے۔ محمد اکبر خان کی ماں نے تشویش سے پوچھا مجھے سچ سچ بتا جیراں، بات کیا ہے؟ مائی جیراں کیا بتاتی... سب عورتیں

Scanned with CamScanner

گلنازی کے گرد جمع ہو گئی تھیں۔ سب کے چہروں پر پریشانی تھی۔ محمد اکبر خان کی ماں گلنازی کے سامنے بیٹھ گئی۔ اس نے ٹھوڑی پکڑ کر گلنازی کا چہرہ اوپر اٹھایا۔ گلنازی، سچ سچ اور صاف صاف بتا، کیوں شادی نہیں کرنا چاہتی؟ جو دل میں ہے بول دے۔ گلنازی کچھ کہنے ہی والی تھی کہ اس کی سہیلی نوراں بول پڑی۔ کوئی بات نہیں ہے ماں جی۔ گلنازی کا نہ تو باپ ہے، نہ بہن، نہ بھائی — ایک ماں ہے، اس سے بھی الگ کرو گی تو کیا روئے بھی نہ؟ نہیں جانا چاہتی ماں کو چھوڑ کے۔ ۔ ۔ اس بات پر پھر ہر طرف خوشی کی لہر سی دوڑ گئی۔ چہرے مسکرانے لگے۔ گلنازی کی ہونے والی ساس نے گلنازی کا منہ چوما، سر چوما اور کہا: بے ناکھلی دھی (بے وقوف بیٹی) نہ سوہنی دھیے، روتے کیسے ہیں۔ ایک نہ ایک دن تو ماں کو چھوڑنا ہی پڑتا ہے۔ میں کون سا ابھی تجھے لے جا رہی ہوں؟ رہ لے دو سال ماں کے پاس۔ اس کے بعد بھی کیا میں تجھے ماں سے نہیں ملنے دوں گی؟ توبہ استغفار۔ تدھیے! ایسا نہ سوچ۔ نہ میری سوہنی دھی۔ ۔ ۔ اچھا چل میں اکبر سے کہہ دوں گی کہ لفٹین بننے کے بعد جب کسی چھاؤنی میں جائے تو تیرے ساتھ بہن جیراں کو بھی لے جائے جہیز میں۔ ایک عورت نے کہا اور ہر طرف قہقہے گونجنے لگے۔ گلنازی کی سسکیاں پھر بھی سنائی دیتی رہیں۔ جب نکاح نامے پر انگوٹھا لگانے کا وقت آیا تو نوراں نے گلنازی کا ہاتھ پکڑ کر انگوٹھے پر سیاہی لگائی اور انگوٹھے کو پکڑ کر نکاح نامے پر لگا دیا۔"

"نوراں نے؟" باجی زیبا نے کہا۔

"ہاں، نوراں نے۔ اور مجھے تو یوں لگتا ہے،" بھابی نے کہا: "نوراں ہی نے قبول قبول کہہ دیا تھا۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" باجی زیبا نے کہا۔

"شور میں کیا پتا چلتا ہے۔" بھابی نے کہا۔ "انگوٹھا لگ جانے پر عورتوں نے مبارک مبارک کا شور مچا دیا۔ مولوی بھی بوڑھا تھا، وکیل بھی بوڑھے تھے۔ ۔ ۔ کیا پتا چلتا ہے! میں قریب ہی تھی، مجھے تو یہی لگتا ہے کہ میں نے گلنازی کی نہیں، نوراں کی آواز سنی تھی۔"

"پھر تو نکاح فسخ ہے،" باجی زیبا نے کہا: "قرآن اور سنت اور شرعی احکام کے مطابق۔ ۔ ۔"

میں اٹھ کر برآمدے میں آ گیا۔

"مجھے لگتا ہے،" میرے دروازے سے نکلتے ہی عصمت نے باجی زیبا کی بات کاٹ دی۔

"مجھے لگتا ہے، گلنازی خالد کے لیے روئی تھی۔"

Scanned with CamScanner

میں برآمدے میں دروازے کے پاس دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔

''تم ٹھیک کہتی ہو عصمت،'' بھابھی نے کہا۔ ''دونوں کے درمیان کوئی بات ضرور تھی جو خالد ہم سے چھپا رہا ہے۔ حال دیکھ ہے اس کا؟ گلنازی بھی سوکھ گئی ہے۔''

''مجھے تو پچھلی گرمیوں کی چھٹیوں ہی میں پتا چل گیا تھا،'' عصمت نے کہا۔ ''گلنازی بار بار خالد سے متعلق پوچھتی تھی، بے چین سی رہتی تھی۔''

''پتا ہے... '' بھابھی کی آواز دھیمی ہو گئی۔ ''جب وہ میرے گلے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی تو اس نے میرے کان میں سرگوشی میں کیا کہا تھا؟ بی بی جی، مر جاؤں گی... '' (بی بی جی، مر جاؤں گی...)

''بس!'' باجی زیبو نے فوراً کہا۔ ''مجھے پہلے ہی پتا تھا کہ وہ اچھی لڑکی نہیں ہے۔''

''اس میں اچھائی برائی کہاں سے آ گئی؟'' عصمت نے احتجاج سا کیا۔ ''کسی کو پسند کرنے میں کیا برائی ہے؟ ہم انسان ہیں کوئی بھی کسی کو پسند آ سکتا ہے۔ محبت اسی طرح ہو جاتی ہے۔ گلنازی تو بہت بھولی بھالی اور بچوں جیسی ہے۔ اور میرا بھائی تو ہے ہی ایسا — جو لڑکی دیکھ لیتی ہے، اس کی نظر ہٹتی ہی نہیں ہے۔ اگر گلنازی کو پسند آ گیا ہے تو اس میں برائی کیا ہے؟ وہاں چکول سکول میں استانیاں مجھ سے پوچھتی رہتی ہیں کہ وہ سامنے بیری والے گھر میں جو لڑکا رہتا ہے، کیا تمھارا بھائی ہے؟ ایک لڑکی نے تو بڑی دلیری سے کہہ دیا تھا کہ مجھ سے دوستی کر لو... میری سہیلی بن جاؤ... اتنے خوبصورت اور پیارے لڑکے کی بہن سے دوستی تو کرنی ہی پڑے گی۔''

''حسینہ نے کہا ہو گا،'' باجی زیبا نے فوراً کہا۔

''ہاں!'' عصمت کی آواز آئی۔

''وہ مکار لومڑی... '' باجی زیبو بولیں۔ ''مجھ سے بھی یہی کہا تھا۔ میں نے خوب سنائی تھیں، وہ سب شرم آنے سے کھسک جاتی تھی۔''

مجھے ان کی کوئی بات اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ صحن کا دروازہ کھلا۔ گداؤ اندر آیا۔ میں گداؤ کو دیکھ کر برآمدے سے صحن میں گیا۔ میں باہر کھیتوں میں جانا چاہتا تھا۔ بیرونی دروازہ کھولنے ہی والا تھا کہ گداؤ نے میری کلائی پکڑ لی۔ وہ مجھے صحن میں کھینچ کر بیرونی دیوار کی سمت لے گیا۔ اس نے

دوسرے ہاتھ میں موڑھا بھی پکڑ لیا تھا۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں گداؤ منڈھی پر لکڑیاں چیرا کرتا تھا۔ اس نے موڑھا بچھایا، مجھے بیٹھنے کو کہا، خود منڈھی پر بیٹھ گیا۔

"کہاں جا رہے ہو صاب؟" اس نے کہا۔ "باہر ہوا بہت ٹھنڈی ہے، بادل بھی چھا رہے ہیں... سر پر ٹوپی نہیں، گلے میں مفلر نہیں، پاؤں میں موزے نہیں... صرف ایک سویٹر پہنا ہوا ہے... نہ صاب جی، ٹھنڈ لگ جائے گی۔" اس نے اوپر آسمان کی طرف دیکھا، جہاں سفید بادلوں کی تہیں بن رہی تھیں۔

"کچھ نہیں ہوگا گداؤ،" میں نے کہا۔ "وہاں بلکسر اور چکوال میں زیادہ سردی پڑتی ہے — عادی ہوں میں۔"

"ہوتا تو بہت کچھ ہے صاب،" گداؤ نے کہا۔ "سہنا پڑتا ہے..." اس کی آواز دھیمی ہوگئی۔ "وہ تو کملی (دیوانی) ہے۔ نہ سوچا نہ سمجھا، خود کو روگ لگا بیٹھی ہے۔ آپ تو سیانے ہیں، یہ کیا حال بنالیا ہے؟ اب تو ہو بھی کیا سکتا ہے؟ اس نے تو خود کو نکاح کے بعد گھر میں قید کر لیا ہے... تندور پر بھی نہیں آتی۔"

میں گھبرا سا گیا۔ گداؤ نے کسی جھجک کے بغیر کھل کر بات کی۔ میں کوئی جواب نہ دے پایا۔ گداؤ میری سمت دیکھتا رہا۔

"دل آ جائے تو..." گداؤ نے کہا۔ "تو اپنے آپ پر قابو نہیں رہتا۔ میں آپ جتنا سیانا نہ تھا... شانی کے بمبئی چلے جانے کے بعد جو حال میرا ہوا تھا، میں ہی جانتا ہوں... سینے کا لمبو (شعلہ) اٹھ اٹھ کر دماغ تک جاتا تھا۔ دماغ جلتا تھا دل جلتا تھا اور میں بے بس تھا... کبھی دل چاہتا تھا کہ مر جاؤں... پتا نہیں شانی کا کیا حال ہوا ہوگا۔" گداؤ کی آواز میں رقت سی نمودار ہوئی۔ "اس جھلی کملی کلثوم زی کا حال تو میں نے دیکھا ہے صاب... یاد کر کر کے روتا ہوں صاب... ہر شام خالی خالی آنکھوں سے ہسپتال کے صحن کی طرف دیکھتی رہتی تھی۔ ماں کے بلانے پر بھی اسے کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ ہر شام ماں سے ڈانٹ کھاتی تھی۔ پیڑے بناتے ہوئے اس کے ہاتھ سے پیڑا گر جاتا تھا۔ ساون میں ایک بار بڑی تھنگھور گھٹا چھائی۔ سہ پہر کو تنور بند کر کے ماسی جیراں کے ساتھ اندر گھر میں گئی تو پھر باہر آ گئی۔ میں بیمار جانوروں کے چھپر میں تھا صاب... اپنے گھر کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ

گئی... موسم بھی ابر آلود ہوا، بارش ہوئی اور وہ دھوپ میں جھلستی رہی۔ یوں لگتا تھا جیسے تندور میں جلنے والی آگ سے بچتی رہی ہو آگ جو اس کے اندر ہے... ایک بار پھر اکیلی چھپر میں تندور کے پاس بیٹھی تھی۔ بہت تیز ہوا تھی۔ اس کا دوپٹہ اڑ گیا، وہ اسے پکڑنے بھاگی نہ چلا۔ میں دوڑ کے دوپٹہ پکڑ کر لایا۔ میں نے کہا، گلنازی پتر، تیرا دوپٹہ اڑ گیا ہے... وہ خالی خالی نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی... آپ کی طرح اس کی بھی خبر نکل گئی تھی صاحب... یہ عشق بڑی ظالم چیز ہے۔ ایک بار تو چنگیر میں روٹیاں ڈال کر بی بی کو دینے چل پڑی تھی جس پر ماسی نے ڈانٹ کر کہا تھا کہ گلنازی، ڈاکٹرنی بہنیں چلی گئی ہیں! پر میں تو سب جانتا تھا کہ وہ کس کی خاطر خود سے بے خبر ہو کر چل پڑی تھی... ماسی جیراں بھی سب جانتی ہے صاحب۔ گلنازی کو دیکھ دیکھ کر بہت پریشان تھی۔ بس چپکے چپکے... یہ ساری شرارت شریفاں کٹی کی ہے... ایک شام جب سب لڑکیاں تندور سے چلی گئیں۔ بس میں، ماسی جیراں اور شریفاں کٹی ہی تندور پر رہ گئے۔ گلنازی گھر کے اندر سے باہر آئی۔ بہت کمزور لگ رہی تھی۔ اس نے چنگیر پکڑی ہوئی تھی۔ اس نے چنگیر میں پندرہ روٹیاں ڈالیں اور ہمارے گھر کی طرف چل پڑی۔ ماسی نے تیزی سے خود بڑھ کے پکڑا، چنگیر چھینی... گلنازی روتی ہوئی واپس گھر کے اندر چلی گئی۔

"ماسی، شریفاں کٹی نے کہا، گلنازی آں سانبھ لے، ڈاکٹر تیں بھراں نیں عشق اچ جھلی ہوئی ہوندی آ... (ماسی، گلنازی کو سنبھال لے، ڈاکٹر کے بھائی کے عشق میں دیوانی ہو چلی ہے۔) اس سے پہلے کہ ماسی کچھ کہتی، میں نے غصے سے کہا، بکواس نہ کر شریفاں! اور خبردار اگر یہ بات تو نے کسی اور یا گاؤں کے کسی بھی مرد یا عورت کے سامنے کی تو... میں نے شریفاں کٹی سے کہا، گاؤں میں تیرے جو کرتوت ہیں، میں تیرے ماں باپ کو بتا دوں گا، سارے گاؤں کو بتا دوں گا... میں بھی سب جانتا ہوں۔ شریفاں کٹی کا تو منہ کھلا رہ گیا صاب — میں نے تو اندھیرے میں غلیل چلائی تھی، پتھر سیدھا اس کے ماتھے پر لگا۔ سہم سی گئی۔ یہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے صاحب، ہر لڑکے اور ہر لڑکی کے دل میں چور ہوتا ہے۔

"میں جھلی تے ناں کدا او چاچا... (میں دیوانی تو نہیں ہوں گدا او چچا...) شریفاں کٹی نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ میں کسے آں کیوں آکھساں، میں تاں ماسی آں آہدی پئی آں کہ گلنازی آں سانبھ لے... (میں کسی سے کیوں کہوں گی۔ میں تو ماسی ہی سے کہہ رہی ہوں کہ گلنازی کو سنبھال

Scanned with CamScanner

لے۔) اچھا اچھا، میں نے کہا، زیادہ سیانی نہ بن، ماسی تجھ سے بہتر جانتی ہے۔"

گداؤ کچھ لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا، پھر اس نے میری طرف دیکھا۔

"پر صاب جی!" گداؤ نے کہا۔ "شریفاں کی اپنا کام دکھا گئی تھی۔ ماسی کے دل میں وہ خوف پیدا ہو گیا جو پہلے نہ تھا۔ بدنامی کا خوف... اسی خوف میں اس نے بھائی سے بات کی ہو گی۔ بھائی نے اکبرے کو دو تین دن کی چھٹی پر بلایا اور گلنازی کا نکاح کر دیا۔"

"کیا کہا ہو گا ماسی نے اپنے بھائی سے؟" بہت دیر خاموش رہنے کے بعد میں نے زبان کھولی۔

"یہی کہ گلنازی جوان ہو رہی ہے،" گداؤ نے کہا۔ "اس سے پہلے کہ کوئی اس پر بری نظر ڈالے، نکاح کر دینا چاہیے۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے گداؤ مجھ پر الزام لگا رہا ہے۔

"میں نے تو کوئی ایسی حرکت نہیں کی،" میں نے آہستہ سے کہا، "جسے بری نظر کہا جائے۔"

"جانتا ہوں صاب!" گداؤ نے کہا۔ "ماسی جیراں بھی یہ بات جانتی ہے کہ گلنازی ہی کھل ہو گئی تھی... رونا بھی تو اسی بات کا ہے صاب... گل زی کے نکاح کے بعد رات کو میں بہت رویا تھا صاب۔" گداؤ کی آواز میں پھر رقت نمودار ہوئی۔ "یہ دنیا... جینے کیوں نہیں دیتی؟"

مجھے زیادہ دیر گداؤ کے پاس بیٹھنا اپنی برداشت سے باہر محسوس ہو رہا تھا۔

"میں ابھی آتا ہوں،" یہ کہہ کر میں اٹھا اور صحن کے بیرونی دروازے سے نکل کر کھیتوں کی طرف چل دیا۔ کھیتوں میں گندم کے پودے کمر کمر تک آ چکے تھے۔ سرد ہوا کے جھونکے گندم کے پودوں میں سرسرا رہے تھے۔ سورج بھی اپنی شعاعوں سے کھیتوں میں تمازت پھیلا رہا تھا۔ یہ شعاعیں مجھے تاریک تاریک سی محسوس ہو رہی تھیں۔ جدھر بھی دیکھتا تھا، سیاہ شعاعوں میں چمک تو تھی، روشنی کا احساس نہیں تھا۔ شاید صدمے نے میری بینائی بہت کمزور کر دی تھی۔ پگڈنڈی پر چلتے ہوئے میں کچھ دور ہی گیا تھا کہ مجھے یوں لگا، میرے آنسو میرے حلق میں جمع ہو گئے ہیں... شوریدگی کی اس کیفیت سے نجات پانے کے لیے، تلخی کے اس آتشیں سیال سے نجات پانے کے لیے، نہ تو میں گھونٹ بھر سکتا تھا، نہ ہچکی لے سکتا تھا۔ پھر جیسے اس سیال آتشیں کے کچھ قطرے میرے سینے میں اندر کی سمت اترے... تنور سا نمایاں ہوا، خراشیں ڈالتی ہوئی سوکھی لکڑیاں میرے دل کے آس پاس

Scanned with CamScanner

گریں اور ان میں آگ بھڑک اٹھی۔ شعلے بلند ہوئے، دھواں اٹھا... میرا جی چاہا میں گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخوں۔ میرے قدم بوجھل ہو گئے۔ یوں محسوس ہوا کہ میں نہر کے کنارے تک نہیں پہنچ پاؤں گا... گر جاؤں گا۔ "نہیں نہیں نہیں.. " میرے دل سے چیخیں اٹھ رہی تھیں۔ "نہیں... میری گلنازی کو مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا... وہ میری ہے... میری... " نہر کا کنارہ مجھے دور محسوس ہوا۔

"چھین تو تم رہے تھے" میرے سینے میں لگی آگ، اٹھتے شعلوں اور دھوئیں سے آواز ابھری۔ "وہ کسی سے منسوب تھی... اسے چھین تو تم رہے تھے... وہ جس سے منسوب ہے اس کا قصور بتا سکتے ہو؟"

"وہ اسے نہیں چاہتی" میں دل ہی دل میں چیخا۔ "وہ مجھ سے پیار کرتی ہے۔ میرے ساتھ جینا چاہتی ہے... " میرے بدن کا رواں رواں سوالیہ نشان بن چکا تھا کہ میرا کیا قصور ہے، میری گلنازی کا کیا قصور ہے؟ اسی طرح گرتا پڑتا میں نہر کے کنارے پہنچ گیا۔ شیشم کے لمبے گھنے درختوں کے درمیان، کنارے پر موٹی تہہ والی سوکھی گھاس پھیلی ہوئی تھی۔ میں گھاس پر لیٹ گیا، آنکھیں بند کیں... بے چینی اس قدر تھی کہ بار بار اٹھ کر بیٹھ جاتا تھا... پھر لیٹ جاتا تھا، کبھی کروٹیں لینے لگتا تھا۔ پھر میں پشت کے بل، سیدھا لیٹ گیا... آنکھیں کھولیں، ہر سمت چھائی ہوئی تاریکی میں کہیں دور آسمان کا نیلا رنگ دکھائی دیا، جس کے آس پاس سفید بادلوں کی دھند میں بھی نیلاہٹ سی تھی۔

"کیا اس زندگی سے... " میرے سوچنے کی قوت کچھ کچھ بحال ہوئی۔ "اس زندگی سے موت اچھی نہ ہوگی؟ گلنازی نے بھی تو کہا تھا کہ جدا ہو کر ہم کون سا زندہ لوگوں کی طرح جی پائیں گے... میں مر کیوں نہ جاؤں؟"

مجھے اپنی چھاتی پر بوجھ سا محسوس ہوا۔ سینے میں الاؤ کے شعلے اب کم ہوتے ہوئے دائیں بائیں تھم رہے تھے۔ دل کے آس پاس اب دہکتے انگاروں کا احساس ہو رہا تھا، جن کے درمیان راکھ سی بکھری ہوئی تھی... بکھر رہی تھی...

میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میرے منہ اور حلق میں کڑواہٹ تھی۔ ایسی کڑواہٹ میں نے پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ مجھے اپنے ہونٹ خشک محسوس ہوئے۔ زبان بھی درخت کے تنے سے اتری ہوئی چھال سی بن گئی تھی۔ ایک انوکھی تشنگی کا احساس ہونے لگا تھا جو لمحہ لمحہ شدید ہوتا جا رہا تھا۔ یہ تشنگی میرے

Scanned with CamScanner

سینے میں بے تابی کی کیفیت سے جا ملی۔ میں گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک درخت کی سمت گیا، واپس پلٹا، پھر بیٹھ گیا۔۔۔

"وے میں بے گناہی ماری آں، میرا کر گناہ صحیح۔۔۔"

(میں بے گناہ ماری گئی ہوں، میرا گناہ تو درست کر دے۔۔۔)

لوک گیت کی اداس دھن میرے ذہن میں گردش کرنے لگی۔ میری آنکھوں پر نمی کی تہہ سی ابھر آئی۔ مجھے نہر کے گدلے پانی کے دھارے نظر آئے۔ ان دھاروں میں گھاس کے تنکے بھی بہے جا رہے تھے۔ میں نے ان بہتی ہوئی لہروں میں۔ ان دو تنکوں کو تلاش کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ کہیں نظر نہ آئے۔ پانی کے دھاروں میں سے سوکھی گھاس، درختوں کے خزاں رسیدہ ٹوٹے ہوئے پتے، سوکھی ٹہنیاں، جن کی رنگت سیاہ ہو چکی تھی، کثرت سے بہی جا رہی تھیں۔۔۔ وہ دو تنکے کہیں نظر نہ آئے جو چند مہینے پہلے ایک دوسرے سے چمٹ کر بہہ رہے تھے۔۔۔

"وے میں بے گناہی ماری آں، میرا کر گناہ صحیح [69]
کوٹھے تے پڑکوٹھرا، کوٹھے وچہ تنور
وے میں گن گن لاواں روٹیاں [70]
میرا کھاون والا دور وے
وے میں بے گناہی ماری آں، میرا کر گناہ صحیح

(میں بے گناہ ماری گئی ہوں۔ میرا گناہ تو درست کر دے۔ چھت کے اوپر پھر گھر بنا ہوا ہے، جس کے صحن میں تنور دہک رہا ہے۔۔۔ میں گن گن کر روٹیاں لگا رہی ہوں — میرا کھانے والا جو مجھ

69۔ اس مصرعے کے دو مفہوم ہیں۔ ایک یہ کہ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا، بے گناہ ہوں، مجھ پر یہ الزام غلط ہے۔ میرے وجود سے یہ الزام ہٹا دے۔ میں سزاوار نہیں ہو سکتی۔ دوسرا مفہوم یہ ہے: میں اس گناہ کی پاداش میں ماری جا رہی ہوں جو میں نے نہیں کیا۔ اگر سزاوار ہی کرتا ہے تو مجھے وہ گناہ تو کر لینے دے۔

70۔ گن گن کر روٹیاں لگانے کا مفہوم بہت گہرا ہے۔ اس میں محبوب کی بھول جانے کی کیفیت موجود ہے۔ وہ تنور کے سامنے اکثر بھول جاتی ہے کہ اس کا محبوب اس کے پاس نہیں ہے۔ وہ اس کے لیے بھی روٹیاں لگا دیتی ہے۔ پھر جب اسے اپنی اس دردناک بھول کا احساس ہوتا ہے تو اس کے سینے میں ہوک اٹھتی ہے۔ پھر وہ جب بھی تنور کے سامنے آتی ہے، گن گن کر روٹیاں لگانا شروع کر دیتی ہے۔

سے دور چلا گیا ہے...)

"دیکھو، میں خود فراموشی کا شکار ہو چکی ہوں۔ تم کہاں ہو... میں اپنے ہوش و حواس کھو چکی ہوں۔ دیکھو، مجھے سنبھالنے والا کوئی نہیں ہے۔ دیکھو، تمہارے سامنے اب دو ہی راستے ہیں۔ یا تو اپنی عزت نفس کو بچا لو اور اس کائنات کی سچی قوت خیر سے کہو کہ وہ تمہیں سرا وار ہونے سے بچائے... تمہیں نجات دے... تمہیں سکون دے۔ تمہارے سامنے دوسرا راستہ بھی کھلا ہے۔ وہ جس کو تم سے چھینا جا رہا ہے، اسے حاصل کر لو، حسیاتی زندگی کا آغاز کر دو... وہ انکار ہرگز نہیں کرے گی۔ اگر یہ گناہ ہے تو یہ گناہ کر لو۔ تم دونوں کو آسودگی مل جائے گی... تمہارے سامنے دونوں راستے کھلے ہیں... ایک کا انتخاب کر لو..."

مجھے بار بار گلنار کی روتی ہوئی، گریہ وزاری کرتی ہوئی صورت نظر آ رہی تھی... مجھ سے برداشت کی وہ دیوار ٹوٹ رہی تھی، جسے میں اب تک اپنے شعور کے ہاتھوں سے روکے ہوئے تھا

میں پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ میرے رونے کو سوکھی گھاس نے سنا، شیشم کے لمبے درختوں نے، اس کی شاخوں اور پتوں نے، پتوں کے درمیان پرندوں، اور گلہریوں کے گھونسلوں نے، ٹہنیوں سے چمٹے حشرات الارض نے، نہر کے بہتے دھاروں نے، دھاروں میں بہتے تنکوں نے، خزاں رسیدہ پتوں نے، سیلی ہوئی سیاہ ٹہنیوں نے، گھاس کے گچھوں نے، کھیتوں نے اور گندم کے ایک ایک پودے نے سنا، لیکن کوئی ایسا نہ تھا جو میرے اندوہ کو، میرے الم ناک احساس کو گلنار تک پہنچا دیتا۔

ہوا کے سرد جھونکے شیشم کے پتوں میں کہیں سرسرا رہے تھے۔

"اے ہوا! اپنے کسی درد دل رکھنے والے جھونکے سے کہہ کہ وہ میرے اس اندوہ کو، میرے اس غم کو، میری اس گریہ وزاری کو میری محبوبہ تک پہنچا دے۔" آسمان پر بادلوں نے سورج کا چہرہ ڈھانپ دیا تھا۔ "اے ہوا..." میں نے زیر لب ہوا کو پھر پکارا۔ "اپنے کسی رحم دل جھونکے سے کہہ کہ وہ میری محبوبہ کی رضائی ماں کے کندھے تک جا کر اس کے کان میں بس اتنا کہہ دے کہ ماسی، مر ویساں..." (ماسی، مر جاؤں گا...)

مجھے ایک بار پھر ہر شے تاریک نظر آئی۔

"اب کیا ہو سکتا ہے!" میری آنکھوں پر آنسوؤں نے موٹی سی تہہ بنا دی تھی، ہر شے دھندلا

Scanned with CamScanner

سی گئی۔ ''اب تو بہت دیر ہو چکی ہے۔ اب تو کوئی بھی مجھے میری محبوبہ سے نہیں ملوا سکتا... کوئی بھی نہیں۔ ہم تو برباد ہو گئے... جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا...''

میں اٹھا، نہر کے کنارے کنارے شمالی جانب چلنے لگا۔ میرے دل کے آس پاس اب انگاروں کی جگہ راکھ بکھری ہوئی تھی، جسے میرے آنسوؤں نے بھگو دیا تھا۔

''میرے دل کا سری نگر اجڑ گیا ہے۔ مجھے جلاوطن کر دیا گیا ہے۔ میرے مندر سنسان ہو گئے ہیں، میری مسجدوں میں سناٹا ہے، میرے شوالے اجاڑ ہیں، میرے گرجا گھروں کی گھنٹیاں خاموش ہیں، میرے گوردوارے جھاڑ جھنکاڑ اور مٹی سے اٹ گئے ہیں... ہوا کے جھونکوں میں سسکیاں ہیں... یخ بستہ ہوا میں آتشیں لہریں سی رقص کر رہی ہیں... میں اپنے دل کے سری نگر میں اکیلا ہوں... مجھ سے میری زندگی کو چھین لیا گیا ہے... مجھے جلاوطن کر دیا گیا ہے... میں کیا کروں... اب میں کیا کروں؟''

یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرا وجود ٹوٹ پھوٹ چکا ہے، لیکن اس میں تیرتی ہوئی تسلی بھی تھی... کسی غیر مرئی ٹیل کی طرح، میرا نصف وجود ایک خلا کی طرح تھا۔ میرے دل میں حسرت جاگتی ہوئی تھی... سوختہ جذبات کا بقیہ... ''میں نہیں جانتا تھا کہ میں دل ہی دل میں گلنازی سے کس قدر محبت کرنے لگا ہوں۔ کاش مجھے اس کی آگہی ہوتی۔ میں تو صرف اس چاہت ہی سے آشنا تھا جو مجھے اس کے وجود کے لیے محسوس ہوتی تھی، جو مجھے بے تاب ہونے کے احساس سے مخمور کیا کرتی تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ میں گلنازی سے عشق کرنے لگا ہوں... کاش مجھے اپنے احساسات و جذبات سے آشنائی ہو جاتی تو میں کوئی نہ کوئی راستہ نکال ہی لیتا... نجات کا کوئی راستہ ڈھونڈ ہی لیتا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ خواہش کی کالی بلاؤں نے اُدھر گلنازی کو اور اِدھر مجھے دبوچ رکھا ہے، ورنہ میں خواہش کے ایک ایک بال کو تیاگ کی قینچی سے کاٹ کاٹ کر بالوں کے گچھے کو جذبات کی لہروں کے سپرد کر دیتا۔ میں اور گلنازی نامکمل کو مکمل بنانا چاہتے تھے۔ اس کے لیے بھی دو ہی راستے تھے: یا تو میں دلبر چوہان کی بیٹی کو سنجوگتا[71] کی طرح بھگا لے جاتا، یا ہم دونوں زہر کھا کر اکٹھے جان دے دیتے۔ اس دنیا میں انسانی

71۔ پرتھوی راج چوہان، راجہ جے چند کی بیٹی سنجوگتا کو سوئمبر سے اٹھا کر لے گیا تھا، کیونکہ اس نے پرتھوی راج چوہان کے بت کے گلے میں ور مالا ڈال دی تھی۔

معاشروں سے اس صورت حال کے لیے کوئی تیسرا راستہ چھوڑا ہی نہیں۔ جو راستہ تھا وہ پرانچھن آ گیا، اس کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔ کیا کریں... اب ہم کیا کریں؟"

کھیتوں میں بادلوں کا نقاب اوڑھے سورج کی روشنی بھی ماند پڑتی جا رہی تھی۔ میری آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔ آسمان پر اٹھنے والے سرمئی اور سفید بادل پھیل چکے تھے۔ ہوا میں خنکی کا احساس بڑھتا جا رہا تھا۔ "گلنازی کیا کرتی؟ میں چکوال میں بیٹھا کیا کر سکتا تھا؟ اب... اگر میں اپنے اور گلنازی کے دکھ کو کم کرنے کے لیے، اس آتشیں احساس کو کم کرنے کے لیے، اس کے ساتھ جسمانی زندگی کا آغاز کرتا ہوں، سب اخلاقی اور قانونی دائروں کو توڑ کر آسودگی کی راہ نکالتا ہوں تو وہ فوراً مان جائے گی لیکن یہ تجربہ ہمارے لیے اس مادی آلائش کو بھی توڑ دے گا جو روح سے چمٹ جایا کرتی ہے۔ میں اس کا تصور تو کر ہی سکتا ہوں۔ عارضی تسکین سے ہم اپنی محرومی کے دکھ کو کم تو کر لیں گے لیکن کیا یہ آتش ہمیں زندگی بھر جینے دے گی؟ یہ آلائش ہماری روحوں کو نہ ختم ہونے والی زہریلی کیفیت دے جائے گی... زہریلی یاد جو ہمیں زندگی بھر جلاتی رہے گی۔ ہمیں ہر لمحہ موت سے آشنائی کی راہ دکھاتی رہے گی۔ نہیں، ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ نہ میں اپنے مقام سے گر سکتا ہوں نہ ہی گلنازی کو گرنے دوں گا۔ ہمارا اصل تو زندگی بھر ساتھ رہنے میں تھا... یہ سکھ تو ہم سے چھن چکا ہے..."

سورج کی روشنی بہت کم رہ گئی تھی۔ آسمان کو بادلوں نے ڈھانپ لیا تھا۔ سرمائی خنک ہوا میں تیزی سی نمودار ہو رہی تھی۔ کھیتوں پہ کہر زدہ تاریکی کا احساس ہونے لگا تھا... پھر میرے ذہن میں بجلی سی کوندی۔

"گلنازی اب کیا کرے گی؟" میرے سینے میں بکھری راکھ سے چنگاری سی اڑی۔ "اس کی بھی زندگی برباد ہو چکی ہے۔ وہ کیسے جیے گی؟ اب تو اس کی زندگی کا ہر آنے والا لمحہ تنور کے دہکتے انگاروں پر گزرے گا۔ وہ محرومی کی تپش میں کیسے جی پائے گی؟"

میرے سینے میں چنگاریاں سی اڑیں۔ سرمائی شام میں بھی میرے چہرے پر جیسے اس آگ کی لو جیسے تھپیڑے سے لگے۔ میرے پورے بدن میں تپش سی نمودار ہوئی۔ یہ تپش اس تپش سے بہت مختلف تھی جو مجھے گلنازی کے سامنے محسوس ہوا کرتی تھی۔ اس تپش میں اذیت سی تھی۔ شدت سے میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ وہ قوت شر جو انسانوں کو اذیت دے کر، عقوبت میں مبتلا کر کے لطف اور

Scanned with CamScanner

تقویت حاصل کرتی ہے، کاش وہ ایک بار۔۔۔ صرف ایک بار۔۔۔ اپنے بھیانک روپ ہی میں سہی۔۔۔ مجسم ہوکر میرے سامنے آجائے۔ میں اس سے نبرد آزما ہونے کے بجائے بس اتنا کہوں:

''میں جانتا ہوں تو بے رحم ہے، سفاک ہے، تجھے انسانوں کو عقوبت دے کر تڑپانے میں لطف حاصل ہوتا ہے۔ تجھ میں رحم نہیں ہے، لیکن تو سب کو فریب دیتی ہے۔ تو جو بھی ہے۔۔۔ میں تجھ سے یہی التجا کرتا ہوں کہ جو سزا دینی ہے، مجھے دے، جو دکھ دینا ہے مجھے دے دے، لیکن میری محبوبہ کو چھوڑ دے۔۔۔ وہ پھول کی طرح نازک ہے۔ تو میرے بدن کو زہریلے کانٹوں سے چھلنی کر دے، لیکن میری محبوبہ کی سمت درد کی ایک ٹیس بھی نہ بھیج۔ میرے بدن کو آگ کی تپی ہوئی سلاخوں سے داغ دے، لیکن میری محبوبہ کی سمت ایک چنگاری بھی نہ بھیج۔ مجھے بچھوؤں سے بھرے گڑھے میں گرا دے، لیکن میری محبوبہ کو اپنے زہریلے ڈنکوں سے دور رہنے دے۔ میرے بدن کے ریشے ریشے کو خونخوار مچھلیوں کے حوالے کر دے، لیکن میری محبوبہ کے تلووں کو پایاب رہنے دے۔ تو میرے بدن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے، لیکن میری محبوبہ کی زندگی کے لمحے لمحے کو اندوہ سے دور رہنے دے۔ میرے خون سے وہ آگ بجھ جانے دے جو میری محبوبہ کو جلا رہی ہے۔ تو میری ہڈیوں کو بھی ظلم و تشدد کے مگرمچھوں کو چبانے کے لیے دے دے، لیکن میری محبوبہ کی آنکھوں کے سوتی جھیل کے کنارے نہ گرا۔۔۔ تو میرے بدن سے میری کھال اتار لے، لیکن اس کے جوتے بنوا کر میری محبوبہ کو دے دے تاکہ وہ زندگی کی پگڈنڈی پر، جلتی جھلستی پگڈنڈی پر سوختہ قدم نہ ہو۔۔۔ مجھے اندوہ کے گرداب میں ڈبو دے، لیکن میری محبوبہ کو بے رحم طوفانی لہروں کے سپرد نہ کر — تجھے تیرے ظلم کی قسم، تیرے تشدد کی قسم، تیری خونخواری کی قسم، تیری سفاکی کی قسم، تیری عیاری کی قسم، تیرے فریب کی قسم۔۔۔ تجھے تیرے تکبر کی قسم۔۔۔ تیرے پاس دکھوں کے جتنے خنجر ہیں میرے جسم میں پیوست کر دے۔۔۔ تیرے پاس مصائب کے جتنے ناوک ہیں، میری چھاتی پر چلا دے، لیکن میری محبوبہ کو خلش نہ دے۔۔۔ اس کی زندگی کو دکھوں سے تاریک نہ کر۔۔۔ چھوڑ دے۔۔۔ اسے چھوڑ دے۔۔۔''

میں چلتا جا رہا تھا۔ یہ احساس بھی نہ رہا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔

''وہ بچوں کی طرح بھولی بھالی ہے۔ اس میں معصومیت کی روشنی ہے۔۔۔ یہ تاریک قوت۔۔۔ یہ قوتِ شر تو اس کے قریب بھی نہیں جا سکتی۔ تو اس سے اسے چھوڑنے کی التجا کر رہا ہے؟ یہ تو اس کے

Scanned with CamScanner

وجود کے قریب بھی نہ پھٹکے گی۔ یہ تو دور ہی سے پھن اٹھا کر اس پر زہر پھینکتی رہے گی... اس کے وجود کو جلاتی رہے گی — اس میں اتنی جرأت نہیں کہ رینگ کر اس کے قریب جائے۔"

یہ خیال تھا کہ آواز — میں سمجھ نہ پایا۔ میں چلتا جا رہا تھا۔ بائیں ہاتھ پرانی حویلی کے کھنڈر نظر آ رہے تھے۔ میں رک گیا۔ ان کی سمت جانے کے بجائے میں واپس مڑا اور نہر کے کنارے آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ ہوا میں تیزی برقرار تھی۔ ہوا سرد تھی، لیکن مجھے خنکی کا احساس لمبے لمبے وقفوں کے بعد ہو رہا تھا۔ میں اب واپس جنوب کی سمت رواں تھا۔ قدم آہستہ ضرور تھے، لیکن ایک ہی رفتار سے اٹھ رہے تھے... ہوا کے ایک سرد جھونکے نے میری پیشانی سے ٹکرا کر مجھے احساس دلایا کہ میرے سر پر اونی ٹوپی نہیں ہے۔ میں اسی رخ پر چل رہا تھا جدھر نہر میں بہتے پانی کے دھارے بہے جا رہے تھے۔ ان دھاروں میں میرے ساتھ ساتھ تنکے بھی بہہ رہے تھے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے اٹھتے ہوئے قدموں کی رفتار سے وہ بھی آشنا ہیں۔ خزاں رسیدہ پیلے مٹیالے پتے اور سیاہ ٹہنیاں بھی جا رہی تھیں۔ میں اس پگڈنڈی کے سامنے آ گیا جو سیدھی رہٹ کی سمت جاتی ہے۔

میں نہر کے ڈھلوان نما کنارے سے نیچے پگڈنڈی پر اترنے ہی والا تھا کہ ٹھٹک گیا۔ بائیں ہاتھ کھیت میں گندم کے کمر کمر اونچے پودوں سے نکل کر ایک لڑکی پگڈنڈی پر آ گئی۔ وہ نوراں تھی۔ پل بھر میری طرف دیکھتی رہی۔ اس کے ہونٹوں پر عیارانہ سی مسکراہٹ تھی۔ وہ واپس کھیت میں، پگڈنڈی سے چھ سات قدم دور، گندم کے پودوں میں جا کر مڑی اور کھڑے ہو کر مجھے دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر سرخی سی تھی جس نے اس کے سانولے رنگ کو سیاہی مائل کر دیا تھا۔ ہمارے درمیان تیس قدم کا فاصلہ تھا۔ اس نے سر ترچھا کرتے ہوئے نیچے کی سمت دھیما سا جھٹکا دیا اور آنکھ کے اشارے سے مجھے بلایا، پھر اس نے پیچھے دیکھا... میرا بدن کانپا... یوں لگا جیسے نوراں کے قدموں میں گلنازی بیٹھی ہے جو گہرے سبز گندم کے پودوں میں چھپی ہوئی ہے۔

"نہیں، وہ کبھی بھی ایسی حرکت نہیں کر سکتی!" میں نے گھبراہٹ میں سوچا۔ "گداؤ نے بھی تو یہ کہا تھا کہ اس نے نکاح کے بعد گھر سے نکلنا چھوڑ دیا ہے... وہ تو رہٹ پر بھی نہیں بیٹھتی... نہیں، کھیت میں گلنازی نہیں ہے۔ لیکن نوراں مجھے اس طرح کیوں بلا رہی ہے؟"

Scanned with CamScanner

نوراں نے پھر مجھے آنکھ کے اشارے سے بلایا۔ اس کا چہرہ سیاہ سا ہو چکا تھا۔ پھر اس نے مڑ کر کھیتوں کی سمت دیکھا، پھر دائیں ہاتھ ادھر اُدھر دیکھتی رہی، پھر اس نے بائیں جانب ادھر اُدھر دیکھا، پھر میری طرف دیکھا... اس کی آنکھوں میں بدمستی سی تھی۔ اس نے مجھے ہاتھ کے اشارے سے بلایا اور کمر کمر گندم کے پودوں میں بیٹھ کر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ چند لمحوں بعد پھر نظر آئی۔ بدمستی اس کے پورے چہرے پر تھی۔ بدن آگے پیچھے دھیمی سی جنبش دکھا رہا تھا۔ اس نے دونوں بازوؤں کو چھاتی پر اس طرح باندھا جیسے کسی کو لپٹا کر بھینچ رہی ہو۔ بدمست آنکھوں سے دیکھتے ہوئے، مجھے ایک دوبارہ اشارے کرتے ہوئے پھر بیٹھ گئی... مجھ پر ناگواری کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ میں مڑ کر دو قدم شمال کی جانب گیا۔ سر گھما کر میں نے پھر کھیت کی طرف دیکھا۔ نوراں کھیت میں کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر غصہ تھا۔ غصہ آنکھوں میں نمایاں تھا۔ وہ تیز قدموں سے پگڈنڈی پر آئی۔ گندم کے پودے سرسرائے۔ میں رک گیا۔ پھر میں نے اس کی طرف ناگواری سے دیکھا اور مڑ کر چلنے ہی والا تھا کہ نوراں نے زور سے میری جانب تھوکا۔ کچھ لمحے کھڑی رہی۔ پھر میرے مڑنے کے ساتھ ہی شاید وہ بھی مڑی ہو گی۔

میں نے دو چار قدم چلنے کے بعد نوراں کی سمت سر گھما کر دیکھا۔ وہ پگڈنڈی پر گاؤں کی سمت جا رہی تھی۔ چلتے ہوئے وہ یوں دکھائی دے رہی تھی جیسے اس کے گھٹنے آپس میں ٹکرا رہے ہوں۔ میرے ذہن میں تلخی ابھری۔ ”ہوس پرست... خود غرض... مکار... میری گلکاری سے زبردستی نکاح نامے پر انگوٹھا لگوانے والی... ہوس کے زہر سے بھری تھیلیوں والی... ورنہ... دانش کی کسی سیڑھی پر بھی گلکاری کو روک نہ سکا...“

میری آنکھیں پھر دھندلا سی گئیں۔ آنسوؤں نے میری آنکھوں پر پھر موٹی سی تہہ بنا دی۔ میری پلکیں اس قدر بوجھل تھیں کہ میں پوری طرح آنکھیں بھی نہ کھول سکتا تھا۔ آنکھوں میں صرف سوزش ہی نہیں تھی، سوجن کا بھی احساس ہو رہا تھا۔ میرا پورا بدن شل سا ہو چکا تھا۔ پورے بدن میں درد سا تھا، یہ درد میرے سر، گردن اور کندھوں پر زیادہ تھا۔ دور گاؤں کی طرف جاتی نوراں نظر آئی۔

میں رہٹ کی سمت جانے والی پگڈنڈی پر اترا۔ رہٹ پر پہنچا۔ وہاں نہ بیل تھا نہ رہٹ کا مالک۔ میں سرخ اینٹوں والی منڈیر پر بیٹھ گیا۔ آسمان پر بادل اب بھی گہرے تھے، ہوا میں خنکی بڑھ رہی تھی۔

Scanned with CamScanner

''جو حالت میری ہوئی ہے...'' اچانک ہی میرے خیالات نے پلٹا سا کھایا۔ ''اگر گلنازی شادی سے انکار کر دیتی، صاف صاف کہہ دیتی کہ وہ محمد اکبر خان سے شادی نہیں کرنا چاہتی... نکاح نامے پر انگوٹھا نہ لگاتی... تو شاید محمد اکبر خان کی بھی یہی حالت ہو جاتی جو میری ہوئی ہے... وہ بھی شاید میری طرح کھیتوں میں، نہر کے کنارے دیوانہ وار پھر رہا ہوتا۔ فوجی ہے... شاید اسے اپنی توہین سمجھ کر برداشت نہ کرتا۔ کیا خبر وہ گلنازی سے محبت کرتا ہو... یقیناً کرتا ہو گا۔ دونوں بچپن کے ساتھی ہیں۔ ساتھ ساتھ کھیلے ہوں گے۔ دونوں بچپن ہی سے یہ جانتے ہوں گے کہ وہ ایک دوسرے کے لیے ہیں اور انھوں نے ایک ساتھ ہی زندگی گزارنا ہے۔ پھر گلنازی جیسی لڑکی اس علاقے میں تو کیا، شاید پوری دنیا میں نہ ہو گی۔ اتنے خوبصورت دل والی... کاش میں جھاوریاں نہ آتا... گلنازی کے لیے محمد اکبر خان ہی سب کچھ ہوتا۔ وہ اسی کے سپنے دیکھتی۔ اس کی زندگی میں یہ دکھ تو نہ آتا... کاش بھائی کی تراسفر اس قصبے میں نہ ہوئی ہوتی... کاش میں یہاں کبھی نہ آیا ہوتا۔'' مجھے ایک پھر سینے میں بوجھ سا محسوس ہوا، جیسے جنگلی ہوئی راکھ بوجھل سی ہو رہی تھی۔

''کس لیے؟ آخر کس لیے؟ یہ سب کچھ میرے ساتھ ہی کیوں ہوتا ہے؟''

میرا جی چاہا کہ وہ قوت، جو کائنات کی ایک سچی قوت ہے، فطرتِ لاریب ہے، حسنِ فطرت ہے... وہ میرے سامنے مجسم ہو کر آ جائے۔ میں اس سے پوچھوں:

''مجھے بتا... یہ ستم میرے اور گلنازی کے ساتھ کیوں ہوا؟ تو نے کسی انسان کو محبت پہ اختیار ہی نہیں دیا... یہ تو ہو جاتی ہے اور بے اختیار ہوا کرتی ہے۔ تو پھر یہ جرم کیسے ہو گئی؟ میں نے گلنازی سے منسوب انسان کی خوشی نہ چھیننے کے لیے بہت جتن کیے... گلنازی سے دور بھاگا، اسے اپنے قریب آنے سے بار بار روکا، لیکن تو نے انسانوں کو یہ اختیار دیا ہی نہیں کہ وہ عشق کے سیلاب پر بند باندھ سکیں۔ گلنازی کا کیا قصور ہے؟ میں نے کیا جرم کیا ہے؟ ہم نے تو کوئی ایسا گناہ بھی نہیں کیا کہ سزا اور تعذیب... پھر میرے ساتھ میری گڑیا جیسی گلنازی کو کیوں مارا جا رہا ہے؟ ہم بے گناہ کیوں مارے جا رہے ہیں؟''

بادل اور گہرے ہو گئے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جلد ہی بارش بھی ہو گی۔ میری سوزش اور سوچ سے بوجھل پلکیں آنکھوں پر بار بار جھپک جھپک جاتی تھیں... بار بار میری آنکھیں بند ہو رہی

Scanned with CamScanner

تھیں۔ جسم میں شدید تھکن نمودار ہو چکی تھی۔ بے تابی مجھے اب بھی اذیت دے رہی تھی۔ سرد بال دوش بن چکا تھا۔ ہوا میں خنکی بڑھتے ہوئے یخ بستگی کی سمت جا رہی تھی۔ ہوا کا رخ شمالاً جنوباً تھا، وہ کالے چٹے پہاڑی سلسلے کی سمت سے آ رہی تھی۔ مجھے ابھی تک خنکی کا کوئی احساس نہ ہوا تھا لیکن اب، رہٹ پر بیٹھے ہوئے، میں ایک دو بار سردی سے کپکپایا... واپس گھر جانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ اذیت اب بھی میرے بدن اور روح کو اپنا ہدف بنائے ہوئے تھی اور چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھی۔ شاید گلناری بھی اسی اذیت میں ہوگی اور اذیت اس کے بدن اور روح کو بھی اپنا ہدف بنا رہی ہوگی اور چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوگی۔ میرا جی چاہا کہ چیخ چیخ کر کہوں — ہمارا قصور کیا ہے؟

انہی عقوبت کے لمحوں میں مجھے اپنے ارد گرد دھند کا احساس ہوا۔ میں چونکا۔ میرے سر نے اوپر کی سمت جھٹکا سا کھایا۔ یہ دھند... یہ ہمیشہ مجھے گلناری کا چہرہ دکھا دیا کرتی ہے...

نیم وا آنکھوں سے میں نے سامنے اوپر کی سمت دیکھا۔ پھیلی ہوئی دھند میں مجھے گلناری کا خوبصورت مسکراتا چہرہ نظر آیا۔ اس کی مسکراتی ہوئی آنکھیں بے انتہا خوبصورت تھیں... اس کے بال ہوا کے جھونکوں سے بار بار اس کے گلابی رخسار پر بکھر رہے تھے۔

''گلناری!'' میں اٹھ کھڑا ہو گیا۔ ''گلناری... تم کہاں تھیں؟''

''بیٹھ جاؤ۔'' پہلی بار بہت سریلی آواز سنائی دی — وہی آواز جس میں ماہیا گاتے ہوئے گلناری نے مجھے بے خود کر دیا تھا۔ آواز میں مسکراہٹ بھی تھی۔ ''بیٹھ جاؤ۔'' خوبصورت آواز پھر سنائی دی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے دھند میں بے انتہا خوبصورت چہرے پر ہونٹ ہلے ہوں۔

''گلناری!'' مجھے خود پر اختیار نہ تھا۔

''میری بات نہیں مانو گے؟'' مسکراتی ہوئی آواز مسکراتے ہوئے ہونٹوں سے نکلی۔ پھر دھند سے خوبصورت لمبی انگلیوں والا ہاتھ باہر نکلتا محسوس ہوا۔ ''بیٹھ جاؤ... ورنہ ماروں گی۔''

''گلناری۔'' میں نے بیٹھتے ہوئے پھر اسی کا نام لیا۔

''میرا کوئی نام نہیں ہے۔'' خوبصورت مسکراتے چہرے پر روشن شعاعیں پھیل گئیں۔ ''میرا نام جو تم نے اپنے دل پر نقش کر رکھا ہے، تمہارے لیے باعث تسکین ہو سکتا ہے، لیکن سچ تو یہی ہے کہ میرا کوئی نام نہیں ہے۔''

میں نے بڑی پوری شعوری کوشش سے، پہلی بار آنکھیں کھول کر لا انتہا حسن کو دیکھا۔

"تو پھر تم کون ہو؟" میں نے کہا۔ "تمہارا چہرہ تو گلنازی جیسا ہے۔"

"میں حسنِ فطرت ہوں۔ تم مجھے روحِ حسنِ فطرت بھی کہہ سکتے ہو... میں لاابتدا بھی ہوں، لاانتہا بھی۔ اس کائنات میں جتنے نظام شمسی ہیں، ان میں جتنے بھی حسن و جمال کے مظہر ہیں، سب میرے ہیں۔ میرے پاس نہ بدصورتی ہے نہ بدنمائی... تم نے شکایت کی کہ تمہیں بدصورتی، بدہیئتی اور بدنمائی نے دکھ دیے ہیں — میرے پاس بدہیئتی بھی نہیں ہے، لیکن اگر بدہیئتی میں روح کی خوبصورتی ہو تو وہ خوبصورتی بھی میری ہے۔ ظاہر کی بدصورتی باطن کی خوبصورتی ہو سکتی ہے، ظاہر کی بدنمائی باطن کی خوش نمائی ہو سکتی ہے، لیکن اس کائنات میں میری حریف قوت ایسا ہونے کی راہ اپنے سے روکتی ہے۔ تمہارے اور سیدھی سادی دیہاتی لڑکی کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا ہے، میں نے نہیں کیا۔ میں کسی کو دکھ دے ہی نہیں سکتی۔ اس کائنات میں، میری ضد پر بھی ایک قوت موجود ہے — بدصورت، بدہیئت، بدنما، گھناؤنی، دکھ، درد اور سوزش میں مبتلا کرنے والی، زہریلی ہوس کی قوت... تمہیں جتنے دکھ بھی دیے ہیں، اسی نے دیے ہیں۔ وہ حسن و جمال کو برداشت نہیں کر سکتی۔ سایہ بن کر میری راہ روکنے کی کوشش کرتی ہے، لیکن روک نہیں پاتی اور نہ ہی خود اپنی بدصورتی، بدہیئتی اور بدنمائی سے نجات حاصل کر سکتی ہے۔"

میری آنکھیں پوری طرح کھل چکی تھیں۔ میں دھند میں بے انتہا خوبصورت چہرے کو دیکھے جا رہا تھا۔

"تم گلنازی ہو،" میں نے کہا۔ "تمہاری صورت گلنازی جیسی ہے۔ اور تم کہتی ہو تمہارا کوئی نام نہیں۔"

خوبصورت سریلی آواز میں قہقہہ سا سنائی دیا۔

"نہیں، میرا کوئی نام نہیں ہے۔ بچپن سے تمہارے ساتھ ہوں، تم نے بار بار مجھے محسوس تو کیا، لیکن دیکھ نہ پائے، اس لیے کہ ہمیشہ سے میں لاشکل رہی ہوں۔ جب سے اس کائنات کی تشکیل ہوئی ہے اور جب سے اس زمین پر انسان نے آنکھ کھولی ہے، میں آج تک کسی پر ظاہر نہیں ہوئی۔ مجھے ظاہر تو ہونا تھا۔ میں نے تمہیں اپنے لیے چن رکھا تھا۔ تم اس زمین پر ظاہر ہوئے۔ میں نے تم پر ہی

ظاہر ہوتا تھا۔ تمھیں یہ بات تو یاد نہیں ہوگی، جب تم بہت ہی چھوٹے تھے، ایک برس سے بھی کم، تو موسم گرما میں گھر کی چھت پر، بستر پر لیٹے چاند اور ستاروں کو دیکھ کر مسکرایا کرتے تھے۔ تمھیں چھٹکی ہوئی چاندنی میں ستاروں کو دیکھتے ہوئے میرا احساس ہوا کرتا تھا۔ یاد کرو۔ تمھیں یاد ہوگا، جب تم صرف تین برس کے تھے تو تم نے ایک چھوٹی سی بچی کو چانٹا مارا تھا۔ وہ رو دی تھی تو تمھیں اپنے دل میں ٹیس سی اٹھتی محسوس ہوئی تھی اور تم نے بھی رونا شروع کر دیا تھا اور ننھے ننھے ہاتھوں سے اس بچی کے آنسو پونچھے تھے۔ وہ ٹیس میری دی ہوئی تھی اور وہ ہاتھ بھی میرے ہی تھے۔ یاد کرو، جب چار برس کی عمر میں تم بڑی آپا کے گھر، ایک گاؤں جانے کے لیے پیدل ہی گھر سے نکل پڑے تھے تو تمھاری انگلی میں نے تھامی تھی۔ یاد کرو، تم پہاڑی علاقے میں، خوبصورت پھولوں پر رنگین تتلیاں اڑتی پھرتی تھیں تو تم دوسرے بچوں کی طرح ان کے پیچھے نہیں بھاگتے تھے اور کچھ دیر بعد وہی تتلیاں تمھارے آس پاس تھرکنے لگتی تھیں۔ میں ہی انھیں تمھارے پاس بھیج دیا کرتی تھی۔ جب خوبصورت پھولوں، رنگین تتلیوں، زرد رو بھونروں میں گھرے، تم مہکی ہوئی ہوا میں کھل اٹھتے تھے تو میں مہک میں اڑتی ہوئی تمھارے رخساروں کو چھو لیا کرتی تھی۔ تمھیں یاد تو ہوگا۔ کچھ بڑے ہو جانے پر جب تمھیں اپنے ذوق جمال سے آشنائی ہوئی تھی، جب تم اپنے گرد روشنی کے پردے تنے ہوئے دیکھا کرتے تھے، صحن گلشن میں خوبصورت پھولوں سے اٹھتی ہوئی نکہت تمھیں رنگوں کی طرح روشنی میں تیرتی محسوس ہوا کرتی تھی تو کوئی پری تمھیں چھو کر گزر جاتی تھی۔ وہ کوئی پری نہ تھی، میں تھی۔

"میں روحِ حسن فطرت ہوں۔ تمھیں اپنا تصور دینے کے لیے مجھے کسی انسانی چہرے اور بدن کی ضرورت تھی۔ میں نے اس گاؤں میں رہنے والی، دنیا کی خوبصورت ترین، بھولی بھالی، بچوں جیسی لڑکی کو چنا جو یہاں کی رہنے والی نہیں ہے۔ . . دنیا کی خوبصورت ترین وادی کی بیٹی ہے۔ میں تمھیں اپنا آپ دکھانے کے لیے یہاں لے آئی۔ تمھیں مجھے دیکھنے کے لیے، میرا تصور قائم کرنے کے لیے کسی انسانی چہرے کی ضرورت تھی جو زندگی بھر قائم رہے۔ میں نے وہ چہرہ تمھیں دکھا دیا— ہاں، یہی چہرہ جو تم اس وقت دیکھ رہے ہو۔ لیکن سچ یہ ہے کہ میں وہ لڑکی نہیں ہوں اور نہ ہی میرا کوئی نام ہے۔ اس دنیا میں، اس زمین پر میرا کوئی جسم نہیں ہے۔ تم نے اس بھولی بھالی لڑکی کے جتنے بھی روپ دیکھے ہیں، وہ میرے تھے۔ اس کی مسکراہٹ، اس کی چمکتی مسکراتی آنکھیں، اس کی

ہر بار رخسار پر گرنے والی زلف، اس کا اندازِ نگاہ، اس کا رخسار پر گری ہوئی زلف کو انگلی سے ہٹا کر، اپنے گھٹنے پر رخسار رکھ کر، مسکراتی ہوئی، چمکتی آنکھوں سے دیکھتے رہنا۔ اس کی ہر ادا سے ناز میری تھی جسے دیکھ دیکھ کر تم خود سے بیگانہ ہو جایا کرتے تھے۔ اس کی پہلی نظر سے آخری خمار آلود نگاہ تک، جس سے اس نے تمھیں گاؤں سے جاتے وقت دیکھا تھا۔ وہ نگاہ ناز میری تھی۔ اس کی خوبصورت آواز اور نرم سُر میرے دیے ہوئے تھے۔ میں تمھیں اپنا آپ دکھانا چاہتی تھی۔ اس کے اندازِ خرام میں میں تھی۔ اس کا سکوت ناز میرا تھا۔ میں تم پر ظاہر ہونا چاہتی تھی، کیونکہ میں نے اس کائنات میں پہلی بار کسی انسان کو اپنے لیے چنا ہے اور وہ تم ہو۔ تمھارا دل ہی وہ دل ہے جس میں میں سما سکتی ہوں۔"

میں نے پلکیں جھپکتے ہوئے خوبصورت مسکراتے چہرے کی سمت دیکھا جو بہت روشن تھا۔

"کیا تم کوئی دیوی ہو؟" میں نے کہا اور خوبصورت دھیما سا قہقہہ سنائی دیا۔

"کہا نا کہ میں روحِ حسنِ فطرت ہوں۔" دھند میں روشنی سی پھیل گئی۔ "تم جاننا چاہو گے کہ میں کیا ہوں، کہاں رہتی ہوں؟ میں کائنات میں موجود ہر نظارۂ ہستی کے دلکش مناظر میں رہتی ہوں۔ میں وہ حسنِ فطرت ہوں جو لاابتدا ہے، میں وہ جمالِ فطرت ہوں جو لاانتہا ہے۔ لاانتہا خلاؤں میں جتنے رنگ ہیں، میرے ہیں۔ اس زمین پر، انسانوں کی دنیا میں، جہاں میں نے تمھیں اپنے لیے چنا ہے۔ حسنِ فطرت کے ہر منظر میں، مانندِ روح کی طرح میں ہی تو رہتی ہوں۔ زمین کے کناروں پر پھیلے ہوئے برفاب میں میں ہی چمکتی ہوں۔ برفشار کے سمندروں میں گرنے سے فضا کی سمت بلند ہونے والی نیلاہٹوں میں میرے رنگ ہیں۔ کوہساروں کی چوٹیوں پر پڑی برف سے کہرے کی مانند میں ہی اٹھتی ہوں۔ برف پوش وادیوں میں، شبِ مہتاب کی روشن شعاعوں کے سیلاب میں میں ہی بہتی ہوں۔ سرسبز میدانوں میں میں ہی روشنی کی شعاعیں بن کر لہراتی ہوں۔ کھیتوں کی فصلوں میں جب ہوا اٹھکھیلیاں کرتی ہے تو پودوں کی لہلہاہٹ میں میں ہی لہراتی ہوں۔ گرتی ہوئی آبشاروں سے، بہتی ہوئی ندیوں سے، جھیلوں سے، دریاؤں سے پوچھو، وہ تمھیں میری خبر دیں گے۔ درختوں کی شاخوں سے گزرنے والی ہوا سے پوچھو، وہ تمھیں میری خبر دے گی۔ صحراؤں میں دور دور تک پھیلی ریت پر چمکتی ہوئی چاندنی کی شعاعیں تمھیں میرا پتا بتائیں گی۔ ساحلوں پر ٹوٹتی ہوئی ہر چھل میں، اڑتے ہوئے ہر قطرے میں میں ہی تو رقصاں ہوں۔ جزیروں کی ہواؤں میں میری ہی سرسراہٹ ہے، سمندروں سے

پیغامات لاتی ہے۔

"تم نے مجھے بہت تلاش کیا ہے... میں ہر دم تمھارے ساتھ تھی۔

"میں سمندر سے اڑنے والے بخارات کو اڑاتی ہوں، بادلوں کے ساتھ فضاؤں میں اڑتی ہوں۔ بلند چٹانوں پر کبھی برف کے ساتھ تو کبھی بوندوں کے ساتھ اترتی ہوں۔ وہ برف پگھل کر، وہ بوندیں رس کر میرے چشموں میں ابلتی ہیں، میری آبشاروں سے گرتی ہیں، ندیوں میں بہتی ہیں، جھیلوں سے پھر ندیوں کی طرح نکلتی ہیں، دریاؤں کا روپ بناتی ہیں۔ پہاڑوں، میدانوں، جنگلوں اور بیابانوں سے گزرتی ہیں، اور سمندروں سے جا ملتی ہیں۔ میرے رستے میں میری حریف قوت بہت سی آلائشیں بھی بکھیر دیتی ہے۔ وہ حسن فطرت کے لطیف مظاہر میں بدنمائی کے شدید مظاہر وضع کرتی ہے۔ وہ چشمہ حیات کو غلاظت کی آلائش سے مٹانے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ وہ مجھے گردش مدام کا اسیر بنانا چاہتی ہے، لیکن میں کبھی قطرۂ شبنم کی طرح، کبھی پھولوں کی خوشبو ہو کر گردش کا توڑ دیتی ہوں... میں اپنی حریف قوت کی دسترس سے باہر ہوں اور لافنا ہوں۔

"میں نے اس زمین پر، اس دنیا میں تمھیں اپنے لیے چنا ہے۔ تمھارا یہ مادی جسم، جو دوام نہیں ہے... میری مادی قیام گاہ ہوگا۔ مجھے تمھیں اپنے ساتھ لے کر جانا ہے۔ جب تم اپنی آخری سانس لو گے، میں تمھیں کائنات کی وسعتوں میں لے جاؤں گی۔

"یہ تم ہی تو ہو جس نے آج سے پہلے مجھے لاشکل بھی دیکھا ہے۔ ان چند صاحب بصارت اور صاحب بصیرت لوگوں کی مانند جنھوں نے اپنے ذوق جمال سے مجھے باشکل دیکھا، لیکن میری حقیقت سے آشنا نہ ہو پائے۔ تم نے بھی مجھے دیکھا اور مجھے تلاش کرنے لگے کیونکہ تم میری حقیقت کو اپنے اس تجسس کی مانند محسوس کیا کرتے تھے۔ تم نے اس کائنات میں، جہاں تک تمھاری نظر جاتی رہی، مجھے دیکھا تو میری جستجو بھی کی۔ دلکش رنگوں میں، آسمان کی نیلاہٹوں میں، ابر شفق آلودہ میں، سرمئی بادلوں میں، برستی بوندوں میں، رم جھم میں، بوچھاڑوں میں... تمھیں یاد تو ہوگا جب بچپن میں بارش میں نہاتے ہوئے اپنے بدن پر میری بوندوں کی مار کھا کر تم کھلکھلا کر ہنسا کرتے تھے تو میں ہوا کے جھونکوں میں آ کر تمھارے رخسار چوم لیا کرتی تھی اور تم اس انجانے لمس سے شرما جایا کرتے تھے۔ پھر جب بارش تھم جاتی تھی، تم آسمان کی سمت نظریں اٹھا کر قوس قزح کو دیکھا کرتے تھے تو

Scanned with CamScanner

سات رنگوں میں تمھیں میرا احساس ہوا کرتا تھا۔ تم مسکرانے لگتے تھے۔ چمکتی ہوئی مسکراتی آنکھوں سے میرے رنگوں کے تھال کو دیکھا کرتے تھے تو میں تمھاری آنکھوں پر آنکھیں لا کر، پھر ان پر اپنے ہونٹ رکھ دیا کرتی تھی۔ تم پلکیں جھپکا جھپکا کر قوسِ قزح کو دیکھنے لگتے تھے اور تمھیں ساتوں رنگ ایک ہی روشنی میں مدغم دکھائی دیا کرتے تھے۔ موسمِ بہار میں جب تم گلِ نو دمیدہ کی طرح اپنے اردگرد روشنی کے تنے ہوئے پردوں میں مہکا کرتے تھے، میں موجِ گل بن کر رنگِ صبا میں آیا کرتی تھی، اپنے ہونٹوں سے تمھارے لبوں کو چھو جایا کرتی تھی۔ تمھارے سارے بدن میں پُرخمار کپکپی سی دوڑ جایا کرتی تھی اور تمھاری خمار آلودہ آنکھوں میں نیند شرمانے لگتی تھی۔"

مجھے اپنے بدن میں خوبصورت سی کپکپی محسوس ہوئی۔ میرے ہونٹوں پر معصوم سی مسکراہٹ آگئی ہوگی، روشنی کی شعاعوں میں روحِ حسنِ فطرت کا چہرہ، کائنات کا سب سے خوبصورت چہرہ دمک گیا۔

"تمھیں یاد ہے، جب تم چھوٹے سے لڑکے تھے تو اکثر بے وجہ اداس ہو جایا کرتے تھے۔ گھر کی چاردیواری میں تمھارا دم گھٹا کرتا تھا۔ تم باہر پہاڑیوں میں آ جایا کرتے تھے۔ ایک روز سہ پہر کو تم اکیلے چٹانوں میں پھر رہے تھے۔ تمھاری اداسی اس قدر گہری تھی کہ تمھارے چہرے پر اداسی نے نقاب سے ڈالنا شروع کر دیے تھے۔ اسی لمحے تمھیں سامنے ایک چٹان پر ہدہد نظر آیا۔ جیسے ہی تم نے اسے دیکھا، اس نے پر پھیلائے، تاج پھیلایا، ادھر ادھر بولتے ہوئے چلنے لگا۔ پھر اس نے پر پھیلا کر تاج کو آگے پیچھے جھلایا، اچھل کر ادھر اُدھر گھومنے لگا، پھر اس نے پر پھیلا کر رقص کیا، پر پھیلا کر، تاج جھلا کر، منقار اٹھا کر وہ دیر تک ناچا۔ اس نے اپنے دلکش انداز میں تمھیں اتنا لبھایا کہ تم مسکرانے لگے۔ تمھاری آنکھوں میں مسکراہٹ چمکنے لگی اور تمھاری ساری اداسی، نقاب کے ساتھ، ہوا کے جھونکے اڑا کر لے گئے۔ وہ میں ہی تو تھی جس نے ہدہد سے کہا تھا کہ دیکھو، میرے محبوب کی اداسی مجھے اچھی نہیں لگتی۔ تم نے مجھے پرندوں کی اڑان میں دیکھا، ان کی خوبصورت آوازوں کو پہچانا اور مجھے تلاش کرتے رہے۔ تم نے مجھے جیٹھ کی تپتی زمین پر حسنِ تمازت میں دیکھا، جب تم جھلستی دوپہریں چھوٹے سے بیروں کے نیچے گزار دیتے تھے۔ تم نے مجھے گھنے پیڑوں کی چھاؤں میں دیکھا، جہاں پتوں سے چھن چھن کر آنے والی کرنیں دائرے سے بنا دیا کرتی تھیں۔ اپنے دل کی کسک میں، ہوا سے سنسناتے چھوٹے پیڑوں کی شاخوں میں، جنگلی بیریوں کے اوپر اڑتی تتلیوں میں، جھاڑیوں

Scanned with CamScanner

کے عنابی رنگ میں — تم نے مجھے دیکھا ہے۔ وہ میں ہی تو تھی جو جیٹھ کی سونی دوپہروں میں تمھیں ببول کی ننھی منی چھاؤں میں کسی بچے کی طرح سلا دیا کرتی تھی۔ وہ میں ہی ہوں۔ آج پہلی بار تم نے مجھے ایک انسانی چہرے میں دیکھا یہ تصور میں نے زندگی بھر کے لیے تمھیں دیا ہے۔ یہ سچ ہے کہ میرا کوئی نام نہیں، کوئی جسم نہیں۔"

میں نے چمکتی مسکراتی آنکھوں کے ساتھ، بدلی سے نکلتے ہوئے سورج کے احساس کے ساتھ اپنے چہرے کی مسکراہٹ کو محسوس کرتے ہوئے، اپنے سامنے کائنات کے سب سے خوبصورت چہرے کو دیکھا۔

"مجھے سب کچھ یاد ہے،" میں نے کہا۔ "میں تمھارے احساس میں، تمھارے لیے کتنا تڑپا ہوں، مجھے وہ بھی سب یاد ہے۔ تمھاری تلاش میں، میں کس قدر سرگرداں رہا ہوں، مجھے سب یاد ہے، لیکن تم نے یہ کیا کیا؟ مجھے انسانی چہرے کا تصور دینے کے لیے انسانی جسم تلاش کیا، اس جسم میں مجھ سے محبت کے احساسات، جذبات جگائے اور پھر ان سب کو سلاتے ہوئے اسے چھوڑ دیا۔ یہ بھی نہ سوچا کہ اس پر کیا گزرے گی؟ تم نے کیوں اسے دکھوں کی تاریکیوں میں دھکیل دیا؟ تم تو کائنات میں حسن و جمال خیز ہو... تم تو رحم اور ہمدردی کی لافنا مثال ہو... تم تو دیا کا ساگر ہو... تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس سیدھی سادی، بھولی بھالی بچی جیسی لڑکی کو دہکتے ہوئے کوئلوں پر کروٹیں لینے کے لیے چھوڑ دیا— کیوں؟"

خوبصورت چمکتی آنکھوں نے میری سمت پلکیں جھپکاتے ہوئے دیکھا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا۔ مجھے الزام نہ دو۔ یہ سب کچھ میری اس حریف قوت نے کیا ہے جو اس کائنات میں مجھے برداشت نہیں کرتی۔ جب اس زمین پر میں نے تمھیں اپنے لیے چن لیا تو وہ جسم ہی ہوگئی۔ وہ بھی تمھیں اپنے لیے منتخب کرنا چاہتی تھی، لیکن میں نے اس سے پہلے تمھیں چن لیا تھا وہ خاکستر ہوگئی۔ پھر چنگاریاں بن کر اڑی، شعلے بن کر لپکی۔ اس نے مجھے مبارزت کے لیے للکارا وہ گردباد کی طرح چیخی، آندھی کی طرح غضبناک ہوکر اٹھی۔ اس نے مجھ سے کہا: تو نے جس انسانی وجود کو منتخب کیا ہے، جس انسانی جسم میں موجود اپنے جیسے حسن و جمال کے مظہر کو اپنے لیے چنا ہے میں اسے تجھ سے چھین لوں گی۔ وہ اسی لمحے تک تیری بانہوں میں رہے گا جس لمحے تک وہ میرے ہوش

Scanned with CamScanner

کے جال سے آزاد رہے گا۔ میرے ہوس کے جال سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ میں اس پر بھی یہ جال پھینکوں گی۔ نہ پھنسا تو بار بار پھینکوں گی۔ اگر تجھے خود پر اعتماد ہے تو میری راہ نہ روک۔ میں نے اس سے کہا کہ میں کسی کی راہ نہیں روکا کرتی۔ یہ تیری خصلت ہے۔ بول تو کیا کہنا چاہتی ہے؟

''یہی کہ جسے تو نے چنا ہے، اسے بچانے کے لیے میرے سامنے نہ آنا۔ دیکھ، اگر تجھے خود پر اعتماد ہے کہ تو نے جسے اپنے لیے چنا ہے وہ ہمیشہ تیرا ہی رہے گا تو آ۔۔۔ میں عربدہ جو ہوں، میدان مانگتی ہوں۔ یا تو یہ جسم، جسے تو نے اپنے لیے چنا ہے، مجھے دے دے، خاموشی سے میرے حوالے کر دے، یا پھر میدان میں آ۔۔۔ میں اسے تجھ سے چھین کر دکھاؤں گی۔ تو بس ایک بار اسے اپنا انسانی روپ دکھا۔ ایسا انسانی بدن چن جس کا حسن و جمال بے مثال ہو۔ اس میں اتر اور اپنے منتخب کردہ، نوجوانی کی دہلیز پر کھڑے لڑکے کو اپنا آپ دکھا۔ میری شرط صرف اتنی ہے کہ وہ جسم جس میں تر کر تو اپنے محبوب کو اپنا آپ دکھائے گی، وہ پہلے ہی کسی کے لیے مخصوص ہو کسی دوسرے مرد کے لیے۔ وہ پہلے ہی سے منسوب ہو اور تیرے اس چنے ہوئے محبوب کے لیے اُس جسم سے ہجرِ دوام وابستہ ہو۔ پھر دیکھ، میں کیا کرتی ہوں۔ تو میرے جبلتوں سے بنے جال کو نہیں جانتی۔ جب میں تیرے محبوب کو ہوس کے جال میں پھانسوں گی اور اسے ہجرِ دوام کی آتش میں جلا دوں گی۔ تیرا محبوب، جسے تو گلِ نودمیدہ کہتی ہے، جسے بار بار اپنے ہونٹوں کا لمس دیتی ہے، چومتی ہے، وہی خار بن کر تیرے ہونٹوں میں پیوست ہو جائے گا۔ تیرا محبوب، جسے تو ہرن کا بچہ کہتی ہے، جس کے رخساروں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر دیر دیر تک تکتی رہتی ہے، وہی درندہ بن کر تیرے سامنے آئے گا — خونخوار درندہ۔ پھر میں تجھ سے پوچھوں گی کہ اس کائنات میں توانا ہے یہ میں؟ کس کی قوت توانا ہے۔ تیری یا میری؟ آ، میں عربدہ جو ہوں، میدان مانگتی ہوں۔ یاد رکھ کہ اگر میں فتح مند ہوئی تو یہ جسم، جسے تو محبوب کہتی ہے، جسے تو نے اپنے لیے چنا ہے، میرا غلام ہوگا۔ میں اس کے سر پر وہ بالوں کا گچھا لٹکا دوں گی، جس کے ایک ایک بال سے لاکھوں خواہشیں چمٹی ہوں گی۔ میں ہر ہر لب پر ہوس کے قطرے گرا گرا کر اسے شدت سے آشنا کر دوں گی۔ خوف اور خودغرضی میرے ان دو پنجوں میں اسیر ہو کر تیرا محبوب کٹھ پتلی کی طرح میرے ہاتھوں کی ہر جنبش پر ہولناک رقص کرے گا خون آشامی کا رقص۔ میرا ہر تقاضا پورا کرے گا۔ میں اُسے دنیا کا سب سے خطرناک، خوفناک، حریص اور برا آدمی بناؤں گی۔ میں اس کی

Scanned with CamScanner

[illegible]

چاہتی۔ تو [illegible] جو کرنا ہے، کر [illegible] تو میرے محبوب کو مجھ سے نہیں چھین سکے گی۔ تو [illegible]
تاریک خواہشات والے بالوں کا گچھا اگانا چاہتی ہے؟ وہ تیرے اگائے ہوئے بالوں کے گچھے کا
ایک ایک بال کاٹ دے گا۔ آ، اس گاؤں کو میدان بنا دے۔ یہاں پہلے سے تیرے شکار بچے بھی موجود

سے روشنی کی خوبصورت ترین دوشیزہ بھی موجود ہے۔ میں نے سب دیکھا ہے کہ تم ترقی کرو۔ تو اپنی ساری قوت صرف کر دی... خواہش حاصل کرنے کو ایک ایک تارہ ہے۔ تم نے یہ روپ دھار لیا ہے کی' ہمیشہ میں تو چاہتی تھی کہ تم سے یہ خوبصورتی چھین لوں۔ کل... پیدا کی ہے کہ... میں تمہاری ترقی سے جلتی رہی۔ تم میری دلی سنگی راہ... میرا اتحاد ہے۔ میں نے اپنے سب رنگ... تمہیں دے دیے، تو بھی کر لینا، جو ترے آرزو ہو تو جس سے محبوب کو تم چھین لو گے۔ میرے مذہب میں وہ عزت نفس فروغ پا چکی ہے جو لا فنا روشنی ہے۔ یہ روشنی میں نے اپنے وجود کی شعاعوں میں سے ایک ایک شعاع لے کر اپنے محبوب سے روشن کی ہے۔ اسے تیری تاریکی سے کیا غرض۔ میں نے اپنے محبوب کو اپنے جیسا بنایا ہے تو اسے اپنے جیسا بنا پاؤ گی۔ بار جوڑوں۔ مجھ میں تجھ سے کیا غرض، ہر چیز میں تیری ذات ہی ہے، یہ مقام کیا ہے؟

'یہ تمہارا وجود کیا ہے، تم کیا چیز ہو... جانتے ہو، تمہیں ان بھولی بھالی، پری جیسی دوشیزہ سے جو ملی تھی، جس نے بدن میں تم پر ظاہر ہوئی، اس کا چہرہ دیکھ میں آج تمہارے سامنے ہوں۔ میری حریف قوت کا بھی تاریک دور تھا۔ وہ تمہیں انسان سے حیوان بنا دینا چاہتی تھی، لیکن آج وہ تمہیں پاتال میں چھپا سکے۔ تاریکی میں خود اپنے آپ سے بھی چھپ رہی ہو گی۔''

وجد میں کائنات سے ماہتاب کے خوبصورت چہرے سے روشنی کی شعاعیں برسی کی بارش ہی تھیں۔

''اس کا آخری دور بہت ہی برا تھا۔ میں بھی پریشان تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ اس نے تمہیں شدید قسم کے ذہنی انتشار کا شکار بنا دیا ہے اور اس کیفیت میں، اس انتشار میں، کوئی بھی انسان شدت سے ساتھ آسانی کی خواہش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس نے تمہیں شدید قسم کی بھوک دی تھی کہ ہے تمہارے سینے و نگاہوں سے بھر دیا تھا۔ پھر اس نے اپنے زہریلے پنجے خود غرضی کو آگے بڑھایا۔ حوس کا بیدار کر دیا، پھر تمہیں ابو چھنے کے لیے تیار تھا۔ میں خاموش کھڑی دیکھ رہی تھی۔ شرط کے مطابق میں تمہیں راستہ نہیں بتا سکتی تھی۔ کھیت میں ملکی سی آگ تمہارے نیچے گندم کے پودوں میں آگ میرے حق کا امتحان تھا۔ میری حریف قوت آخر میں جو تمہیں گندم کے کھیت میں ڈسنا چاہتی تھی۔ وہ ملی نا اس کا چہرہ ملا تھا۔ وہ تمہیں ہوس کی دلدل میں گرانا چاہتی تھی تاکہ ڈسنے کے بعد تمہیں

ہمیشہ کے لیے دلدل میں ڈبو دے۔ لیکن مجھے اس تربیت پر اعتماد تھا جو میں تمھیں بچپن سے دیتی آئی ہوں۔ مجھے اعتماد تھا کہ میں نے تمھیں انسانیت کے جس مقام پر کھڑا کر دیا ہے، تم وہاں سے نہیں گرو گے۔ اور وہی ہوا۔ . . اے محبوب، میری تربیت کے انمول شاہکار، آج تو نے اس نبرد آزمائی میں مجھے میری حریف قوت پر فتح دلائی ہے، جس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ انسان کو انسان صرف اُس کی عزتِ نفس بنایا کرتی ہے۔ نہ خوف انسان کو انسان بناتا ہے، نہ خود غرضی۔ عجز و رضا، بیم و رجا — یہ سب تاریکی ہی کے سائے ہیں۔ آج میں تمھارے سامنے اپنی درخشانی کے ساتھ کھڑی ہوں اور میری حریف قوت پاتال میں زخمی ناگن کی طرح بل کھا رہی ہے۔ میں جیت چکی ہوں، تم میرے ہو چکے ہو۔ میں آج ہی تمھارے بدن میں سما جاؤں گی۔ تمھاری اس مادی زندگی کے اختتام تک میں تمھارے ساتھ رہوں گی، یہاں تک کہ تمھاری آخری سانس تمھیں اس مادی زنداں سے رہائی دلوائے گی، اور میں تمھیں کائنات کی وسعتوں میں لے جاؤں گی۔ تم میرے ہو۔ میں آج ہی، ابھی کچھ دیر بعد تمھارے وجود کے خالی حصے کو بھر دوں گی۔ میں تمھارے بدن میں تمھارے ساتھ رہوں گی۔ اس دنیا میں، اس زمین پر، اب میرا اور کوئی بدن نہیں ہے۔ میں تمھارے ساتھ اسی کیفیت میں رہوں گی جو آج تمھاری عمر نے تمھیں دے رکھی ہے۔ یہی لڑکپن ہمارے ساتھ رہے گا۔ تمھارا بدن جوان ہوگا، ادھیڑ پن سے گزرے گا، بوڑھا ہو جائے گا، لیکن تمھارے بوڑھے بدن میں بھی، تم میرے ساتھ اسی لڑکپن کی حیثیت میں رہو گے۔ تم پر نہ شباب آئے گا نہ ادھیڑ پن، نہ بڑھاپا۔ تم یہی رہو گے جو ہو۔ لیکن تمھارا تجربہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا رہے گا۔ میں تمھارے ادراک کا منبع ہوں، تمھارا وجدان ہوں، تمھاری ذہانت ہوں، تمھارا ارتقا ہوں، لیکن میں تمھاری قلبی حالت کو اسی لڑکپن میں رکھوں گی جہاں تمھیں محبت کی پیاس ہوگی، لیکن تم جنسی خواہشات سے آلودہ نہیں ہو گے۔ لیکن یہ نہ سمجھنا کہ اس زمین پر، اس دنیاوی زندگی میں میری ہی دی ہوئی ذہنی ارتقا پذیری سے جو جسمانی تقاضے تم میں رونما ہوں گے، میں تمھیں ان سے محروم کر دوں گی۔ نہیں۔ میں تمھیں محروم نہیں کروں گی۔ تم ایک انسانی جسم ہو، جسے زندہ رہنے کے لیے خوراک کی ضرورت ہوگی۔ میں تمھارے ساتھ رہوں گی اور تمھیں تمھارے اس حق سے محروم نہ ہونے دوں گی، لیکن تمھیں کبھی بھی، تمھاری ضرورت سے زیادہ نہ کھانے دوں گی، نہ پینے دوں گی — اس لیے کہ جہاں تمھاری ضرورت ختم ہوتی ہے، وہاں

Scanned with CamScanner

سے دوسروں کی ضرورت کا تعلق ہوتا ہے، اور ان کی ضرورتیں پورا ہونا ان کا حق ہے۔ میں تمھیں موسموں کے تغیر و تبدل سے بھی بچاؤں گی۔ تمھاری ضرورتیں پوری ہوں گی، لیکن تمھیں ضرورت سے زیادہ کچھ نہیں ملے گا۔ میں تمھیں زمستان میں ٹھٹھرنے نہ دوں گی، تابستان میں جھلسنے نہیں دوں گی۔ میں تمھیں حیاتی زندگی سے محروم نہیں کروں گی۔ میرا کوئی بدن نہیں ہے اور تمھیں حیاتی زندگی میں آسودگی کے لیے انسانی بدن کی ضرورت ہوگی، ایک نسوانی بدن کی، جو تمھاری فطری ضرورتوں کو پورا کرسکے۔ میں خود بھی تمھیں حیاتی زندگی کی آسودگی نہ دے پاؤں گی، کیونکہ میرا کوئی بدن نہیں ہے۔ میں کسی مادی بدن میں اسیر نہیں ہوسکتی۔ تمھارا یہ مادی جسم تمھارا زنداں ہے۔ میں اسی لمحے تک اس بدن میں تمھارے ساتھ ہوں، جس لمحے میں اس زنداں کا در کھلے گا۔ تمھارا بدن میرے لیے زنداں نہیں ہے۔ زنداں کا در کھلنے پر میں تمھیں ساتھ لے کر کائنات کی وسعتوں میں چلی جاؤں گی۔ تم میرے ساتھ کائنات کی وسعتوں میں رواں ہو جاؤ گے۔ تمھارے بدن میں رہ کر بھی میں تمھارے بدن سے بلند رہوں گی۔ تمھاری حیاتی زندگی کے لیے تمھارے بدن ہوں گے۔ میرا وجود حیاتی زندگی سے بلند رہے گا۔''

نہ جانے کیوں، کائنات کے سب سے خوبصورت اور دلکش چہرے کے سامنے مجھے اپنے وجود میں ایک دلکش سی، خوبصورت سی تشنگی کا احساس ہونے لگا تھا۔ یہ تشنگی میرے وجود کے خالی حصے میں تھی، جسے میں کل زندگی کے احساس سے بھرنا چاہتا تھا، بھر نہیں پاتا تھا...

''میں یہ بھی جانتی ہوں کہ میری حریف قوت شکست خوردہ ہو کر بھی ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی نہ رہے گی۔ وہ کم ظرف ہے، شکست قبول نہیں کرے گی۔ وہ پاتال سے نکلے گی، کسی آتش فشاں سے ابلتے ہوئے لاوے کی طرح اچھلے گی، پھٹ کر نکلے گی اور تمھیں مجھ سے چھیننے کی کوشش کرے گی۔ اب وہ جبر و تشدد کو اپنا ذریعہ بنائے گی۔ وہ اس دنیا میں بے ضمیر اور استحصالی لوگوں کا انتخاب کرے گی۔ انھیں مادی وسائل دے کر بہت طاقتور بنائے گی اور وہ تمھیں شدید قسم کے ذہنی اور جسمانی تشدد کے تجربات سے گزاریں گے۔ ان میں بے ضمیر، خوف کو ذریعہ بنانے والے، خود غرضی کے اسیر، درندہ صفت مرد بھی ہوں گے اور عورتیں بھی۔ وہ سب میری حریف قوت کے غلام ہوں گے، اسی کے اشاروں پر عمل کریں گے۔ وہ تمھیں اس قدر محرومیوں کا شکار بنائیں گے کہ تمھاری ذہنی حالت ابتر ہو

جائے گی۔ اس عقوبت کو دور کرنے کی کوشش ہوگی۔ وہ تمہیں میری حریف قوت کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیں۔ یہی میری حریف قوت کا تقاضا ہوگا [illegible] سب سے بڑا تقاضا۔ وہ تمہیں مجھ سے چھیننے کے لیے اپنے غلاموں، اپنے کارندوں، مادی وسائل سے، غیر معمولی قوت سے کام لیں گے جس سے تم [illegible] بے ضمیر اور اخلاقی طور پر [illegible] میری حریف قوت کی مدد سے تمہیں [illegible] ہوئے اپنی آقا کا تقاضا پورا کرنے کی انتہائی کوشش کریں گے۔ وہ تمہیں [illegible] آزمائش سے [illegible] گی، وہ وحشی، وحشت [illegible] زندگی بسر [illegible] بہت [illegible] میں بہت کمزور [illegible] درندہ صفت ہوں گے۔ وہ تمہیں بہت اذیت دیں گے، لیکن مجھے یقین ہے [illegible] تم اپنے بدن میں مجھے کسی آلائش سے آلودہ ہونے [illegible] میری حریف قوت کی [illegible] ہے جاؤ گے لیکن میرا ساتھ نہ چھوڑو گے۔ یہی میری حریف قوت کی شکست [illegible] وہ تمہیں مجھ سے چھین [illegible] اپنی [illegible] سودا کرنا چاہتی ہے۔ وہ تمہیں غلیظ بدلیوں [illegible] تمہیں انسان سے حیوان بنانا [illegible] مجھے شکست دینا چاہتی ہے۔ وہ تمہیں آسودگی [illegible] سے زندگی میں [illegible] چاہتی ہے۔ وہ تمہیں خوفزدہ کر کے تمہارے ذہن [illegible] کرنا چاہتی ہے۔ وہ تمہیں اس دنیا کا سب سے [illegible] خوفناک، درندہ صفت عفریت بنانا چاہتی تھی۔ ناکام [illegible] اب وہ تم [illegible] ہو چکی ہے۔ وہ اب انتقام [illegible] اپنا چکی ہے۔ وہ اب تمہیں اپنے قدموں پر جھکانا چاہتی ہے۔ وہ جلد ہی پاتال سے نکلے گی [illegible] انتہائی [illegible] بے ضمیر [illegible] سے [illegible] وہ تم سے انتقام [illegible] ذریعے [illegible] اور تمہیں اذیت دے [illegible] یہ میں نے فیصلہ کیا ہے [illegible] میں اب تمہارے بدن میں [illegible] تمہارے وجود کا حصہ بن جاؤں گی تاکہ تمہاری اذیت کو [illegible] تم مجھے اپنے بدن میں زندگی بھر محسوس کرو گے۔ میرا احساس تمہارا ہوگا۔ میں اب تمہارے دل میں [illegible] عزت نفس اور تمہارے ذہن میں تمہارا ذوق جمال بن جاؤں گی۔ [illegible] میری [illegible] سماعت میری ہوگی، بصارت میری ہوگی، لیکن تمہارا لمس، بصارت اور سماعت تم سے ہوگی، مجھ سے نہیں۔ ان لمحات میں، جن میں میرا ہونا بہتر نہ ہوگا، میں تم سے جدا بھی رہوں گی [illegible] ارفع وجود کی مانند۔

"تم چکھو گے تو قوت ذائقہ میری ہوگی، سونگھو گے تو قوت شامہ میری ہوگی۔ [illegible] ہمیشہ یاد رکھنا

کہ تمھارے لمس، بصارت، سماعت کی مانند تمھاری قوت ذائقہ و قوت شامہ بھی تم سے ہو گی، مجھ سے نہیں۔ تمھارے پانچوں حواس تم سے ہوں گے، مجھ سے نہیں۔ لیکن میں تمھیں خود سے جدا بھی نہ جانے دوں گی۔ میں مادی اجسام میں قید نہیں ہو سکتی۔ لیکن تمھارا جسم ہی اس زمین پر ایسا جسم ہے جس کے خون میں میرا عنصر بھی گردش کر سکتا ہے۔ میں تمھارے بدن میں احساس کی مکمل لطافت کے ساتھ چونکہ رہ سکتی ہوں، رہوں گی۔ پھر جب تم مادی بدن سے آزاد ہو جاؤ گے، میرا عنصر تمھارے خون سے جدا ہو جائے گا۔ میں تمھیں کائنات کے اس حسن و جمال میں، تمھاری خوبصورت سی تشنگی کی آسودگی کے لیے جاؤں گی جو ابھی تمھارے لیے بھی نادیدہ ہے۔ اس دنیا کے رہنے والوں کے لیے اس کا تصور بھی ناممکن ہے۔"

میں نے مسکراتے ہوئے، کائنات کے سب سے حسین چہرے کی سمت دیکھا۔

"تم تو دیویوں جیسی باتیں کر رہی ہو۔ تم روحِ حسنِ فطرت ہو۔ میں اپنے دل کی گہرائیوں، اور اپنے ذہن کی وسعتوں سے یہ بات مانتا ہوں، کیونکہ میں نے تمھیں تمھارے احساس کے ساتھ بہت تلاش کیا ہے۔ اب تم جس حسن و جمال کی بات کر رہی ہو کہ اسے ابھی تک میں نے بھی نہیں دیکھا، تمھارا وہ حسن و جمال کیا ہو گا؟ مجھے تو تم اب بھی اس کائنات میں سب سے خوبصورت لگ رہی ہو۔ کیا جو تم نظر آ رہی ہو، اس سے بھی زیادہ خوبصورت ہو؟ تم نے میری فگار روح میں پھر سے زندگی بھر دی ہے۔ تم نے میرے زخموں سے چور چور دل کی سب خراشوں کو، سب سوختہ حصوں کو چند لمحوں ہی میں نجات دلا دی ہے۔ میری تشنگی کو کڑواہٹ سے مٹھاس میں بدل دیا ہے۔ سب تلخی شیریں سی ہو گئی ہے۔ کیا تمھارے پاس اس سے بڑھ کر بھی آسودگی ہے؟ اگر ہے تو تم دیوی ہی ہو گی۔"

خوبصورت مسکراتی آواز میں دھیما سا قہقہہ سنائی دیا۔

"نہیں، میں کوئی دیوی نہیں ہوں۔" روشن، چمکتی ہوئی آنکھیں مجھے بہت قریب محسوس ہوئیں۔ "ہاں، یہ سچ ہے کہ میں جس حسن و جمال کی بات کر رہی ہوں وہ میرا ہی ہے، لیکن ابھی تک اسے تم نے بھی نہیں دیکھا ہے۔ تخلیقِ کائنات سے لے کر اب تک میرا تو یہ روپ بھی کسی نے نہیں دیکھا جو تم دیکھ رہے ہو۔ میں صرف تم پر ظاہر ہوئی ہوں، اس لیے کہ تم میرے ہو۔ میں دیوی نہیں، روحِ حسنِ فطرت ہوں۔ جمال [illegible] کی فطرتِ کل۔ مجھے اس دنیا کے رہنے والوں نے محدود رویوں اور نظریات

Scanned with CamScanner

سے کوئی سروکار نہیں ہے، کیونکہ وہ سب روپ ہے، سب نظریات میری حریف قوت کے دیے ہوئے ہیں۔ مجھے عبادت کی ضرورت نہیں۔ میں کسی کو اپنے سامنے نہیں جھکاتی، نہ ہی کسی سے سجدہ کراتی ہوں۔ میں کسی دوزخ کا خوف نہیں دلاتی نہ ہی کسی جنت کا لالچ دیتی ہوں۔ تمھیں یاد ہوگا کہ یہ بات میں نے تمھارے ذہن میں بچپن ہی میں جاگزیں کردی تھی کہ خوف اور لالچ دونوں بری چیزیں ہیں، اور اس پر میری حریف قوت تلملا اٹھی تھی۔ میں انسانوں کو عزت نفس کا راستہ دکھاتی ہوں، جس سے ضمیر خود ہی راہبر بن جاتا ہے۔ میں انسانوں کو مجبور نہیں کرتی کہ وہ ہمارے راستے پر چلیں۔ جانتی ہوں کہ عزت نفس کا حصول آسان نہیں ہوا کرتا کیونکہ جب سچی عزت نفس حاصل ہو جاتی ہے تو وہ لافنا ہوتی ہے۔ تم یہ ضرور سوچو گے کہ عزت نفس کے حصول کا راستہ تو انسانوں کو بتانا ہوگا اور اس کے لیے کسی ہادی کا ہونا ضروری ہے۔ نہیں۔ تم یہ بھی مت سوچو۔ میں نہ تمھیں نبی بناؤں گی، نہ رسول اور نہ ہی اوتار۔ میں تمھیں اس دنیا کے انسانوں کے لیے ایک مثال بناؤں گی۔ لافنا مثال۔ جو بھی سچے دل سے اس مثال کو اپنانا چاہے گا، اپنا لے گی۔ اسے عزت نفس کا راستہ خود بخود دکھائی دینے لگے گا، اسے اسی کے ساتھ ہی بہ آسانی حاصل ہو جائے گی اور عزت نفس کا حصول دشوار نہ رہے گا۔ تم اس دنیا کے لوگوں سے ہرگز یہ نہ کہو گے کہ وہ تمھارے راستے پر ہی چلیں — یہ انداز جبر کا ہے اور جبر میری مخالف قوت کا ہتھیار ہے۔ تم کسی سے بھی یہ نہ کہو گے کہ وہ تمھارے پیچھے چلے اور تمھارے راستے کو اپنائے — تم صرف میری بنائی ہوئی مثال بن کر زندہ رہو گے۔ جو تمھیں دیکھ کر، اپنے لیے سچی مثال بنائے گا یا بنائے گی، اس کے لیے عزت نفس کی راہ خود بخود کھل جائے گی — میں، کہ میرا کوئی بدن نہیں ہے تمھارے بدن کے سوا، تمھارے ساتھ تمھاری آخری سانس تک رہوں گی۔ پھر تم میرے ساتھ لافنا اور لاانتہا زندگی جیو گے۔ اس دنیاوی زندگی میں میری حریف قوت بھی یہی چاہے گی کہ تم زیادہ عرصے تک جیتے رہو۔ وہ کوشش کرتی رہے گی کہ تمھیں اپنے آگے جھکا سکے۔ جو بھی تمھیں مارنے کی کوشش کرے گا، وہ اسی کو مار دے گی۔ اس لیے کہ اس دنیا میں تمھارے وجود سے رسوائی بھی وابستہ ہو جائے کہ تمھارے ساتھ ایسی قوت ہے جو منتقم اور بے رحم ہے، فوراً سزا دیتی ہے۔ لیکن وہ اپنی اس عیاری میں بھی کامیاب نہیں ہوگی اور اسی دنیا کے لوگ بالآخر یہ پہچان جائیں گے کہ میں نہ تو منتقم قوت ہوں، نہ ہی کسی کو سزا دیتی ہوں۔ میرے پاس بیم و رجا بھی نہیں، نہ ہی میرے پاس عجز و رضا ہے۔ یہ سب ہتھیار میری حریف قوت کے ہیں۔ پھر جب میری

Scanned with CamScanner

حریف قوت کو تمھارے بارے میں یہ یقین ہو جائے گا کہ وہ ہمیشہ کے لیے شکست خوردہ ہو چکی ہے تو پھر وہ تمھارے مادی زندان چھوڑنے کی راہ میں سدِ راہ نہیں بنے گی اور یہی اس کی حتمی شکست ہو گی ... میں اپنے اسی یقین اور اسی اعتماد کے ساتھ تمھارے ساتھ رہوں گی کہ تم کبھی میری حریف قوت کے کسی حال میں بھی نہیں پھنسو گے اور میرا ساتھ کبھی نہ چھوڑو گے۔"

مجھ پر چھائی ہوئی تاریکی دور ہو چکی تھی۔ میری سوزش اور سوجن میں مبتلا آنکھوں میں اب سکون سا تھا۔ کائنات کا سب سے خوبصورت چہرہ میرے سامنے تھا۔ چمکتی مسکراتی آنکھوں کو دیکھ کر میں بے خود سا ہو چلا تھا... بے انتہا خوبصورت سریلی آواز، بے حد شیریں دھیما سا لہجہ... محبت کا سحر انگیز تاثر... میں خود کو اسی جذبے پر محسوس کر رہا تھا جو میرے لیے انجانی اور ان دیکھی تھی۔

''میں یہ بھی جانتی ہوں کہ میری حریف قوت بھرپور کوشش کرے گی کہ تمھاری حیاتی زندگی کی ساتھی ایسی ہو جو محبت کے لیے تمھیں ترستا رکھے۔ وہ صرف جنسی آسودگی ہی دے پائے اور تم محبت سے بے نا آسودگی کے الاؤ میں جلتے رہو اور مجبور ہو کر گھٹنے ٹیک دو... میں اپنی حریف قوت کے اس وار کو روک نہ سکوں گی، کیونکہ میرا کوئی بدن نہیں ہے... وہ محبت جس کے مستحق تم ہو، تمھیں میرے سوا کہیں مل نہیں سکتی... پریشان نہ ہونا، میں نا آسودگی کے الاؤ میں تمھاری تشنگی کی کڑواہٹ کو شیریں سی تشنگی میں بدلتی رہوں گی۔ تمھیں اذیت نہیں ہو گی اور جب تم اس دنیا میں اپنے مادی بدن کو چھوڑ کر میرے ساتھ ابدی اور لافانی زندگی کا آغاز کرو گے تو تمھاری ہر تشنگی کو میں مٹا دوں گی... آسودگی کا تعلق صرف جسمانی ربط سے نہیں ہوا کرتا۔ آسودگی کے ارفع احساس کو اس زمین پر رہنے والے نہیں سمجھ سکتے کیونکہ وہ ان کے حواس سے ماورا ہے۔ آسودگی کا ارفع احساس حیاتی زندگی کے باہر بھی ہے اور جدا بھی ہے... باہمی ربط ممکن ہی نہیں... اس دنیا کے لوگ، اس زمین پر اسے نہیں جان سکتے، بالکل اسی طرح جس طرح وہ نہ مجھے چھو سکتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ چکھ سکتے ہیں، نہ سونگھ سکتے ہیں، اور میں تمھارے ساتھ ہوں... میں یہ بھی جانتی ہوں کہ میری حریف قوت تمھیں مجھ سے چھیننے کے لیے ہر حربہ آزمائے گی۔ وہ تمھیں بہت دکھ دے گی... اس کے اشارے پر اس کے کارندے تمھاری مجھ سے وابستگی کو جنون کا نام دیں گے، تمھیں احمق قرار دیں گے کہ تم دنیا کی آسائشوں اور عیاشیوں کو سامنے پا کر بھی ان سے منہ موڑ لیتے ہو... میری حریف قوت اپنے

Scanned with CamScanner

نمائندوں اور کارندوں کے ذریعے تمھیں بہت ذہنی اور جسمانی اذیت دے گی۔ وہ اپنے کارندوں کے ذریعے تمھیں ناقابلِ برداشت ذہنی اور جسمانی اذیت میں مبتلا کرے گی تاکہ تم ٹوٹ جاؤ، اس کے سامنے جھک جاؤ اور وہ کامیاب ہو جائے... وہ میری ضد پر فطرتِ شدید ہے۔ تم اسے قوتِ شر بھی کہہ سکتے ہو... میں فطرتِ لطیف ہوں، تم مجھے قوتِ خیر بھی کہہ سکتے ہو... میں تمھیں قوتِ شر سے بچاتی رہوں گی۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ میری حریف قوت تمھیں محبت کے لطیف احساسات سے محروم رکھنے کے لیے جسمانی زندگی کا شدید پہلو دکھائے گی جس کا تعلق صرف جنسی تسکین سے ہوا کرتا ہے... تمھیں اس زندگی میں، جو اس زمین پر تم میرے ساتھ جیو گے، محبت کے لطیف احساسات سے محروم ہونا پڑے گا۔ تم محبت کے لیے بہت ترسائے جاؤ گے، ہمیشہ تمھیں جسمی آسودگی کی سمت ہی کھینچا جائے گا... تمھاری محبت کی پیاس بڑھتی جائے گی... تم ترستے رہو گے۔ تمھیں یہ درد سہنا ہوگا... یہ پیاس تشنگی ہوگی... یہ تشنگی آسودہ نہ ہوگی، کیونکہ یہ آسودگی تمھیں مجھ ہی سے ملے گی — اس فانی دور کا اتنا عرصہ زماں میں، جب تم اپنا یہ مادی بدن، اپنی آخری سانس کے ساتھ چھوڑ دو گے۔ یہ وہ قیمت ہے جو تمھیں دینی ہی ہوگی، ایسا تحفہ جس سے محرومی بھی وابستہ ہے۔

"لیکن یہ بھی نہ سمجھنا کہ میں تمھیں دشتِ ستم میں، اس صحرائے تشنگی میں، مرنے کے لیے چھوڑ دوں گی... میں تو تمھارے ساتھ ہوں۔ پیاسا تڑپنے کیوں دوں گی؟ میں نے تمھارے بچپن میں تمھیں بہت پیار دیا ہے، اس لیے کہ اس وقت تمھارے احساسات و جذبات کسی زنداں میں نہ تھے... آزاد تھے... میری حریف قوت کا کوئی وار تم تک نہیں پہنچ پاتا تھا۔ میں نے تمھیں اپنے حسن کی لطافت کی جھلک تو بچپن ہی میں دکھا دی تھی اور اب سیدھی سادی دیہاتی لڑکی کی سمت سے تمھیں میرے ان لطیف احساسات سے آشنائی ہو چکی ہے جو محبتِ کل کا ایک جزو ہیں، اس محبتِ کل کا جو دائمی ہے، جو تمھیں مجھ سے ملے گی... اس لیے کہ تم میرے ہو... یہ میری خودغرضی نہیں ہے۔ خودغرضی تو میری مخالف قوت کا بڑا ہتھیار ہے... یہ کائنات میں موجود تمام حسن و جمال کے لیے ایک آئینے کی ضرورت ہے، جو تم ہو۔

"تم بہت دکھ سہو گے... میری حریف قوت کا انتقام گھناؤنا ہوگا، لیکن میں پُراعتماد ہوں کہ تم سب جبر و تشدد سہہ جاؤ گے، سب دکھ جھیل جاؤ گے، لیکن تم میں کوئی منفی رویہ تشکیل نہ پا سکے گا۔ پھول

پر برف گر جائے تو پھول برف کی مانند نہیں ہو جایا کرتا۔ وہ برف میں دب کر بھی پھول ہی رہتا ہے، کیونکہ یہی اس کی اصلیت ہے جس پر غیریت اپنا اثر نہیں چھوڑتی۔ میری حریف قوت بار بار، لگاتار برسا کر تمہیں برانگیختہ کرے گی لیکن تم پھر بھی اس کا تقاضا پورا نہیں کرو گے۔ وہ تم پر بار بار برفشار گرائے گی، تم پھر بھی اس کے آگے نہیں جھکو گے۔ یہی بالآخر میری حریف قوت کی شکست ہوگی۔"

گلناری کا خوبصورت چمکتا مسکراتا چہرہ میرے سامنے تھا۔ وہی بھولپن اب بھی اس کے چہرے پر نظر آ رہا تھا، جسے دیکھ کر مجھے اپنا ہوش نہیں رہتا تھا۔ وہی آنکھیں، مسکراتی چمکتی خمار آلودہ آنکھیں میرے سامنے تھیں، لیکن اس کے خوبصورت ہونٹوں سے الفاظ، چشمۂ حیات سے نکلتے قطروں کی مانند تھے، میں بے خود ہو کر سن رہا تھا۔ پھر میں نے محسوس کیا کہ میرے ہونٹوں پر وہی مسکراہٹ آ چکی ہے جو تور پر بیٹھی گلنازی کو دیکھ کر آیا کرتی تھی۔

"تم میری حریف قوت کے طریق کار سے تو آشنا ہو ہی چکے ہو۔ وہ پہلے اپنی ہوس کو عفریت بناتی ہے جس کے دو رہبر بیٹے ہیں، خوف اور خود غرضی ہیں۔ وہ ان ہی ہاتھوں سے جبلتوں کے چپکیلے تاروں سے تانا بانا بنتی ہے حریص عنکبوت کی مانند۔ پھر انسانوں کو اس جال میں پھنسا لیتی ہے۔ وہ یہ بھی جانتی ہے کہ اگر کسی انسان کا سر پیروں پر رکھوا دیا جائے تو وہ عزت نفس سے محروم ہو جاتا ہے اور ہمیشہ کے لیے محرومی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس لیے وہ سب سے پہلے انسانوں کی عزت نفس کا راستہ عبادت سے روکتی ہے۔ وہ انسانوں کو اپنے سامنے سجدہ ریز ہونے پر مجبور کرتی ہے۔ اس کے کئی نام ہیں۔ وہ اپنے تکبر سے انسانوں کو اپنے سامنے حقیر بنا دیتی ہے تاکہ وہ اس کے سامنے گڑگڑاتے رہیں، ہاتھ جوڑتے رہیں، سہارا تلاش کرتے ہوئے گھناؤنی رسوم بھی ادا کرتے رہیں، اور یہی رسوم ان کی عقیدتوں کو بندھنوں میں باندھ دیتی ہیں۔ وہ عجز و رضا، ترحم اور ہزاروں زہر بھرے ناوک عالم انسانیت کی سمت چھوڑتی رہتی ہے، پُرفریب انداز میں، اپنے نمائندوں اور کارندوں کے ذریعے۔ کبھی بہت اچھی ہونے کا فریب سیدھے سادے انسانوں کو دیتی ہے، کبھی خود کو رحم سے بھی وابستہ کر لیتی ہے، لیکن یہ سب اس کے فریب ہیں۔ درحقیقت وہ ایک بھیانک اور سفاک قوت ہے جو خون آشامی میں ہی اپنی سالمیت دیکھتی ہے۔ وہ اس قدر مکار ہے کہ اس نے دنیا میں صدیوں سے اپنے نمائندوں کو دیوتا وجود بنا کر، ان کے سامنے انسانوں کو سجدہ ریز کرنے پر مجبور کیا ہے اور وہ انسان اسی میں اپنی فلاح کو

Scanned with CamScanner

بیٹھے سکتے ہیں۔ وہ چاہے جس قدر مضبوط بنا لیتی ہے۔ ایک دن میں پہنچ کر باہر نکلنا ناممکن تک نہیں سکتے، لیکن ناممکن نہیں ہے۔ وہ انسانی قلب و ذہن و روح کو ایسا بنا دیتی ہے کہ وہ تو ناممکن لگنے لگتا ہے، لیکن ناممکن نہیں ہے۔

"آزادی کی خواہش ہر انسان میں موجود رہتی ہے۔ اسے دل و دماغ کی تاریکیوں میں روپوش نہیں کیا جا سکتا۔ جب آزادی کی خواہش، جسے میرا دیا ہوا جسم ایک ذرے کی طرح اپنی حفاظت میں رکھتا ہے، انسان میں خواہشِ آزادی کو زندہ رکھتی ہے۔ جب تاریک ذہن میں آزادی کے خواب و خیال آنے لگتے ہیں، تبھی ذہن کو روشن کرتے ہوئے، عزتِ نفس کا راستہ تلاش کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ پھر آزادی کا حصول ناممکن نہیں رہتا۔ جو تم نے حاصل کیا ہے، وہ ہر انسان حاصل کر سکتا ہے۔"

مجھے اپنی آنکھوں میں چمک کا احساس ہوا۔ اب میری آنکھیں مسکراہٹ میں چمک جاتی تھیں۔

"تم نے جو چاہا بھی ہے، اسے کائنات کی سب سے خوبصورت دوشیزہ" میں نے کہا۔ "اے قوتِ جمال، میں اسے اپنے دل کی گہرائیوں اور ذہن کی وسعتوں سے مان چکا ہوں، کیونکہ تمہاری مسکراہٹ بچپن ہی سے میرے ساتھ ہے۔ لیکن میں اب بھی تذبذب میں ہوں۔ ایک سوال میرے ذہن میں حیرت کا نقش بن رہا ہے۔ تم نے مجھے اپنا ایک روپ، ایک جھلک دکھانے کے لیے ایک انسانی جسم کا انتخاب کیا۔ اس گاؤں کی ایک چھوٹی سی بچی جیسی دوشیزہ کو چنا جو میری ہم عمر تھی۔ اس کے بدن میں تم نے اپنے بے انتہا حسن و جمال کی ایک چھوٹی سی جھلک بھی دکھائی۔ اپنے حسن کی [illegible] جھلک دکھا کر مجھے دیوانہ سا کر دیا۔ پھر اب تم اسے چھوڑ کر مجھ سے یہ کہہ رہی ہو کہ تمہارا کوئی جسم نہیں ہے۔ میں یہ بھی مان لیتا ہوں کہ اس دنیا میں تمہارا کوئی جسم نہیں ہے، نہ ہوگا لیکن یہ تم نے سیدھی سادی، بچوں جیسی دیہاتی لڑکی کو اس کا بدن چھوڑ کر [illegible] نہیں دیا؟ اس کو خوبصورت، حسن و جذبات سے آشنا کرنے کے بعد، پھر ان سے محروم کر دینے کی اذیت نہیں پہنچ گئی؟ وہ کتنی روئی ہوگی، اس کے آنسو خشک ہوتے ہوتے اس کی آنکھیں پتھرا گئی ہوں گی، اس نے خود کو کتنا بے بس محسوس کیا ہوگا... مجھے اس کا تصور تو بتادو!"

روشنی دھند میں چمکتی مسکراتی آنکھوں میں بہت گہری محبت کا احساس نمایاں ہوا۔

Scanned with CamScanner

[illegible]

[illegible] تمھیں تمازت کا احساس ہوگا۔ [illegible] تو شدید درد کے ساتھ تمھارا [illegible] تمھیں خنکی کا احساس ہونے لگے گا۔ [illegible] شدید درد کے ساتھ تمھارا بدن [illegible] احساس [illegible] تم ایک ایسے مقام پر پہنچ جاؤ گے جہاں تمھارا احساس بہت خوش [illegible] اور انجماد سے یکساں [illegible] بعد ہوتا تھا۔ میں اسی مقام پر [illegible] پھر ان کے اتصال سے پیدا ہونے والی حرارت کے اندر موجود [illegible]

سے یہ دونوں کنارے بھی بظاہر لاانتہا ہونے کا احساس دلاتے تھے، لیکن یہ دونوں کنارے خدا، ابتدا تھے نہ لاانتہا— ان ہی سے ٹکرا کر پلٹنے والی قوت نے میری حریف قوت کے روپ میں جنم لیا جس کا ازل بھی تھا ابد بھی۔

''وہ میرے رستے کے قریب آئی تو محدود ہونے کے باعث اسے فنا ہو جانے کا احساس ہوا۔ وہ میرے رستے کو جس پر خوشگواری تھی، سکون کی ایک کیفیت بھی تھی جو احساسِ سفر بھی رکھتی تھی، حسن و جمال تھا، آسودگی تھی، کائنات کی تشکیل سے پہلے کا، ابتدا اور انتہا سے ماورا، دونوں سے جدا ل ابتدا اور لا انتہا کا احساس تھا، میں تھی۔ اس نے میرے رستے کو مسدود کرنا چاہا۔ اس نے ابھار احساس کے انتہائی کنارے کو سوچتی نے انتہائی کنارے سے باندھنے کی کوشش شروع کر دی تاکہ میرے رستے کو مسدود کر سکے۔ میں قوت خیر تھی اور ہوں۔ وہ قوت شر بن کر ابھری اور ہے۔ میں جانتی تھی کہ کائنات میں خیر کے توازن ہی سے کائنات سلامت رہ پائے گی۔ وہ بھی جانتی تھی کہ کائنات میں شر سے توازن کو توڑ کر وہ کائنات لوٹ کر سکتی ہے۔ میں آج بھی اس حقیقت کو جانتی ہوں کہ تشکیل شدہ کائنات کو خیر کا توازن ہی قائم رکھ سکتا ہے۔ وہ بھی جانتی ہے کہ اگر وہ یہ توازن توڑنے میں کامیاب ہو گئی تو وہ کائنات کو تباہ کر سکتی ہے۔ فنا کر سکتی ہے۔ ہر شے کی ایک ضد ضرور ہوتی ہے لیکن ضد اصل کے بعد آیا کرتی ہے۔ میرے حسن و جمال اور خیر کل کے مقابلے میں وہ بدنمائی اور شر کے ساتھ پھیلی۔

اب مجھ سے یہ نہ پوچھنا کہ میں نے کائنات میں توازن کیسے پیدا کیا، کائنات میں کہاں کہاں اور کن کن سیاروں میں زمین جیسے عوامل ہوئے اور زندگی نے کیسے ظہور پایا؟ طویل داستان ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ میں تمھیں تمام رموز سے آگاہ کر دوں گی ...''

اس کی خوبصورت آنکھوں میں مسکراتی ہوئی چمک بے حد روشن ہو گئی۔

''اب تم سوچو گے کہ تشکیل کائنات کے بیان کا تمھارے سوال سے کیا تعلق ہے اور اس میں تمھارے سوال کا جواب کہاں ہے؟ غور کرو۔ اس انسانی جسم کو جس میں تم نے میری ایک جھلک دیکھی، اس پر اس زمین کو قیاس کرو۔ جب توازن نہیں ٹوٹتا تو کوئی تخریب بھی کامیاب نہیں ہوا کرتی۔ تمھاری سیدھی سادی، بچی جیسی دیہاتی لڑکی کے وجود پر جو گڑھے نمودار ہوئے تھے وہ بہت بھر چکے ہیں۔ وہ توازن جو کائنات میں قائم ہوا تھا، ایک بہت ہی چھوٹے سے وجود میں بھی قائم ہو رہا ہے۔ وہی قائم

Scanned with CamScanner

ہو کر اس کے وجود کو قائم رکھے گا۔ اگر تم میری بات کی گہرائی اور وسعت کو جان گئے ہو تو یہ بھول جاؤ کہ اس دنیا میں دکھ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ نہیں، ہر دکھ عارضی ہے۔۔۔ ہر گڑھے کو بالآخر بھر جانا ہے۔ ان عارضی دکھوں کا باعث وہی میری حریف قوت ہے۔ وہی قصوروار ہے — نہ تم قصوروار ہوتے ہو اور نہ وہ بدن جس سے متعلق تم بے چین ہو، احساسِ جرم کا شکار بن رہے ہو کہ اسے دکھ تم نے اور میں نے دیا ہے۔ یہ جرم تو ہم سے ہوا ہی نہیں۔ وہ بدن تو اب دکھوں سے آزاد ہو رہا ہے، ایک نئی زندگی کا تصور اس کی اذیت ختم کر رہا ہے۔ جس طرح میری حریف قوت کائنات کو عدم توازن سے برباد کرنا چاہتی تھی لیکن نہ کر پائی، اسی طرح اس بہت ہی چھوٹے انسانی وجود میں بھی وہ عدم توازن پیدا نہیں کر سکی۔ تم ہر فکر سے آزاد ہو جاؤ۔ تم بھی میری طرح بے قصور ہو۔ بھولی بھالی دیہاتی لڑکی کا غم بہت عارضی ہے۔ اب وہ ان تمام احساسات و جذبات کو بھول جائے گی جو میرے ہیں۔ وہ اب تک وہی لڑکی بن چکی ہے جو تم کو پہلی بار دیکھنے سے پہلے تھی۔ میں جب تک اس کے بدن میں تھی وہ جو کچھ محسوس کرتی تھی اور جو محبت کے جذبات اس کے دل میں اٹھتے تھے — وہ خود بخود ختم ہوتے جائیں گے۔۔۔ وہ سب کچھ بھول جائے گی اور بہت جلد بھول جائے گی۔ کھلونا ٹوٹ جانے کا غم بچوں کو ہوا ہی کرتا ہے، لیکن اس غم کی عمر بہت کم ہوتی ہے۔ اس کے بدن میں اب میں نہیں ہوں۔ اس کے ہونٹوں پر اب میری مسکراہٹ نہیں ہے۔ اس کی آنکھوں میں اب میں نہیں ہوں۔ وہ اب تم سے ملنے سے پہلے والی لڑکی بن چکی ہے۔ تمھیں دیکھ کر وہ پھر تمھاری چاہ تو کرے گی لیکن اب اس میں کوئی جذبہ اس کے وجود پر بھاری نہ ہوگا۔ وہ بس نئی زندگی کو ہی اپنی زندگی سمجھے گی۔ تم اس کا غم نہ کرو۔

''اس دنیا میں جو اجسام آتے ہیں وہی عارضی ہوتے ہیں۔ زندہ اجسام کی مدتِ حیات بہت محدود ہے۔ میں اس میں کیونکر رہ سکتی ہوں؟ وہ مجھے سنبھال نہیں سکتے۔ ایک تم ہو جو میرے ہو۔ میں تمھارے عارضی اور فانی بدن میں بھی تمھارے ساتھ رہ سکی ہوں۔ میں نے تمھیں اپنے ساتھ لے جانے کے لیے تمھارے فانی بدن کو اپنے لیے چنا ہے۔ تم اب ہر غم سے آزاد ہو جاؤ، ہر فکر سے خود کو جدا محسوس کرو، کیونکہ وہ لمحہ قریب آ رہا ہے جب میں تمھارے بدن کے خلا کو بھر دوں گی۔ تم اپنی تمام زندگی میں لڑکیوں کے احساس کے ساتھ رہو گے۔ تم زندگی بھر خود کو لڑکا بھی محسوس کرو گے لڑکی بھی۔ تم ایک مکمل بن جاؤ گے جس میں نر کے احساسات و جذبات بھی ہوں گے اور ناری کے بھی۔ وہ انسان جو مرد

Scanned with CamScanner

ہیں۔ عورت ... میں تمھیں ان کے احساسات وجذبات سے بھی آگاہ کردوں گی۔ تم میرے ساتھ اپنے لڑکپن ہی کی کیفیت میں رہا کرو گے۔ لیکن حیاتی زندگی کے لمحات میں، جب میں تمھارے وجود سے اوپر اٹھ جایا کروں گی، تم مرد بن جاؤ گے۔ نسوانی احساسات وجذبات تمھیں صرف لطیف احساسات وجذبات کی صورت میں ملیں گے جن میں آلائش نہیں ہوگی۔ میں تمھارے ساتھ، تمھارے بدن میں، اس احساس کے ساتھ رہوں گی کہ اس زمین پر میرا اور کوئی بدن نہیں ہے۔''

دھند پیچھے ہٹنا شروع ہوگئی۔ کھیتوں میں اُگے گندم کے پودے نظر آنے لگے۔ میرے سامنے بلندی پر، مسکراتے روشن چہرے، مسکراتی چمکتی آنکھوں والی، کائنات کی قوتِ جمال، اپنی تمام تر صداقت کے ساتھ موجود تھی۔

اچانک گندم کے کھیت سے، دائیں جانب والے کھیت سے سیاہ جانور سا نکلا۔ وہ بھینس کی مادہ بچی جیسا تھا — کٹڑی جیسا۔

ہاں، وہ شریفاں ہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی بائیں جانب والے کھیت سے نوراں نکلی جو پلکیں جھپکائے بغیر مجھے دیکھ رہی تھی۔ دونوں کے چہروں پر شکست خوردگی کے تاثرات موجود تھے۔

''دیکھو انھیں ... یہ ہیں میری حریف قوت کے دو ہتھیار، ہوس کے دو ہاتھ ... ایک تاریک خوف، جو ہمیشہ ہی سے بدنما ہے۔ دوسری بھیانک زہریلی خود غرضی، جس کی ہتھیلیوں میں زہر بھرا رہتا ہے۔ خوف کی کوکھ سے فشار اور انتقام جنم لیتا ہے، اور خود غرضی کے بطن سے لالچ اور رقابت پیدا ہوتی ہے۔ بدصورت، بدہیئت خوف نے حسد کے ساتھ وجود پایا تھا اور اسی نے اپنی گھناؤنی کارکردگی دکھائی، اور وہ خود غرض ناگن، پلکیں نہ جھپکنے والی، بھولی بھالی دیہاتی لڑکی کی سہیلی بن کر اسی کو ڈستی رہی۔ پہلے دن ہی سے میری حریف قوت کے اشارے پر اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ تمھیں اپنی سہیلی سے چھین لے گی۔ اس نے بار بار اپنی سہیلی کو تم سے بدگمان کیا، لیکن اس کے بدن میں میں تھی۔ وہ بدگمان نہ ہوئی۔ آج اس زہریلی ناگن نے تمھیں ہوس کی دلدل میں گرانا چاہا۔ مکمل کوشش کی اور ناکام ہو کر اپنی آگ میں خود ہی جلتی رہی۔ دونوں کو پہچان لو۔ یہ ہیں ہوس کے ہاتھ: خوف اور خودغرضی۔ ہوس جو میری حریف قوت کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔''

شریفاں اور نوراں مجھ سے کچھ دور رک گئیں، روشنی کی شعاعیں دھند کے ساتھ میری چاروں

Scanned with CamScanner

سمتوں میں چمکتی رہیں۔ یوں محسوس ہو جیسے دھند میں روشنی کے پردے سے تن گئے ہیں۔ شریفاں اور نوراں نگاہوں سے اوجھل ہو گئیں۔

"اب میں ہمیشہ کے لیے تمھارے جسم میں تمھارے ساتھ رہنے کے لیے آ رہی ہوں۔ میں ہی تمھارے اوپر ہوں، میں ہی دائیں جانب، میں ہی بائیں جانب اور میں ہی سامنے۔ لیکن تم اس حقیقت کے باوجود ان سمتوں سے میرا لمس نہیں پاؤ گے۔ تم اپنی پشت پر میرے لمس سے آشنا ہو گے، جو ستائی بدن میں آ کر میں نے تمھیں سونپا تھا۔ اپنے رخسار پر میرے رخسار اور اپنے گنج دہن پر میرے دہن کا مس تم زندگی بھر محسوس کرو گے۔ تم مجھے اپنے دل میں ہمیشہ دیکھو گے، اپنے خوش نصیب ہونے پر ہمیشہ ... میں ہی تمھاری قوت، ذائقہ اور قوت شامہ میں رہوں گی۔ اس دنیا والے مجھے کبھی بھی دیکھ نہیں پائیں گے، نہ ہی سن سکیں گے۔ یہ چہرہ جو تم دیکھ رہے ہو، صرف تمھیں اپنا تصور دینے کے لیے ہے تاکہ تمھیں میری قربت محسوس ہوتی رہے۔ تمھارے اس تصور کو بھی، اپنے تمام تر مادی وسائل کے باوجود، اس دنیا والے نہ دیکھ سکیں گے۔ وہ میری اصل صورت سے بھی ناآشنا رہیں گے۔ نہ مجھے سن سکیں گے، نہ میرے لمس کو پا سکیں گے، نہ میری قوت ذائقہ و شامہ تک پہنچ سکیں گے۔ جو لوگ باضمیر اور شعور بالغ رکھتے ہوں گے، وہ تم میں میری جھلک ضرور دیکھیں گے، تمھاری آواز میں مجھے ضرور سنیں گے۔ انھیں میرا احساس تم سے ہوگا۔ تمھاری، یہ میری ہوگی۔ میری حریف قوت، اپنے کارندوں کو ... طاقتور بنا کر تمھیں ان کے ذریعے بہت تکلیف پہنچائے گی۔ انھیں اہمیت نہ دینا، وہ بے ضمیر اور سفاک لوگ میری حریف قوت کے منتخب کردہ ہیں۔ ہمیشہ ہی انسانی رشتے تمھیں ظلم و تشدد کا شکار میری حریف قوت بناتی ہے۔ وہ تمھیں حقوقوں سے محروم کریں گے، لیکن تمھاری اذیتوں کو میں محسوس کرتی رہوں گی۔ میں تمھارے بدن میں، تمھارے شعور کی توازن کو قائم رکھوں گی۔ وہ ذلتوں سے تمھارے ذہن کو ... تو میں تمھیں سنبھالے رکھوں گی۔ میں تمھیں راہِ صداقت سے گرنے نہ دوں گی۔ ... وہ ناکام ہوتے رہیں گے۔ بالآخر تمھارے ... میری حریف قوت تمھیں مجھ سے چھین سکنے پر ہمیشہ کے لیے شکست خوردہ ہو جائے گی۔ ... صداقت کی جیت ہوگی ... یقین سے ... ہے۔ تم کبھی مجھ سے جدا نہ ہو گے۔۔۔ میرے تھے، میرے ہو اور ہمیشہ میرے رہو گے۔ وہ لمحہ آن پہنچا، مجھے اب ہمیشہ کے لیے تمھارے بدن

Scanned with CamScanner

میں آتا ہے۔"

میرے سر کے اوپر سے شعاعوں میں پڑی چمند پیچ آتی نظر آئی۔ روشن چمند سے وہ ناگن واضح اور واقعہ رفتہ رفتہ جمال پہ ایک خوبصورت بدن والی دوشیزہ کی طرح نکلی جس کا تصور ممکن ہی نہیں ہے۔ اس نے بدن کو باریک اور نازک قوس قزح کے سات رنگوں والے لباس نے ڈھانپ رکھا تھا جس کا ہر دھاگا روشنی کی ایک شعاع تھی۔ رنگین شعاعیں۔ ست رنگی تیرنے لگی۔ اس کے مسکراتے چہرے پر غیر انسانی شعاعوں سے مسلسل روشنی پھوٹ رہی تھی۔ اس کی مسکراتی نیلی آنکھوں میں درخشانی سے بھرپور بے شمار ستارے لو دے رہی تھی۔

"تو اب تو تمہیں یقین آ گیا کہ میں سچ کہہ رہی تھی؟"

وہ میرے اور قریب آ گئی۔ قریب سے اس کی آنکھوں کی چمک دیکھ کر میں حیران ہو گیا۔ میں دہشت کی شدت سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"اب تو بھی مجھ سے اس زندگی سے محبت ہو گئی ہے؟"

"ہوں گا" میں نے ایک جواب اتنی سی جنبش دی۔ "تمہارے ساتھ جانے سے پہلے اگر اس بدن کو چھوڑنا پڑے گا تو میں تیار نہیں ہوں۔"

اس کا خوبصورت رنگ برنگی زرد جھولوں میں مرتعش تھا۔ اس کی خوبصورت ادا زلف اس کے رخسار پر بار بار آ کر سنور رہی تھی۔

"ہوں گا" میں نے بہت وقفے سے یہ کہا۔ "جب تم نے مجھے چھوڑ دیا تو میں تم سے پہلے ہی مر جاؤں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

اس نے اپنا خوبصورت، لمبی انگلیوں والا نازک سا ہاتھ بڑھا کر میرے رخسار پر ہلکی سی چپت لگائی۔ میں مسکرا کر ہنسا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر ہونٹوں سے لگانا چاہا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ ست رنگوں میں موت پھیل گئی۔ میرے پورے بدن میں دہشت کی سنسناہٹ تھی۔

اس نے میرے ہاتھ کو اپنی سمت کھینچا۔ وہ مجھے اوپر لے کر چل دی۔ میں شوق کی انوکھی کیفیت سے سرشار ہو گیا جو اس دنیا اور اس زمین کی نہیں ہے۔ پھر میرے جسم کی بے وزنی سے رنگ بدلتے میری آنکھوں میں اس کی آنکھیں تھیں۔ میرے چہرے کو اٹھا کر آنکھیں بند کر دیں

مجھے پہلی بار ... محسوس ہوا کہ کائنات سب سے خوبصورت وجود ہے جو میرے وجود کا ظاہر ہے ... اور فوراً ہی مجھے ... سمجھتا ہے۔

"نہیں میرے ... زندگی ... نہیں کی ... اپنے آپ کو نہیں سمجھاتا ... چلو ... زندگی ... پانی کی طرح قید ... کہیں ... سے ... چاہے ... وہ رواں ہو ... زندگی ... چلتی رہتی ہے۔ تم بھی چلو ... زندگی ہی کی مانند ... چلتے رہو۔"

میں ... کی ... آنکھیں ... انھیں جیسے میں نے ... حیران ... روشن تھیں۔ مجھے محسوس ہوا کہ میرے ... بیچ ... میں ... جب ... لیکن اب میرے دل میں ... نہیں ... میری زندگی ... تھی ... جس ... کی ... کائنات ... ہے ... سب ... ہے۔

میں بھائی کے گھر کی سمت چل دیا۔

مجھے اپنی ... میں ... محسوس ... ہوئے ... اب خراماں خراماں بھی تھا۔

58

... میں ہمیشہ غبار آلود ... ہے۔ آسمان پر بلند بادل ... ہوتے ہیں۔ ... محسوس ہوتے ہیں۔ ان میں ... دکھائی دیتا ہے۔ ... میں ... غبار آلود ... میں ... چل رہا تھا۔ ہوا ... تھے ... تھی ... میں ... عام شباب پر تھیں، خصوصاً ... تھے۔ ... کائنات ... رہی تھی۔

میں ... میں داخل ہو ...

... اپنے ... آنکھیں ... سو رہا تھا۔ ... پڑی تھی جو ... پر ... تھا ... نہیں تھی اس لیے بھی اور ... کمرے میں تھیں۔ میں

چونک اٹھ کر برآمدے میں داخل ہوا۔ رقیہ باورچی خانے میں تھی، بوبا بھی اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔

میں کمرے میں داخل ہوا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی بھابھی اور بہنوں کی نگاہیں میری سمت اٹھیں اور دوسرے ہی لمحے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ان کی ثانوی نگاہوں میں حیرت سی تھی۔

''کہاں تھے؟'' عصمت نے کہا۔ پھر وہ مسکرائی۔ ''بڑے نکھرے نکھرے سے لگ رہے ہو۔ کیا ہوا؟''

''وہ آئی تھی،'' بھابھی نے کہا۔ ''گلنازی۔''

''وہ تو ٹھیک ٹھاک ہے،'' عصمت نے کہا۔ ''بالکل نارمل۔ ہاں بہت دبلی اور کمزور سی لگ رہی تھی اور بہت بدلی بدلی سی بھی تھی۔''

''تمھارا پوچھ رہی تھی،'' بھابھی نے پُرشوخی لہجے میں کہا ''کہاں گئے تھے؟''

''میں کھیتوں میں، وہ رہٹ ہے نا...'' میں نے کہا، ''وہاں بیٹھا ہوا تھا۔''

بھابھی اور بہنوں نے چونک کر مجھے دیکھا۔ ان کے چہروں پر حیرت سی تھی۔ باجی زیبا کے ہونٹ ہلے۔ کچھ کہنا چاہتی تھیں، نہ کہہ پائیں۔ مجھے ان کے چہروں پر حیرت انوکھی نہ لگی۔ خود میں بھی اس احساس سے حیرت زدہ تھا۔ میری آواز بہت ہی خوبصورت تھی، دلکش اور سریلی۔

بھابھی کی نگاہیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ میری آنکھوں میں دیکھ رہی تھیں۔

''یہ تم...'' انھوں نے کہا۔ ''نکاح سے پہلے والی اپنی دلھن منی کی طرح کیوں دیکھ رہے ہو؟''

مجھے ہنسی سی آئی۔ میں مسکراتے ہوئے برآمدے میں آیا۔

''وہ کہاں مری ہے۔'' عصمت کی آواز بھرا گئی تھی۔

میں صحن میں آیا، پھر چھت کی سمت سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے اسی سیڑھی پر بیٹھ گیا جہاں گلنازی نے مجھے بازوؤں میں لے کر نیچے جانے سے روکا تھا۔

''تم مجھے چھپا نہ پاؤ گے۔'' دل سے خوبصورت آواز ابھری۔ ''تمھیں مجھے چھپانا ہوگا۔ اس دنیا کی ہر نظر سے چھپانا ہوگا۔ کسی کو معلوم نہ ہو کہ میں تمھارے ساتھ ہوں۔''

''کیسے چھپاؤں؟'' میں نے دل ہی دل میں کہا۔ ''تم ہو ہی ایسی، تمھارا احساس ہی اتنا

خوبصورت اور [illegible] ہے۔ تم سے چھپا [illegible] پچھتاؤ گے۔"

"ویسی ہی جیسی خالی ہوں۔

میں جانتی ہوں۔ تم ابھی، اسی لمحے یہ تصور کرو۔ تمھارے سامنے، اوپر بھی ایک جسم ہے، [illegible] ... [illegible] ایک [illegible] میں تم اور میں ہیں ... تصور تو [illegible]"

[illegible] سے [illegible] محسوس ہوا [illegible] اوپر بھی [illegible] ایک وجود ہے جس میں میں اپنی زندگی کے ساتھ بمال کل کی طرح موجود ہوں۔ اسی احساس میں، سیڑھیوں پر بیٹھے بیٹھے، [illegible] لگنے لگا جو پہلی بار جھاڑیوں کے تحت [illegible] سے پہلے تھا۔ یوں محسوس ہوا جیسے [illegible] میں میں پہلی [illegible] جو پہلی بار تالے سے اتر کر جانی ہے [illegible] تھا۔ [illegible] میں پسینے سے بھیگا ہوا تھا۔

"ہاں ... [illegible] تم مجھے [illegible] نظروں سے پوشیدہ رکھ سکو گے۔ لیکن میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تمھاری [illegible] ایسے [illegible] آئیں گے جب اس دنیا سے چھوٹ ... مرد، عورتیں، بچے ... [illegible] میں [illegible] تم سب [illegible] کا [illegible] منکشف ہوں گی، تمھیں [illegible] میری [illegible] گی [illegible] میں گے۔ [illegible] تم [illegible] نظر آؤں گی۔ باقی تو وہی دیکھ پائیں گے جن کی بصارت ہوس سے آلودہ نہ ہوگی۔"

59

رات بہت [illegible] تھی۔ [illegible] شام ہی سے بوندا باندی ہو رہی تھی۔ شمالی پہاڑی سمت سے آنے والی [illegible] تھی۔ میں لحاف میں [illegible] تھا۔ ہوا کے جھونکوں میں تیزی سی نمایاں تھی۔ [illegible] میں تین چارپائیاں تھیں۔ ایک پر بھائی [illegible] پر عصمت اور تیسری پر میں تھا۔ دوسرے کمرے میں بھابھی، باجی زیبا، رقیہ اور ابو جان تھے۔

انگیٹھیوں میں کوئلے اب راکھ بن چکے تھے۔

[illegible] شام جو انگیٹھیاں جلائی تھیں، انھوں نے [illegible] میں درجۂ حرارت بہتر بنائے رکھی تھی [illegible] آمد [illegible] جتنوں کو بجھانے والی ہوا، چھتوں کی درزوں سے گزر کر، کمرے کے

[illegible] دروازے سے نیچے سے [illegible] رہی تھی۔ بہرحال، کپاس لحاف کے اندر سردی سے خلاف ڈھال بنی ہوئی تھی۔

میرے تصور میں [illegible] پانی پر بوندوں [illegible] خود کو وہی پہلے جیسا محسوس کر رہا ہوں، لیکن اپنی زندگی [illegible] تھی۔ اس کا احساس مجھے [illegible] پڑا۔"

مجھے اپنے دل میں خوبصورت سی مسکراہٹ کا احساس ہوا [illegible] خوبصورت سی آواز سنائی دی

"تم [illegible] میں اسی راہ صداقت پر چلوں گا جو تم نے مجھے دکھائی [illegible] آزاد ہو گیا ہوں۔ لیکن ایک احساس، ایک [illegible] اب بھی میری [illegible] محسوس [illegible] ہے۔"

مجھے پھر اپنے دل میں مسکراہٹ کا احساس ہوا۔ [illegible] تمہاری صورت تک یاد نہ رہے گی۔"

میں نے [illegible]

کھلاہٹ کا احساس سرسراتی آواز سے ہو رہا تھا۔ دروازہ بھی ہوا کے زور سے [illegible] رہا تھا۔ مجھے برآمدے سے بھاؤں کی آواز آئی۔ ٹائیگر برآمدے میں تھا۔ [illegible] سے [illegible] بوری باندھ دیا کرتا تھا، وہ بوری کے ساتھ ہی دوڑتا پھرتا تھا۔

"میں بھی اپنی ہی حیوانی زندگی سے [illegible] چاہتی ہوں کہ" میں نے [illegible] دل میں سوال کیا۔

"میں تم سے وعدہ کر چکی ہوں [illegible]" میں تمہیں زندگی کے بیابان [illegible] وحشت [illegible] میں جہاں [illegible] کی طرح دوڑتا [illegible] تمہیں جنسی [illegible] تمہیں [illegible] تکلیف [illegible] زندگی [illegible] تمہیں محبت [illegible] محبت [illegible] تمہیں محبت [illegible] محبت تمہیں [illegible] تم اپنے [illegible] محبت [illegible] حاصل نہیں [illegible] تمہیں تنہا ہی رہنا ہوگا۔ تم اب [illegible] تمہیں [illegible] میں تمہاری [illegible] اپنے [illegible] میں تمہارے ساتھ [illegible] میں تمہاری حفاظت [illegible] تمہاری حفاظت [illegible] میں تمہاری [illegible] میں تمہیں سنبھالوں [illegible] تمہارے [illegible] لیکن تمہیں محبت سے تنہا ہی رہنا ہوگا۔ میری محبت تمہیں [illegible] کے بعد [illegible] چھوڑ [illegible] اور پھر تمہاری [illegible] تمہیں [illegible] تو میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں [illegible] تمہیں [illegible] جسمانی محبت سے [illegible] زیادہ ہے کہ اس کا تصور تم کبھی نہیں [illegible]۔"

میں [illegible] کے اندھیرے میں [illegible] دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر میں نے [illegible]

"مجھے منظور ہے۔" میں نے [illegible] میں تمہاری خاطر یہ تکلیف سہہ لوں گا۔ میں حیوانی زندگی سے [illegible] بھی نہیں [illegible] حیوانی زندگی کا [illegible] فطرت ہے، جو میں نہیں

کروں گا۔ میں اس دنیا میں پیدا ہو چکا ہوں، میرا ایک جسم ہے، جسمانی تقاضوں میں جنسی آسودگی بھی ہے۔ مجھے حسیاتی زندگی کے اس تجربے سے بھی گزرنا ہے جو نقطۂ عروج ہوگا۔ مجھے اپنے لطیف وجود کا احساس بھی ہے جس میں میری زندگی ہے۔ تم میری زندگی جو روح حسن فطرت ہو، میری آتم شدھا ہو، میری روح بہار ہو . . . مجھے تمھارے لیے، تمھاری محبت کے لیے تشنگی منظور ہے۔ اس کے باوجود کہ تم میرے ساتھ ہو، میں تمھیں حسن فطرت کے ہر منظر میں بھی محسوس کرلیا کروں گا۔ نہ سہی . . . محبت نہ سہی . . . میں کسی ایسی لڑکی کو زندگی کی حسیاتی زندگی کی ساتھی بنا لوں گا جسے میں نے کبھی دیکھا نہ ہو۔ میری محبت سے محروم زندگی ثانوی ہی ہوگی۔ میں اس لمحے کی راہ دیکھتا رہوں گا جو مجھے اس مادی زنداں سے رہائی دے گا، جو میرے سب المیوں میں سے آخری المیہ ہوگا۔ میں حسیاتی زندگی کی ساتھی سے محبت کی توقع ہی وابستہ نہ کروں گا۔ اسے کمی نہ ہونے دوں گا۔ اسے آسودہ رکھوں گا، لیکن اس سے کبھی توقع نہ رکھوں گا کہ وہ مجھے، میرے جسمانی وجود سے ماورا، میرے ارفع وجود سے بھی محبت کرے۔"

مجھے آزادی کا احساس ہوا — خواہش کا یہ پہلا تار تھا جو میں نے توڑ کر ہوس کے جال کو تاراج کیا۔ خواہش کا پہلا بال ہے میں نے گچھے سے کاٹ دیا اور مجھے دکھ بھی نہ ہوا۔ مجھے پہلی بار اس حقیقت سے آگاہی ہوئی کہ جہاں خواہشات، پوری نہ ہونے پر، دکھوں کا باعث بن جاتی ہیں، وہاں شعور کا ایک مقام ایسا بھی ہے جہاں پہنچ کر خواہش کی ڈور کاٹ کر بھی دکھ محسوس نہیں ہوتا۔ جہاں کوہ پیما چوٹی پر پہنچنے سے پہلے نہیں بچھتا، بر فشار کا شکار نہیں ہوتا۔ جہاں بالوں کے گچھے سے بال کاٹ کر بھی ہولی خوف، خود غرضی، باعث عقوبت نہیں بنتی۔ جہاں بالوں کے گچھے کے سب بال کٹ جاتے ہیں اور خواہشات کی کالی بلا بے بس ہو جاتی ہے، دکھ بھی نہیں دے پاتی۔ مجھے یوں محسوس ہو جیسے چارپائی پر، چھت چھپا ہے۔ مارِ دوزباں پھنکار رہا ہے جسے میں نے گداؤ کی طرح ایک ہی وار میں چارپائی سے نیچے گرا دیا ہے۔ وہ زخم خوردہ ہو کر، درد کی شدت میں کنڈلی سی بنا رہا ہے، اس کا پھن بار بار کھلتا ہے۔

"ٹھیک ہے، گلنازی کا بدن محمد اکبر خاں لے جائے گا . . . لے جائے . . . اس کی روح جن جن احساسات اور جذبات سے سرشار رہی ہے، وہ تو اب ہمیشہ میرے ساتھ رہیں گے۔"

مارِ دوزباں — ہوس کا مارِ دوزباں — خوف اور خود غرضی کا زہر اپنی تھیلیوں میں بھرے، پھن

Scanned with CamScanner

اٹھانے ہی والا تھا کہ میرے دوسرے وار نے اس کے سر کو کچل دیا۔

''تمھیں ناگ سے لڑنا آ گیا ہے!'' خوبصورت آواز مسکراتی محسوس ہوئی۔ مجھے اپنے پورے بدن میں مسکراہٹ کا خوبصورت احساس ہوا۔

''میری زندگی نے مجھے آزادی کی راہ پر لا کر ہمیشہ میرا ساتھ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ مجھے ہر اذیت، ہر عقوبت اور اس دنیا میں محبت کی ہر تشنگی قبول ہے۔ گلنازی کا بدن جاتا ہے تو جائے، مجھے کوئی دکھ نہیں ہے۔''

60

اگلی صبح میں ناشتے کے بعد باہر نکلنے کے لیے بیرونی دروازے تک پہنچا ہی تھا کہ گنگناہٹ سی سنائی دی۔

''کن من کن من کنیاں آئیاں، ہڑ دے داغ دلاں دے۔''

(دھیمی دھیمی پھوار پڑ رہی ہے، دلوں کے داغ تو جلتے ہی رہیں گے)

گداؤ صحن میں لکڑیاں چیرتے ہوئے گنگنا رہا تھا۔ سرگودھا کے علاقے کا یہ لوک گیت، بڑی بے حد اداس دھن سے ہر سننے والے کو اداس کر دیتا ہے۔ گداؤ کو شاید اپنی شانی یاد آ رہی تھی۔ وہ ہر شے سے بے نیاز، اپنی ہی لگن میں گنگنائے جا رہا تھا۔ آسمان پر اب بھی چھدرے چھدرے بادل ادھر اُدھر نظر آ رہے تھے۔ مشرقی افق سفید بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ ہوا کے دھیمے جھونکوں میں خنکی کا احساس زیادہ تھا۔ سورج کی کرنیں بادلوں کا پردہ سرک جانے پر، کہیں کہیں، بادلوں کے کناروں کو چمکاتی ہوئی پھیل رہی تھیں۔ بیرونی دروازے سے نکلتے ہی مجھے بشیر نعل بند کے ہتھوڑے کی ٹھکا ٹھک ٹھم ٹھم سنائی دی۔ میں میدان میں جانے کے لیے کچی سڑک پار کرنے ہی لگا تھا کہ بشیر نے ہانک لگائی۔

''او پلی... '' اس کا اٹھا ہوا ہتھوڑا ہوا ہی میں رک گیا۔ ''آ جا... آ جا... اوادھر تو کوئی بات سننے والا ہے نہ کہنے والا... آ جا''

''نہیں شام کو،'' میں نے کہا۔ ''یہ کام کا وقت ہے۔''

بشیر نے زوردار قہقہہ لگایا۔

''او تینوں میریاں سب گلاں یاد نیں'' (او تجھے میری سب باتیں یاد ہیں!)

''میں میر صاحب کی طرف جا رہا ہوں،'' میں نے کہا۔

''جا، مو...'' بشیر نے کہا۔ ''میں نے تمہیں [illegible]

[illegible] لیکن تو جا...''

میں [illegible] دروازہ [illegible] گلی میں داخل ہوا۔ [illegible]

[illegible] ایک [illegible]

[illegible] ایک [illegible] میر صاحب [illegible]

[illegible] میر صاحب نے [illegible] اور [illegible]

''آپ [illegible]'' میر صاحب نے اپنے سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''[illegible]'' میر صاحب نے [illegible]

''[illegible] استعمال [illegible]

[illegible] ایک بھی بند ہوئی تو [illegible]

بچھڑ کر جئیں گے۔''

وہ [illegible] تھوڑا پریشان سا تھا۔

''[illegible] صاحب،'' اس نے کہا۔ [illegible]

نے سر پہ پڑکا ہاتھوں سے درست کیا۔

''میں آپ [illegible] رہا ہوں،'' میر صاحب نے کہا۔ [illegible]

گولی۔ پانی کے ساتھ۔ پانی ٹھنڈا نہ ہو۔''

[illegible] کے جانے کے بعد میر صاحب میری سمت متوجہ ہوئے۔

''ہم نے آپ کو بہت یاد کیا،'' میر صاحب نے کہا اور [illegible]

[illegible] میری سمت جھکے۔ [illegible] آپ کا [illegible] ہے؟''

''نہیں سر،'' میں نے جواب دیا۔

[illegible]

[illegible] تو لوگوں کے ذہنوں میں سوال [illegible]

[illegible]

[illegible] صاحب [illegible] لیکن [illegible] حالت میں اس کے [illegible]

[illegible]

میر صاحب کا سر جھٹکے سے اوپر اٹھا۔ خلافِ توقع ان کے ہونٹوں پر تبسم ابھرا۔

"صاحبزادے،" انھوں نے کہا، "ہمیں کیا خطرہ ہوگا؟ ہم تو اپنے بالوں کا گچھا کب کا نذر چڑھا چکے ہیں۔ رہ باقی سر کا مونڈن... تو وہ ہم برسوں پہلے لاہور ریلوے سٹیشن کے پلیٹ فارم پر پہلے ہی سے کرا چکے ہیں۔"

میر صاحب کے لہجے میں تلخی ابھری۔

"میں معافی چاہتا ہوں سر،" میں نے کہا، "مجھے یہ سوال نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"ارے نہیں!" میر صاحب نے کہا، "معافی کس بات کی۔"

ایک بوڑھا مریض ڈسپنسری میں آیا۔ میں نے میر صاحب کی طرف دیکھا۔

"سر، میں جاؤں؟" میں نے آہستہ سے کہا۔

"اچھا۔" میر صاحب نے میری جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ "کتنے دنوں کے لیے آئے ہیں؟"

گیارہ،" میں نے جواب دیا۔

اوہو!" میر صاحب نے مریض کو سٹول پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ "ملاقات تو رہے گی۔" میر صاحب کا لہجہ خوشگوار ہو گیا۔ وہ مریض کے ساتھ مصروف ہو گئے۔

میں ڈسپنسری سے نکلا۔ میر صاحب سے غلط قسم کا سوال پوچھنے پر مجھے ندامت سی ہو رہی تھی۔ بھائی کے گھر کے قریب پہنچ کر میں نے کچی سڑک سے اس جانب دیکھا جدھر ماسی جیراں کا تنور ہے۔ پھر میں چوڑی گلی میں آیا۔ بیرونی دروازہ کھولتے ہی مجھے برآمدے کے سامنے بوبا نظر آیا۔ وہ دوڑ کر آیا اور میری ٹانگوں سے لپٹ گیا۔ چھپر کے نیچے بندھے ٹائیگر نے بھاؤں کی اور دم ہلانے لگا۔ میں بوبے سے بات کرنے ہی لگا تھا کہ چق اٹھی۔

بدن اور سر کو اونی شال میں لپیٹے ایک دبلی پتلی لڑکی باہر آئی — گلنازی...

اس کے سارے کپڑے سفید تھے۔ شال بھی سفید تھی۔ کانوں میں جھمکے نہیں تھے، گلے میں ہار نہیں تھا، کلائیوں میں چوڑیاں نہیں تھیں، یہاں تک کہ انگلی میں انگوٹھی بھی نہیں تھی۔ وہ نکاح کی سب چیزیں اتار رکھ آئی تھی۔ مجھے دیکھ کر ٹھٹکی، دائیں ہاتھ سے شال کا کونا پکڑ کر ہونٹوں پر رکھا۔ وہ حیرت زدہ

تھی۔ اس کی نظریں میرے چہرے پر تھیں، جہاں رخساروں پر ہڈیاں نمایاں تھیں۔ وہ بہت کمزوری دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے دبلے بدن پر اونی سفید شال کمبل کی طرح نظر آ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں نے پل بھر ہی میں حیرت زدگی بھی گنوا دی۔ وہ خالی خالی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نہ مسکراہٹ تھی نہ چمک۔ اس کی گلابی رنگت معدوم ہو چکی تھی۔ اس کا چہرہ سفید برف جیسا ہو چکا تھا۔ اس کے رخساروں پر بھی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے عاری تھا۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے پورے بدن میں تپش سی نمودار ہوئی ہے۔ سرد ہوا کے جھونکوں کا احساس مٹ گیا۔ پھر میرے سب احساسات، سب جذبات پورے بدن پر ظاہر ہونا شروع ہو گئے... گلنازی میرے قریب آئی۔

''ماں نے میرا نکاح کر دیا ہے... کیا کرتی میں...؟''

گلنازی نے خود پر گزرے ہوئے ہجر کے ہر پل کی اذیت، بے بسی کی عقوبت میں بیتے ہوئے ہر لمحے اور روز و شب کی گریہ وزاری کو چند لفظوں میں بیان کر دیا۔ اس کی آواز بھاری اور کھردری سی تھی۔ میں خاموشی سے اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں خشک تھیں، یوں محسوس ہوا کہ وہ اتنا رو چکی ہے کہ اب کوئی آنسو اس کی پلکوں کی سمت نہیں آ سکتا تھا۔ شاید میری طرح اس کی بھی برجل آنکھوں کی برسات اس کے دل پر ہو چکی تھی... مجھ پر وہ کیفیت طاری ہو گئی جو شاید چند مہینے پہلے، میرے جہاوریاں سے جانے پر، لاری اڈے میں گلنازی پر طاری ہوئی تھی۔ میرے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ میری آنکھیں بھی مسکراہٹ سے چمکی ہوں گی۔ میری آنکھیں بھی پرخمار ہو گئی ہوں گی... گلنازی کے ہونٹوں پر لمحے کے لیے مسکراہٹ نمایاں ہوئی اور فوراً ہی مٹ گئی۔

میں نے ٹانگوں سے لپٹے بوبے کو کندھوں سے پکڑ کر خود سے علیحدہ کیا اور اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''تمھارے تو بڑے اچھے بال نکل آئے ہیں،'' میں نے سرگودھا کی زبان اور لہجے میں کہا۔

''ہاں!'' بوبے نے اپنا چھوٹا سا ہاتھ اپنے سر پر پھیرا۔

''سکول جاتے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں آں آں...'' بوبے نے لفظ ہاں کو کھینچا۔ ''اماں چھوڑنے جاتی ہے۔''

Scanned with CamScanner

''شاباش!'' میں نے اپنے دائیں بازو کو اس کے گرد حمائل کیا، اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔
''بہت پڑھنا!'' میں نے کہا۔ ''پڑھ لکھ کر بڑے افسر کی طرح اس گاؤں میں آنا۔''
اچانک بوبے نے بیرونی دروازے کی سمت دیکھا۔ میں نے اس کی نظروں کا اپنی نگاہوں سے تعاقب کیا۔ گلنازی بیرونی دروازے کا پٹ کھول رہی تھی۔ اس نے سر گھما کر میری سمت دیکھا۔ اس کی لہرانے والی زلف شال میں روپوش تھی۔ اس کی آنکھیں اب بجھی بجھی تھیں۔ چہرے پر سفید بدلیاں سی چھائی ہوئی تھیں۔ وہ آہستگی سے چلی گئی۔ ہر سمت اداسی سی پھیل گئی۔ ہوا کے سرد جھونکے بھی اداس تھے۔

مجھ پر ایسی کیفیت طاری ہو گئی جس میں دور، بہت دور چلے جانے کی خواہش ہوتی ہے۔
پھر مجھے اپنے وجود میں دھیمی سی مسکراہٹ محسوس ہوئی۔
میں چونک کر اٹھا— برامدے کی چق پھر اٹھی۔ ماسی جیراں برامدے سے صحن میں آئی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ رک گئی۔ اس کے ہاتھ کی انگلیاں بھی بے اختیار ہونٹوں تک گئیں۔ نہ جانے اندر بھابھی اور بہنوں سے اس کی کیا باتیں ہوئی تھیں، اس کا چہرہ غمزدہ تھا۔ اس نے اداس سی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ قریب آئی اور میرے سر پر ہاتھ رکھا۔ اس کی پلکوں پر دو بڑے بڑے آنسو نمودار ہوئے۔ اس سے پہلے کہ وہ اس کے رخسار پر لڑھک جاتے، وہ تیزی سے بیرونی دروازے کی سمت گئی، اس کا دایاں ہاتھ آنکھوں کی سمت جاتا نظر آیا اور وہ باہر چلی گئی۔
چق تیسری بار اٹھی۔
رقیہ باہر آئی۔ وہ میرے سامنے کھڑی ہو گئی۔ وہ ہمیشہ مجھے دیکھ کر منہ پھیر لیا کرتی تھی، بات بھی کرتی تھی تو مجھے دیکھے بغیر۔
''مجھے خوشی ہوئی کہ بوبے نے سکول جانا شروع کر دیا ہے،'' اس بار بھی میں نے گفتگو کا آغاز کیا۔
''آپ کو بہت یاد کرتا ہے،'' رقیہ نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر اس کے چہرے پر ندامت کی گہری سی کیفیت ابھری۔ ''میں... میں... '' اس کا لہجہ اکھڑ رہا تھا۔ ''میں بہت شرمندہ ہوں، میں نے آپ کو بہت بددعائیں، گالیاں اور دھمکیاں دی تھیں۔''
''کوئی بات نہیں،'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''وہ گالیاں، بددعائیں، دھمکیاں ایک ماں

Scanned with CamScanner

نے دی تھیں جو بہت خوفزدہ تھی۔''

میرے اس جملے سے رقیہ کے چہرے پر سکون سا نمودار ہوا۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں ویر جی، میں بہت ڈر گئی تھی۔'' رقیہ کے ہونٹوں سے اپنے لیے ویر جی کے الفاظ سن کر مجھے صحن میں دھوپ دلکش محسوس ہوئی۔ ''اس بدمعاش کے ملنگوں نے مجھے بہت خوفزدہ کیا ہوا تھا۔'' رقیہ کا لہجہ دھیما ہو گیا۔

''کیا تم اب بھی خوفزدہ ہو؟'' میں نے پوچھا اور رقیہ مسکرائی۔

''مجھے اب کسی کا ڈر نہیں ہے،'' اس نے کہا۔ ''میں بدروحوں اور کالی بلا کا بھید جان چکی ہوں۔''

''کیا تم نے اپنی جاننے والی عورتوں کو بتایا ہے کہ پیر نور شریف دھوکے باز ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''کیسے بتاؤں ویر جی!'' رقیہ نے آہستہ سے کہا۔ ''آپ کی بھر جائی بی بی جی نے منع کر دیا ہے۔ ویسے بھی یہاں کی عورتیں پاگل ہیں، جیسے میں پاگل تھی... پچھلے ہفتے دتے تیلی کی بیوی گاماں کے گھر بیٹا پیدا ہوا ہے... ملنگ نہیں آئے تو وہ خود دیگ رکھوانے میگھا پتن چلی گئی تھی۔''

میں پریشان سا ہو گیا۔

''تم نے اسے روکا نہیں؟ بتایا نہیں کہ پیر نور شریف فریبی ہے، دھوکے باز ہے؟'' میں نے کہا۔

''کیسے روکتی؟'' رقیہ کے چہرے پر بھی پریشانی سی تھی۔ ''کیسے روکوں؟... یہ علاقہ پیر نور شریف کے مریدوں کا ہے۔ ہر مرد کے گلے میں اس کا دیا ہوا تعویذ لٹک رہا ہے۔ عورتیں اس سے پانی دم کرا کے اپنے گھروں میں اونچی جگہ پر رکھتی ہیں۔ ہر طرف پیر کی دہشت ہے... کس سے کہوں، کیسے روکوں؟'' رقیہ کی آنکھوں میں پریشانی کے ساتھ ساتھ بے بسی کی کیفیت بھی نمایاں ہو گئی۔ ''کیا کروں میں... ایک اکیلی... کمزور عورت...''

❀❀

Scanned with CamScanner

۲۷

قیمت

425 روپے

آج کی کتابیں

۳۱۶ مدینہ سٹی مال، عبداللہ ہارون روڈ،
صدر، کراچی ۷۴۴۰۰

Scanned with CamScanner